بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

فتاوی دار العلوم زکریا

جلد چہارم

کتاب الطلاق ، کتاب الأیمان و النذر
کتاب الحدود و القصاص، کتاب الوقف

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتمِ دار العلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت عفی عنہ

معین دار الافتاء دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست

فہرستِ کتب وابواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فہرستِ عنوانات﴾

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ چہارم

کتاب الطلاق

باب ﴿۱﴾

طلاق واقع ہونے نہ ہونے کا بیان

باب......﴿۲﴾

صریح الفاظ سے طلاق دینے کا بیان

باب......﴿۴﴾

کنایاتِ طلاق کا بیان

باب......﴿۵﴾

طلاق بالکتابت کا بیان

باب ……﴿۶﴾

تفویض، توکیل اور تعلیقِ طلاق کا بیان

باب ...... ﴿۷﴾

سکران، مجنون اور مکرَہ کی طلاق کا بیان

باب ...... ﴿۸، ۹، ۱۰﴾

ظہار، ایلاء اور خلع کا بیان

باب ......﴿۹﴾

ایلاء کا بیان

باب ......﴿۱۰﴾

خلع کا بیان

باب ......﴿۱۱﴾

فسخ وتفریق کا بیان

فصل دوم

فسخ وتفریق کے بنیادی اصول کا بیان

باب ...... ﴿۱۲﴾

عدت کا بیان

عدت گزارنے کے احکام

فصل دوم

سوگ منانے کا بیان

باب......﴿١٣﴾

ثبوتِ نسب کا بیان

باب ......﴿۱۴﴾

حضانت کا بیان

باب ...... ﴿۱۵﴾

نفقہ اور سکنی کا بیان

کتاب الأیمان والنذور

باب ...... ﴿۱﴾

ایمان کا بیان

باب ......﴿۲﴾

نذر کا بیان

باب......(۳)

کفارۂ یمین کا بیان

کتاب الحدود والقصاص

باب……﴿۱﴾

رجم وغیرہ کے احکام کا بیان

باب......﴿۲﴾

تعزیرات کا بیان

باب......﴿۳﴾

احکام الضمان

كتاب الوقف

باب......﴿۱﴾

مطلق وقف کا بیان

باب……﴿۲﴾

ما یتعلق بالمساجد

فصل اول

احکامِ مساجد کا بیان

فصل دوم

آدابِ مساجد کا بیان

باب......﴿۳﴾

ما یتعلق بالمدارس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ رب ذوالجلال کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم ناچیزوں کو اس کارِ خیر کی توفیق عطا فرمائی۔

نیز تخصص کے جن طلبہ نے حوالوں کی فراہمی میں محنت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک عمل کا اجر عطا فرمائے اور اس محنت کو ان کے علم وعمل میں ترقی کا ذریعہ بنادے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ محنت ان کی علمی عمارت کے لیے خشتِ اول بنے گی۔

محترم مفتی محمد الیاس صاحب بھی لائقِ تشکر ہے جن کی مسلسل جدوجہد سے یہ محنت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی، اور قارئین وناظرین اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

بعض علماء نے کتاب الزکوۃ کے ایک مسئلہ کی دوبارہ تحقیق کی طرف توجہ دلائی، ہم نے فتاویٰ (۱۰۳/۳) میں لکھا تھا کہ ۹/ کیرٹ سونے میں احتیاطاً زکوۃ دیں، کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ اس میں غالب دوسری دھات ہے اور اس میں سے سونا بآسانی الگ نہیں ہوسکتا، اور فقہی عبارات کے علاوہ بہشتی زیور وغیرہ کا صاف حوالہ بھی موجود تھا، اس سلسلہ میں فقہاء کی عبارات یہ ہیں:

لكن في المحيط والبدائع الدنانير الغالب عليها الذهب كالمحمودية حكمها حكم الذهب والغالب عليها الفضة كالهروية والمروية إن كانت ثمناً رائجاً أوللتجارة تعتبر قيمتها وإلا يعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً لأن كل واحد منها يخلص بالإذابة.

(فتاوى الشامي:۲/۲ ۳۰، سعيد، وهكذا في البدائع:۲/۱ ۴۱، وكشف الحقائق شرح كنز الدقائق:۱/ ۱۰۶).

قال العيني: يريد به إذاكانت الفضة لاتخلص بالناروإن كان شيء يخلص منها لايكون حكمها حكم العروض بل يجمع ما فيها من الفضة ويضمه إلى ما عنده من ذهب أوفضة أو مال تجارة ويزكي الكل. (البناية شرح الهداية للعلامة العينى:۲/ ۱۲۰۵).

یہ مضمون شرح تحفۃ الملوک میں بھی (۱۰۸۵) پر مذکور ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

وإنما تكون نفي حكم العروض إذاكانت بحال لوأحرقت لايخلص منهانصاب أماإذا كان يخلص منها نصاب وجب زكاة الخالص. (الجوهرة النيرة:۱/ ۱۵۸).

یہ مضمون فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔لیکن ہمیں یہ معلوم ہوا کہ آج کل کے ۹/ کیرٹ سونے کے زیورات میں عام آگ سے سونا اورغیر سونا الگ نہیں ہوتا، بلکہ غیر سونا جل جاتا ہے،اس لیے ہماری معروف آگ سے چار پانچ گونہ قوی آگ چاہئے یعنی چارسوڈگری آگ ہونا چاہئے اورصرف گلانا کافی نہیں بلکہ اس میں ایسڈ (تیزاب) نامی ایک کیمیکل ڈالنی پڑتی ہے جس پر بہت خرچ ہوتا ہے، عام طور پر ۹، کیرٹ میں سونا مغلوب ہوتا ہے، پھر چاندی اس میں کبھی کبھی ۴/ فیصد اور کبھی دس فیصد کبھی ۲۰/ فیصد ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کودیکھتے ہوئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس میں جتنا سونا چاندی ہے اگر وہ بقدرِنصاب ہے یا قدرِنصاب سے کم ہے لیکن مالک کے پاس دوسرا سونا چاندی یا رینڈیا روپے ہیں، جوحدِنصاب کوپہونچتے ہیں تو مالک کواس کی زکوۃ دینی چاہئے ،اوراگر یہ زیورات تجارت کے لیے ہوں تو پھر ۹/ کیرٹ کے تمام زیورات پر زکوۃ دینا چاہئے کیونکہ مالِ تجارت پر زکوۃ لازم ہے،اور یہ پورے زیورات مالِ تجارت بن گئے۔

فتاوی رحیمیہ میں مذکور ہے:

امدادالفتاوی میں ہے:الجواب: ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دوصورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اورگلا کرنہ ملائی گئی ہواس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب وفضہ کی مقدار میں تو ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے ،اورغیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً بیع صرف وزکوۃ صرف مقدارِ ذہب وفضہ میں معتبر ہوگی مجموعہ میں نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام ذہب وفضہ کیا جائیگا، اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے، اس میں جس قدر ذہب وفضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے نہ اس پر زکوۃ ہوگی اور نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے۔ امداد الفتاوی:۲/۶۔ (فتاوی رحیمیہ:۷/۱۵۶)۔

گلا کر متمیز ہونے کی عبارت حضرت تھانویؒ اور مفتی عبدالرحیم صاحبؒ کی نظر سے گزری ہوگی، لیکن گلا کر متمیز کرنا عام طور پر پہلے زمانہ میں نہیں ہوسکتا تھا اس لیے ان حضرات نے غالب کا اعتبار کرلیا، ہاں شامی نے بعض خاص اقسام کا ذکر کیا ہوگا جس میں بآسانی گلانے سے سونا غیر سونے سے الگ ہوسکتا ہو۔

فتاوی دار العلوم دیو بند مکمل ومدلل میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے جس میں غالب سونا یعنی نصف سے زائد سونا ہو وہ سونے کے حکم میں ہے، اور مثل خاص سونے کے اس میں زکوۃ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند مکمل ومدلل:۶/۱۱۵)۔

بہر حال اگر گلانے سے سونا اور دوسری دھاتیں بآسانی الگ ہوسکتی ہیں تو پھر سونے میں زکوۃ لازم ہے ورنہ احتیاطاً زکوۃ دیدیں۔

بطورِ التماس واعتذار عرض ہے کہ قارئین کو جو خطائیں اور لغزشیں نظر آئیں، برائے کرم ہمیں مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ طباعتوں میں یا آئندہ جلدوں میں ان کی تصحیح کرسکیں۔

اس میں جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں ہم ان پر اللہ تعالی سے معافی کے خواستگار ہیں۔

کتبہ:

(حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب، ادام اللہ فیوضہم)

دار الافتاء، دار العلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ:۹/شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ۔

مطابق:۲۱/ جولائی ۲۰۱۰ء۔

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔جن سے اربابِ علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ،فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے،جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے،حضرت مفتی صاحب ایک باکمال،جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ،علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے،اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل،عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد،کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار،کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا،جس کے لئے ہر مذہب کے علماء،محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے،بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے،اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے،کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائع ہوجائے۔(ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ''البینات'' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندو پاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم و تحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دار العلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادرِ علمی سے ایک بڑے استاذ و مفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دار العلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبد الباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدر دانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ''بینات'' رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اوران کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۸۳، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھارہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۱ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۳۹۶ ہے، مقامی ان میں سے ۲۹۷، اور دیگر ۵۵ ممالک کے تقریباً ۳۸۲ طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادي العربي'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادي العربي'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام ومنتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُ با بنتی گئی۔ان میں سے:
حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیو بند۔حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ۔بھائی پاڈیا صاحبؒ۔حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب۔حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔شیخ شریم۔شیخ صالح بن حمید۔شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔شیخ سبیل۔شیخ صلاح بدیر۔شیخ محمد علی صابونی۔حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔حضرت مولانا سید رابع صاحب۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔حضرت مولانا سلمان صاحب۔حضرت حکیم اختر صاحب۔حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔حضرت مولانا یونس صاحب پونیؒ۔حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔حضرت مولانا سالم صاحب۔حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیثؒ۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔

راقم السطور:
بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ
معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا لینیشیا،جنوبی افریقہ
مؤرخہ:۱۰/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق:۱۴/جولائی ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

یایہا النبي إذا طلقتم النساء فطلقوہن لعدتہن،

...واتقوا اللّٰہ ربکم﴾.

(سورة الطلاق:الآية: ۱).

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

”أبغض الحلال إلی اللّٰہ الطلاق“

(رواہ ابن ماجہ)

کتاب الطلاق

باب......﴿۱﴾

طلاق واقع ہونے نہ ہونے کا بیان

باب......﴿۱﴾

طلاق واقع ہونے نہ ہونے کا بیان

جھوٹا اقرار کرنے اور اس پر گواہ پیش کرنے سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مصلحت کی وجہ سے طلاق کا جھوٹا اقرار کرلیا کہ میں نے بیوی کو طلاق دی ہے اور اس اقرار پر گواہ پیش کردیے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جھوٹے اقرار سے دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر گواہی سے ثابت کردیا کہ میں نے جھوٹا اقرار کیا تھا تو قضاءً بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

لو أقر بالطلاق هازلاً أو كاذباً، فقال في البحر: إن مراده لعدم الوقوع في المشبه به عدمه ديانةً، ثم نقل عن البزازية والقنية لو أراد به الخبرعن الماضي كذباً لا يقع ديانةً، وإن أشهد قبل ذلک لا يقع قضاءً أيضاً. (فتاوى الشامي:۳/۲۳۷،كتاب الطلاق،سعيد).

طحطاوی میں ہے:

الإقرار بالطلاق كاذباً يقع به قضاءً لا ديانةً. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۲/۱۱۳،باب الصريح،كوئته).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الصغرى : في أمالي أبي يوسفؒ : اذا قال لها : قد طلقتک ، أوقال لها : أنت طالق، وأراد الخبر عما مضى كذباً ، وسعه فيما بينه وبين الله تعالىٰ أن يمسكها. (الفتاوى التاتارخانية:۳/ ۲٦۱،الفصل الرابع فيمايرجع الى صريح الطلاق،ادارة القرآن).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جب شوہر نے محض دفع الوقتی کے لیے طلاق کا اقرار کرلیا اور حقیقۃً عدالت میں طلاق نہیں دی تھی تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ:۱۲/ ۲۲۷،مبوب ومرتب).

نیز دوسری جگہ مرقوم ہے:

اگر مخاطب کے سامنے جھوٹی خبر دینا تھا اور جھوٹ کا اقرار کرنا تھا تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ طلاق نہیں ہوگی، اگر پہلے سے اس پر گواہ بنالیا تھا کہ میں جھوٹا اقرار کروں گا تو قضاء بھی نہیں ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ:۱۲/ ۲۲۴،مبوب ومرتب).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

از اخبار کاذب دیانۃً طلاق واقع نمی شود واگر قبل از اخبار کاذب بینہ قائم کردہ باشد اصلاً طلاق واقع نہ شود نہ قضاء نہ دیانۃً واگر مقصود شوہر اخبار نیست بلکہ مقصود انشاء طلاق است فی الحال طلاق واقع می شود۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: جلد دوم ص ۵۰۰). واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی مصلحت سے بلانیت طلاق کہہ دینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی مصلحت کی وجہ سے بغیر نیتِ طلاق کے اپنی بیوی کو طلاق کہہ دے یا لکھ دے، لیکن مقصود طلاق دینا نہ ہو بلکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے صریح لفظ کے ساتھ زبانی کہنے یا لکھ دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، پھر نیت وارادہ کی ضرورت نہیں ہے، چاہے کسی مصلحت کے پیش نظر کہا ہو یا لکھا ہو۔

ملاحظہ فرمائیں ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ثلاث جدهن جد و هزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة، هذا حديث حسن غريب. (رواه الترمذي:۱/ ۲۲۵،باب ماجاء في الجدو الهزل في الطلاق).

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه أي غالباً كما يفيد كلام البحر، وعرفه في التحرير بما يثبت حكمه الشرعي بلا نية، وأراد بما اللفظ أوما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة...لأن ركن الطلاق اللفظ أومايقوم مقامه مماذكر، قوله ولوبالفارسية فما لايستعمل فيها إلا في الطلاق فهو صريح يقع بلا نية. (فتاوى الشامي:۳/ ۲٤۷،باب الصريح، سعيد) .

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

طلاق صریح کا حکم یہ ہے کہ نیت کے بغیر بھی اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔(مجموعہ قوانین اسلامی:ص ۱۳۸، دفعہ ۱۵، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، زیر نگرانی حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ)۔

مزید ملاحظہ ہو:(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/ ۳۳۴،مبوب ومرتب)۔واللہ ﷻ اعلم۔

آئندہ طلاق دینے کے ارادہ سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ اس طرح کہا تھا کہ(I want to give you talaq) یعنی میں تجھے طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، جب ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا کہا تھا تو شوہر نے کہا مجھے نہیں معلوم میں نے کیا کہا تھا، شریعت کی نگاہ میں کیا حکم ہوگا؟ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے باب میں خالص استقبال کے الفاظ سے طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی، نیز جب شوہر کو یاد نہیں کہ اس نے کیا کہا تھا، اور بیوی کہتی ہے کہ اس نے صرف ارادۂ طلاق کا اظہار کیا تھا، تو اس صورت میں بھی عورت کی بات مانی جائے گی اور

طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

صیغة المضارع لا یقع بها الطلاق إلا إذا غلب فی الحال کما صرح به الکمال ابن الهمام . (تنقیح الفتاوی الحامدیة:۱/۳۸،کتاب الطلاق،دارالاشاعة العربیة).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قالت لزوجها: من با تونمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو است مرا طلاق کن، فقال الزوج : طلاق مي کنم طلاق مي کنم وکرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً بخلاف قوله کنم لأنه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک، وفی المحیط:لوقال بالعربیة: أطلق، لا یکون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال فیکون طلاقاً. (الفتاوی الهندیة:۱/۳۸٤،باب الطلاق بألفاظ الفارسیة) .

مزید ملاحظہ فرمائیں:(احسن الفتاوی:۵/۱۴۸۔وفتاوی محمودیہ:۱۲/۲۴۷،مبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

صیغۂ حال سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے جھگڑے میں اپنی بیوی سے کہا میں تم کو طلاق دیتا ہوں، تین بار کہا، طلاق دی، نہیں کہا، اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر اس میں مستقبل کی دھمکی کی نیت کرے تو یہ قابل قبول ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ صیغۂ حال ’’یعنی طلاق دیتا ہوں‘‘ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، البتہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ لفظ دیتا ہوں اس نیت سے کہا تھا کہ میں نے طلاق دی تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظ پڑگئی، (یعنی جب اس کے ساتھ تین کا لفظ ہو) لیکن اگر وہ کہے کہ طلاق دیتا ہوں سے مراد یہ تھی کہ طلاق دینے کا ارادہ ہے تو طلاق نہ ہوگی۔(کفایت المفتی:۶/۷۹،۸۰).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

وکذا المضارع إذا غلب فی الحال مثل أطلقک کما فی البحر. (فتاوی

الشامی:۳/۲٤۸، سعید،و البحر الرائق:۳/۲۵۲، کوئٹه).

فتح القدیر میں ہے:

ولایقع بأطلقک إلا إذا غلب في الحال. (فتح القدیر:٤/۷، دارالفکر).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قالت: لزوجها : من با تونمی باشم ، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو است، مرا طلاق کن، فقال الزوج: طلاق می کنم، طلاق می کنم، وکرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف کنم، لأنه استقبال. (الفتاوی الهندیة:۱/۳۸٤).

احسن الفتاوی میں ہے:

لفظ طلاق دیتا ہوں حال کے لیے موضوع ہے لہذا اس سے طلاق واقع ہوگئی اگر چہ یہ جملہ مستقبل قریب کے لیے بھی گاہے گاہے استعمال ہوتا ہے...الخ.(احسن الفتاوی:۵/۱۵۳).

مزید ملاحظہ ہو: (تنقیح الفتاوی الحامدیة:۱/۳۸). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

بحالتِ حمل طلاق دینے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی کو حالتِ حمل میں طلاق دی تو واقع ہوئی یا نہیں؟ اور مکروہ ہوگی یا مباح؟

الجواب: طلاق جس حالت میں بھی دی جائے واقع ہوجاتی ہے، البتہ حالت حیض میں بدعت اور نامناسب ہے، اور حالت حمل میں احسن ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی ہندیہ میں ہے:

الأحسن أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهرها لم يجامعها فيه ثم يتركها حتى تنقضي عدتها أو كانت حاملاً قد استبان حملها. (الفتاوی الهندیة:۱/۳٤۸، کتاب الطلاق،الباب الاول).

نیز مذکور ہے:

والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳٤۹، كتاب الطلاق، الباب الاول).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: عورت کو حمل کی حالت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جی ہاں! حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ ﴿**و أولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن**﴾. سورۂ طلاق۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/ ۲۵۷، مبوب ومرتب، دار الاشاعت).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: جلد دوم: ص ۴۹۸، دار الاشاعت). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بغیر نسبت طلاق دینے سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کا اس کی بیوی کے بھائیوں کے ساتھ جھگڑا تھا، اور جھگڑے کا سبب بیوی تھی، اس نے یہ الفاظ کہے ''مجھ پر تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے'' اپنی بیوی کا نام یا اس کی طرف نسبت نہیں کی تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب بیوی کے حق میں یہ الفاظ ''مجھ پر تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے'' کہدئے تو طلاق واقع ہوگئی، اس لیے کہ طلاق بیوی ہی کو دی جاتی ہے کسی اور کو نہیں دی جاتی، تاہم اگر شوہر قسم کھا کر کہدے کہ میری مراد بیوی نہیں تھی تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

قيد بخطابها لأنه لو قال: إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها. وفي رد المحتار: والمفهوم من تعليل الشارح تبعاً للبحر عدم الوقوع أصلاً لفقد شرط الإضافة، مع أنه لو أراد طلاقها تكون الإضافة موجودة و يكون المعنى فإني حلفت بالطلاق منك أو بطلاقك، ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه، لما في البحر لو قال: طالق فقيل له من عنيت؟ فقال: امرأتي

طلقت امرأته. (الدر المختار مع رد المحتار:۳/ ۲٤۸،باب الصريح،سعيد) .

فتاوی دار العلوم دیو بند میں ہے:

وقوعِ طلاق کے لیے اضافتِ صریحہ کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیو بند: جلد دوم: ص ۵۰۴).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کا ایک رسالہ بعنوان ''حکم الانصاف فی الطلاق الغیر المضاف'' نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دار العلوم دیو بند: جلد دوم: ص ۵۰۵۔۵۱۰، دار الاشاعت).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جب بیوی کے حق میں شوہر لفظ طلاق کہتا ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگر چہ جملہ تامہ (میں نے تجھ کو طلاق دی) نہ کہا ہو، مگر مطلب اس کا یہی ہوتا ہے، تاہم اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور لفظ یہ بیوی کے حق میں نہیں کہا تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۲/ ۲۷۴، مبوب و مرتب).

کفایت المفتی میں ہے:

زید کے ان الفاظ میں جو سوال میں مذکور ہیں لفظ طلاق تو صریح ہے لیکن اضافت الی الزوجہ صریح نہیں ہے، اس لیے اگر زید قسم کھا کر یہ کہدے کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو اس کے قول اور قسم کا اعتبار کر لیا جائے گا، اور طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (کفایت المفتی: ۶/ ۵۴، دار الاشاعت).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ: ۸/ ۲۷۵، مبوب و مرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

''سمجھ لینا کہ طلاق ہے'' کو طلاق مت سمجھو:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو جھگڑے کے وقت یہ الفاظ کہے ''تو چلی جا اور سمجھ لینا کہ طلاق ہے'' ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کا یہ کہنا کہ ''تو چلی جا اور سمجھ لینا کہ طلاق ہے'' ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده ، فقال الزوج : داده انگار أو کرده انگار، لایقع وإن نوى ولو قال لها بعد ماطلبت الطلاق. (الفتاوی الهندیة:۱/ ۳۸۰،باب الطلاق بالفاظ الفارسیة).

یعنی کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے طلاق دیدو،تو شوہر نے کہادی ہوئی سمجھ لے،یا کی ہوئی سمجھ لے،توان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی،اگرچہ شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہو،اوراگرچہ عورت کے طلاق کا مطالبہ کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے ہوں۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده ... ولو قال الزوج داده انگار أو کرده انگار لایقع الطلاق وإن نوى کأنه قال بالعربیة : احسبي أنک طالق، وإن قال ذلک لایقع وإن نوى.

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/ ۴۵۷،کتاب الطلاق) .

مزید ملاحظہ ہو:(خیرالفتاوی:۵/۱۴۸،مکتبہ امدادیہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

ڈرامہ میں حکایۃً طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگرشوہر بیوی نے کسی ڈرامہ میں کام کیااوراس میں کسی کہانی کے ضمن میں شوہر نے بیوی کو طلاق دی،تو یہ طلاق واقع ہوئی یانہیں؟ مثلاً لیلیٰ مجنون کی کہانی پیش کی ،اورشوہر بیوی نے لیلیٰ مجنون کا کردارادا کیا۔

الجواب: حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی ، کیونکہ یہ طلاق حکایت اورنقل کے طور پر ہے، گویا مجنون نے لیلیٰ کوطلاق دی یافرہاد نے شیرین کوطلاق دی، جو فرضی واقعہ کی تصویر ہے یہ انشاء طلاق نہیں، دوسروں سے حکایت اورنقل ہے، جیسے صاحبِ مقامات نے ابوزید سروجی اورحارث بن ہمام کی حکایات کوفرضی طور پرنقل فرمایا،اس لیے صاحبِ مقامات پرجھوٹ کا گناہ بھی نہیں، کیونکہ فرضی حکایات کسی امرواقع کی غلط خبرنہیں۔

ملاحظہ فرمائیں الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

يشترط بالاتفاق القصد في الطلاق وهو إرادة التلفظ به ولولم ينوه فلا يقع طلاق فقيه يكرره ولاطلاق حاكٍ عن نفسه أوغيره لأنه لم يقصد معناه ، بل قصد التعليم والحكاية . (الفقه الاسلامی وادلته:۷/۳۶۸،شروط الطلاق،دار الفکر) .

فتح القدیر میں ہے:

لوكرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته ويقول: أنت طالق ولاينوي طلاقاً لاتطلق. (فتح القدير:٤/٤،باب ایقاع الطلاق،دار الفکر).

مزید ملاحظہ فرمائیں:(الاشباہ والنظائر:۱/۹۱۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۲۸۴،مدلل ومکمل۔وفتاوی محمودیہ:۱۲/۲۴۹، مبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

لفظ ’’طاق‘‘ سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تم کو طاق ہے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ لفظ ’’طاق‘‘ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

وان حذف اللام فقط فقال : أنت طاق لايقع وان نوى. (الفتاوى الهندية:١/٣٥٧،باب فى ايقاع الطلاق۔ وكذا فى البحر الرائق:٣/٢٥٥،كتاب الطلاق،كوئته).

احسن الفتاوی میں ہے: لفظ ’’تاک‘‘ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔(احسن الفتاوی:۵/۱۹۷۔وفتاوی محمودیہ:۱۲/۳۲۸،مبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

اخرس کی طلاق کا حکم:

سوال: اخرس کی طلاق کس طرح واقع ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اخرس (گونگا) اگر لکھ کر طلاق دے یا طلاق نامہ کا مضمون معلوم ہوجانے

کے بعد اس پر دستخط کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر لکھنا نہ جانتا ہو تو اس کے مخصوص اشاروں (جن کو اس کے قریب کے لوگ جانتے اور سمجھتے ہوں) سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، اشاروں کے ذریعہ ہی عدد طلاق متعین ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

(ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل) ... (ولوعبداً أومکرهاً) ...(أوأخرس) واستحسن الکمال اشتراط کتابته (بإشارته) المعهودة فإنها تکون کعبارة الناطق استحساناً .وفی الشامیة : قوله واستحسن الکمال اشتراط کتابته حیث قال: وقال بعض الشافعیة:إن کان یحسن الکتابة لایقع طلاقه بالإشارة لاندفاع الضرورة بما هوأدل علی المراد من الإشارة، وهو قول حسن، وبه قال بعض مشایخنا، قلت: بل هذا القول تصریح بما هوالمفهوم من ظاهرالروایة، ففی الکافی الحاکم الشهید ما نصه: فإن کان الأخرس لا یکتب وکان له إشارة تعرف في طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهوجائز، وإن کان لم یعرف ذلک منه أو شک فیه فهو باطل، فقد رتب جواز الإشارة علی عجزه عن الکتابة، فیفید أنه إن کان یحسن الکتابة لاتجوز إشارته. (الدرالمختار مع الشامی: ۳/ ۲۴۱، کتاب الطلاق، سعید).

وفي المبسوط للإمام السرخسيؒ :

وإن کان الأخرس لا یکتب وکانت له إشارة تعرف في طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهو جائز استحساناً.(المبسوط :۶/ ۱۴۴،باب طلاق الاخرس،ادارۃ القرآن) .

وفي الطحطاوي علی الدرالمختار: (قوله واستحسن الکمال اشتراط کتابته) قال فی البحر: وقال بعض المشایخ: إن کان یحسن الکتابة لایقع طلاقه بالإشارة لاندفاع الضرورة بما هو أدل علی المراد من الإشارة، قال في فتح القدیر: وهوحسن حلبي، قال فی النهر: والخلاف إنما هو في قصر صحة تصرفاته علی الکتابة. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۲/ ۱۰۸، کتاب الطلاق، کوئٹہ۔ومثلہ فی البحرالرائق:۸/ ۴۷۸،مسائل شتیٰ، کوئٹہ).

مذکورہ بالا عباراتِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخرس کا اشارہ اس وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ کتابت پر قدرت نہ رکھتا ہو اگر کتابت پر قادر ہے تو اشارہ غیر معتبر ہے، اسی کو قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے اختیار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (مجموعہ قوانین اسلامی: ص ۱۳۶، دفعہ ۱۰) .

اس کے برخلاف دیگر بعض کتبِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے لیے عدم قدرت علی الکتابۃ شرط نہیں ہے، یعنی قادر علی الکتابۃ کا اشارہ بھی معتبر ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں ’’ الاشباہ والنظائر ‘‘ میں ہے:

اختلفوا في أن عدم القدرة على الكتابة شرط للعمل بالإشارة أو لا، والمعتمد لا.

(الاشباہ والنظائر: ۱/۳۷۹، احکام الاشارۃ، الفن الثالث الجمع والفرق، المکتبۃ العصریۃ، بیروت۔ ومثلہ فی تبیین الحقائق: ۶/۲۱۹، مسائل شتیٰ، امدادیہ ملتان).

شمس الدین قاضی زادہ آفندی ’’نتائج الافکار‘‘ میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

غاية الأمر أن يكون في المسئلة روايتان ومثل ذلك كثير. (نتائج الافکار تکملۃ فتح القدیر: ۱۰/۵۲۷، مسائل شتیٰ، دار الفکر).

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کتابت کی اہمیت بام عروج پر ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخرس کے لیے نکاح طلاق وغیرہ معاملات میں کتابت کی شرط لگائی جائے، تاکہ خطِ او محفوظ باشد و بوقتِ ضرورت کار آید۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

ٹیلی فون پر طلاق دینے سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ٹیلی فون پر بیوی سے خطاب کرتے ہوئے طلاق دی، بیوی کا بیان ہے کہ الفاظِ طلاق بولنے سے پہلے اس نے فون چھوڑ دیا تھا، اور طلاق نہیں سنی، تو کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق واقع ہوگئی، اس لیے کہ وقوعِ طلاق کے لیے بیوی کا سامنے ہونا اور الفاظِ طلاق سننا ضروری نہیں ہے، اس مسئلہ کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی شخص بیوی کو طلاق کا خط لکھے اور خط اس

کے مکان پر پہونچ جائے، اور وہ گھر پر موجود نہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی شامی میں ہے:

ثم المرسومة لاتخلو اما أن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فانت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق. (فتاوى الشامي:۳/۲٤٦،مطلب في الطلاق بالكتابة،سعيد).

عزیز الفتاوی میں ہے:

سامنے ہونا زوجہ کا وقوع طلاق کے لیے شرط نہیں ہے... الحاصل حاضر ہونا عورت کا بوقتِ طلاق شرط نہیں ہے۔(عزیز الفتاوی: جلد اول:۴۸۸)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

طلاق واقع ہونے کے لیے عورت کا سامنے ہونا یا طلاق کے الفاظ سنانا یا عورت کا نام لے کر طلاق دینا شرط نہیں ہے۔(فتاوی رحیمیہ:۸/۲٦٦،مبوب ومرتب)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بذریعہ ایس ایم ایس (SMS) طلاق دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو فون میں (SMS) کے ذریعہ ایک طلاق دی، ایک ہفتہ کے بعد دوسری طلاق دی (SMS) کے ذریعہ پھر تین سال کے بعد ہم نے یہ طے کرلیا کہ ساتھ رہنا چاہئے، کیا ہمارا نکاح باقی ہے یا نہیں؟ نیز ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایس ایم ای (SMS) کے ذریعہ دی ہوئی دونوں طلاقیں واقع ہوگئیں، اب اگر دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو از سر نو دو گواہوں کے سامنے تجدید نکاح کے بعد ساتھ رہ سکتے ہیں۔ لیکن آئندہ شوہر کو صرف ایک طلاق کا اختیار رہوگا، اگر کسی وقت ایک طلاق دیدیگا تو عورت مغلظہ ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب ؛كان يكتب يافلانة: إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب. وفي الشامية : قوله طلقت بوصول الكتاب أي إليها

ولايحتاج الى النية في المستبين المرسوم ، ولايصدق فى القضاء أنه عنى تجربة الخط ، بحر .

وفيه : وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو ثم المرسومة لاتخلوإما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق ، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن : إذا جاء ک كتابي فأنت طالق فجاء ها الكتاب فقرأ ته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا فى الخلاصة. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۳/۲٤٦،مطلب فی الطلاق بالكتابة،سعيد).

ہدایہ میں ہے:

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها فى العدة وبعد انقضائها لأن حل المحلية باقٍ لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله ومنع الغير فى العدة لاشتباه النسب ولا اشتباه في إطلاقه . (الهداية:۲/۳۹۹،باب الرجعة،فصل فيماتحل به المطلقة) .

البحرالرائق میں ہے:

قوله ويهدم الزوج الثاني مادون الثلاث حتى لوطلقها واحدة وانقضت عدتها وتزوجت بآخر وطلقها وانقضت عدتهامنه ثم تزوجها الأول يملک ثلاثاً إن كانت حرة ... وعند محمدؒ يملک عليها ثنتين فى الحرة وواحدة فى الأمة ومراده إن دخل بها ولو لم يدخل بها لايهدم اتفاقاً كما فى القنية وقد أخذ أبوحنيفةؒ وأبويوسفؒ فيها بقول شبان الصحابة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم كابن عباس رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما وابن عمررضي اللّٰه تعالىٰ عنهما وأخذ محمدؒ بقول الأكابر كعمررضي اللّٰه تعالىٰ عنه وعلي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه وحاصل ما استدلوا به من قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: لعن اللّٰه المحلل له بطريق الدلالة أنه لما كان محللاً فى الغليظة ففى الخفيفة أولىٰ أو بالقياس بجامع كونه زوجاً، ورده المحقق في فتح القديروالتحرير بأن التحليل إنما جعل في حرمتها بالثلاث فلاحرمة قبلها فظهر أن

القول ما قاله محمدؒ وباقي الأئمة الثلاث. (البحرالرائق:٤/٥٨،باب الرجعة،کوئٹه).

مزید ملاحظہ ہو: (الهداية :٢/ ٤٠٠، باب الرجعة). **واللہ ﷻ اعلم۔**

متصلاً اِن شاء اللہ کہنے سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بایں الفاظ طلاق دی: ’’طلاق، طلاق، طلاق ان شاء اللہ‘‘ تو کیا واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کتنی واقع ہوئی؟

الجواب: طلاق دیتے وقت زبان سے متصلاً ان شاء اللہ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

قال العلامة التمرتاشي في تنوير الأبصار: قال لها: أنت طالق إن شاء اللّٰه متصلاً مسموعاً لايقع. (تنويرالابصار:٣/٣٦٦،سعيد).

ہدایہ میں ہے:

وإذا قال لامرأته أنت طالق إن شاء اللّٰه تعالىٰ متصلاً لم يقع الطلاق، لقوله عليه السلام: من حلف بطلاق أوعتاق وقال: إن شاء اللّٰه تعالىٰ متصلاً به لاحنث عليه ولأنه أتى بصورة الشرط فيكون تعليقاً من هذا الوجه وأنه إعدام قبل الشرط والشرط لايعلم ههنا فيكون إعداماً من الأصل ولهذا يشترط أن يكون متصلاً به بمنزلة سائر الشروط. (الهداية: ٢/٣٨٩، فصل في الاستثناء).

مزید ملاحظہ ہو: (امدادالاحکام:۲/۴۱۶۔ وفتاویٰ محمودیہ:۱۳/۱۱۳،مبوب ومرتب). **واللہ ﷻ اعلم۔**

سراً اِن شاء اللہ کہنے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے طلاق اس طرح دی کہ اِن شاء اللہ آہستہ کہا، مثلاً یوں کہا: میں تمام لوگوں کے سامنے طلاق دیتا ہوں اور آہستہ ان شاء اللہ کہا، جس کو کسی نے نہیں سنا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز ایک آدمی کو

تین طلاق دینے پر مجبور کیا گیا کہ اگر طلاق نہیں دوگے تو ماردیئے جاؤگے، اس نے دباؤ میں آکر تین طلاقیں دیں، اور چپکے سے ان شاء اللہ کہا، اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جب کہ یہ ان شاء اللہ کسی نے نہیں سنا، اس نے آہستہ کہا، اور اگر بیوی تسلیم نہ کرے تو کیا حکم ہے؟ دیانۃً وقضاءً کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق کے ساتھ اِن شاء اللہ اس طرح کہا کہ اگر کوئی آدمی اس کے منہ کے ساتھ کان لگا دیتا تو سن لیتا، اور شوہر صالح ومتقی ہے تو اس کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔ نیز اکراہ بھی طلاق دل سے نہ دینے کی دلیل ہے۔

یہ مسئلہ دیانۃً ہے البتہ اگر عورت انکار کردے کہ ان شاء اللہ نہیں کہا، تو شوہر کا قول بغیر بینہ کے قابل قبول نہ ہوگا۔

لیکن اگر صرف دل میں کہا اور زبان سے اس طرح نہیں کہا کہ کان لگانے والا سن لے تو استثناء معتبر نہ ہوگا، اور طلاق واقع ہوجائے گی۔

درمختار میں ہے:

قال لها أنت طالق إن شاء الله متصلاً ... مسموعاً بحيث لو قرب شخص أذنه إلى فيه يسمع . وفي الشامية : (قوله بحيث لو قرب) أشار به إلى أن المراد من المسموع ما شأنه أن يسمع وإن لم يسمعه المنشئ لكثرة أصوات مثلاً. وقوله (مسموعاً) هذا عند الهندواني، وهو الصحيح كما في البدائع ، وعند الكرخي ليس بشرط. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:۳/۳٦۸) .

وفي الشامي عن البحر: والشرط سماعه لا سماعهم على ماعرف في الجامع الصغير. (فتاوى الشامي:۳/۳۷۰،سعيد).

وفي الدر المختار: ويقبل قوله إن ادعاه وأنكرته في ظاهر المروي عن صاحب المذهب وقيل: لا يقبل إلا ببينة وعليه الاعتماد والفتوىٰ احتياطاً لغلبة الفساد ،خانية، وقيل إن عرف بالصلاح فالقول له. وفي الشامي: (قوله ان عرف ...الخ) قائله صاحب الفتح ...

قلت: ولایخفی أن هذا تحقیق للقول الثانی المفتی به لأن المشایخ عللوه بفساد الزمان أی فیکون الزوج متهماً وإذا کان صالحاً تنتفی التهمة فیقبل قوله فلایکون هذا قولاً ثالثاً فتدبر.
(الدر المختار مع فتاوی الشامی:۳/۳۶۹،سعید).

احسن الفتاوی میں ہے:

استثناء میں یہ تفصیل ہے کہ زوجہ پر بینہ ہے، اگر وہ بینہ نہ پیش کرے تو اگر زوج صلاح وتقویٰ میں معروف ہے تو اس کا قول مع الیمین معتبر ہے ورنہ قول زوج بدون بینہ قبول نہ کیا جائیگا۔ (احسن الفتاوی:۵/۱۹۶).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندية: ۶/۳۹۶۔و بدائع الصنائع: ۳/۱۵۵۔و منحة الخالق علی البحر الرائق: ۴/۴۰۔و فتاوی محمودیه: ۱۳/۱۵۵۔و فتاوی دار العلوم دیوبند: ۹/۱۳۸). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

شوہر کا منہ بند کر لینے سے وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے غصے اور جھگڑے میں کہا: میں ابھی آپ کا فیصلہ کرنے والا ہوں، میں طلاق کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ پھر اس نے بات شروع کی کہ تم میری بات نہیں مانتی، اس لئے تم کو ... اتنی بات کہی تھی کہ بیوی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور طلاق کا لفظ اس کے منہ سے نہیں نکل سکا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وقوعِ طلاق کے لئے تلفظ ضروری ہے، اور تلفظ نہیں پایا گیا۔

عالمگیری میں ہے:

ولو قال: أنت طالق وهو یرید أن یقول ثلاثاً، فقبل أن یقول ثلاثاً أمسک غیره فمه أو مات تقع واحدة، کذا في محیط السرخسي. (الفتاوی الهندية: ۱/۳۵۹).

اس سے معلوم ہوا کہ جب شوہر نے طلاق کا تلفظ کیا اور ثلاثا کا لفظ نہیں کہا تو ایک طلاق واقع ہوئی اور تین نہیں ہوئی۔

نیز محدثین میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحب نے **"لا طلاق في إغلاق"** (رواه أبو داود :صـ ۲۹۸، باب الطلاق

علی غیظ). کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منہ بند کر کے تلفظ کرنے کی صورت میں طلاق نہیں ہوئی۔

فنقول: المراد من الإغلاق هو إغلاق الفم حيث لا يقدر على التكلم، ولا يمكن له أن يتلفظ بلفظ الطلاق مفسراً وإن تلفظ بشيء يسير مبهماً لايحصل المقصود به، فمثل هذا الطلاق لايقع، لأنه لايقال له عرفاً أنه طلق إذا لم يفهم لفظ الطلاق من كلامه، ولم يصدر منه التلفظ به، حيث يدل على المقصود. (إعلاء السنن: ۱۱/ ۱۸۰، ادارة القرآن). **واللہ ﷻ اعلم۔**

والدین کے کہنے پر طلاق دینے کا حکم:

سوال: اگر باپ بیٹے کو طلاق دینے کا حکم کرے تو شرعاً اس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ مدلل بیان کرے؟

الجواب: حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا "إن امرأتي لا تدفع يد لامس" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" طلقها " اس شخص نے کہا" إني أحبها " پھر فرمایا:" فاستمتع بها " اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باپ بیٹے کو طلاق کا حکم دے تو یہ مشورہ کے درجہ میں ہے، حکم شرعی کے درجہ میں نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں بیوی کی تقصیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم یعنی مشورہ دیا، اور آپ کا درجہ یقیناً باپ سے بڑھ کر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ نہیں مانا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض بھی نہیں ہوئے، اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں ان کے والد کا حکم اور ان کے والد کے حکم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تسلیم کرنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ضروری نہیں تھا، لیکن انہوں نے قبول کرلیا، اگر کوئی قبول نہ کرے تو کوئی حرج نہیں، اور اکثر طلاق کے بارے میں والدین کا مشورہ درست بھی نہیں ہوتا، علی ہذا القیاس حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ بھی حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلیم نہیں کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہیں ہوئے۔

ملاحظہ فرمائیں بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن عبد الكريم بن مالک عن أبی الزبير عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما

أن رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن لي امرأة وهي لاتدفع يد لامس، قال: "طلقها" قال: إني أحبها، وهي جميلة، قال: "فاستمتع بها". (السنن الكبرى للبيهقي:۷/۱۵۵،دارالمعرفة۔وكذافي المعجم الاوسط للطبراني: ۱۰/۴۲۰/۶۵۹۷۔ومجمع الزوائد:۴/۳۳۵،باب فيمن يكثرالطلاق، دارالفكر)۔

اگرچہ اس حدیث پر یہ کلام کیا جا سکتا ہے کہ ابو الزبیر مدلس ہیں اور ان کا عنعنہ محلِ نظر ہے، تاہم اس رویت سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ طلاق دینا لازم نہیں تھا، بلکہ یہ حکم مشورہ کے درجہ میں تھا۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كانت تحتي امرأة أحبها وكان أبي يكرهها، فأمرني أبي أن أطلقها فأبيت فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ياعبد الله ابن عمر طلق امرأتك. (رواه الترمذي:۱/۲۲۶، باب ماجاء في الرجل يسأله ابوه ان يطلق امرأته۔وابن ماجه:۱۵۱، باب الرجل يأمره ابوه بطلاق امرأته)۔

ریاض الصالحین کی شرح میں شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں:

ذكرحديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أنه كان له امرأة يحبها فأمره أبوه أن يطلقها لكنه أبىٰ ذلك، لأنه يحبها، فذكرعمر رضي الله تعالیٰ عنه ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فأمرابن عمربطلاقها، وكذلك الحديث الآخرفي امرأة كانت تأمر ابنها بطلاق زوجته فبين النبي صلى الله عليه وسلم أن صلة الرحم أوبرالوالدين سبب دخول الجنة، وهو إشارة إلى أنه إذا بر والدته بطلاق زوجته كان ذلك سبباً لدخول الجنة، ولكن ليس كل والد يأمر ابنه بطلاق زوجته تجب طاعته، فإن رجلاً سأل الإمام أحمد بن حنبلؒ قال: إن أبي يقول: طلق امرأتك، وأنا أحبها، قال: لاتطلقها، قال: أليس النبي صلى الله عليه وسلم قد أمر ابن عمر أن يطلق زوجته لما أمره عمر، فقال له الإمام أحمد: وهل أبوك عمر؟ لأن عمر نعلم علم اليقين أنه لن يأمر عبد الله بطلاق زوجته إلا بسبب شرعي، وقد يكون ابن لم يعلمه، لأنه من المستحيل أن عمر يأمر ابنه بطلاق زوجته ليفرق بينه وبين

زوجته بدون سبب شرعي، فهذا بعيد، وعلى هذا فإذا أمر أبوک أو أمک بأن تطلق امرأتک، وأنت تحبها، ولم تجد عليها مأخذاً شرعياً، فلا تطلقها، لأن هذه من الحاجات الخاصة التي لايتدخل أحد فيها بين الإنسان وبين زوجته. (شرح رياض الصالحين:١/٢٠٧،باب بر الوالدين وصلة الارحام،دار السلام).

فتاوی حقانیہ میں ہے:

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگر چہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے،لیکن ایسی حالت میں جب کہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہوایک عورت کی زندگی سے کھیلنااوراس کوجدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کوجدائی کے نا قابل برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں،عام معاشرہ میں حضرت عمر جیسے والدکس کونصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمر کے کردار کی توقع رکھی جا سکے،اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگر چہ جائز ہے،لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔(فتاوی حقانیہ:۵۸۰/۴)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جب کہ بیوی میں دینی ،اخلاقی ،معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں اور وہ اپنے شوہر کے والدین کو نہیں ستاتی ، بلکہ ان کی خدمت کرتی ہےاوران کوخوش رکھتی ہے،ادھر شوہر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر بیوی کوطلاق دیدی بیوی کی حق تلفی ہوگی،تو ان مجموعی حالات کے پیش نظر طلاق نہیں دینی چاہئے ،طلاق نہ دینے سے زید گنہگار نہیں ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ:۱۶۱/۱۲،مبوب ومرتب)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

امساک بالمعروف نہ کرنے پر طلاق کا حکم:

سوال: ایک صاحب ملکیت شخص نے اپنی عورت کوگھر سے الگ کردیا،خرچ بھی کچھ نہیں دیتا،اب وہ عورت انتہائی مصیبت سے زندگی کے ایام بسر کررہی ہے،شخص مذکور نے اپنی ملکیت بھی دوسرے کے نام کردی ہے،اس لیے بذریعہ عدالت بھی کوئی چارہ جوئی نہیں ہوسکتی،اب وہ عورت اس بے کسی کی حالت میں طلاق لینے

کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صورت طلاق کی نکل سکے تو تحریر فرمائیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب وہ امساک بالمعروف نہیں کرتا، اور زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا، نیز ادائیگی حقوق سے بھی بے پرواہ ہے، تو اس کو طلاق دینا چاہئے، اور اگر شوہر از خود طلاق نہیں دیتا تو اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن بغیر طلاق کے عورت شوہر کے نکاح سے علیحدہ نہیں ہوسکتی، عورت کو چاہئے کہ جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے، وہ حضرات تحقیق کرنے کے بعد نکاح فسخ کر سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وإيقاعه مباح ... ويجب لوفات الإمساک بالمعروف. (الدرالمختار:۳/۲۲۹، کتاب الطلاق، سعید).

البحر الرائق میں ہے:

ويكون واجباً إذا فات الإمساک بالمعروف... ولذا قالوا: إذا فاته الإمساک بالمعروف ناب القاضي منابه فوجب التسريح بإحسان. (البحرالرائق:۳/۲۳۷، کوئٹہ، کتاب الطلاق).

بدائع الصنائع میں ہے:

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولاضرار في الإسلام... لأن الله أوجب على الزوج الإمساک بالمعروف أو التسريح بالإحسان بقوله عزوجل: ﴿فإمساک بمعروف أوتسريح بإحسان﴾ ومعلوم أن استيفاء النكاح عليها مع كونها محرومة الحظ من الزوج ليس من الإمساک بالمعروف في شيء فتعين عليه التسريح بالإحسان فإن سرح بنفسه وإلا ناب القاضي منابه في التسريح. (بدائع الصنائع:۲/۳۲۳، فصل فی خلو الزوج عن العیوب، سعید).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۳۵، مدلل مکمل۔ کتاب الفسخ والتفریق: ص۸۸۔ وجموعہ قوانین اسلامی: ص۱۹۸۔ والحیلۃ الناجزۃ: ص۱۱۷)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بے جا اور بلا وجہ شرعی ہونے والی طلاق روکنے کی تدبیر:

سوال: میاں بیوی آپس میں معاہدہ کرلے کہ اگر شوہر نے بے جا یا بلا وجہ شرعی تین طلاق دیدیں تو شوہر پر یہ لازم اور ضروری ہے کہ بیوی کو مکان دے یا گاڑی دے یا بڑی رقم دیکر رہا کرے، تو کیا بنگاہِ شریعت اس طرح معاہدہ کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر شوہر کو طلاق کے بیجا استعمال سے روکنے کے لیے بوقتِ عقدِ نکاح کسی ایسے معاہدہ کا پابند کیا جائے کہ جس کے مطابق وہ عورت کو جلد بلاقصور طلاق دیدے تو بطورِ متعہ ایک خطیر رقم کی ادائے گی اس کے ذمہ لازم قرار دی گئی ہو تو یہ صورت غالبًا اوفق بالقرآن بھی ہوگی، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً على المتقين﴾. (سورة البقرة:).

اور طلاق شدہ عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر متعہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے، اگرچہ حسبِ تصریحاتِ فقہاء متعہ کی یہ صورت صرف مستحب کے درجہ میں ہے، تاہم معاہدہ کے بعد اس کا لازم الوفاء ہونا ارشادِ نبوی کے عین موافق ہوگا۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :" أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به مااستحللتم به الفروج . (رواه البخاري:٢/٧٧٤/٤٩٥٧،باب الشروط في النكاح، فيصل).

وعدہ کو پورا کرنا بعض صورتوں میں لازم ہوتا ہے، جب کہ وعدہ عقد میں ہو۔

ملاحظہ فرمائیں قاضی خان میں ہے:

وإن ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس. (قاضيخان على هامش الهندية:٢/١٦٥،فصل في الشروط المفسدة،تحت مسئلة بيع الوفاء).

نیز یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح عقدِ بیع میں وعدہ پورا کرنا لازم ہے، اسی طرح عقد نکاح میں بھی مصلحت کی وجہ سے لازم الوفاء قرار دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو شرح سیر کبیر میں ہے:

۳۵۷۰۔ فإن شرطوا في أمان الرسل ألا يأخذ عاشر المسلمين منهم شيئاً ، فإن كانوا يعاملون رسلنا بمثل هذا فينبغي للمسلمين أن يشترطوا لهم هذا ويوفوا به .

لأن هذا شرط موافق لحكم الشرع يجب الوفاء به. (شرح كتاب السيرالكبيرلمحمدبن الحسن الشيبانيؒ: ۵/ ۱۷۹۰، باب الشروط فى المواعدة وغيرها).

آیتِ کریمہ ﴿ **وأوفوا بعهد الله** ﴾. (سورة النحل:۹۱). کے تحت علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

لفظ عام لجميع مايعقد باللسان ويلتزمه الإنسان من بيع أوصلة أوموافقة في أمر موافق للديانة. (الجامع لاحكام القرآن: ۱۰/ ۱۱۱، بيروت).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (جدید فقہی مباحث:۱۱/ ۱۴۳، ادارۃ القرآن ۔ وجدید فقہی مسائل:۳/ ۳۳ ۔ ۶۰، اشتراط فی النکاح).

واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿الطلاق مرتٰن فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾

عن أبي ہریرۃ رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال :

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :

”ثلاث جدھن جد وھزلھن جد،

النکاح، والطلاق، والرجعۃ“

(رواہ الترمذی،وقال: ھذا حدیث حسن غریب)

باب ...... ﴿۲﴾

صریح الفاظ سے طلاق دینے کا بیان

باب ...... ﴿۲﴾

صریح الفاظ سے طلاق دینے کا بیان

تین طلاق دیکر تاکید کی نیت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے جھگڑا کی حالت میں کہا: تجھے طلاق، طلاق، طلاق اب وہ کہتا ہے کہ میں نے تاکید کے لیے کہا تھا مقصود ایک طلاق تھی، تو بیوی اس کی بات تسلیم کرے یا نہیں؟ جب کہ بیوی نے مقدمہ پیش کر دیا۔

الجواب: اگر کوئی شخص تین طلاق دیکر کہے کہ میں نے تاکید کی نیت کی تھی، تو دیانۃً اس کی تصدیق کرتے ہوئے ایک طلاق کا فتویٰ دیا جائے گا، لیکن صورتِ مسئولہ میں عورت نے تین طلاق سن کر مقدمہ پیش کر دیا تو قاضی یا جمعیت العلماء شوہر کی بات کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ظاہر پر فیصلہ فرما کر تین طلاق کا حکم صادر کرنے پر مامور ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين. وفي الشامية: دين :أي وقع الكل قضاءً . (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۹۳، سعید) .

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

سئل في رجل قال لزوجته: روحي طالق و كررها ثلاثاً ناوياً بذلک جميعه واحدة وتاكيداً للأولیٰ ... وهو يحلف بالله العظيم أنه قصد ذلک ، لاغيره فهل يقع عليه بذلک واحدة رجعية ديانةً حيث نواها فقط ؟ (الجواب): لا يصدق في ذلک قضاءً ، لأن القاضي مأمور باتباع الظاهر، والله يتولى السرائر، وإذا دار الأمر بين التأسيس والتأكيد تعين الحمل على التأسيس . (تنقيح الفتاوی الحامدية:١/٣٦،كتاب الطلاق، دارالاشاعة العربية).

نظام الفتاوی میں ہے:

اگر یہ معاملہ قاضی (یا قائم مقام قاضی جیسے جماعت مسلمین وشرعی کمیٹی) کے سامنے پہنچ جائے گا،تو وہ بھی بحلف بیان کرنے کی تصدیق نہ کرے گا، بلکہ تین طلاق کا ہی حکم ہوگا۔(نظام الفتاوی: جلددوم:ص۲۲۳)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

الفاظ صریحہ میں تاکید کی نیت کا حکم:

سوال: اگرکسی شخص نے اپنی بیوی کے سامنے" أنت طالق، طالق، طالق" کےالفاظ کہےاوردوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی یا تین؟اور طلاقِ رجعی واقع ہوگی یابائن؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تاکید کی نیت کرنے کی وجہ سے دیانۃً ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی،لیکن قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

رجل قال لامرأته : أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال:عنيت بالأولیٰ الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها صدق ديانةً وفي القضاء طلقت ثلاثاً.(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية:١/٤٦١،كتاب الطلاق).

ومثله في الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي: (١/١٧٨) ، القاعدة الثانية الأمور بمقاصدها. والفتاوى التاتارخانية: (٣/٢٨٦)، نوع آخر في تكرار الطلاق وايقاع العدد).

ہدایہ میں ہے:

وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً. (الهداية:۲/۳٦۹).

درمختار میں ہے:

كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين. (الدر المختار:۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو حالتِ غصہ میں تین تین طلاق دیں ساتھ الفاظ متفرقہ اور صریحہ کے وہ الفاظ یہ ہیں: کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، پھر زید کہتا ہے کہ مراد ہماری ان الفاظ سے تاکید ہے؟

الجواب: درمختار میں ہے: كرر لفظ الطلاق ...اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اس کا اعتبار نہ کرے گا، اور دیانۃً اس کی نیت معتبر ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۲۲۷، مدلل مکمل).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

شوہر نے لفظ طلاق ایک دفعہ کہنے کے بعد اگر بار بار محض تاکید کی نیت سے دہرایا ہے اور خالی الذہن تھا، اور جدید طلاق کی نیت نہ کی تو دیانۃً ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ:۱۲/۲۸۰، مبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

خالی الذہن کی طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم پر طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، اور کوئی نیت نہیں تھی، خالی الذہن تھا، تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔

الجواب: حضرت مفتی فرید صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نیت متحضر نہ ہو تو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ كما في الدر المختار: **كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين. وفي ردالمحتار** (۲/۸٤۲): **أي ووقع الكل قضاءً وكذا إذا أطلق أشباه، أي بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً لأن الأصل عدم التاكيد، انتهىٰ. قلت: والفتوىٰ على الديانة دون القضاء فافهم.**

قال العلامة محمد أمين ابن عابدين: المراد من قولهم يدين ديانة لا قضاءً أنه إذا استفتى فقيهاً يجيبه على وفق ما نوى ولكن القاضي يحكم عليه بوفق كلامه ولا يلتفت إلى نيته إذا كان فيما نوى تخفيف عليه. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ١/٣، فوائد بآداب المفتي). (فتاویٰ فریدیہ: ۵/۴۴۷).

الأشباه والنظائر میں ہے:

ولو كرر لفظ الطلاق ، فإن قصد الاستئناف وقع الكل ، أو التأكيد فواحدة ديانةً ، والكل قضاءً ، وكذا إذا أطلق. وفي شرح الأشباه للعلامة الحمويّ: قوله: وكذا إذا أطلق: يعني لو كرر لفظ الطلاق، ولم ينو الاستئناف ، ولا التأكيد يقع الكل قضاءً ، لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً ، لأنه خير من التأكيد. (الاشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر: القاعدة الثانية: الامور بمقاصدها: ١/١٧٨، ادارة القرآن) .

الاشباہ والنظائر میں ہے:

يدخل في هذه القاعدة (أي إعمال الكلام أولىٰ من إهماله) قولهم : التأسيس خيرمن التأكيد فإذا دار اللفظ بينهما تعين الحمل على التأسيس، ولذا قال أصحابنا : لوقال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الاشباه والنظائر: ١/٣٧٦، القاعدة التاسعة، ادارة القرآن). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مذاق میں صریح الفاظ سے طلاق دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ''انت طالق انت طالق انت طالق'' پھر کہتا ہے کہ ایک حقیقتاً دی اور دو مذاق میں دی تو کتنی واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں، کیونکہ طلاق کے باب میں حقیقت تو حقیقت ہے ہی مذاق بھی حقیقت ہے، لہذا مذاق کی طلاق بھی حقیقتاً واقع ہوگئی، اب بتصریح نص قرآنی یہ عورت بدونِ حلالہ کے زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے، اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

نص قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة:٢٣٩).

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد و هزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة، هذا حديث حسن غريب. (رواه الترمذي:١/٢٢٥،باب ماجاء في الجدو الهزل في الطلاق) .

علامہ شامی فرماتے ہیں:

أو هازلاً أي فيقع قضاءً وديانةً. (فتاوى الشامي:٣/٢٣٨،سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وطلاق اللاعب والهازل به واقع. (الفتاوى الهندية:١/٣٥٣، فيمن يقع طلاقه).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الفتاوى التاتارخانية :٣/٢٥٧، من يقع طلاقه ومن لايقع ، ادارة القرآن).

واللہ ﷻ اعلم۔

طلاق کہکر زوج اول کی طلاق مراد لینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو پہلے دو طلاقیں دی تھیں، پھر کچھ مدت کے بعد جھگڑے کے وقت طلاق کہا، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ نیت کی تھی کہ تم کو پہلے شوہر سے طلاق تھی، اب شرعاً بیوی کے لیے شوہر کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ بیوی کو پہلے شوہر سے طلاق ہوئی تھی۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر شوہر کی نیت یہی تھی جو سوال میں مذکور ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے، لیکن آئندہ اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں طحطاوی میں ہے:

وكذا لونوى طلاقها من زوجها الأول على الصحيح (خانية) أي يصدق قضاءً وديانةً إذا كان لها زوج طلقها قبل. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:٢/١١٣).

الغرض: بہتر صورت یہ ہے کہ زوجین اپنا مسئلہ کسی حَکَم کے پاس لیجائیں، حَکَم شوہر سے قسم لے گا، اگر شوہر نے قسم کھالی اور واقعی بیوی کو پہلے شوہر سے طلاق بھی ہوئی تھی تو بیوی شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

" أنت طالق واحدة في ثنتين " کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے " أنت طالق واحدة في ثنتين" کہا تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟ اور اس میں کیا اختلاف ہے اور فتویٰ کس کے قول پر ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ظاہر الروایت کے مطابق ایک طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن امام زفرؒ کے نزدیک دوطلاقیں واقع ہوں گی، اور فتویٰ امام زفرؒ کے قول پر ہے، یعنی مفتیٰ بہ قول کے مطابق دوطلاقیں واقع ہوں گی۔

ہدایہ میں ہے:

ولوقال : أنت طالق واحدة في ثنتين ونوى الضرب والحساب أولم تكن له نية فهي واحدة، وقال زفرؒ : تقع ثنتان لعرف الحساب وهوقول حسن بن زيادؒ. (الهداية:٢/٣٦٣).

فتح القدیر میں ہے:

وجه قول زفرؒ أن عرفهم فيه تضعيف أحد العددين بعدد الآخر فقوله واحدة في ثنتين كقوله واحدة مرتين أوثنتين مرة. (فتح القدير:٤/٢٢، دارالفكر).

درمختار میں ہے:

وبواحدة في ثنتين واحدة إن لم ينو أونوى الضرب لأنه يكثرالأجزاء لا الأفراد... و فى الشامية : وقال زفرؒ والحسن بن زيادؒ والأئمة الثلاثة، يقع ثنتان، لأن عرف أهل الحساب فيه تضعيف أحد العددين بعدد الآخر، ورجحه فى الفتح: بأن العرف لايمنع... واختاره أيضاً في غاية البيان...قال الرحمتي: فتزاد هذه المسئلة على المسائل المفتىٰ بها بقول زفرؒ. أي لأن المحقق ابن الهمامؒ من أهل الترجيح كما اعترف به صاحب البحر في

کتاب القضاء. (الدر المختار مع رد المحتار:۳/۲۶۱،باب الصریح،سعید) .

شامی میں ہے:

وقد زدت على ذلك ثماني مسائل : إذا قال أنت طالق واحدة في ثنتين وأراد الضرب تقع ثنتان عنده ، ورجحه المحقق الكمال بن الهمام والاتقاني في غاية البيان.

(فتاوى الشامي: ۳/۶۰۸،باب النفقة،سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

ڈر کی وجہ سے لاعلمی میں تین مرتبہ "أنت طالق" کہنے کا حکم:

سوال: ایک نومسلم شخص کے خسر نے تین طلاقیں انگریزی زبان میں اس سے حاصل کیں، جب کہ اس نومسلم کو معلوم نہیں تھا کہ تین دینے سے کیا ہوگا محض ڈر کی وجہ سے یہ الفاظ بغیر نیت کے کہہ دیئے، تو ان الفاظ "أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق" سے کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، اس لیے کہ بعد والی دو طلاقوں سے نئی طلاق دینا مقصود نہیں تھا، بلکہ ایک اور تین میں فرق معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی تکرار کیا، لہٰذا دیانۃً تصدیق کی جائے گی، ہاں اگر بیوی نے قاضی کے سامنے مقدمہ پیش کر دیا تو قاضی تین طلاقوں کا فیصلہ دیگا۔

ملاحظہ فرمائیں تبیین الحقائق میں ہے:

إذا قال : أنت طالق ،طالق ،طالق، وقال: إنما أردت به التكرار صدق ديانةً لا قضاءً فإن القاضي مأمور باتباع الظاهر والله يتولى السرائر. (تبيين الحقائق:۲/۲۱۸).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

ولو كرر لفظ الطلاق فإن قصد الاستئناف وقع الكل أو التاكيد فواحدة ديانةً والكل قضاءً وكذا إذا أطلق. (الاشباه والنظائر:۱/۱۷۸).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية:۱/۳۵۵، باب في ايقاع الطلاق۔الدر المختار مع ردالمحتار:۳/۲۳۵، سعيد۔وفتاوى محموديه :۱۲/۴۴۳، مبوب ومرتب) .**واللہ ﷻ اعلم۔**

تعداد میں شک ہونے سے طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کو شک ہے کہ دو طلاق دی یا تین، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب: دو یا تین میں شک ہو تو چونکہ دو یقینی ہیں اس وجہ سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، لیکن غالب گمان یہ ہے کہ تین طلاقیں دیں تو پھر تین واقع ہو جائیں گی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولو شک أطلق واحدة أو أكثر بنى على الأقل . وفي الشامية: بنى على الأقل أى كما ذكره الاسبيجابي ، الا أن يستيقن بالأكثر أو يكون أكبر ظنه. (الدر المختار مع رد المحتار:۳/۲۸۳، باب الصريح، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

شك الزوج لايخلو اما أن وقع في أصل التطليق أطلقها أم لا ؟ ... وان وقع في القدر يحكم بالأقل لأنه متيقن به وفي الزيادة شك. (بدائع الصنائع:۳/۱۲۶، فصل فى الرسالة فى الطلاق ، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الہندیۃ:۱/۳۶۳ فصل فی الطلاق الصریح۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند:۹/۳۱۶، مدلل مکمل۔ وفتاوی محمودیہ:۱۲/۱۷۵، مبوب ومرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

’’تجھے ایک دو تین طلاق‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ’’تجھے ایک دو تین طلاق‘‘ تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں، لہذا بدونِ حلالہ کے یہ عورت زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

(والطلاق يقع بعدد قرن به لا به) نفسه عند ذكر العدد، وعند عدمه الوقوع بالصيغة وفي الشامية : قوله والطلاق يقع بعدد قرن به لابه أى متى قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد بدليل ما أجمعوا عليه من أنه لوقال لغير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً طلقت ثلاثاً.

(الدر المختار مع رد المحتار:٣/٢٨٧،مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به،سعيد).

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولو قال : یکے ودووسہ طلاق ثم تزوجها يقع الثلاث وتمام هذا في خزانة الواقعات. (خلاصة الفتاوى:٢/٨٧،جنس آخر فى العدد،المكتبة الرشيدية).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٤/١٨٢،فيما يتعلق لصريح الطلاق ـ والفتاوى الحمادية:ص١٤١ ـ والفتاوى التاتارخانية:٣/٢٧٨، ايقاع الطلاق بطريق الاضمار وترك الاضافة).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''ایک، دو، تین'' سے بھی مغلظہ ہوگئی، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ (فتاوی محمودیہ:۱۲/۴۶۴، مبوب ومرتب)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام:۲/۵۹۵ ـ وفتاوی حقانیہ:۴/۴۶۰) . واللہ ﷻ اعلم ۔

''تین شرط پر طلاق'' کہنے کا حکم:

سوال: کسی شخص نے بیوی سے کہا کہ تم کو تین شرط پر طلاق ہے، ان الفاظ سے کتنی طلاقیں واقع ہونگی؟

الجواب: تین شرط بعض علاقوں میں تین عدد کے معنی میں مستعمل ہے، لہذا ان علاقوں میں اس جملہ ''تم کو تین شرط پر طلاق ہے'' سے تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

ملاحظہ ہو فتاوی فریدیہ میں ہے:

ہمارے بلاد کے عرف میں تین شرط تین دفعہ کو کہا جاتا ہے اس لیے اس عرف کی بنا پر یہ بیوی مطلقہ مغلظہ

ہوئی ہے۔

قال العلامة ابن عابدين: العرف والعادة ما استقرفی النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع السليمة بالقبول... اعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلک أصلاً فقالوا تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة... الخ. شرح عقود رسم المفتی، ص۳۷، والعرف فی الشرع له اعتبار. (فتاوی فریدیہ: ۵/۲۸۱). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾

أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم

عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعاً

فقام غضباناً ثم قال :

" أيلعب بكتاب الله عزوجل وأنا بين أظهركم ... "

(رواه النسائی)

باب ......﴿۳﴾

طلاقِ ثلاثہ کا بیان

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

”جمع الأثاث
في حكم
الطلقات الثلاث“

”جمع الأثاث في حكم الطلقات الثلاث“

ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق واقع ہونے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے، تو اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب مطلوب ہے؟

الجواب: قرآن حدیث واجماعِ امت اور علمائے سلف، ائمہ اربعہ، بزرگانِ دین اور مشائخ مسلمین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اپنی مدخول بہا یا غیر مدخول بہا بیوی کو ایک ہی تلفظ میں تین طلاقیں دیں یا اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں، مثلاً یہ کہے: تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، ان دونوں صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اور عورت مغلظہ ہو جاتی ہے، لہذا ایک طلاق کا فیصلہ نصوص کے مخالف ہے اور غلط ہے، اب اگر دو بارہ رشتۂ نکاح میں منسلک ہونا چاہیں تو اس کی گنجائش نہیں ہے، ہاں یہ عورت عدتِ طلاق گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کرلے، اور حقوقِ زوجیت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے شوہر کے ساتھ رہے، پھر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے، یا وفات پا جائے، تو اس کی عدت ختم ہونے کے بعد پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی۔

طلاقِ ثلاثہ پر جمہور کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

❁ کتاب اللہ سے دلائل:

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف أوتسريح باحسان﴾. (سورة البقرة:٢٢٩).

یعنی ایسی طلاق جس میں رجوع ہوسکتا ہے، دو ہیں پھر قاعدہ کے مطابق رکھ لے، یا اچھے طریقے سے اس کو رخصت کرے۔

تمام مفسرین اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں طلاقیں دینے اور عدت میں رجوع کرنے کی کوئی حد نہیں تھی، سینکڑوں طلاقیں دی جاتی تھیں، بعض لوگ بیویوں کو ستانے اور پریشان کرنے کی غرض سے طلاق دیکر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے، ابتدائے اسلام میں بھی ایک عرصہ تک یہی طریقہ رائج تھا، بعد ازاں مذکورۃ بالا آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور یہ دیرینہ رسم منسوخ ہوگئی، نیز طلاق ورجعت کی حد بندی کردی گئی کہ دو طلاقوں تک رجعت کا حق حاصل ہے اس کے بعد رجعت کا اختیار ختم ہوجاتا ہے، پھر طلاق کی آخری حد ﴿فان طلقها فلاتحل له من بعدحتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة:۲۳۰) کے ذریعہ بیان کی گئی۔

لہذا اب اگر کسی نے تین طلاقیں دیں، چاہے متفرق مجالس میں یا ایک مجلس میں، چاہے ایک لفظ سے یا الگ الگ لفظ سے تینوں طلاقیں واقع ہوکر عورت مغلظہ ہوجائے گی، اور رجوع کا اختیار نہیں رہے گا۔

اشکال: تین طلاق کو ایک ماننے والے حضرات میں سے بعض یہ اشکال کرتے ہیں کہ آیتِ کریمہ میں ''مرتٰن'' فرمایا گیا ہے، جو'' مرة بعد مرة '' یعنی یکے بعد دیگرے (ایک کے بعد دوسرا) کے معنی میں ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دو طلاقیں دو مجلس میں ہوں، گویا آیتِ کریمہ میں ایک مجلس میں دو طلاق کا ذکر نہیں ہے۔

الجواب: اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن جریر طبریؒ نے روایات کی روشنی میں ''مرتٰن'' کی تفسیر ''تطلیقتان'' سے کی ہے جو ایک مجلس کی دو طلاق کو بھی شامل ہے، اور دو مجلس کی دو طلاق کو بھی شامل ہے، اور روایات کی روشنی میں جو تفسیر کی گئی ہو وہی معتبر ہوگی۔

ثانیاً نیز ''مرتٰن'' ''مرة بعد مرة'' کے معنی میں قطعی بھی نہیں ہے، کیونکہ دو چند اور ڈبل (دوگنا) کے معنی میں بھی قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے، چند مثالیں بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿أولئك يؤتون أجرهم مرتين﴾. (سورة القصص:۵۴).

یعنی یہ لوگ (مؤمنین اہل کتاب) اپنا دوگنا اجر وثواب دیئے جائیں گے۔

(۲) ﴿ومن يقنت منكن للّٰه ورسوله وتعمل صالحاً نؤتها أجرهامرتين﴾. (سورة الاحزاب: ۳۱).

اور جو کوئی تم میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے، اور اچھے عمل کرے، تو ہم اس کو اس کا ثواب دوگنا دیں گے۔

ان دونوں آیات مبارکہ میں "مرتین" دوچند اور دوہرے ہی کے معنی میں ہے، یہ مطلب نہیں کہ ان کو الگ الگ دومرتبہ ثواب دیا جائے گا۔

(۳) صحیح بخاری وغیرہ کئی کتبِ حدیث میں وضو کے باب میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت موجود ہے:

"أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم توضأ مرتين مرتين". (رواه البخاری: ۱/۲۷/۱۵۸۔ والترمذی: ۱/۱۷ عن أبي هريرةؓ۔ وابوداؤد: ۱/۱۸، عن ابی هريرةؓ۔ واحمد فی مسنده: برقم ۱۶۹۱۱، عن عبدالله بن زیدؓ۔ والبیهقی فی سننه الکبری: ۱/۷۹/۳۸۰، عن عبد الله بن زیدؓ).

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضائے وضو کو ایک مجلس میں دو دو مرتبہ دھویا، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ اور دوسری مجلس میں دوسری مرتبہ دھویا۔

(۴) "ان أهل مكة سألوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يريهم آية فأراهم انشقاق القمر مرتين". (رواه مسلم فی صحیحه: ۲/۳۷۳، باب انشقاق القمر، فیصل ـ وعلی هامشه: قال: مرتين اى قطعتين).

حدیث بالا میں "مرتین" "فِلقتین" "دوٹکڑے کے معنی میں ہیں؛ دو مجلس میں شق قمر کا معجزہ دکھانا مراد نہیں، کیونکہ یہ معجزہ صرف ایک ہی بار ظہور پذیر ہوا۔

پھر اگر "مرتین" سے "مرة بعد أخرى" مراد ہو تب بھی صرف اتنی بات ثابت ہوگی کہ دو طلاقیں الگ الگ آگے پیچھے دی جائیں، بیک وقت و بیک کلمہ نہ دی جائیں، اس سے زیادہ کوئی اور قید مثلاً تفریق مجلس وغیرہ کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں ہے، اس لیے اگر ایک مجلس یا ایک طہر میں انت طالق انت طالق، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، الگ الگ لفظ سے طلاق دی جائے تو یہ صورت بھی "الطلاق مرتٰن" کے عین مطابق ہوگی۔

اور جب اس آیت کی رو سے ایک مجلس یا ایک طہر میں متعدد تلفظ سے دی گئی طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، تو ایک تلفظ سے دی گئی طلاقیں بھی واقع ہوجائیں گی، کیونکہ ایک مجلس میں دی گئی دونوں طلاقوں کا حکم بغیر کسی اختلاف سب کے نزدیک یکساں ہے۔

(۲) ﴿فان طلقها فلا تحل له من بعدحتی تنکح زوجاً غیره﴾.(سورۃ البقرۃ:۲۳۰).

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ سے ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ "فان طلق" فعل شرط ہے اور وہ عموم کے صیغوں میں سے ہے، جیسا کہ کتبِ اصول میں مصرح ہے، لہذا اس کے عموم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی داخل ہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ اس آیتِ کریمہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومتفرقة ولايجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغيرنص. (المحلیٰ:۱۰/۱۷۰).

(۳) ﴿تلک حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه، لاتدری لعل الله يحدث بعد ذلک امراً﴾. (سورۃ الطلاق:۱).

اس آیتِ کریمہ کا ظاہر یہی بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین طلاقوں کا جو حق مرد کو دیا ہے، اگر وہ اس کو ایک ہی دفعہ میں استعمال کرلے، تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر اپنی ذات پر ظلم کرنے والا ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں طلاق پر ندامت پیدا کردے، اور بیک وقت تینوں طلاقیں دیدینے کی صورت میں زوجین کے درمیان جدائی واقع ہوجانے سے اس ندامت کا تدارک اور ازالہ نہ ہوسکے گا، اگر ایک دفعہ کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق رجعی شمار ہوتی، جیسا کہ بعض اہل ظاہر، علامہ ابن تیمیہؒ، شیخ ابن القیمؒ اور دیگر غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں، تو ندامت کس بات پر ہوئی؟ کیونکہ رجعت کے ذریعہ اس کے تدارک اور ازالہ کی گنجائش موجود ہے۔

حاصل کلام: ان تینوں آیاتِ قرانیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

اس کے برعکس کسی ایک آیت سے اشارۃً بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی گئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔

احادیث سے دلائل:

(۱) عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: لا! حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول.
(صحيح البخاری:۲/۷۹۱،باب من اجاز طلاق الثلاث ،فيصل)۔

حدیث بالا میں ”طلق امرأته ثلاثاً“ کا ظاہر یہی ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی گئی تھیں، امام بخاریؒ نے اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے اس حدیث کو ” باب من أجاز الطلاق الثلاث “ کے تحت ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

فالتمسک بظاهر قوله طلقها ثلاثاً فانه ظاهر في كونها مجموعة. (فتح الباری:۹/۳۶۷،باب من جوز طلاق الثلاث، الحدیث الثالث حدیث عائشةؓ،لاھور)۔

(۲) امام بخاریؒ نے ”باب من اجاز الطلاق الثلاث“ کے تحت حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت نقل فرمائی ہے، جس میں حضرت عویمر عجلانیؓ کا قصہ لعان ذکر فرمایا ہے۔

اس قصہ میں مذکور ہے کہ جب میاں بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو حضرت عویمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کرنے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

چنانچہ مذکور ہے: ”**فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم**. (صحیح البخاری:۲/۷۹۱،باب من اجاز طلاق الثلاث) ۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

قال العلامة العينيؒ: ”فطلقها“ وأمضاه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ولم ينكر عليه فدل على أن من طلق ثلاثاً يقع ثلاثاً. (عمدۃ القاری:۱۴/۲۳۸،ملتان)۔

اشکال: تین کو ایک ماننے والے بعض حضرات کہتے ہیں کہ نفس لعان ہی سے فرقت ہوگئی تھی، اور جب

بیوی اجنبیہ ہوگئی تو محل طلاق ہی نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس طرح طلاق دینے پر سکوت فرمایا۔

الجواب [آ]ثوٴا : حضرت عویمر رضی اللہ عنہ یہی سمجھ رہے تھے کہ نفس لعان سے فرقت نہیں ہوتی، ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے فرقت ہوجائے گی، اس لیے انہوں نے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک صحابی ایک ساتھ تین طلاق واقع ہونے کو صحیح سمجھتے ہو، اوران کا یہ صحیح سمجھنا غلط ہو، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرمائیں، اورکوئی نکیر نہ فرمائیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان سے متعلق کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاق کو کالعدم یا ایک طلاق قرار دیا ہو؛ بلکہ اس کے برعکس اسی واقعہ سے متعلق سنن ابی داود کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔

ملاحظہ فرمائیں:" **فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان ما صنع عند رسول الله صلى الله عليه وسلم سنة** ".(سنن ابی داود: ۱/ ۳۰۶،باب فی اللعان،فیصل).

[آھ ٌ]أ ان کی تاویل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نفس لعان ہی سے زوجین کے درمیان مفارقت ہوجاتی ہے، حالانکہ یہ بات خود محل نظر ہے، کیونکہ صرف لعان سے فرقت پر نہ لعان کا لفظ دلالت کرتا ہے اور نہ کسی آیت یا کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، لہذ العان سے فرقت کوئی امر قطعی نہیں بلکہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اس لیے فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاق دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت بلکہ بروایتِ سنن ابی داود تینوں طلاقوں کو نافذ کرنا ایک امر منصوص ہے، اور ظاہر ہے کہ مسئلہ اجتہادی کے مقابلہ میں ترجیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، عمل اور تقریر کو ہوگی، یہی تمام محدثین اور فقہاء کا مسلک ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مسئلہ دریافت کیا گیا:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها سئلت عن الرجل يتزوج المرأة فيطلقها ثلاثاً، فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتحل للأول حتى يذوق الآخر عسيلتها وتذوق عسيلته. (السنن الكبرى للبيهقي مع الجوهرالنقي:۷/۳۷٤،باب نكاح المطلقة ثلاثاً ، دارالمعرفة،وقال الامام البيهقي: رواه مسلم في الصحيح عن ابي بكربن ابي شيبة:۱/٤٦۳،باب لاتحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها،فيصل).

حدیث بالا میں " **فيطلقها ثلاثاً** " کا ظاہر اکھٹی تین طلاق کو بتلا رہا ہے۔

(۴) سنن نسائی میں محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں؟

" **أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقام غضباناً ثم قال: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم.** (رواه النسائي:۲/۹۹،باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ،قديمی).

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں " **اسناده على شرط مسلم**". (زادالمعاد:٥/۲٤۱،فصل في حكمه صلى الله عليه وسلم فيمن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة، مؤسسة الرسالة).

اور علامہ ماردینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بسند صحیح ہے،(الجوهرالنقي:۷/۳۳۳،دارالمعرفة بيروت).

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:"**اسناده جيد**" (نيل الاوطار:٦/۲٤۱،باب ماجاء في طلاق البتة،ادارة القرآن).

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **رواه النسائي ورواته موثقون.** (بلوغ المرام:۳۲۱،باب الطلاق،الكويت).

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر عجلانی ﷺ کی تین طلاقوں کی طرح اس شخص کی بھی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا۔

" **فلم يرده النبي صلى الله عليه وسلم بل أمضاه كما في حديث عويمر العجلاني في**

اللعان حيث أمضى طلاقه الثلاث ولم يرده. (تهذيب سنن ابى داود:۳/۱۲۹،طبع مصر).

(۵) دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ مذکور ہے، اس کے آخر میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لیے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔

ملاحظہ ہو دار قطنی میں ہے:

عن الحسن قال نا عبد الله بن عمرؓ أنه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخراوين عند القرئين، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا ابن عمر ما هكذا أمرك الله انك قد أخطأت السنة، والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق لكل قرء، قال فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فراجعتها ثم قال: اذا هي طهرت فطلق عند ذلك أو أمسك فقلت: يارسول الله! أرأيت لو أني طلقتها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها قال: لا، كانت تبين منك وتكون معصية. (سنن دارقطني:٤/٣١/٨٤،كتاب الطلاق،و السنن الكبرى للبيهقي:٧/٣٣٤،دار المعرفة).

(۶) عن سويد بن غفلة قال: لما مات علي ؓ جاءت عائشة بنت خليفة الخثعمية امرأة الحسن بن عليؓ فقالت له: لتهنك الإمارة، فقال لها: تهنيني بموت أمير المؤمنين انطلقي فأنت طالق ثلاثاً فتقنعت بثوبها أوقالت: إني لم أرد إلا خيراً فبعث إليها بمتعة عشرة آلاف وبقية صداقها فلما وضع بين يديها بكت وقالت: متاع قليل من حبيب مفارق فأخبره الرسول فبكى وقال: لولا أني أبنت الطلاق لها لراجعتها لكني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أيما رجل طلق امرأته ثلاثاً عند كل طهر تطليقة أو عند رأس كل شهر تطليقة أو طلقها ثلاثاً جميعاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (سنن دارقطني:٤/١٣/٨٣،كتاب الطلاق،و الخلع-و البيهقي:٧/٣٣٦،باب ما جاء في امضاء الطلاق الثلاث،وقال ابن رجب: اسناده صحيح).

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی''انطلقي فأنت طالق ثلاثاً'' تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے، عائشہ چلی گئیں، بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بہت غم ہے تو روئے اور فرمایا ''اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کر لیتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے (اور ایک دوسری روایت میں ہے اگر میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے جدامجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا) کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دیدے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پہلے کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

(۷) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے اور ابن ماجہ نے خود اس حدیث سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا ہے، انہوں نے ایک باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے۔ '' باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد '' اور اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: **حدثنا محمد...عن عامر الشعبي قال: قلت لفاطمة بنت قيس: حدثيني عن طلاقك قالت: طلقني زوجي ثلاثاً وهو خارج الى اليمن فأجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم**. (ابن ماجه: ۱٤۷۔نسائی: ۲/ ۱۰۰۔ابوداود: ۱/ ۳۱۹،دارقطنی: ٤/ ۱۲،القاهرة).

یعنی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر نے تین طلاقیں بھیج دیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہونے کا فتویٰ دیا۔

(۸) سنن دارقطنی میں ہے: **'' عن علي رضی اللہ عنہ قال: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلاً طلق البتة، فغضب، وقال: '' تتخذون آيات الله هزواً، أو دين الله هزواً ولعباً، من طلق البتة ألزمناه ثلاثاً، لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره''**. (سنن دارقطنی: ٤/ ۲۰، كتاب الطلاق، القاهرة).

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے ''طلاق البتہ'' دی ہے، (لفظ البتہ سے ایک طلاق مراد ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی بھی نیت ہوسکتی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوگئے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل اور مذاق بناتے ہیں جو کوئی

طلاق البتہ دے گا ہم اس کے ذمہ تین لازم کردیں گے، پھر وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔

(۹) مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابراهيم بن عبيد الله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده قال: طلق جدي امرأة له ألف تطليقة، فانطلق أبي إلى رسول الله صلى عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أما اتقى الله جدك، أما ثلاث فله، وأما تسع مائة وسبعة وتسعون فعدوان وظلم، إن شاء الله تعالىٰ عذبه، وإن شاء غفرله. (مصنف عبدالرزاق:٦/٣٩٣-باب المطلق ثلاثاً، المجلس العلمي-وسنن دارقطني:٤/٢٠، كتاب الطلاق، القاهرة).

روایتِ مذکورہ بالا میں ایک ہزار طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کے وقوع کو تسلیم فرمالیا۔

(۱۰) عن صفوان بن عمران الطائي أن امرأة كانت تبغض زوجاً فوجدته نائماً فأخذت شفرة وجلست على صدره ثم حركته وقالت: لتطلقني ثلاثاً أو لأذبحنك فناشدها الله فأبت فطلقها ثلاثاً ثم جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله عن ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا قيلولة في الطلاق". (سنن سعيدبن منصور:١/٢٧٥/١١٣٠-ورواه محمد باسناده، زجاجة المصابيح:٢/٤٧٦، باب الخلع والطلاق).

(تلك عشرة كاملة)

آثارِ صحابہ سے دلائل:

(۱) خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن زيد بن وهب أن بطالاً كان بالمدينة فطلق امرأته ألفاً فرفع ذلك إلى عمربن الخطاب ﷺ فقال: إنما كنت ألعب، فعلاه عمر ﷺ بالدرة، وقال: إن كان ليكفيك ثلاث.

(اخرجه البيهقي في سننه الكبرىٰ:٧/٣٣٤، باب ماجاء في امضاء الطلاق الثلاث، دار المعرفة).

(۲) خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

من طريق وكيع عن جعفر بن برقان عن معاوية بن أبي يحيى قال: جاء رجل إلى عثمان بن عفان ﷺ، فقال: طلقت امرأتي ألفاً فقال : بانت منک بثلاث. (محلی ابن حزم: ۱۰/۱۷۲، کتاب الطلاق) .

(۳) خلیفۂ راشد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فتویٰ:

ومن طريق وكيع عن الأعمش عن حبيب بن أبي ثابت قال: جاء رجل إلى علي بن أبي طالب ﷺ فقال: إني طلقت امرأتي ألفاً فقال له علي ﷺ: بانت منک بثلاث. (محلی ابن حزم: ۱۰/۱۷۲، کتاب الطلاق۔وسنن بیهقی :۷/۳۳۵ومصنف ابن ابی شیبة:۵/۱۳۔وطحاوی شریف:۲/۳۷).

(۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتویٰ:

عن محمد بن إياس بن بكيرعن أبي هريرة وابن عباس وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم في الرجل يطلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها، قالوا: لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره.

(مصنف ابن ابی شیبة :۵/۲۳،فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها۔ومصنف عبدالرزاق:عن ابی سلمة:۶/۳۳٤).

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود ﷺ أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة: قال: ثلاث تبينها منک، وسائرها عدوان. (طحاوی شریف:۲/۳۷،باب الرجل یطلق امرأته ثلاثاً معاً۔ مصنف عبدالرزاق:۶/۳۹۵،باب المطلق ثلاثاً ۔وسنن کبری للبیهقی:۷/۳۳۲، بیروت).

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن نافع قال: كان ابن عمر ﷺ إذا سئل عمن طلق ثلاثاً ، قال: لوطلقت مرة أومرتين، فان النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثاً حرمت عليک حتى تنكح زوجاً غيره. (صحیح البخاری:۲/۷۹۲).

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ:

عن سعيد بن جبير عن ابن عباس ﷺ في رجل طلق امرأته ألفاً، فقال: أما ثلاث فتحرم عليک امرأتک، وبقيتهن عليک وزر، اتخذت آيات اللّٰه هزواً. (السنن الكبرى للبيهقي:۷/۳۳۲ ـ وسنن الدارقطني:۴/۱۴، كتاب الطلاق، القاهرة، وقال الشيخ الالباني في الارواء :اسناده صحيح).

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري أنه كان جالساً مع عبد اللّٰه بن زبير ﷺ وعاصم بن عمر ﷺ فجاء هما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير ﷺ: إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول فاذهب إلى ابن عباس ﷺ وأبي هريرة ﷺ فاسئلهما ثم ائتنا فأخبرنا، فذهب فسألهما، فقال ابن عباس لأبي هريرة أفته يا أباهريرة، فقد جاء تک معضلة، فقال أبوهريرة ﷺ: الواحدة تبينها و الثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. (طحاوی شریف:۲/۳۷،باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً ـ مؤطاامام مالك :ص۲۰۸ ـ سنن بيهقي :۷/۳۳۵ ـ ومصنف عبدالرزاق:۶/۳۳۴).

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن عطاء بن يسار أنه جاء رجل إلى عبد اللّٰه بن عمرو ﷺ فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يمسها قال عطاء فقلت له طلاق البكر واحدة فقال عبد اللّٰه: إنما أنت قاص الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. (طحاوی شریف:۲/۳۷،باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً،سعيد،ـ وابن ابی شيبة:۵/۲۲ ـ ومصنف عبدالرزاق:۶/۳۳۴).

(۱۰) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اثر:

عن أبي الزبير عن جابر قال سمعت أم سلمة سئلت عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فقالت: لاتحل له حتى يطأها غيره. (مصنف ابن ابی شيبة:۵/۲۲،فی الرجل يتزوج المرأة).

(تلك عشرة كاملة).

اجماع امت سے دلائل:

عہد فاروقی میں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔

اجماع کے ثبوت میں محققین فقہاء و محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆ حافظ الکتاب والسنۃ الشیخ ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كانت معصية.

(احکام القرآن: ۱/۳۸۸، ذکر الحجاج لایقاع الثلاث معاً، سہیل)۔

☆ شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

فإجماعهم ظاهر، فإنه لم ينقل عن أحد منهم أنه خالف عمر رضي الله تعالىٰ عنه حين أمضى الثلاث له. (فتح القدير: ۳/۴۷۰، باب طلاق السنة، دار الفکر)۔

☆ علامہ بدرالدین عینیؒ ''عمدة القاری'' میں تحریر فرماتے ہیں:

و مذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم: الأوزاعي والنخعي والثوري وأبو حنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيد وآخرون وكثيرون، على أن من طلق امرأته ثلاثاً وقعن، ولكنه يأثم، وقالوا: من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة، وإنما تعلق به أهل البدع ومن لايلتفت إليه لشذوذه عن الجماعة التي لايجوز عليهم التواطؤ على تحريف الكتاب والسنة. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۱۴/۲۳۶، باب من اجاز طلاق الثلاث، ملتان)۔

☆ شیخ محمد امین الشنقیطیؒ اپنی تفسیر میں ابن عربی مالکیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد اتفق علماء الإسلام وأرباب الحل والعقد فى الأحكام على أن الطلاق الثلاث في كلمة وإن كان حراماً في قول بعضهم وبدعة في قول الآخرين لازم ... وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت، لاأصل له في كتاب ولارواية له عن أحد. (اضواء البیان: ۱/۱۳۶)۔

☆ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مذہبِ جمہور کی تائید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فالراجح فی الموضعین تحریم المتعة وإیقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر رضي الله تعالیٰ عنه علی ذلک، ولایحفظ أن أحداً في عهد عمر ﷺ خالفه في واحدة منهما، وقد دل إجماعهم علی وجود ناسخ وإن کان خفي عن بعضهم قبل ذلک حتی ظهر لجمیعهم في عهد عمر فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له والجمهور علی عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق. (فتح الباری:۹/۳٦۵،باب من جوز طلاق الثلاث،لاهور).

☆ حافظ ابن القیمؒ کے تلمیذ رشید علامہ ابن رجب حنبلیؒ اپنی کتاب "**بیان مشکل الأحادیث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة**" میں لکھتے ہیں:

اعلم أنه لم یثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعین ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم فی الفتاویٰ فی الحلال والحرام شيء صریح في أن طلاق الثلاث بعد الدخول یحسب واحدة إذا سیق بلفظ واحد. (الاشفاق علی احکام الطلاق للعلامة الکوثریؒ:۴۱،سعید).

☆ علامہ ابن تیمیہؒ کے جدامجد ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام الملقب بابن تیمیہ الحنبلیؒ اپنی مشہور کتاب "منتقی الأخبار" میں "باب ما جاء في طلاق البتة وجمع الثلاث وتفریقها" کے تحت احادیث وآثار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهذا کله یدل علی إجماعهم علی صحة وقوع الثلاث بالکلمة الواحدة. (منتقی الاخبار:۲۳۷).

☆ "**مجلة البحوث الإسلامیة**" سعودی عرب سے جاری شدہ رسالہ میں یہ مسئلہ بعنوان "حکم الطلاق الثلاث بلفظ واحد في ضوء الکتاب والسنة، فتویٰ کبار العلماء والمحققین" بڑی تفصیل سے مذکور ہے، تقریباً ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، مختصر عبارت ملاحظہ فرمائیں:

خامساً أن القول بوقوع الثلاث ثلاثاً قول أکثر أهل العلم فلقد أخذ به عمر وعثمان وعلي والعبادلة ابن عباس وابن عمر وابن عمرو وابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنهم

وغيرهم من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال به الأئمة الأربعة : أبوحنيفةؒ ومالكؒ والشافعيؒ وأحمدؒ وابن أبي ليلىٰؒ والأوزاعيؒ وذكر ابن عبد الهادي عن أبي رجب بقوله : اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتمد بقولهم في الفتاوىٰ في الحلال والحرام شيء صريح في أن طلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد . وقال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ في معرض بحثه الأقوال في ذلك : الثاني أنه طلاق محرم ولازم وهوقول مالكؒ وأبي حنيفةؒ وأحمدؒ في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه ، وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين . وقال ابن القيم : واختلف الناس فيها أى في وقوع الثلاث بكلمة واحدة على أربعة مذاهب أحدها : أنه يقع، هذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثيرمن الصحابة . وقال القرطبي: قال علماؤنا واتفق أئمة الفتاوىٰ على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهوقول جمهور السلف. (مجلة البحوث الاسلامية: المجلد الاول العدد الثالث، سنة ۱۳۹۷ھ الرياض، مكة المكرمة) .

☆ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخالفتِ اجماع کی غلط نسبت:

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دورِ فاروقی میں ہونے والے اجماعِ صحابہ سے اختلاف کرنے والا بتایا جاتا ہے، جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے، سلیمان اعمشؒ کے نقل کردہ ایک واقعہ سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے، جس کو امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے:

عن الأعمش قال: كان بالكوفة شيخ يقول: سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فإنه يرد إلى واحدة ، والناس عنقاً واحداً إذ ذاك يأتونه ويسمعون منه، قال :فأتيته فقرعت عليه الباب، فخرج إليّ شيخ، فقلت له: كيف سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه فيمن طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد؟ قال: سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه يقول :إذا طلق رجل

امرأته ثلاثاً في مجلس فإنه يرد إلى واحدة ، فقلت له: أين سمعت من علي ؟ قال: أخرج إليک كتاباً ، فأخرج فإذا فيه :بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما سمعت علي بن أبي طالب ﷛ يقول: إذا طلق رجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فقد بانت منه ولاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره، قال: قلت: ويحک ! هذا غير الذي تقول، قال: الصحيح هو هذا ، ولكن هؤلاء أرادوني على ذلک . (السنن الكبرى للبيهقي:۳۳۹/۷، باب من جعل الثلاث واحدة) .

اس واقعہ سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا صحیح مسلک معلوم ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہوس پرستوں نے کس طرح اس باب کی احادیث وآثار میں تحریف کی ہے۔

الغرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اجماع سے اختلاف کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

❁ مخالف دلائل پر ایک نظر:

روافض اور داود ظاہری تین طلاق کے منکر ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، اور وہ اپنے اس دعوی پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل حدیث ابن عباس ﷛ ہے:

صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ مروی ہے:

عن ابن عباس ﷛ قال: كانت الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر ﷛ وسنتين من خلافة عمر ﷛ طلاق الثلاث واحدة ، فقال عمربن الخطاب ﷛: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم أناة فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم. (صحيح مسلم شريف : ۴۷۷/۱ ،باب الطلاق الثلاث ،فيصل) .

تین طلاقوں کو ایک ماننے والے کہتے ہیں کہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ اصل سنت جس پر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عمل ہوتا رہا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ زریں میں نیز حضرت عمر ﷛ کی خلافت کے ابتدائی دو، تین سالوں میں بھی یہی معمول رہا، کہ تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، لہذا یہی قابل اتباع ہے۔

حضراتِ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر کافی شافی کلام فرمایا ہے۔اوراس حدیث کے متعدد جوابات دیئے ہیں،شراحِ بخاری کے سرخیل وامام الناقدین حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔جمہور کی جانب سے دیئے گئے ان متعدد جوابات میں سے چند پیش خدمت ہیں:

الجواب(۱) یہ روایت وہم اور غلط ہے،علماء میں سے کسی نے بھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ الجوہر النقی میں ہے:

وذكر صاحب الاستذكار أن هذه الرواية وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من العلماء. (الجوهر النقی:۷/۳۳۷،باب من جعل الثلاث واحدة ، دار المعرفة) .

وفي الاستذكار: قال أبوعمر: ماكان ابن عباس ﷺ ليخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين إلى رأي نفسه، ورواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والعراق والمغرب والمشرق والشام. (الاستذكار لابن عبدالبر:۶/۶،باب ماجاء فی "البتة"،دار الكتب العمية) .

(۲) یہ روایت بحوالہ طاؤسؒ نقل کی جاتی ہے،لیکن حضرت طاؤسؒ ہی اس کی تردید کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: **قال العلامة محمد زاهد الكوثري: قال الحسين بن علي الكرابيسي في أدب القضاء: " أخبرنا على ابن عبد الله ـ وهو ابن المديني ـ عن عبد الرزاق عن معمرعن ابن طاؤس عن طاؤس أنه قال: من حدثک عن طاؤس أنه كان يروي طلاق الثلاث واحدة، كذبه ".** (الاشفاق علی احکام الطلاق:ص۳۹، سعید) .

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کا فتویٰ بھی اس مقولہ کے خلاف ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں،جیسا کہ سنن کبریٰ بیہقی میں ہے:

عن سعيد بن جبيرؒ عن ابن عباس ﷺ في رجل طلق امرأته ألفاً، قال: أما ثلاث فتحرم

علیک امرأتک، وبقیتهن علیک وزر، اتخذت آیات الله هزواً. (السنن الکبری للبیهقی:۷/۳۳۲،وسنن دارقطنی:۴/۱۳،وقال الشیخ الالبانی فی الارواء: اسناده صحیح).

نیز ان کے تلامذہ: سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک بن حارث، محمد بن ایاس بن بکیر، اور معاویہ بن ابی عیاش انصاری ان تمام نے یہی نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، اور راوی کا فتویٰ اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت یا تو مؤول ہوتی ہے یا منسوخ۔

(۴) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کو بالفرض اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا ایک بہت ہی ظاہر اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے پہلا لفظ طلاق کے لیے کہا ہے، دوسرا اور تیسرا لفظ محض تاکید کے لیے کہا ہے، طلاق کے لیے نہیں کہا تو زمانہ خیر القرون میں سلامتِ صدر اور غلبہ صدق کی بنا پر اس کا قول قبول کر لیا جاتا اور اس کو قضاءً بھی ایک ہی طلاق کا فیصلہ دیا جاتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں طلاق کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے، نیز صدق و دیانت میں بھی کمی محسوس کی گئی تو انہوں نے اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی شخص اس طرح طلاق دے گا، یعنی تین لفظوں سے طلاق دے تو تاکید کا عذر قبول نہ ہوگا، اور ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتے ہوئے قضاءً اس کو تین طلاق شمار کیا جائے گا۔(بذل المجهود:۱۰/۳۰۰، بیان حکم الطلقات الثلاث،المکتبة الامدادیة).

امام قرطبیؒ نے اس جواب کو پسند فرمایا ہے۔(الجامع لاحکام القرآن:۳/۸۶).

اور امام نوویؒ نے اس کو اصح الاجوبہ قرار دیا ہے۔(شرح مسلم للنوویؒ:۱/۴۷۸،فیصل).

(۵) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ غیر مدخول بہا کو اس طرح طلاق دیتے تھے: "أنت طالق ،أنت طالق،أنت طالق" اس صورت میں پہلی طلاق سے غیر مدخول بہا بائنہ ہو جاتی تھی، اور دوسری تیسری واقع نہیں ہوتی تھیں، اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں نے غیر مدخول بہا کو "أنت طالق ثلاثاً" کے الفاظ سے طلاق دینی شروع کر دی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں طلاقوں کے وقوع کا حکم جاری فرما دیا۔

(۶) پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع ہوسکتا تھا، مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، اس کی تائید حسبِ ذیل روایت سے ہوتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: **﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء، ولايحل لهن أن يكتمن ماخلق الله في أرحامهن﴾**. (سورة البقرة:۲۲۸). **وذلک أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثاً، فنسخ ذلک فقال: ﴿الطلاق مرتٰن﴾ الآية**. (سنن ابی داود: ۱/۲۹۷، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، فيصل ـ والسنن الكبرى للبيهقي:۷/۳۳۷،باب من جعل ثلاث واحدة، دار المعرفة).

(۷) محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ فرماتے ہیں کہ:

یہ حدیث کسی طرح قابل استدلال نہیں ہے، اس لیے کہ: اولاً تو اس میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مذکور ہے نہ فعل اور نہ یہ مذکور ہے کہ تین کو ایک کرنے کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی تھی، اطلاع ملنے پر آپ سکوت کرتے تھے، اور جب ان میں سے کوئی چیز مذکور نہیں ہے تو یہ حدیث نہ ہوئی۔

ابن حزم ظاہریؒ نے اس روایت کو رد کر دیا ہے:

وأما حديث طاؤسؒ فليس شيء أنه عليه السلام هو الذي جعلها واحدة أو ردها إلى الواحدة ولا أنه عليه السلام علمه فأقره. (المحلی لابن الحزم: ۱۰/۱۶۸).

ثانیاً: اس روایت میں تین طلاقوں کے ایک شمار کیے جانے کی تصریح نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف اتنا مذکور ہے کہ تین طلاق ایک تھی یا ایک کی جاتی تھی، اس سے زیادہ اور اس سے صاف کوئی بات کسی صحیح طریق میں مذکور نہیں ہے۔

پس استدلال کرنے سے پیشتر یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ روایت میں جو کچھ مذکور ہے اس کا کوئی اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا بجز اس کے کہ تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، اور یہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔

امام ابوزرعہ رازیؒ اتنے بڑے محدث اور امام ہیں کہ امام مسلمؒ نے ان کے سامنے اپنی صحیح پیش کی، اور انہوں نے جن جن حدیثوں کو معلول قرار دیا ان کو امام مسلمؒ نے بے چوں و چرا حذف کر دیا، انھیں ابوزرعہؒ نے

روایتِ مذکورہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ طلاق جو آج تین تین دی جاتی ہے عہدِ نبوی و عہدِ صدیقی میں ایک ہی دی جاتی تھی، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے دھڑ ادھڑ تین طلاقیں دینا شروع کیں تو انھوں نے ان کو لازم بھی کر دیا (دیکھو سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ)۔

ثالثاً: روایتِ مسلم میں اس کی تصریح بھی نہیں ہے کہ کون سی تین طلاق ایک تھی، ایک ساتھ دی ہوئی یا الگ الگ طہر میں پھر ایک ساتھ دی ہوئی بھی ایک لفظ میں یا تین لفظوں میں پھر وہ بھی مدخولہ کو یا غیر مدخولہ کو، لہذا اس روایت سے استدلال کرنے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ اس سے ہر قسم کی تین طلاق مراد ہیں، یا اس کی بعض قسمیں، اگر تمام قسمیں مراد ہیں تو یہ روایت قرآن وحدیث کے خلاف ہو جائے گی، اور اگر بعض قسمیں مراد ہیں، تو وہ کون کون ہیں، اور اس کی کیا دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں بعض قسموں کے متعلق یہ بیان کیا ہے اور ان بعض قسموں کے مراد ہونے کی خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے...جب تک یہ باتیں صاف نہ کر لی جائیں اس وقت تک اس روایت کو استدلال کے لیے لانا صریح مغالطہ ہے۔ (ملخص از مقالاتِ ابو المآثر، جلد اول: ۳۱۵-۳۱۷، المجمع العلمی، مرکز تحقیقات وخدماتِ علمیہ، مئو)۔

دوسری دلیل حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مسند احمد میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: طلق ركانة بن عبد يزيد رضي الله عنه أخو بني مطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فحزن عليها حزناً شديداً، قال: فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقتها؟ قال: طلقتها ثلاثاً، قال: فقال: في مجلس واحد؟ قال: نعم! قال: فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت، قال: فرجعها. (مسند احمد: ۱/۳۴۷).

الجواب: جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ طلاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں "طلق امرأته ثلاثاً"۔ بعض میں "طلق امرأته البتة"۔ امام ابوداؤد، امام شافعی امام ابن حبان، امام حاکم، امام دارقطنی، رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر محدثین نے طلاق "البتة" والی روایت کی تصحیح کی ہے، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: "أثبت ماروي في قصة ركانة أنه طلقها البتة لا

ثلاثاً. (نیل الاوطار:٦/٢٤٦،ادارۃ القرآن) .

اس کے برعکس "طلق امرأته ثلاثاً" والی روایت محدثین کے نزدیک فنی اعتبار سے ساقط ہے،اور قابلِ استدلال نہیں ہے۔

طلاق" البتة "والی روایت کوامام ابوداوٗدؒ نے اصح کہا ہے۔

قال أبوداود : هذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً،لأنهم أهل بيته وهم أعلم به ، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباسﷺ . (سنن ابی داؤد:١/٣٠١، باب فی البتة، کتاب الطلاق،فیصل) .

امام ابوداوٗدؒ کی تصحیح پر اشکال اور جواب:

اشکال: بلوغ المرام کے محشی صفی الرحمٰن مبارکپوری نے ابوداوٗدشریف کی روایت کوضعیف قرار دیکر مسنداحمد کی روایت کوقوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،اور امام ابوداوٗدؒ کے قول " هذا أصح "کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ دراصل امام ابوداوٗدؒ نے دوضعیف روایتوں میں سے ایک کے ضعف کوخفیف اور ہلکا قرار دیا ہے، ورنہ دونوں ضعیف ہیں، ملاحظہ ہو بلوغ المرام کا حاشیہ وتعلیق:(ص۳۲۱)۔اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: بلوغ المرام کے محشی کا اعتراض مبنی برانصاف نہیں ہے،وجہ یہ ہے کہ امام حاکمؒ ،حافظ ذہبیؒ، ابن حبانؒ وغیرہ نے بھی اس روایت کی تصحیح کی ہے،اور امام ابوداوٗدؒ کی تصحیح کوامام دارقطنیؒ ،محقق ابن حجرؒ،علامہ صنعانیؒ وغیرہ نے بلاچوں وچرانقل فرمایا ہے، بلکہ محقق ابن حجرؒ نے مسنداحمد کی روایت کو(جس میں طلاقِ ثلاثہ ایک مجلس میں دینے کے بعد رجوع کا ذکر ہے)معلول قرار دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حافظ ابن حجرؒ "تلخیص الحبیر"میں فرماتے ہیں:

وصححه أبوداؤد وابن حبان والحاكم، وفي الباب عن ابن عباسﷺ **رواه أحمد والحاكم، وهومعلول أيضاً** . (تلخیص الحبیر: ٣/٤٤١/١٧٤٤،کتاب الطلاق) .

علامہ صنعانی سبل السلام شرح بلوغ المرام میں فرماتے ہیں:

وقد صححه أبو داؤد، لأنه أخرجه أيضاً من طريق آخر وهي التي أشار إليها المصنف بقوله " أحسن منه" وهي أنه أخرجه من حديث نافع بن عجيربن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة...، الحديث. وصححه أيضاً ابن حبان والحاكم. (سبل السلام شرح بلوغ المرام:۳/۳٦۰، طلاق الثلاث بلفظ واحد).

قال الحاكم في المستدرك : قد صح الحديث بهذه الرواية، فإن الإمام الشافعيؒ قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته...ووافقه الذهبي. (المستدرك:۲/۲۵۰/۲۸۰۸، كتاب الطلاق، دارابن حزم).

وقال الإمام الدارقطني: قال أبو داؤد: هذا حديث صحيح . (سنن الدارقطني:۴/۳۳، كتاب الطلاق،و الخلع،القاهرة).

ابوداؤد کے رجال کی تحقیق:

(۱) أحمد بن عمروبن السرح أبوطاهر المصرى:ثقة.(التقريب:۱۵).

(۲) إبراهيم بن خالد الكلبي،الفقيه صاحب الشافعي :ثقة.(التقريب:۲۰).

(۳) محمد بن إدريس الشافعي الإمام المعروف المحدث الكبير صاحب المناقب.

(۴) محمد بن علي بن شافع: قال الحافظ في "التقريب" (۳۱۲) والذهبي في "الكاشف"(۲/۲۰۳): وثقه الشافعي. انتهى .

(۵) عبد الله بن علي بن السائب: قال الحافظ في " التقريب "(۱۸۲):مستور.انتهى. وقال الدكتور بشار عواد وشعيب الأرنؤوط في "التحريرعلى التقريب" (۲/۲۴۱/۳۴۸۵): بل صدوق، حسن الحديث، فقد روي عنه أربعة، وذكره ابن حبان في "الثقات" وقال الذهبي في " الكاشف"(۲/۹۹): لم يضعف. انتهى .

(۶) نافع بن عجير: قال الحافظ في "التهذيب" (۱۰/۳٦۴): ذكره ابن حبان في "الثقات" وذكره ابن حبان أيضاً في الصحابة وكذا أبو القاسم البغوي، وأبونعيم، وأبوموسىٰ في الذيل وغيرهم. انتهى.

وقال الذهبي فی "الکاشف"(۳۱٤/۲) : وثق .انتهی .

دوسری سند کی تحقیق:

(۱) جریربن حازم: قال الذهبي فی "الکاشف"(۲۹۱/۱): ثقة. انتهی.

وقال الحافظ فی "التهذیب" (۶۳/۲): قال ابن معین: ثقة ، وقال العجلی:بصری ثقة ، وقال النسائي: لیس به بأس، وقال أبوحاتم: صدوق صالح. انتهی.

وقال الدکتور بشار عواد وشعیب الأرنؤوط فی "التحریرعلی التقریب" (۹۱۱/۲۱۲/۱): أخرج له البخاري في "صحیحه" أحادیث یسیرة ... وقال الذهبي فی "السیر" (۱۰۰/۷): اغتفرت أوهامه في سعة ماروی، وأنه اختلط قبل موته بسنة وقد حجبه أولاده فلم یحدث في حال اختلاطه . انتهی.

(۲) زبیربن سعید بن سلیمان أبوهاشم: قال الحافظ فی"التهذیب"(۲۸۰/۳):قال الدوري عن ابن معین: ثقة ، وقال أبوزرعة: شیخ، وقال الدارقطني: یعتبربه، وذکره ابن حبان فی"الثقات". انتهی.

وقال الذهبي فی"المیزان" (۲۵۷/۲): روی عباس عن ابن معین: ثقة، وقال أحمد بن حنبل: فیه لین . انتهی.

(۳) عبد الله بن علي بن یزید بن رکانة: قال الذهبي فی "الکاشف" (۹۹/۲): وثق.انتهی.

وقال الحافظ فی "التهذیب"(۲۸۹/۵): ذکره ابن حبان فی"الثقات"(۱۶۵/۵). انتهی.

وقال الحافظ فی"التقریب": لین الحدیث. انتهی.

وقال المزي فی "تهذیب الکمال"(۳۲۳/۱۵): ذکره ابن حبان فی"الثقات"، وقد وقع لنا حدیثه عالیاً أخبرنا به أبوإسحاق...عن عبد اللّٰه بن علی بن رکانة عن أبیه عن جده "أنه طلق امرأته علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم البتة...رواه أبوداؤدفوافقناه فیه بعلو.انتهی

(۴) عن أبيه أى علي بن يزيد بن ركانة: قال الحافظ في "التهذيب"(۳۳۳/۷) والمزي في" تهذيب الكمال"(۱۷۵/۲۱): ذكره ابن حبان في "الثقات". انتهى.

وقال الذهبي في "الميزان"(٨١/٤): قال البخاري: لم يصح حديثه. انتهى.

الغرض علی بن یزید پرکلام ہے،لہذا یہ روایت ضعیف ہے،لیکن نافع بن عجیر کی روایت کے ساتھ بطورِ شاہد پیش کر سکتے ہیں،جبکہ اس کا قوی متابع بھی موجود ہے۔

ملاحظہ ہو مسند ابی داؤد الطیالسی میں ہے:

" قال أبوداود : وسمعت شيخاً بمكة فقال: حدثنا عبد الله بن علي عن نافع بن عجير عن ركانة بن عبد يزيد قال: كانت عندي امرأة يقال لها سهيمة، فطلقتها البتة... الحديث. (١/١٦٤/١١٨٨، دارالمعرفة، بيروت).

شیخ البانی ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

و يغلب على ظني أن هذا الشيخ المكي إنما هو محمد بن علي بن شافع فإنه مكي، وعليه فيكون الطيالسي قد تابع الإمام الشافعيؒ في رواية الحديث عنه. والله أعلم.

قلت: وهذا الإسناد أحسن حالاً من الذي قبله، فإن رجاله ثقات. (ارواء الغليل:١٤٢/٧، باب صريح الطلاق وكنايته، المكتب الاسلامى).

مسند احمد کی روایت کی تحقیق: (جس میں ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا ذکر ہے)

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط في "تعليقه على مسند الإمام أحمد بن حنبل": إسناده ضعيف، رواية داؤد عن عكرمة فيها شيء، قال ابن المديني: ماروى عن عكرمة فمنكر، وقال أبوداؤد: أحاديثه عن شيوخه مستقيمة، وأحاديثه عن عكرمة مناكير، وقال الذهبي في كتابه" من تكلم فيه وهوموثق "(١٠٥): ثقة مشهور له غرائب تستنكر، وقال الحافظ في "التقريب": ثقة إلا عن عكرمة... وقد روى أبوداؤد هذا الحديث بإسناد أجود منه: أن ركانة طلق امرأته البتة...وقال الحافظ ابن حجرؒ في "الفتح"(٣٦٣/٩): إن أباداؤد رجح أن

رکانة إنما طلق امرأته البتة، كما أخرجه هو من طريق آل بيت ركانة، وهوتعليل قوي...

(مسندالامام احمدبتحقيق شعيب الارنؤوط:٤/٢١٥ـ٢١٨/٢٣٨٧،مؤسسة الرسالة) .

وقال المزي في" تهذيب الكمال " (٨/٣٨٠) والحافظ في"التهذيب"(٣/١٦٣):قال الساجي:منكرالحديث، يتهم برأي الخوارج، وقال ابن عيينة: كنا نتقي حديث داؤد. انتهى.

وقال ابن الجوازي في"الضعفاء والمتروكين"(١/٢٦١): قال ابن حبان: يحدث عن الثقات بما لايشبه حديث الأثبات، يجب مجانة روايته. انتهى.

وقال أبوالفداء في " تعليقه على الضعفاء والمتروكين"(١/٢٦١) بعد ذكرأقوال المحدثين: من ذلک يتضح أن داؤد مضعف لسببين:

أولاً　روايته عن عكرمة منكرة .

ثانياً كونه خارجياً. ومنكرالحديث.

لہذا صحیح یہ ہے کہ انہوں نے صراحۃً تین طلاق نہیں دی تھی، بلکہ طلاق "البتة" دی تھی اوراس وقت طلاقِ "البتة" بھی تین طلاق کے موقع پر استعمال ہوتی تھی، جیسا کہ سنن دارقطنی میں ص۴۳۳ پر مذکور ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حلف دے کر پوچھا کہ تم نے ایک کا ارادہ کیا تھا؟ جب انہوں نے حلف سے بیان کیا کہ میرا ارادہ ایک ہی طلاق کا تھا تب ان کو رجعت کا اختیار دیا گیا۔

ملاحظہ فرمائیں ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: يارسول الله ! إني طلقت امرأتي البتة، فقال: ما أردت بها؟ فقلت: واحدة، قال: والله ؟ قلت: والله ، قال: فهو ما أردت . (رواه الترمذی: ١/٢٢٢،باب فی الرجل طلق امرأته البتة،فيصل).

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وقد اختلف أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم في طلاق "البتة" فروي عن عمربن الخطاب ﷺ أنه جعل البتة واحدة، وروي عن علي ﷺ أنه جعلها

ثلاثاً ، وقال بعض أهل العلم : فيه نية الرجل إن نوى واحدة فواحدة، وإن نوى ثلاثاً فثلاث، وإن ثنتين لم تكن إلا واحدة، وهوقول الثوريؒ وأهل الكوفة ، وقال مالك بن أنسؒ في البتة: إن كان قد دخل بها، فهي ثلاث تطليقات، وقال الشافعيؒ: إن نوى واحدة فواحدة يملك الرجعة ، وإن نوى ثنتين فثنتين، وإن نوى ثلاثاً فثلاث. (ترمذی شریف: ۱/۲۲۲، باب فی الرجل طلق امرأته البتة، فیصل).

مزید جوابات اوران کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (**فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۹/۳۶۲۔۳۶۷، کتاب الطلاق، باب من جوزالطلاق الثلاث. وعمدة القاری شرح صحیح البخاری: ج۱۴. وبذل المجهود: ۱۰/۲۸۶، باب فی نسخ المراجعة بعد الطليقات الثلاث. واوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک: ۴/۳۳۱، باب ماجاء فی البتة.وشرح النووی علی صحیح مسلم : ۱/۴۷۸، باب الطلاق الثلاث. والجامع لاحکام القرآن: ۳/۸۶.ونیل الاوطار:۶/۲۴۵۔۲۴۸، ادارة القرآن. وازالة الخفاء.وزادالمعاد. واغاثة اللهفان**).

وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل: جلددوم۔وفتاوی محمودیہ: جلددوازدہم ،مبوب ومرتب۔ وفتاوی رحیمیہ: جلدہشتم مبوب ومرتب۔وخیرالفتاوی: جلدپنجم۔ورسالہ تین طلاق کا ثبوت اسلامی شریعت میں ، ازمولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ورسالہ عمدۃ الثلاث فی حکم الطلقات الثلاث،ازشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفرازخان صاحبؒ۔واللہ ﷻ اعلم۔

طلاق، طلاق، طلاق سے طلاقِ ثلاثہ کا حکم:

سوال: میاں بیوی کے منازعہ میں شوہر نے بیوی سے کہا ''طلاق، طلاق، طلاق، کیا تم اب خوش ہو! کیا تم اب خاموش رہوگی! بعد میں شوہر کہتا ہے کہ صرف تم کو خاموش کرنے کے لیے ایسا کہا تھا، شریعتِ مطہرہ میں اب کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اس لیے کہ الفاظِ صریحہ میں نیت کی حاجت نہیں ہے، نیز کھیل کود اور مذاق میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ لہذا خاموش کرنے والی بات قابل قبول نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس نے پہلے سے گواہ بنالیے تھے، مثلاً یہ کہہ رکھا تھا کہ میں اس طرح کہوں گا، لیکن میری نیت طلاق دینا نہیں، صرف بیوی کو خاموش کرنا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وأما الهازل فيقع طلاقه قضاءً وديانةً لأنه قصد السبب عالماً بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده أولم يرده. (فتاوی الشامی :۳/ ۲۵۰، سعید۔ وکذا فی الهداية:۲/ ۳۵۹، باب ايقاع الطلاق).

درمختار میں ہے:

وإن قال تعمدته تخويفاً لم يصدق قضاءً إلا إذا أشهد عليه قبله وبه يفتى. وفي الطحطاوي: قوله تعمدته تخويفاً ولم يكن من قصدي الطلاق، قوله إلا إذا أشهد عليه قبله أي قبل التكلم بأن قال: امرأتي طلبت مني الطلاق وأناْ لا أطلق فأقول هذا، بحر.

(الدرالمختار مع حاشية الطحطاوی :۲/ ۱۱۲، باب الصريح).

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

طلاق تین بار بولا گیا ہے، اس لیے تین طلاقیں واقع ہونے کا حکم دے دیا جائے گا، باقی اس کی طلاق کی نیت نہیں تو حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''طلاق'' طلاق دینے کے لیے صریح ہے نیت کا محتاج نہیں ہے'' **ولا يفتقر إلى نية لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال**''. (الهداية:۲/ ۳۵۹، باب ايقاع الطلاق)۔ ایسے ہی ڈرانے دھمکانے کی بات

قابل قبول نہیں" وإن قال: تعمدته..." البتہ وقوعِ طلاق کے لیے اضافت ضروری ہے، یعنی نسبت کرنا، یعنی نام لیکر یا اشارہ کر کے یا خطاب کرتے ہوئے طلاق کو بیوی کی طرف منسوب کرنا... لیکن اضافتِ صریحہ لازم نہیں ہے اضافتِ معنویہ جو قرائن اور مذاکرہ اور دلالت حال سے ثابت ہو وہ کافی ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۸/۳۱۴، مبوب و مرتب)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۹/۲۸۲، مدلل مکمل۔ وفتاوی محمودیہ: ۱۲/۲۵۴، ۲۶۵، مبوب ومرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو طلاق دیکر تین کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، پھر جب بیوی کے خاندان والے زیارت کے لیے پہونچے اور انہوں نے پوچھا کہ آپ نے کتنی طلاقیں دیں، تو اس نے کہا میں نے تین طلاقیں دیں، بنگاہِ شریعت کتنی واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کے تین طلاق کا اقرار کرنے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اگر چہ در حقیقت دو ہی طلاقیں دی تھیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وكذا أنت طالق قبل أن أتزوجك أو أمس وقد نكحها اليوم ولو نكحها قبل أمس وقع الآن لأن الإنشاء في الماضي إنشاء في الحال... أنت حر قبل أن أشتريك أو أنت حر أمس وقد اشتراه اليوم فإنه يعتق لما يعتق لو أقر لعبد ثم اشتراه لإقراره بحريته. وفي الشامية: قوله لأن الإنشاء في الماضي إنشاء في الحال لأنه ما أسنده إلى حالة منافية، ولا يمكن تصحيحه إخباراً لكذبه وعدم قدرته على الإسناد، فكان إنشاء في الحال.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۶۶، باب الصريح، سعيد)۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الصغرى: في أمالي أبي يوسفؒ: إذا قال لها: "قد طلقتك" أو قال لها: "أنت طالق" وأراد الخبر عما مضى كذباً وسعه فيما بينه وبين الله تعالىٰ أن يمسكها، وإن لم يرد

الخبر عما مضى وأراد الكذب فهي طالق في القضاء وفيما بينه وبين ربه، وكذا إذا أراد الهزل طلقت قضاءً وديانةً. (الفتاوى التاتارخانية:۳/۲٦١،فيما يرجع الى صريح الطلاق،ادارة القرآن).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو دوطلاقیں دی تھی، چندایام کے بعد ایک مولوی صاحب اس معاملہ کے فیصلہ کے لیے تشریف لائے، اور مجمع عام میں اس مردِ مطلق سے دریافت کیا کہ تم نے اپنی زوجہ کو کتنی طلاق دی، اس مرد نے کہا کہ تین طلاقِ مغلظہ، پھر دوچار یوم کے بعد وہ مرد کہنے لگا کہ میں نے دراصل دوطلاق دی تھی، دو گواہ موجود تھے، میں نے جھوٹ بول کر تین کہہ دی، آیا دوطلاق ہوں گی، یا تین؟

الجواب: جب کہ اس مرد نے بجوابِ سوال مذکور یہ کہا کہ تین مغلظہ تو اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہوئی، اور رجوع کرنا اس کلام سے صحیح نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۲۲۶،۳۱۴،۳۴۲،مدلل مکمل). واللہ ﷻ اعلم۔

’’ایک دی دو دے رہا ہوں‘‘ سے تین طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا ’’کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی تھی دو اب دے رہا ہوں‘‘ ان الفاظ سے کتنی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان الفاظ سے ’’ایک دی تھی دو دے رہا ہوں‘‘ تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے، اس لیے کہ ’’طلاق دے رہا ہوں‘‘ صیغۂ حال ہے جس سے فی الحال طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی شامی میں ہے:

قوله وما بمعناها من الصريح أي مثل ماسيذكره من نحو: كونه طالقاً واطلقي يامطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر. (فتاوى الشامى: ۳/۲٤٨، باب الصريح، سعيد).

فتاوی عالمگیری میں ہے:

قالت لزوجها: من با تونمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو أست، مرا طلاق كن، فقال الزوج: طلاق في كنم طلاق مي كنم، وكرر ثلاثاً طلقت ثلاثاً.
(الفتاوى الهندية: ١/ ٣٨٤، باب الطلاق بالفاظ الفارسية).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

ایسا لفظ جو زمانہ حال میں طلاق دینے پر دلالت کرتا ہو اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، وقوعِ طلاق کے لیے صیغہ ماضی ہی ہونا ضروری نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۲/۸، مبوب ومرتب)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: ۱/ ۳۸، کتاب الطلاق، دارالاشاعۃ العربیۃ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

زوجہ کے مطالبہ پر شوہر نے کہا آپ کو مل گئی:

سوال: میاں بیوی کے درمیان جھگڑا چل رہا تھا، اسی دوران بیوی نے کہا مجھے اپنی طلاق دیدو، یا کہا مجھے طلاق مل سکتی ہے، جواب میں شوہر نے کہا، ٹھیک ہے آپ کو مل گئی، پھر بیوی نے پوچھا کہ کیا تین ہیں؟ شوہر نے کہا جی ہاں! تین ہیں، کونسی طلاق واقع ہوئی رجعی یا بائن اور کیا تین واقع ہوئی یا ایک؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بیوی کے مطالبۂ طلاق پر شوہر نے مطالبہ پورا کردیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، پھر عدد کے بارے میں دریافت کرنے پر شوہر نے تین کا اقرار کیا تو تین واقع ہوئی، اور عورت مغلظہ ہوگئی، اب بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

وفي المنتقى: امرأة قالت لزوجها: طلقني، فقال الزوج: قد فعلت، طلقت. (الفتاوى الهندية: ١/ ٣٥٦، ايقاع الطلاق).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ذكر الطلاق بلا عدد فقيل له بعد ماسكت كم؟ فقال: ثلاثاً، وقع ثلاث عندهما خلافاً لمحمدؒ... وفي الجوهرة: قال: أنت طالق، فقيل له بعد ما سكت كم؟ فقال: ثلاث، وفي

الخانية: ويحتمل أن هذا قول أبي حنيفةؒ فإن عنده إذا طلق واحدة ثم قال: جعلتها ثلاثاً تصير ثلاثاً. (فتاوى الشامي:۳/۳۰۵، باب الكنايات،سعيد).

التحریر المختار میں ہے:

قوله ويحتمل أن هذا قول أبي حنيفةؒ : يبطل هذا الاحتمال جعل أبي يوسفؒ مع الإمام والظاهر أن وجه الوقوع على قولهما أن السوال يتضمن الطلاق كأنه قال: كم طلقت؟ والجواب يتضمن ما في السوال فكأنه قال: طلقت ثلاثاً. (التحرير المختار على هامش ردالمحتار:۳/۲۱۹، باب الكنايات، سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مطالبہ پر تین مرتبہ (I talaaq you) کہنے کا حکم:

سوال: میوں بیوی کے درمیان تین گھنٹے سے جھگڑا چل رہا تھا آخر میں بیوی نے کہا مجھے طلاق دیدو، میں گھر جانا چاہتی ہوں، شوہر نے تین مرتبہ (I talaaq you) کہا، کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تین طلاقیں واقع ہوکر عورت مغلظہ ہوگئی، اور بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں رہی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قالت لزوجها: طلقني، فقال الزوج: فعلت،طلقت. وفي الشامي: أى بقرينة الطلب.

(الدر المختار مع ردالمحتار:۳/۲۹٤،سعيدو كذا في الفتاوى الهندية:۱/۳۵٦).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله كرر لفظ الطلاق بأن قال للمدخولة: أنت طالق أنت طالق أوقد طلقتك قد طلقتك أوأنت طالق...قوله وإن نوى التأكيد دين أى وقع الكل قضاءً، وكذا إذا أطلق، أشباه: أى بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً لأن الأصل عدم التاكيد. (فتاوى الشامي:۳/۲۹۳،سعيد).

غمز عیون البصائر میں ہے:

لو كرر لفظ الطلاق، ولم ينو الاستئناف ، ولا التأكيد، يقع الكل قضاءً ، لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً، لأنه خير من التأكيد. (غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر:۱/ ۱۷۸، القاعدة الثانية،الامور بمقاصدها). **واللہ ﷻ اعلم۔**

دوطلاق کے بعد فسخ کرانے پر مغلظہ ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دومختلف اوقات میں اپنی بیوی کوایک ایک طلاق دی اس کے بعدرجوع کیا پھر کافی ساری وجوہات کی وجہ سے جمعیت نے نکاح فسخ کر دیا،اس لیے کہ شوہرطلاق نہیں دیتا تھا،اب بیوی پھر سابقہ شوہر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی ہے،تو کیابغیر حلالہ کے جائز ہے یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسؤلہ جمعیت کا فسخ شوہر کی کوتاہیوں کے سبب واقع ہوا ہےاس وجہ سے یہ فسخ طلاقِ بائنہ کے حکم میں ہوکر اگلی دوطلاقوں کے ساتھ طلاقِ ثلاثہ کا حکم اختیار کرلے گا،اورعورت کے لیے بغیر حلالہ کے سابقہ شوہر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا درست نہیں ہوگا۔

ملاحظہ مختصر القدوری میں ہے:

والفرقة تطليقة بائنة. (قدوری:۲۱۹، کتاب النکاح).

ہدایہ میں ہے:

لأن فعل القاضي أضيف إلى فعل الزوج فكأنه طلقها بنفسه. (الهداية:۲/ ٤۲۱).

فتاوی شامی میں ہے:

قوله فرق الحاكم وهو طلاق البائن. (فتاوی الشامی:۳/ ۷۰،سعید).

الحیلۃ الناجزۃ میں ہے:

جن صورتوں میں قاضی عورت کواختیار دے ان میں حکم یہ ہے کہ اگرعورت اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہوسکتی ہے ورنہ نہیں،پس اگرعورت نے اسی مجلس میں تخییر کہدیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کوطلاق دیدواس پر اگر خاوند نے طلاق دیدی تو طلاقِ بائنہ واقع

ہوجائے گی، اگر وہ طلاق دینے سے انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے یعنی مثلاً یوں کہدے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کردیا تو یہ تفریق بھی شرعاً طلاقِ بائنہ کے قائم مقام ہوجاوے گی۔ (الحیلۃ الناجزۃ:۸۲).

دوسری جگہ مذکور ہے:

شرعی پنچایت اگر کسی معاملہ میں متفق ہوکر تفریق کردے تو اس کا حکم قاضی کے حکم قائم مقام ہوگا، اور تفریق وغیرہ صحیح ہوجائے گی۔ (الحیلۃ الناجزۃ:۴۷). واللہ ﷻ اعلم۔

غصہ کی حالت میں تین طلاق کا حکم:

سوال: ایک شوہر نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دی، کسی بدعتی عالم کے پاس جاکر فتویٰ پوچھا تو اس نے کہا کہ نکاح فسخ نہیں ہوا، کیونکہ حالتِ غصہ میں طلاق دی، اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بحالتِ غصہ دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، اب بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں، کیونکہ عام طور پر حالتِ غصہ ہی میں طلاق دی جاتی ہے، پیار ومحبت میں نہیں دی جاتی۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے

ويقع طلاق من غضب خلافاً لابن القيم ، وهذا الموافق عندنا لما مر في المدهوش.

(فتاوى الشامي:۳/۲٤٤،مطلب في طلاق المدهوش،سعيد).

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے:

فاعلم أن بعض العلماء قد قسم الغضب إلى ثلاثة أقسام الأول أن يكون الغضب في أول أمره فلا يغيرعقل الغضبان بحيث يقصد مايقول ويعلمه، ولاريب في أن الغضبان بهذا المعنى يقع طلاقه وتنفذعباراته باتفاق. (۲۲۷/٤،شروط الطلاق،القاهرة).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے، بعض متأخرین حنابلہ اس طرف گئے ہیں کہ حالت غضب میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اوران میں سے متقدمین کا قول یہ نہیں بلکہ حنفیہ کے موافق

ہے، قال أبوداود: " الغلاق أظنه في الغضب " اس سے ان بعض متاخرین حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ حدیث شریف "لاطلاق ولاعتاق في إغلاق " اغلاق کی تفسیر ابوداود نے غضب سے کی ہے، لہذا غصہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔اس کا جواب بذل المجہود شرح ابی داود میں اس طرح دیا ہے: " ورده ابن السيد، فقال: لوكان كذلک لم يقع على أحد طلاق لأن أحداً لايطلق حتى يغضب". (بذل المجهود:٣/٢٧٦، باب الطلاق على غيض).

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

قال المطرزي :قولهم إياک والغلق أى الضجروالغضب ورد الفارسي في مجمع الغرائب على من قال الإغلاق الغضب، وغلط في ذلک وقال: إن طلاق الناس غالباً إنماهو في حال الغضب، وقال ابن المرابط: الإغلاق حرج النفس، وليس كل من وقع له فارق عقله، ولوجاز عدم وقوع طلاق الغضبان لكان لكل أحد أن يقول فيماجناه كنت غضباناً ، وأراد بذلک الرد على من ذهب إلى أن الطلاق في الغضب لايقع، وهو مروي عن بعض متاخري الحنابلة ولم يوجد عن أحد من متقدميهم إلا ما أشار إليه أبو داود. وأما قوله في المطالع " الإغلاق الإكراه" وهومن أغلقت الباب ، وقيل الغضب ، وإليه ذهب أهل العراق، فليس بمعروف عن الحنفية. فتح الباری :٩/٣٨٩،باب الطلاق في الاغلاق والاکراہ۔ (فتاوی محمودیہ:١٢/٣٠٨،مبوب ومرتب)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بحالتِ غصہ سوطلاق دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا میں نے تم کو سوطلاقیں دیں، اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے غصہ کی حالت میں بلانیت طلاق یہ الفاظ کہے تھے تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کے یہ الفاظ"میں نے تم کو سوطلاقیں دیں" طلاق کے بارے میں صریح ہیں اورمحتاجِ نیت نہیں ہیں، بدون نیت طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہذا شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاقیں واقع

ہوگئیں، اور بقیہ (۹۷) ستانوے کا بار شخص مذکور کی گردن پر رہے گا اس سے توبہ اور استغفار لازم ہے۔ نیز غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے بلکہ عام طور پر غصہ کی حالت میں طلاق دی جاتی ہے، پیار ومحبت میں اکثر طلاق نہیں دی جاتی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

الصريح ما لايحتاج إلى نية بائناً كان الواقع به أورجعياً. (الدرالمختار:۳/۳۰۶،باب الصريح ،سعيد).

حدیث میں ہے:

عن مجاهدؒ عن ابن عباس ﷺ أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطليقة قال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك، لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً.(السنن الكبرى :۷/۳۳۱، بيروت).

وعن سعيد بن جبيرؒ عن ابن عباس ﷺ في رجل طلق امرأته ألفاً، فقال: أما ثلاث فتحرم عليك امرأتك وبقيتهن عليك وزر، اتخذت آيات الله هزواً.(السنن الكبرى:۷/۳۳۲،بيروت).

وفي المصنف لعبد الرزاق: عن داؤد بن عبادة [بن] الصامت ﷺ قال: طلق جدي امرأة له ألف تطليقة، فانطلق أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :...أما ثلاث فله أما تسع مائة وسبعة وتسعون فعدوان وظلم إن شاء الله تعالىٰ عذبه وإن شاء غفرله . (مصنف عبدالرزاق:۶/۳۹۳، المجلس العلمی).

شامی میں ہے:

ويقع طلاق من غضب خلافاً لابن القيم ، وهذا الموافق عندنا لما مر في المدهوش.

(فتاوی الشامی:۳/۲۴۴،مطلب فی طلاق المدهوش،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (فتح القدير:۴/۷۴،دارالفكر ـ والبحر الرائق:۳/۲۷۵، كوئٹه ـ وفتاوى محموديه:۱۲/۳۳۳،مبوب ومرتب ـ وفتاوى دارالعلوم ديوبند:۹/۴۹،مدلل مكمل ـ وامدادالاحكام :۲/۴۴۲). واللہ ﷻ اعلم۔

حالتِ حیض میں طلاقِ ثلاثہ کا حکم:

سوال: اگر آدمی نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو کیا حکم ہے؟ حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ حالتِ حیض میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور بغیر حلالہ کے زوجِ اول کے لیے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو دارقطنی میں ہے:

عن الحسن قال نا عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ أنہ طلق امرأتہ تطلیقة وهي حائض ثم أراد أن یتبعها بتطلیقتین أخراوین عند القرئین، فبلغ ذلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: یا ابن عمر ما هکذا أمرک اللّٰہ انک قد أخطأت السنة، والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق لکل قرء، قال فأمرني رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فراجعتها ثم قال: إذا هي طهرت فطلق عند ذلک أو أمسک فقلت: یارسول اللّٰہ! أرأیت لو أني طلقتها ثلاثاً أکان یحل لي أن أراجعها قال: لا، کانت تبین منک وتکون معصیة. (سنن دارقطني:۴/۳۱/۸۴، کتاب الطلاق، والسنن الکبری للبیهقي:۷/۳۳۴، دار المعرفة).

ہدایہ میں ہے:

وإذا طلق الرجل امرأته في حالة الحیض وقع الطلاق لأن النهي عنه لمعنی في غیره فلا ینعدم مشروعیته. (الهدایه:۲/، باب طلاق السنة).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والبدعي من حیث الوقت أن یطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحیض، وکان الطلاق واقعاً. (الفتاوی الهندیة:۱/۳۴۹).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حالت حیض میں طلاق دینا منع ہے، تاہم اگر کوئی حالت حیض میں طلاق دیدے تو وہ واقع ہوجائے گی، جس حیض میں طلاق دی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، اس کے بعد تین حیض مستقل لازم ہوں گے۔ (فتاوی محمودیہ:۱۲/۱۸۷، بمبوب ومرتب)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

طلاقِ ثلاثہ کے بعد شوہر کے منکر ہونے کا حکم:

سوال: میرے شوہر نے مجھے خلوت میں غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دیں جو میں نے اپنے کانوں سے سنیں، جب میں گھر جانے لگی تو اس نے روک دیا اور تین طلاق سے انکار کردیا، اب میرے لیے کیا راستہ ہے؟

الجواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت قاضی کی طرح ہے، اس لیے جب آپ نے طلاق خود اپنے کانوں سے سنی تو شوہر سے الگ رہے، لیکن اگر یہ صورت مشکل ہو کہ شوہر نہ چھوڑتا ہو اور نہ خلع کرتا ہو تو آپ اپنا معاملہ کسی شرعی قاضی یا حکم کے سامنے پیش کردے، اور گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر پر قسم آتی ہے، اگر شوہر نے قسم کھالی تو پھر آپ اس کے پاس رہ سکتی ہے، گناہ اس پر ہوگا، یہی مضمون فتاوی دار العلوم دیوبند میں کئی جگہ مذکور ہے۔

لیکن اگر اس پر اشکال کیا جائے کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے چاند کی گواہی دے اور گواہی منظور نہیں ہوئی، تو وہ شخص خود روزہ رکھے گا، معلوم ہوا کہ قاضی کے مقابلہ میں صاحبِ واقعہ کا قول معتبر ہے اور طلاق کے مسئلہ میں قاضی کی بات مانی گئی، تو اس کا جواب یوں سمجھ میں آتا ہے کہ رمضان کے مسئلہ میں روزہ کا تعلق صائم سے ہے کسی اور سے نہیں، اس لیے روزہ رکھے، مسئلہ مذکورہ میں نکاح کا تعلق شوہر سے بھی ہے اور وہ حلفاً انکار کرتا ہے، لہذا اس کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے حتی الوسع الگ رہنے کے باوجود ہم بستری میں گناہ شوہر پر ہوگا۔ نیز روزہ میں قضاء اور دیانت میں تعارض بھی نہیں، یہ روزہ رکھے اور لوگ نہ رکھے، لیکن زوجین میں قضاء اور دیانت میں تعارض ہے۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے سامنے جب شوہر کے طلاقِ ثلاثہ کے انکار اور عورت کے طلاقِ ثلاثہ کے دعوے کا مسئلہ آتا اور حضرت کو حکم بنایا جاتا تو عورت سے گواہ طلب کرتے اور جب عورت کے پاس گواہ نہ ہوتے تو شوہر سے قسم لیتے اور جب شوہر قسم کھاتا کہ میں نے تین طلاقیں نہیں دیں، تو بیوی سے فرماتے تم شوہر

کے ساتھ رہ سکتی ہو اگر شوہر جھوٹا ہوگا تو گناہ شوہر پر ہوگا، اس میں آسانی ہے اسی کی طرف بندہ کا میلان ہے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

سمعت من زوجها أنه طلقها ولاتقدرعلى منعه من نفسها إلا بقتله...وقال الأوزجندي: ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها، فالإثم عليه. وفى الطحطاوي: قوله فالإثم عليه ولا إثم عليها بتمكينه من نفسها. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۱۷۸،باب الرجعة، کوئٹہ).

فتاویٰ شامی میں ہے:

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولاتقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أوتهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه وكلما هرب ردته بالسحر. وفى البزازية عن الأوزجندي: أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. قلت: أى إذا لم تقدر على الفداء أوالهرب ولا على منعه عنها فلا ينافي ما قبله . (فتاوى الشامی:۳/۲۵۱،باب الرجعة،سعید).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفي فتاوى النسفي عن السيد الإمام أبي شجاع هكذا وفي فوائد شمس الإسلام إن لم يكن بينة ترفع إلى القاضي وتحلفه فإن حلف فالإثم عليه .(خلاصة الفتاوی:۲/۱۲۰،المكتبة الرشيدية).

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

وفى التتارخانية وغيرها: سمعت المرأة من زوجها أنه طلقها ولاتقدرعلى منعه من نفسها إلا بقتله لها قتله بالدواء ولاتقتل نفسها وقيل لاتقتله وبه يفتى وترفع الأمر إلى القاضي فإن لم تكن لها بينة تحلفه فإن حلف فالإثم عليه. (مجمع الانهرشرح ملتقى الابحر:۳/۳۲٦،باب الرجعة).

کفایت المفتی میں ہے:

اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی کے سامنے طلاق ثابت کرنے کے لیے شہادت کی ضرورت ہے اور دو گواہ نہ ہو تو پھر اس شوہر سے حلف لیا جائے گا، اگر وہ حلف کر لے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو قاضی طلاق نہ ہونے کا فیصلہ کر دے گا، لیکن اس فیصلہ سے عورت شوہر کے لیے اگر وہ فی الحقیقت طلاق دے چکا ہے حلال نہ ہوگی اور مدۃ العمر وہ حرام کاری میں مبتلا ہوگا۔ فقط۔ (کفایت المفتی: ۸۲/۶، دار الاشاعت)۔

ایضاح النوادر میں ہے:

...لیکن اس شکل میں عورت کو کوئی راستہ نہ ملے اور شوہر جھوٹی قسم کھا کر عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے تو عورت گنہگار نہ ہوگی بلکہ سارا گناہ شوہر پر ہوگا، مسئلہ کے اس پہلو کو حضراتِ فقہاء ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں "والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه"۔ (ایضاح النوادر: جلد دوم ۱۰۴)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (البحر الرائق: ۲۵۷/۳، باب الصریح، کوئٹہ۔ والفتاوی الهندیة: ۳۵۳/۳۔ وفتاوی محمودیه: ۳۱۶/۱۲، مبوب ومرتب۔ فتاوی رحیمیه: ۲۶۸/۸، مبوب ومرتب)۔

اس مسئلہ کی ایک نظیر ملاحظہ فرمائیں:

امرأة زوجها في دار الغصب فتقول لا أقعد معک في أرض الغصب فإني أثمت بذلک ليس لها ذلک والإثم على الزوج . (الفتاوی السراجیة:)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

طلاقِ ثلاثہ میں مفتی کے فیصلہ پر قاضی کے فیصلہ کی ترجیح:

سوال: ایک شخص کی بیوی غائب تھی اور شوہر نے اس کو بتایا کہ میں نے "امرأتي طالق" تین مرتبہ کہا تھا لیکن میری نیت تاکید کی تھی اور مفتی صاحب نے ایک طلاق کا فتویٰ دیا اور میں رجوع کرتا ہوں لیکن بیوی قاضی کے پاس گئی اور اس نے حرمتِ مغلظہ کا فیصلہ کیا تو اب فتویٰ اور قضاء میں تعارض ہوا کس کو مانا جائے گا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ قاضی کے فیصلہ کو مفتی کے فیصلہ پر ترجیح ہوگی، لہٰذا عورت اس شخص کے لیے حرام رہے گی، بدونِ حلالہ زوجِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی، نیز عورت کے لیے اپنے نفس پر قابو دینا ناجائز ہوگا اگر شوہر راضی نہ ہو تو خلع کر کے رہائی حاصل کر لیجائے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

المقلد إذا أفتاه إنسان في حادثة ثم رفعت إلى القاضي فقضى بخلاف رأي المفتي فإنه يأخذ بقضاء القاضي ويترك رأي المفتي لأن رأي المفتي يصير متروكاً لقضاء القاضي. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۶/۷،کتاب آداب القاضی،فصل فی شرائط القضاء،سعید).

مبسوط میں ہے:

وإذا كان الزوج غائباً أوكان يعتقد أن الطلاق غير واقع فعليه أن يتبع رأي القاضي ... وكذا لوحكما فقيهاً فحكمه كفتواه لأن سببه تراضيهما لا ولاية ثابتة له حكماً فكان تراضيهما على تحكيمه كسوالهما إياه والفتوى لاتعارض قضاء القاضي فإذا قضى القاضي عليه بخلاف ذلك كان عليه أن يتبع رأي القاضي. (المبسوط للامام السرخسیؒ:۱۰/۱۸۵،کتاب الاستحسان،باب الرجل یری الرجل یقتل اباہ اوغیرہ،دارالفکر).

ایضاح النوادر میں ہے:

اگرایک ہی واقعہ سے متعلق صاحب معاملہ مفتی سے فتویٰ لیکر پھر قاضی سے فیصلہ حاصل کرتا ہے،اورمفتی نے دیانت پرفتویٰ دیا تھااورقاضی نے قضاء اورظاہر پرفتویٰ دیدیا،مثلاً شوہرنے بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق، طلاق،طلاق،اورکہتا ہے کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی تومفتی نے دیانت کا اعتبارکرکے سائل کی نیت وارادہ کے مطابق ایک طلاق پرفتویٰ دیکر رجعت کا حکم دیدیا،اورقاضی نے ظاہر کا اعتبارکرکے تین طلاق کا فیصلہ دے کر رجعت سے منع کردیا تو ایسی صورت میں صاحبِ معاملہ پرمفتی کا فتویٰ چھوڑکرقاضی کے فیصلہ پرعمل کرنا واجب ہے۔(ایضاح النوادر:جلددوم:۹۲،مکتبہ علمیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

فقہاء کی اصطلاح "المرأة كالقاضي" کی تحقیق:

سوال: فقہاءتحریرفرماتے ہیں "المرأة كالقاضي" اس کا کیا مطلب ہےاوراس کی کیا حدود ہیں؟

الجواب: فقہاءکی یہ اصطلاح دوحیثیتوں سے استعمال ہوتی ہے،اوردونوں میں فرق ہے۔

پہلی حیثیت:۔

عورت کو قاضی کی طرح ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے نفس کے متعلق حلت وحرمت کا از خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

مثلاً شوہر نے یہ کہدیا کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق، اور کہتا ہے کہ میں نے تکرار وتاکید کا ارادہ کیا تھا، تین کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور عورت نے خود بھی تین طلاق شوہر کی زبان سے سن رکھا ہے، اب اگر یہ معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ جائے تو قاضی شوہر کی نیت کا اعتبار نہیں کریگا بلکہ ظاہر کے موافق تین طلاق کا فیصلہ کردے گا، اور بیوی بالکلیہ آزاد ہوجائے گی۔

لیکن موجودہ دور میں شرعی قاضی نہ ہونے کی بناپر مفتی کے پاس مسئلہ آیا اور مفتی نے شوہر کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے دیانۃً ایک طلاق کا فتویٰ دیا، یعنی شوہر کو رجعت کا اختیار حاصل ہوگا، تو اس صورت میں جس طرح ظاہر پر فیصلہ کرنا قاضی پر لازم ہے، اس طرح عورت پر بھی لازم ہے کہ ظاہری الفاظ یعنی تین طلاق کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے نفس کے متعلق فیصلہ کرلے، اور شوہر کو اپنے اوپر قدرت نہ دے، بلکہ خلع کرکے آزادی حاصل کرلے یا مال دے کر طلاق حاصل کرلے، گویا عورت کے اپنے نفس کے متعلق ظاہر پر فیصلہ کرنے کو فقہاء نے " المرأة كالقاضي " کی اصطلاح سے تعبیر فرمایا ہے۔

فقہاء کی عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

وإذا قال: أنت طالق،طالق،طالق، وقال:إنما أردت به التكرار صدق ديانةً لا قضاءً فإن القاضي مأمور باتباع الظاهر، والله يتولى السرائر، والمرأة كالقاضي لايحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أوعلمت به لأنها لاتعلم إلا الظاهر. (تبيين الحقائق:٢/٢١٨،والفتاوى الهندية:١/٣٥٤).

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

وقال في الخانية: لوقال: أنت طالق،أنت طالق، أنت طالق، وقال: إنما أردت به التكرار صدق ديانةً وفي القضاء طلقت ثلاثاً ومثله في الأشباه والحدادي وزاد الزيلعي أن

المرأة كالقاضي فلا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلک أو علمت به لأنها لا تعلم إلا الظاهر . (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۳۷،دار الاشاعة العربية).

طحطاوی علی الدر میں ہے:

المدار بكون المرأة كالقاضي أن ذلک في عدم التصديق لامطلقاً فإن خبر الواحد يعتبر عند المرأة ولا يعتبرعندالقاضي لأن شأن القاضي التفريق وشأن المرأة عدم التمكين احتياطاً. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۲/۱۱۲،کوئٹہ).

درمختار میں ہے:

المفتي يفتي بالديانة والقاضي يقضي بالظاهر. وفي الشامية: قوله المفتي يفتي بالديانة مثلاً إذا قال رجل : قلت لزوجتي أنت طالق قاصداً بذلک الإخبار كاذباً فإن المفتي يفتيه بعدم الوقوع والقاضي يحكم عليه بالوقوع لأنه يحكم بالظاهر. (الدرالمختار مع ردالمحتار:۵/۳٦۵،سعيد) .

دوسری حیثیت:۔

شوہر تین طلاق دینے کے بعد سرے سے طلاق ہی کا انکار کردے، جب کہ بیوی نے اپنے کان سے تین طلاق سنی ہے،اور معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ گیا،اور عورت کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے شوہر سے حلف لے کر عدم طلاق کا فیصلہ کردیا،اور عورت کے بیان کے مطابق مفتی نے دیانت پر فتویٰ دیدیا کہ جب عورت نے خود سن لیا ہے تو اس کو اب شوہر کے پاس رہنا اور شوہر کو اپنے اوپر قابو دینا جائز نہیں ہوگا،اور نہ شوہر کو قتل کردینا یا خودکشی کرلینا جائز ہوسکتا ہے، بلکہ خلع کرکے یا مال دے کر طلاق حاصل کرلینا لازم ہوگا،تو قاضی کی طرح عورت کو اپنے یقین اور ظاہر کا اعتبار کرنے کا اختیار ہے۔اس کو فقہاء ” المرأة كالقاضي “ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

دونوں حیثیتوں میں فرق:

دونوں شکلوں کا فرق یوں واضح ہوجاتا ہے کہ پہلی شکل میں قاضی کا فیصلہ شوہر کے مخالف ہے اور بیوی کے

موافق، اور دوسری شکل میں شوہر کے موافق اور بیوی کے مخالف ہے۔

دوسری شکل میں تمکین کی اجازت:

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ دوسری شکل میں عورت کو کوئی راستہ نہ ملے اور شوہر جھوٹی قسم کھا کر عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو عورت گنہگار نہ ہوگی بلکہ سارا گناہ شوہر پر ہوگا۔

فقہاء کی عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

فتاوی شامی میں ہے:

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولاتقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أوتهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه وكلما هرب ردته بالسحر. وفي البزازية عن الأوزجندي: أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. قلت: أى إذا لم تقدر على الفداء أوالهرب ولا على منعه عنها فلا ينافي ما قبله . (فتاوى الشامي:۳/۲۵۱،باب الرجعة،سعيد).

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ بزازیہ اور خلاصۃ الفتاوی کی بات کو پسند فرماتے تھے کی شوہر کے پاس رہے اور گناہ شوہر پر ہوگا، اور عورت کالقاضی قبل المرافعہ سمجھتے تھے۔

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

وفي فتاوى النسفي عن السيد الإمام أبي شجاع هكذا وفي فوائد شمس الإسلام إن لم يكن بينة ترفع إلى القاضي وتحلفه فإن حلف فالإثم عليه . (خلاصة الفتاوى :۲/۱۲۰،المكتبة الرشيدية). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مطلقہ ثلاثہ کے مرتد ہونے سے سقوط حلالہ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اس کے بعد اس کی بیوی مرتد ہوگئی (نعوذ باللہ) کچھ مدت کے بعد اپنی مرضی سے مسلمان ہوگئی، اب وہ اپنے سابقہ شوہر سے بغیر حلالہ کے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تین طلاق کے بعد بیوی سابقہ شوہر کے لیے بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہے، اور ارتداد سے بھی حلالہ کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولا ملک أمة بعد تطليقتين أوحرة بعد ثلاث وردة وسبي، نظيره من فرق بينهما بظهار أولعان ثم ارتدت وسبيت ثم ملكها لم تحل له أبداً. وفى الشامية: قوله ولاملک أمة أى لوطلقها ثنتين وهي أمة ثم ملكها أوثلاثاً وهي حرة فارتدت ولحقت بدارالحرب ثم سبيت وملكها لايحل له وطؤها بملک اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما فى الفتح قوله لم تحل له أبداً أى مالم يكفرفى الظهار ويكذب نفسه أوتصدقه فى اللعان، فوجه الشبه بين المسألتين أن الردة واللحاق والسبي لم تبطل حكم الظهار واللعان كما لم تبطل حكم الطلاق. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۳/۴۱۲،باب الرجعة، سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر ثابت ہو جائے کہ شوہر نے تین طلاق دی تھی، جس سے وہ بائنہ مغلظہ ہوگئی تھی، تو بدون حلالہ کے نکاح نہیں ہوسکتا، مرتد ہوجانے سے طلاقِ ثلاثہ مغلظہ کا اثر باطل نہیں ہوتا ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۳/۱۵۰، کتاب الطلاق۔ و فتاویٰ محمودیہ:۱۳/۵۰۲،مبوب ومرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حلالہ میں دخول کی شرط ساقط کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اب وہ شخص اس کے ساتھ دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہے مگر حلالہ ضروری ہے، تو کیا حلالہ میں دخول کی شرط ساقط کرنے کا کوئی حیلہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ حلالہ میں زوج ثانی کا صحبت کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر حلالہ نہیں ہوگا، اورعورت زوج اول کے لیے حلال نہ ہوگی، احادیث اور کتب فقہ سے یہ ثابت ہے، لہٰذا اس پر عمل پیرا ہونا

ضروری ہے،شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنے میں دنیاوآخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے،اگرچہ اس کی حکمت ہماری ناقص سمجھ سے بالاتر ہے۔

ملاحظہ فرمائیں امام ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں:

قوله تعالىٰ:﴿ فإن طلقها فلا تحل له من بعدحتى تنكح زوجاً غيره﴾منتظم لمعان منها تحريمها على المطلق ثلاثاً حتى تنكح زوجاً غيره مفيد في شرط ارتفاع التحريم الواقع بالطلاق الثلاث العقد والوطء جميعاً لأن النكاح هوالوطء في الحقيقة وذكرالزوج يفيد العقد وهذا من الإيجاز والاقتصارعلى الكناية المفهمة المغنية عن التصريح وقد وردت عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أخبارمستفيضة في أنها لاتحل للأول حتى يطأها الثاني. (احكام القرآن: ۱/ ۳۹۰،ذكرالحجاج لايقاع الطلاق الثلاث معاً،سهيل).

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن رفاعة القرظي تزوج امرأة ثم طلقها فتزوجت آخرفأتت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فذكرت أنه لايأتيها وأنه ليس معه إلا مثل هدبة، فقال: لا، حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك. (رواه البخاري:۲/ ۸۰۱).

درمختار میں ہے:

ولاينكح مطلقة من نكاح صحيح نافذ...وفي الشامي: ولاينكح بها أى الثلاث لو حرة وثنتين لو أمة حتى يطأها غيره وتمضي عدته.(الدرمع الشامي:۳/ ۴۱۳،باب الرجعة،سعيد).

فتح القدیر میں ہے:

وإن كان الطلاق ثلاثاً أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها أويموت عنها.(الهداية مع فتح القدير:۴/ ۱۷۸،دارالفكر).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

بینونۂ غلیظہ میں دوبارہ نکاح کی صورت صرف یہ ہے کہ عورت عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد سے

نکاح کر لے اور وہ مرد اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کے بعد مر جائے یا طلاق دیدے پھر عدت وفات یا عدت طلاق گزر جائے تو باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

(مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۴۲ دفعہ ۲۰۔ وفتاوی محمودیہ: ۱۳/ ۴۷۹ ہبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

❀❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن عبد الله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: يارسول الله! إني طلقت امرأتي البتة، فقال: ما أردت بها؟ فقلت: واحدة، قال: والله؟ قلت: والله، قال: فهو ما أردت.

(رواہ الترمذی)

کنایاتِ طلاق کابیان

باب (۴)

الفاظِ کنایات سے طلاق دینے کا بیان

''تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں، میرا اور آپ کا معاملہ ختم ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟ نیت کی حاجت ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر شوہر نے ان الفاظ ''تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں'' سے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، نیت کا حال شوہر سے معلوم ہوسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وفی الفتاوی: لم یبق بیني وبینک عمل ونوی یقع، کذا فی العتابیة. (الفتاوی الهندية ۱/۳۷٦، الفصل الخامس فی الکنایات۔وکذا فی البحرالرائق:۳/٣٠٤، کوئٹه).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر نیت شوہر کی ان الفاظ سے کہ ''مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں ہے'' طلاق کی ہے تو ایک طلاقِ بائنہ اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی، نیت کا حال شوہر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۳۹۴، مدلل مکمل).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

درِمختار میں تصریح ہے کہ ان الفاظ سے جو قطع تعلق پر دال ہیں، اگر چہ حالتِ غصہ میں سرزد ہوں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، چنانچہ عبارتِ ذیل درمختار کا یہی مفاد ہے: ''وفي الغضب توقف الأولان، إن نوى وقع وإلا لا. (فتاوی دارالعلوم:۹/۴۳۷).

اور دوسرا جملہ ''میرا اور آپ کا معاملہ ختم ہے'' یہ بھی الفاظِ کنایات میں سے ہے، اور کنایات کے مختلف جملے کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں مرقوم ہے:

اگر شوہر کنایہ کے مختلف جملے کہے تو صرف ایک طلاق بائن اس کی زوجہ پر واقع ہوگی، جیسا کہ درمختار میں ہے: ''البائن لا يلحق البائن، المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية، لأنه هو الذي ليس ظاهراً في إنشاء الطلاق، كذا في الفتح. (فتاوی دارالعلوم:۹/۴۷۱مکمل ومدلل).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

لفظِ کنایہ سے واقع طلاقِ بائن کے بعد پھر لفظِ کنایہ سے طلاقِ بائن نہیں واقع ہوسکتی ہے، خواہ ایک ہی لفظ کنایہ کو بار بار استعمال کیا ہو یا متعدد الفاظِ کنایہ استعمال کئے گئے ہوں۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ص۱۴۹، دفعہ ۴۴).

واللہ ﷻ اعلم۔

''تو مجھ پر حرام ہے'' تین مرتبہ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے'' تو کتنی طلاقیں واقع ہونگی؟ اور یہ لفظ کنائی ہے یا صریح؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ لفظ ''تو مجھ پر حرام ہے'' اصلاً کنایہ ہے لیکن عرف کی وجہ سے طلاقِ بائن بلا نیت واقع ہوتی ہے۔ متأخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور چونکہ کنایہ کے ساتھ کنایہ ملحق نہیں ہوتا، اس لیے صرف ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال لامرأته: أنت علي حرام، ونحوذلک كأنت معي فى الحرام إيلاء إن نوى التحريم... وتطليقة بائنة إن نوى الطلاق وثلاث إن نواها، ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه لغلبة العرف.

وفي الشامي: قوله "وإن لم ينوه" هذا في القضاء، وأما في الديانة فلا يقع ما لم ينو، وعدم نية الطلاق صادق بعدم نية شيء أصلاً... قلت: الظاهر أنه إذا لم ينو شيئاً أصلاً يقع ديانة أيضاً. قال في البحر: وذكر الإمام ظهير الدين: لا نقول: لا تشترط النية لكن يجعل ناوياً عرفاً. وفي الفتح: فصار كما إذا تلفظ بطلاقها لا يصدق في القضاء، بل فيما بينه وبين الله، فهذا ظاهر فيما قلنا فافهم... وأما كونه بائناً فلأنه مقتضى لفظ الحرام، لأن الرجعي لا يحرم الزوجة ما دامت في العدة، وإنما يصح وصفها بالحرام بالبائن. (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۴۳۵،باب الإيلاء،سعيد).

وفي الشامي أيضاً: والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لا يصدق إذا قال: لم أنو لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين... ثم ظهرلي بعد مدة وهوأن لفظ حرام معناه عدم حل الوطء ودواعيه، وذلک يكون بالإيلاء مع بقاء العقد وهو غير متعارف، ويكون بالطلاق الرافع للعقد، وهو قسمان: بائن ورجعي، لكن الرجعي لا يحرم الوطئ فتعين البائن. وكونه التحق بالصريح للعرف لا ينافي وقوع البائن به، فإن الصريح قد يقع به البائن كتطليقة شديدة ونحوه، كما أن بعض الكنايات يقع به الرجعي مثل اعتدي واستبرئي رحمک وأنت واحدة. والحاصل أنه لما تعورف به الطلاق صارمعناه تحريم الزوجة، وتحريمها لا يكون إلا بالبائن. (فتاوى الشامي: ۳/۲۹۹، باب الكنايات، سعيد).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

تین دفعہ کہا ''تو مجھ پر حرام ہے'' اس صورت میں چونکہ زید نے صریح طلاق نہیں دی، بلکہ بالفاظِ کنایہ طلاق دی ہے، اور الفاظِ کنایہ میں طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے اور ایک بائنہ کے بعد دوسری بائنہ واقع نہیں ہوتی، کما صرح به في الدر المختار وغیرہ، لہٰذا بصورتِ مسئولہ وہ عورت مطلقہ ثلاثہ اور مغلظہ نہیں ہوئی، بلکہ ایک طلاقِ بائنہ اس پر واقع ہوئی ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۹/۳۹۱، مدلل مکمل)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی محمودیہ: ۱۲/۵۲۳، مبوب ومرتب، امداد الاحکام: ۲/۴۵۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''تجھ کو چھوڑ دیا'' تین مرتبہ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے ''تجھ کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا، چھوڑ دیا'' تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ لفظ چھوڑ دیا کنایہ ہے اور کنایہ نیت کا محتاج ہے، لہٰذا اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی، اور اگر نیت طلاق کی نہیں کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

بعض علماء نے اس کو الفاظِ صریحہ میں شمار کیا ہے، لہٰذا بلا نیت طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظِ صریحہ میں شمار فرما کر طلاقِ رجعی کا فتوی مرحمت فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۱۲/۳۴۰)۔

نیز حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ، ان حضرات نے بھی طلاقِ رجعی تحریر فرمایا ہے۔

لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ کنایہ میں شمار فرما کر طلاقِ بائن فرمایا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں کفایت المفتی میں ہے:

(جواب) اگر مرد نے یہ لفظ (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) تین بار کہے تو اس کی بیوی پر طلاقِ بائن ہوگئی اور وہ اس کے نکاح سے باہر ہوگئی، ہاں دوبارہ وہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی رضامند ہو، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ (کفایت المفتی: ۶/۴۴، کتاب الطلاق)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: (ہم نے اس کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا، چھوڑ دیا) اگر شوہر کی نیت طلاق کی تھی اور بنیتِ طلاق اس نے یہ الفاظ کہے تھے تو ایک طلاقِ بائنہ اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی، دوسری، تیسری واقع نہ ہوئی، لأن البائن لایلحق البائن کما فی الدر المختار وغیرہ. (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۳۸۸).

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ ''میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے'' یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں، نیت کی موجودگی میں ان سے طلاقِ بائن واقع ہوگی، لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے عرف کے حوالہ سے طلاقِ رجعی میں شمار کیا ہے، جس سے نیت کے بغیر بھی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے۔ (فتاوی حقانیہ:۴/۴۷۹). واللہ ﷻ اعلم۔

''طلاق دیتا ہوں... یہ حرفِ آخر ہے'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے الفاظ ''میں عبدالعزیز پورے ہوش کے ساتھ اپنی بیوی زاہدہ سلیمانی کو طلاق دیتا ہوں جس میں وہ پھر سے شادی کرسکتی ہے، اور یہ حرفِ آخر ہے'' کہے، ان الفاظ سے طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق دیتا ہوں صریح الفاظ ہیں، جس سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن ساتھ میں تاکید کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں، اس لئے ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔ لہذا آپس میں رضامندی سے عدت میں یا عدت کے بعد نکاحِ جدید کرسکتے ہیں، اور عدت گزرنے کے بعد عورت دوسری جگہ بھی شادی کرسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

إذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً. (الهداية: ۲/۳٦۹، باب ايقاع الطلاق).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الصريح البائن... وهو أن يكون بحروف الإبانة أو بحروف الطلاق لكن قبل

الدخول حقيقة أو بعده، لكن مقروناً بعدد الثلاث نصاً أو إشارةً أو موصوفاً بصفة تدل عليها.(بدائع الصنائع:۱۰۹/۳،بیان صفة الواقع،سعید۔وکذا فی الشامی:۲۵۰/۳،سعید).

تبیین الحقائق میں ہے:

أنت طالق بائن أو البتة أو أفحش الطلاق أو طلاق الشيطان أو البدعة أو كالجبل أو أشد الطلاق أو كألف أو ملأ البيت أو تطليقة شديدة أو طويلة أو عريضة فهي واحدة بائنة إن لم ينو الثلاث. وإنما كان بائناً في هذه لأنه وصف الطلاق بما يحتمله وهو البينونة. (البحرالرائق مع الکنز:۲۸۷/۳،کوئٹہ).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: زید نے اپنی زوجہ سے یہ کہدیا کہ میری طرف سے تجھے طلاق ہے،تو چلی جا اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲۷۰/۹،۲۷۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

''میری بیوی نہیں، گھر سے نکل جا'' ان الفاظ سے طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''تو میری بیوی نہیں'' اور ایک طلاق کی نیت کی، اور کہا ''گھر سے نکل جا'' اور اس سے بھی ایک طلاق کی نیت کی تو اب کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایک ہی طلاقِ بائنہ واقع ہوئی، اس لیے کہ طلاقِ بائنہ کے بعد بائنہ نہیں پڑتی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو قال حرمت نفسي عليك فاستتري ونوى بهما طلاقاً فهي واحدة بائنة، لأنه لايقع على بائن بائن. ..والطلاق البائن يلحق الطلاق الصريح...ولا يلحق البائن البائن بأن

قال لها: أنت بائن، ثم قال لها: أنت بائن، لا يقع إلا طلقة واحدة بائنة. (الفتاوى الهندية ۱/۳۷۷، الفصل الخامس في الكنايات).

درمختار مع الشامی میں ہے:

البائن لا يلحق البائن. (الدر المختار مع رد المحتار:۳/۳۰۸،سعيد). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

طلاقِ بائن کے بعد بنیتِ انشاء طلاقِ بائن کا حکم:

سوال: فقہاء کا قاعدہ ہے "البائن لا يلحق البائن" یعنی طلاقِ بائن کے بعد دوسری طلاقِ بائن واقع نہیں ہوتی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری بائن میں پہلی بائن کی خبر دینے کا احتمال ہے، لیکن اگر کوئی شخص بنیتِ انشاء دوسری طلاقِ بائن دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ علامہ ابن نجیم مصریؒ اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ بائن کے بعد دوسری بائن بنیتِ انشاء دی جائے تو واقع ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

و ينبغي أنه إذا أبانها ثم قال لها " أنت بائن" ناوياً طلقة ثانية ، أن تقع الثانية بنيته ، لأنه بنيته لا يصلح خبراً ، فهو كما قال " أبنتک بأخرى" إلا أن يقال إن الوقوع إنما هو بلفظ صالح له، وهو أخرى، بخلاف مجرد النية. (البحرالرائق:۳/۳۰۸،کوئٹہ).

احسن الفتاوی میں ہے:

أقول و بالله التوفيق وبيده أزمة التحقيق أن محصول المبسوط في الشامية وغيرها من الكتب المعتبرة أن الطلاق...فلا لحاق في صورتين : أى إن كان الطلاق السابق بائناً، صريحاً كان أو بالكناية ، فلا يلحقه البائن بالكناية فقط إلا أن ينوي الإنشاء أو لم يمكن الحمل على الإخبار. (احسن الفتاوی:۵/۱۳۵).

لیکن علامہ شامیؒ، علامہ طحطاویؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ طلاقِ بائن کے بعد

دوسری طلاقِ بائن کسی بھی صورت میں واقع نہیں ہوگی، اور نیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ صاحب بحر کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

أقول: ويدفع البحث من أصله تعبيرهم بالإمكان، وبأنه لاحاجة إلى جعله إنشاء متى أمكن جعله خبراً عن الأول، لأنه صادق بقوله " أنت بائن" على أن البائن لايقع إلا بالنية، فقولهم " البائن لا يلحق البائن" لاشك أن المراد به البائن المنوي، إذ غير المنوي لا يقع به شيء أصلاً، ولم يشترطوا أن ينوي به الطلاق الأول فعلم أن قولهم : إذا أمكن... الخ احتراز عما إذا لم يمكن جعله خبراً كما في " أبنتک بأخرى" لاعما إذا نوى به طلاقاً آخر، فتدبر. (فتاوى الشامي: ۳/۳۰۹،سعيد۔و كذا في منحة الخالق على البحرالرائق: ۳/۳۰۸،كوئته).

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

(إذا أمكن جعله إخباراً عن الأول...فلا يقع، لأنه إخبار) الأولى أن يقول: "لصلاحيته للإخبار" فإنه لوأنشأ ثانياً لايعتبرالشارع ، بل جعله بمنزلة الإخبار...وماسيأتي عن المحيط صريح في إلغاء النية. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۲/۱۳۷).

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں:

جس صورت میں طلاقِ مقدم بائن ہو،صریح ہو یا کنایہ، اورطلاقِ مؤخر کنایہ بائن ہو،اس صورت میں تو طلاقِ مؤخر کا وقوع نہ ہوگا،اگرچہ نیت بھی وقوع کی کرلے....۔(امدادالفتاوی:۲/۴۲۳).

☆ طلاقِ بائن کے بعد دوسری طلاقِ بائن کے عدم وقوع کی ایک وجہ یہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ طلاقِ بائن کے بعد عورت دوسری طلاق کا محل ہی نہیں رہی، اس لیے دوسری واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو البحرالرائق میں ہے:

وفرق في الذخيرة بين" أنت بائن" للمبانة، وبين وقوع"أنت بائن"المعلق بعدالإبانة: أنه لما صح التعليق أولاً لكونها محلاً له، جعلنا المعلق"الطلاق البائن"وصار بائناً صفة للطلاق، والمعلق بالشرط كالمنجزعند وجوده، فإنه قال في العدة: أنت طالق بائن، ولوقاله

وقع، بخلاف أنت بائن ، منجزاً في عدة المبانة، لأنه صفة للمرأة، وهي لم تكن محلاً ، لأن محله من قام به الاتصال، وقد انقطعت الوصلة بالإبانة. (البحرالرائق:۳/۳۰۸،کوئٹہ)۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عدم محل کی وجہ سے طلاقِ بائن واقع نہیں ہوتی تو پھر طلاقِ بائن کے بعد صریح بھی واقع نہ ہونی چاہیے ،حالانکہ طلاقِ بائن کے بعد اگر کوئی شخص طلاقِ صریح دیدے تو واقع ہوجائے گی، اس کا کیا جواب ہے؟

(۱)اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ وقوعِ طلاق کے بارے میں الفاظِ صریحہ قوی اور مضبوط ہیں، جب کہ کنایات میں دیگر احتمالات موجود ہیں،اور قوی الفاظ کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی وہ اپنا اثر دکھا کر رہتے ہیں۔

(۲)ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بائن کے بائن میں اخبار غالب ہے، جب کہ صریح میں انشاء غالب ہے،اس لیے صریح سے نئی طلاق واقع ہوتی ہے۔

شامی میں ہے:

الصريح ـ الذي هو الأصل في الكلام لما أنه موضوع للإفهام. (فتاوی الشامی:۳/۲۹۶، سعید)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

It's all over (سب کچھ ختم) کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ’’It's all over‘‘ (سب کچھ ختم، ہمارا آپس میں تعلق ختم ہوگیا) تو کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوگی یا نہیں،اور واقع ہوگی تو کونسی رجعی یا بائن؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کا یہ کہنا (It's all over) یعنی سب کچھ ختم، ہمارا آپس میں تعلق ختم ہوگیا، دراصل یہ الفاظِ کنایہ میں سے ہے، اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے کہا ہے تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی،ورنہ بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فالكنايات لا تطلق بها قضاءً إلا بنية أو بدلالة الحال وهي مذاكرة الطلاق

أو الغضب. وفي الشامي: قوله "قضاء" قيد به لأنه لا يقع ديانة بدون النية ولو وجدت دلالة الحال فوقوعه بواحدة من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۹۶، سعيد).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو قال لم يبق بيني وبينک عمل إن نوى يقع. (خلاصة الفتاوى:۲/۹۹،الفصل الثاني في الكنايات۔ وكذا في الفتاوى الهندية:۱/۳۷۶،الفصل الخامس في الكنايات).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

ان الفاظ میں نیت سے طلاق پڑتی ہے، اگر شوہر کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق واقع ہوگئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۹/۴۵۶)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

"ہماری اسلامی شادی ختم ہوگئی" کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے متعدد بار یہ جملہ کہا "ہماری اسلامی شادی ختم ہوگئی" اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ فقہاء نے ان الفاظ "ہماری اسلامی شادی ختم ہوگئی" کو کنایات میں شمار کیا ہے، لہٰذا اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی، اور صاحبِ بحر کی تصریح کے مطابق اس سے رجعی طلاق واقع ہوگی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق:۳/۳۰۶،کوئٹہ).

لہٰذا متعدد بار کہنے سے اگر تاسیس کی نیت ہو، تاکید کی نہ ہو تو تین طلاقیں واقع ہونگی۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

لو قال لها: لا نكاح بيني وبينک أو قال: لم يبق بيني وبينک نكاح أو قال: فسخت

نکاحک یقع الطلاق إذا نوی. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ٤٦٨/١ ،فصل فی الکنایات۔و کذا فی الفتاوی الهندیة: ٣٧٥/١ ،الفصل الخامس فی الکنایات).

ہمارے اکابر نے بھی اس قسم کے الفاظ کو نیت پر موقوف مانا ہے، نیت ہو تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل میں یہ الفاظ کہ ''میں نے تجھ کو زوجیت سے علیحدہ کردیا'' سے طلاق کو بشرطِ نیت تسلیم کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳۸۷/۹، ۴۷۱/۹)۔

نیز ملاحظہ ہو ''میں نے عورت کے نکاح کا سوتا توڑ دیا'' کو کنایات میں شمار فرمایا ہے، (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۱/۹)۔ ''تم میری زوجیت سے باہر ہوگئی'' کہنے سے طلاق بشرطِ نیت فرمایا ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۲/۹)۔ احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی اس کے مشابہ الفاظ کو کنایات میں شمار فرمایا ہے، اور بشرطِ نیت طلاقِ رجعی کا حکم فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: (احسن الفتاویٰ ۱۴۲/۵)۔

یہاں ایک اشکال ذہن میں آتا ہے کہ نکاح سے علیحدہ کرنے یا زوجیت ختم کرنے کے الفاظ تو تقریباً صریح ہیں اور انشاءِ طلاق کی طرح ہیں تو پھر ان الفاظ سے طلاق کے وقوع کو نیت پر موقوف رکھنا کہاں درست ہے، بلکہ یہ تو فی الحال نفی نکاح یا طلاق کے لئے ہیں، نیز ان الفاظ کو جحود (یعنی دیدہ دانستہ انکار) پر محمول کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ یہ فوری طور پر نکاح کو ختم کرنے کے لئے ہیں؟

اس کا جواب ذہن میں یہ آتا ہے کہ عرف میں یہ الفاظ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے تعلقاتِ نکاح نہ ہونے یا بیوی کے کسی اور سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کسی عورت کے اپنے شوہر سے تعلقات نہ ہوں تو کہا جاتا ہے، ''ہمارا نکاح تو فلانہ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ تو فلاں کی منکوحہ ہے'' الغرض نکاح ختم ہونا یا نکاح کے تعلقات اور ہمبستری ختم ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لیے فقہاء نے اس کو کنایات میں شمار فرمایا ہے۔

نیز ''لا نکاح بیننا أو لست لي بزوجة'' میں ایک احتمال یہ ہے: ''لا نکاح بیننا لأن لکِ صلة وعلاقة بالغیر'' اگر یہ ارادہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی، اور اگر یہ ارادہ ہو: ''لا نکاح بیننا لأني طلقتکِ'' تو اس سے

طلاقِ رجعی واقع ہوجائیگی۔واللہ ﷻ اعلم۔

''دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت ہے'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ''دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہوتو میری طرف سے اجازت ہے'' ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟اور واقع ہوگی تو کونسی؟ واضح رہے کہ کوئی مذاکرۂ طلاق نہیں تھا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان الفاظ ''دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہوتو میری طرف سے اجازت ہے'' سے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی،اور اگر نیتِ طلاق نہیں کی تھی تو واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو قال: تزوجي ونوى الطلاق أو الثلاث صح، وإن لم ينو شيئاً لم يقع، كذا في العتابية. (الفتاوى الهندية ۱/۳۷٦،باب الكنايات).

دوسری جگہ مذکور ہے:

وبابتغى الأزواج تقع واحدة بائنة إن نواها، الخ.(الفتاوى الهندية:۱/۳۷۵،باب الكنايات).

نیز مرقوم ہے:

اذهبي فتزوجي تقع واحدة إذا نوى.(الفتاوى الهندية : ۱/۳۷٦،باب الكنايات).

یہ مسئلہ فتاوی دار العلوم دیو بند جدید میں ۹/۳۸۵، ۹/۳۹۸، ۹/۴۰۳، ۹/۴۳۴، ۹/۴۶۰، ۹/۴۶۹، ۹/۴۸۱، ۹/۴۸۳ پر بھی مذکور ہے۔

درمختار میں ''اذهبي فتزوجي'' کہنے سے، نیز الفتاوى الانقروية میں انہی الفاظ سے طلاق واقع ہونے کا حکم بغیر نیت کے لکھا ہے۔علامہ شامیؒ نے اسکی تردید فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے::

ويخالفه ما في شرح الجامع الصغير لقاضي خان: ولو قال: اذهبي فتزوجي وقال: لم أنو الطلاق لا يقع شيء،لأن معناه إن أمكنك...ويؤيده ما في الذخيرة: اذهبي فتزوجي لا

یقع إلا بالنیة، وإن نوی فهي واحدة بائنة، وإن نوی الثلاث فثلاث . (فتاوی الشامي:۳/۳۱٤،باب الکنایات ، سعید).

ہمارے بعض اکابر نے اس قسم کے الفاظ سے مذاکرۂ طلاق کے وقت بغیر نیت کے طلاق کا واقع ہونا لکھا ہے، یاد رہے کہ صورتِ مسئولہ میں مذاکرۂ طلاق نہیں پایا جاتا، کیونکہ مذاکرۂ طلاق کا مطلب فقہاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ بیوی یا بیوی کی طرف سے کوئی اجنبی طلاق کا مطالبہ کرے یا پہلے سے کوئی طلاق دی ہو، صورتِ مسئولہ میں یہ نہیں پایا جاتا، سوال میں اس کی صراحت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شوہر سے معلوم کرلیا جائے کہ آپ نے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں؟ اگر شوہر کہدے کہ میری نیت نہیں تھی، اور بیوی کو اطمینان نہ ہو تو شوہر سے قسم کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ کذا في کتب الفقه. نیت نہ ہونے کی صورت میں میاں بیوی بغیر تجدید نکاح کے رہ سکتے ہیں، ہاں شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے ایک طلاقِ بائن واقع ہوجائیگی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

''تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ'' کہنے کا حکم:

سوال: زید نے اپنی بیوی سے کہدیا ''تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ'' اور وہ منکوحہ زید اپنے خاوند کے کہنے پر ماں باپ کے گھر چلی گئی، اور تقریباً دس گیارہ سال گزر گئے، اب طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو کونسی؟ اس لیے کہ زید نے مذکورہ مدت میں اپنی منکوحہ کو بالکل طلب نہیں کیا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں، لہٰذا اگر زید نے یہ الفاظ کہتے وقت طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی، ورنہ طلاق نہیں ہوئی، بدستور وہ عورت زید کی زوجیت میں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو قال لها: إذهبي أي طریق شئت، لا یقع بدون النیة وإن کان في حال مذاکرة الطلاق. وفي المنتقی: لو قال لها: إذهبي ألف مرة ونوی الطلاق یقع الثلاث. وفي مجموع النوازل: لو قال لها: إذهبي إلی جهنم ونوی الطلاق یقع، کذا في الخلاصة. (الفتاوی

الهندية ۱/۳۷۶، باب الکنایات)۔

البحر الرائق میں ہے:

(قوله أخرجي، إذهبي، قومي) لحاجة أولأني طلقتکِ، قيد باقتصاره علی إذهبی، لأنه لـو قـال إذهبي فبيعي ثوبک لا يقع وإن نوی. ولو قال لها إذهبي إلی جهنم يقع إن نوی، کذا فـي الـخـلاصة. ولو قال إذهبي فتزوجي وقال: لم أنو الطلاق لم يقع شيء، لأن معناه تزوجي إن أمـکـنـک وحـل لک، کذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان. (البحر الرائق:۳/۳۰۲، باب الکنایات فی الطلاق، کوئٹہ)۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

''میرے یہاں سے نکل جا'' اس صورت میں اگر شوہر نے بنیتِ طلاق کلمہ مذکورہ کہا ہے تو اس کی زوجہ پر ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوجائیگی۔ بلا نکاح رجعت اس میں درست نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۹/۳۹۳، ۴۰۹، ۴۱۳۔ وفتاوی محمودیہ: ۱۲/۵۵۷)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''نکل جا اپنی ماں کے گھر چلی جا'' کہنے کا حکم:

سوال: اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی زبان سے یہ الفاظ ''نکل جا اپنی ماں کے گھر چلی جا'' نکلے، ان الفاظ کے کہنے کے بعد جب اسکو نیت کا خیال آیا تو شک میں پڑ گیا کہ نیت کی تھی یا نہیں؟ اب نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ الفاظ صریح نہیں ہیں، بلکہ کنایہ ہیں، نیت کے محتاج ہیں، اور نیت میں شک ہے اسوجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقہ کا قاعدہ ہے ''**اليقين لا يزول بالشک**''، محض شک کی وجہ سے طلاق کا حکم نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

علـم أنـه حـلف ولـم يـدر بـطـلاق أوغيـره لغا، کما لوشک أطلق أم لا. وفي حاشية

الطحطاوي على الدر: قوله كما لوشک: لأن النكاح ثابت يقيناً والقاطع له مشكوک والشک لايزيل اليقين وقدم الشرح آخرنواقض الوضوء أنه لوشک في نجاسة ماء أوثوب أوطلاق أوعتق لم يعتبر. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۲/ ۱۲۷،باب الصريح، کوئٹه).

امدادالاحکام میں ہے:

قال في الدر: علم أنه حلف ولم يدر بطلاق أو غيره لغا، كما لوشک أطلق أم لا. (۲/ ۷٤٥). چونکہ صورتِ مسئولہ میں لفظ صریح نہیں، بلکہ کنایہ محتاجِ نیت ہے، اور نیت میں شک ہے اسلئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

(امدادالاحکام ۲/ ۴۷۲). واللہ ﷻ اعلم۔

’’نہ میں تیرا شوہر ہوں نہ تو میری بیوی ہے‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ’’جا نہ میں تیرا شوہر ہوں اور نہ تو میری بیوی ہے‘‘ اور طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر بنیتِ طلاق یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاقِ رجعی واقع ہوگی، اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی، اگر چہ غصہ کی حالت میں کہا ہو۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں مرقوم ہے:

ولو قال لامرأته لست لي بامرأة أو قال لها ما أنا بزوجک أو سئل فقيل له هل لک امرأة؟ فقال: لا، فإن قال أردت به الكذب يصدق في الرضا و الغضب جميعاً ولا يقع الطلاق، وإن قال نويت الطلاق يقع الطلاق في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۷٥).

درمختار میں ہے:

لست لک بزوج أولست لي بامرأة أو قالت له: لست لي بزوج، فقال: صدقت طلاق إن نواه خلافاً لهما. وفي الشامي: قوله طلاق إن نواه لأن الجملة تصلح لإنشاء

الطلاق كما تصلح لإنكاره فيتعين الأول بالنية وقيد بالنية لأنه لايقع بدونها اتفاقاً لكونه من الكنايات، وأشارإلى أنه لايقوم مقامها دلالة الحال ، لأن ذلك فيما يصلح جواباً فقط وهو ألفاظ ليس هذا منها، وأشاربقوله طلاق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي، كذا في البحرمن الكنايات. (الدرالمختارمع الشامی:۳/۲۸۳،سعید۔وکذا فی البحرالرائق:۳/۳۰٦،کوئٹہ).

ہدایہ میں ہے:

وفي حا لة الغضب يصدق في جميع ذلك (أى في جميع أقسام الكنايات) لاحتمال الرد أوالسب إلا فيما يصلح للطلاق ولا يصلح للرد. (الهداية :۲/۳۷٤).

مزید ملاحظہ ہو:(فتاوی دارالعلوم دیوبند۹/۳۹۲). واللہ ﷻ اعلم۔

مذاکرۂ طلاق کا مطلب:

سوال: فقہاء لکھتے ہیں کہ الفاظِ کنایہ میں مذاکرۂ طلاق ہوتو بغیر نیت کے طلاق واقع ہوتی ہے،تو مذاکرۂ طلاق کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: فقہاء کی اصطلاح میں مذاکرۂ طلاق کا مطلب یہ ہے کہ بیوی یا بیوی کی طرف سے کوئی اجنبی طلاق کا مطالبہ کرے یا پہلے سے کوئی طلاق دی ہو، اور پھر الفاظِ کنایہ میں سے کوئی لفظ کہدے تو بلا نیت طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ ہوعلامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال. قال: وعلى هذا فتفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثاً، وقال قبله: المذاكرة أن تسأله هي أوأجنبي الطلاق. (فتاوى الشامی: ۳/۲۹۷، باب الكنايات۔ وكذا فی تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق:۲/۲۱۷، باب الكنايات،ملتان).

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

قوله فإن لم يكن له نية لم يقع بهذه الألفاظ طلاق إلاأن يكونا في مذاكرة الطلاق وهو أن تطالبه بالطلاق أو تطالبه بطلاق غيرها.(الجوهرة النيرة ۲/۱۰۵، کتاب الطلاق).

وفي الفتاوى الهندية: وحالة مذاكرة الطلاق بأن تسأل هي طلاقها أو غيرها يسأل طلاقها.(الفتاوی الهندیة ۱/۳۷۵،الفصل الخامس فی الکنایات). **واللہ ﷻ اعلم۔**

''سامان لیکر اپنے والدین کے گھر چلی جا'' کہنے کا حکم:

سوال: شوہر نے درج ذیل الفاظ کہے:

"Pack your things and go to your father's house, I don't want you any more, get out"

یعنی ''چلی جا، مجھے اب ضرورت نہیں، سامان لیکر اپنے والدین کے گھر چلی جا'' لیکن وہ کہتا ہے کہ میری نیت ان الفاظ سے وقوعِ طلاق کی نہیں تھی، تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر جب انکار کرتا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اسوجہ سے کہ یہ الفاظِ کنایہ میں سے ہے، اور کنایہ سے طلاق اسوقت واقع ہوتی ہے جب نیت کرے یا مذاکرۂ طلاق میں کہے، اگر مذاکرۂ طلاق میں کہے تو قضاءً بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجاتی ہے، ہاں دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

الكنايات لا يقع بها الطلاق إلا بالنية أوبدلالة الحال، لأنها غيرموضوعة للطلاق بل تحتمله وغيره فلا بد من التعيين أودلالته وهي على ضربين...وبقية الكنايات إذا نوى بها كانت واحدة بائنة، وإن نوى ثلاثا كان ثلاثا...إلا أن يكون في حالة مذاكرة الطلاق فيقع بها الطلاق فى القضاء، ولا يقع فيما بينه وبين الله تعالى إلا أن ينويه. (الهداية۲/۳۷٤، باب إيقاع الطلاق۔وکذا فی بدائع الصنائع:۳/۱۰٦۔والشامی: ۳/۳۰۱،سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

ریٹائرڈ (Retired) کردیا کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا میں نے تم کو ریٹائرڈ (Retired) کردیا، بعد میں بیوی اپنے والدین کے یہاں چلی گئی، شوہر کہتا ہے میں نے غصہ میں کہا تھا لیکن طلاق کی نیت نہیں تھی، اب شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ لفظ کنایات میں سے ہے، اور " فارقتک" دستبردار کردینے کے معنی میں ہے، اور " فارقتک " کا حکم یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں یا مذاکرۂ طلاق میں بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ لہذا صورتِ مذکورہ میں عورت پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، دورانِ عدت نکاحِ جدید کرکے دوبارہ ساتھ رہ سکتے ہیں، اور عدت ختم ہونے کے بعد عورت آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

والكنايات ثلاث ، ما يحتمل الرد، أوما يصلح للسب،أو لا ولا، فنحو اخرجي واذهبي وقومي...يحتمل رداً، ونحو خلية، برية، حرام، بائن...يصلح سباً.ونحو اعتدي ...أنت حرة...فارقتک لا يحتمل السب والرد ، ففي حالة الرضا أی غير الغضب و المذاكرة تتوقف الأقسام الثلاثة تأثيراً...وفی الغضب توقف الأولان،إن نوی وقع وإلا لا.

وفی الشامي: والحاصل أن الأول يتوقف على النية في حالة الرضا والغضب والمذاكرة، والثاني في حالة الرضا والغضب فقط ويقع في حالة المذاكرة بلا نية، والثالث يتوقف عليها في حالة الرضا فقط، ويقع في حالة الغضب والمذاكرة بلا نية .

ورسمتها في شباک لزيادة الإيضاح بهذه الصورة:

الأحوال	رد وجواب، اخرجي اذهبي	سب وجواب، خلية برية	جواب فقط، اعتدي، استبرئي (وفی معناه فارقتکِ)

رضا	تلزم النية	تلزم النية	تلزم النية
غضب	تلزم النية	تلزم النية	يقع بلا نية
مذاكرة	تلزم النية	يقع بلا نية	يقع بلا نية

(الدر المختار مع الشامي: ۲۹۸/۳، ۳۰۲، باب الكنايات).

وفي الفتاوى الهندية: وإذا قال لها: أبرأتك عن الزوجية يقع الطلاق بغير نية في حالة الغضب وغيره، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳۷۶/۱).

وفي البدائع: قال أصحابنا: قوله سرّحتك و فارقتك من الكنايات لا يقع الطلاق بهما إلا بقرينة النية كسائر الكنايات. (بدائع الصنائع: ۱۰۶/۳). **واللہ ﷻ اعلم۔**

''جاؤتم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں'' کہنے کا حکم:

سوال: جناب مفتی صاحب! مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک مسئلہ لیکر آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں اور آپ کی بزرگانہ رائے کی طلبگار ہوں۔ گھریلو جھگڑے میں میرے شوہر نے مجھ سے کہا ''تمہاری کیا اوقات ہے، طلاق دینے میں ایک منٹ لگتا ہے، تم آزاد ہونا چاہتی ہو، جاؤتم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں'' اس کے جواب میں میں نے کہا: ٹھیک ہے، مجھے ایک منٹ لگتا ہے تو لگاؤ، مجھے بھی تمہارے ساتھ نہیں رہنا، مجھے بھی طلاق چاہئے، اب ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا میری طلاق ہو چکی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر شوہر نے واقعی سوال میں درج شدہ الفاظ کہے ہوں تو اس کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، ان الفاظ سے طلاقِ بائن کا واقع ہونا دو وجہ سے ہے، ایک تو اس لیے کہ یہ الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں، علامہ شامیؒ نے ''أنت علي حرام'' یعنی تو مجھ پر حرام ہے، کے متعلق لکھا ہے کہ لوگوں کے عرف کی وجہ سے اس سے طلاقِ بائن پڑتی ہے۔

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: تیسرا جملہ ''میں نے آزاد کر دیا'' طلاقِ صریح بائن

ہے، لہذا اس سے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی۔ (احسن الفتاوی ۲۰۲/۵).

دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے سے طلاق کی بات چل رہی تھی یعنی ''تمہاری کیا اوقات ہے، طلاق دینے میں ایک منٹ لگتا ہے، تم آزاد ہونا چاہتی ہو، جاؤ تم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں تجھے'' لہذا بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوئی۔ غالباً طلاق کے بعد عدت تو گزر چکی ہوگی، کیونکہ جس عورت کو ماہواری آتی ہو، اس کی عدت تین ماہواریوں کا گزرنا ہے۔ اگر عدت گزر گئی ہو تو عورت کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور سابقہ شوہر سے بھی نکاح ہو سکتا ہے، کسی قسم کے حلالہ کے ضرورت نہیں۔ اگر شوہر ان الفاظ سے انکاری ہو اور بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہو تو شوہر پر قسم آئے گی، اگر اس نے نہ کہنے کی قسم اٹھائی تو شوہر کی بات مانی جائے گی، لیکن بیوی کو جب ان الفاظ کے کہنے کا یقین ہے تو وہ شوہر کو اپنے پاس بغیر نکاحِ جدید کے نہ چھوڑے۔ اگر سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح ہو جائے تو آئندہ اس کو صرف دو طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، اگر کسی وقت دو طلاقیں دیدے تو بیوی مغلظہ ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

''تم چلی جاؤ'' سے تین طلاق کی نیت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا ''تم چلی جاؤ'' بیوی نے کہا تم نے تین طلاقیں دیں، شوہر نے کہا ہاں، تو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کا یوں کہنا ''تم چلی جاؤ'' یہ الفاظِ کنایہ میں سے ہے، اور الفاظِ کنایہ کا حکم یہ ہے کہ شوہر سے نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگر شوہر نے ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائے گی۔ بظاہر سوال کی نوعیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے تین طلاق کا اقرار کیا، لہذا اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئیں اور مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے زوجِ اول کے لئے حلال نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

فالكنايات لا تطلق بها إلا بالنية أو دلالة الحال، فنحو اخرجي واذهبي

وقومي... وثلاث إن نواه. (الدر المختار:۳/۲۹۷،سعید).

ہدایہ میں ہے:

وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة، وإن نوى الثلاث كانت ثلاثاً. (الهداية:۲/۳۷٤).

شرح العنایۃ میں ہے:

وأما جواز نية الثلاث فلأن الواقع بها إذا كان بائناً فالبينونة تتصل بالمرأة للحال. (شرح العناية على هامش فتح القدير:٤/٦٤، دار الفكر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

''اپنا مطبخ لیکر چلی جاؤ'' کہنے سے طلاق کا حکم:

سوال: گزشتہ کل میری بیوی نے مجھ سے کہا تھا کہ بس اب میں تجھ سے بیزار ہوگئی ہوں اور اب میں جانا چاہتی ہوں، تو میں نے اس سے کہا تھا کہ ''اپنا مطبخ لے کر چلی جاؤ'' بیوی نے اپنی والدہ اور چچا کو فون کیا تا کہ اس کو گھر لیجائے، جب وہ آ گئے تو میں نے بیوی کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ جانا چاہتی تھی، تو میں نے اس کے چچا سے کہا کہ اگر آپ اس کو لے جائیں گے تو تین طلاق واقع ہوگی، اس پر انھوں نے سخت برا بھلا کہا اور مجھے پکڑ کر بیوی سے کہا چلی جا، وہ چلی گئی، اب کتنی طلاق واقع ہوگی، شریعتِ مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ الفاظ ''اپنا مطبخ لیکر چلی جاؤ'' کنایات میں سے ہیں، لہذا شوہر کی نیت پر موقوف ہے، اگر شوہر نے نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ورنہ کچھ نہیں، لیکن پھر شوہر نے صریح الفاظ میں کہا کہ ''اگر تم بیوی کو لیجاؤ گے تو تین طلاق واقع ہوگی'' یہ تعلیق طلاق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پائی گئی تو طلاق واقع ہوجائے گی، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں بیوی چلی گئی تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، جس سے وہ عورت مغلظہ ہوگئی اور اب بغیر حلالہ کے زوج اول کے لئے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة، وهذا مثل قوله اخرجي

واذهبي وقومي، لأنها تحتمل الطلاق وغيره فلا بد من النية.(الهداية:۲/۳۷٤).

درمختار میں ہے:

الكنايات لا تطلق بها قضاء إلا بنية أو دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب. فالحالات ثلاث: رضا وغضب ومذاكرة، والكنايات ثلاث: ما يحتمل الرد ... فنحو اخرجي واذهبي وقومي...إن الأول يتوقف على النية في حالة الرضا والغضب والمذاكرة .(الدرالمختارمع الشامي: ۳/۲۹٦-۳۰۱).

ہدایہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدارفأنت طالق .(الهداية:۲/۳۸۵).

البحر الرائق میں ہے:

وفي الحاوي القدسي: إذا طلق المباينة في العدة فإن كان بصريح الطلاق وقع.
(البحرالرائق:۳/۳۰۷،کوئٹه).

درمختار میں ہے:

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة... فإن أبان امرأته ثم طلقها في العدة يقع . (الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۳۰٦-۳۰۷،مطلب الصريح يلحق الصريح و البائن،سعيد).

وفي الشامي: الطلاق الثلاث يلحق الصريح و البائن، فإذا أبان امرأته ثم طلقها ثلاثاً في العدة وقع .(فتاوى الشامي:۳/۳۰۷،مطلب الصريح يلحق الصريح و البائن،سعيد). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

”نکاح کا رشتہ ٹوٹ گیا“ کہنے کا حکم:

سوال: شوہر نے یوں کہا کہ ”میرے اور بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ اس قدر ٹوٹ گیا ہے کہ اب سنبھالنے کا امکان باقی نہیں ہے۔ یہ جملہ پانچ مرتبہ کہا ہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ کورٹ میں بھی تاکید کے ساتھ

اس کی گواہی دی، لیکن شوہر یوں کہتا ہے کہ کبھی طلاق دینے کی نیت نہیں کی۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کے یہ الفاظ ’’نکاح کا رشتہ ٹوٹ گیا...‘‘ کنایاتِ طلاق میں سے ہیں، لہذا بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوئی، ہاں اگر طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

ولوقال فسخت النكاح ونوى الطلاق يقع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إن نوى ثلاثاً فثلاث كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۷۵، الفصل الخامس فی الكنايات)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

’’ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا‘‘ یہ صریح لفظ نہیں، بلکہ کنایہ ہے، شوہر سے دریافت کیا جائے، وہ اگر یہ کہے کہ ہاں طلاق کی نیت سے کہا ہے، تو طلاق واقع ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ :۱۲/ ۵۵۹، مبوب ومرتب۔ واحسن الفتاوی: ۵/ ۱۹۳)۔

لیکن صاحبِ بحر علامہ ابن نجیم مصریؒ اور علامہ شامیؒ کے قول کے مطابق طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

والأصل أن نفي النكاح أصلاً لايكون طلاقاً بل جحوداً ونفي النكاح في الحال يكون طلاقاً إذا نوى وماعداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف قيد بالنية لأنه لايقع بدون النية اتفاقاً لكونه من الكنايات ولايخفى أن دلالة الحال تقوم مقامها حيث لم يصلح للرد والشتم ويصلح للجواب فقط وقدمنا أن الصالح للجواب فقط ثلاثة ألفاظ ليس هذا منها فلذا اشترط النية للإشارة إلى أن دلالة الحال هنا لاتكفي وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ۳/ ۳۰۶، باب الكنايات، كوئته۔ وكذا فی فتاوى الشامی: ۳/ ۲۸۳، سعيد)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

”أخرجتک من نکاحي“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”أخرجتک من نکاحي“ تم کو میں نے اپنے نکاح سے باہر کیا تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان الفاظ سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو صاحب بحر کی تصریح کے مطابق ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی، اگر چہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

ولو قال لا نكاح بيننا يقع الطلاق، والأصل أن نفي النكاح أصلا لا يكون طلاقاً بل يكون جحوداً، ونفي النكاح في الحال يكون طلاقاً إذا نوى، وما عداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف، قيد بالنية لأنه لا يقع بدون النية اتفاقا لكونه من الكنايات. ولا يخفى أن دلالة الحال تقوم مقامها حيث لم يصلح للرد والشتم ويصلح للجواب فقط، وقدمنا أن الصالح للجواب فقط ثلاثة ألفاظ ليس هذا منها فلذا شرط النية للإشارة إلى أن دلالة الحال هنا لا تكفي، وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ۳/۳۰۶،باب الكنايات۔ وكذا في فتاوى الشامي: ۳/۲۸۳، باب الصريح، سعيد).

ولوقال فسخت النكاح ونوى الطلاق يقع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إن نوى ثلاثاً فثلاث. (البحر الرائق:۳/۳۰۲،باب الكنايات،كوئته۔وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات). **واللہ ﷻ اعلم۔**

”نکاح سالم نہیں رہا“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی عورت کے بارے میں کسی دوسرے سے مخاطب ہو کر کہے: میرا اور اس عورت کا نکاح سالم نہیں رہا، تو کیا دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے؟

الجواب: یہ کنایات میں سے ہے اگر یہ نیت کی کہ نکاح باقی نہیں رہا بلکہ ٹوٹ گیا تو طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر یہ نیت کی ہے کہ نکاح میں عیب اور خرابی پیدا ہوئی اگر چہ نکاح قائم ہے تو طلاق نہیں ہوگی۔

فتاوی سراجیہ میں مرقوم ہے کہ ان تین کنایات "اعتدي، اختاري، أمرك بيدك" کے علاوہ جو کنایات ہیں ان میں نیت کی ضرورت ہے۔ نکاح سالم نہیں رہا یہ بھی کنایات میں سے ہے۔ ہاں بعض کنایات میں مذاکرہ طلاق کے وقت بغیر نیت کے طلاق پڑ جاتی ہے مثلاً " أنت خلية، برية، بتة، بائن" ان میں سے ہیں، **وفيماعداهامن ألفاظ الكنايات "أي ما عدا الثلاثة " يصدق، ولوقال: في مذاكرة الطلاق أحد هذه الألفاظ الثلاثة أوقال: أنت خلية أوبرية أوبتة أوبائن أوحرام لم يصدق.** (فتاوى سراجية: كتاب الطلاق، باب المتفرقات).

لیکن صاحبِ بحر علامہ ابن نجیم مصریؒ اور علامہ شامیؒ کے نزدیک فی الحال نکاح کی نفی کرنے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، کمامر آنفاً۔ واللہ ﷻ اعلم۔

"گھر سے نکل جاؤ" بغیر نیتِ طلاق کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ۵ سال پہلے بیوی سے کہا "گھر سے نکل جاؤ" اور اس وقت کہا تھا کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی، اس درمیان میں بچے کی پیدائش بھی ہوئی۔ اب کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی تھی، کیا ۵ سال کے بعد کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بچہ ثابت النسب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں یہ الفاظ "گھر سے نکل جاؤ" کنایاتِ طلاق میں سے ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہوگی، لیکن شوہر نے جب انکار کردیا کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، پھر ۵ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی تھی، اس سے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، کیونکہ یہ اقرار سے رجوع کرنے کے مترادف ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہے، نیز بچے بھی ثابت النسب ہوں گے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

الکنایات لا تطلق بها قضاءً إلا بنية أو دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب. وفي الشامي: قوله قضاءً، قيد به لأنه لا يقع ديانة بدون النية ولو وجدت دلالة الحال، فوقوعه بواحد من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط، كما هو صريح البحر وغيره. (الدر المختار مع الشامي:۳/۲۹۶، باب الكنايات۔و كذافي الفتاوى الهندية:۱/۳۷۴۔و البحر الرائق ۳/۲۹۸، باب الكنايات في الطلاق).

شرح مجلّہ میں ہے:

لايصح الرجوع عن الإقرار في حقوق العباد. (شرح المجلة، ص: ۸۷۶).

وفي تكملة فتح القدير: لأن الرجوع عن الإقرار باطل مفصولاً كان أو موصولاً. (نتائج الافكار تكملة فتح القدير: ۸/۳۶۴، دار الفكر).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

طلاق کنائی کے الفاظ سے طلاق واقع ہونے کا مدار نیت پر ہے، اگر بہ نیت طلاق یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے طلاقِ بائن واقع ہوگی، اور اگر بہ نیت طلاق یہ الفاظ نہیں کہے تو ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، بدستور نکاح قائم ہے۔ نیت کے بارے میں شوہر ہی کا قول معتبر ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۵۰۰، مبوب ومرتب).

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

ان الفاظ (کنایات) میں اگر نیت طلاق کی ہو تو ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوئی ہے، اور اگر نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، بدستور وہ عورت اسکی زوجہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۹/۳۸۱، مدلل مکمل)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''خدا کی قسم اس عورت کو کبھی نہیں رکھوں گا'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے اپنی منکوحہ کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اور یہ الفاظ کہے ''مجھ کو خدا کی قسم، اس

عورت کو کبھی نہیں رکھوں گا'' چنانچہ چار سال کا عرصہ ہوگیا کہ نان ونفقہ نہیں دیا، تو کیا اس کے ایسے صاف الفاظ ہوتے ہوئے بھی نیتِ طلاق کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس شخص کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، اور نیت کی ضرورت نہیں رہی، وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صیغہ استقبال کے ساتھ صریح الفاظِ طلاق بولے تو اس سے طلاق نہیں ہوتی، مثلاً یوں کہے'' خدا کی قسم میں تجھے طلاق دونگا'' تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ لہذا مذکورہ الفاظ سے بدرجہ اولیٰ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

بخلاف قوله (طلاق) كنم، لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك، وفي المحيط: لو قال بالعربية " أطلق" لا يكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۸٤).

درمختار میں ہے:

بخلاف قوله "طلقي نفسک" فقالت أنا طالق أو أنا أطلق نفسي، لم يقع لأنه وعد. جوهرة. وفي الشامي: عبارة الجوهرة : وإن قال : طلقي نفسک ،فقالت: أنا أطلق لم يقع قياساً واستحساناً. (الدرالمختار مع رد المحتار :۳/ ۳۱۹،باب تفويض الطلاق،سعيد).

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

صيغة المضارع لا يقع بها الطلاق إلا إذا غلب في الحال كما صرح به الكمال ابن الهمام. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/ ۳۸).

وينظر: البحر الرائق :۳/ ۳۱٤، كوئته۔و فتح القدير:٤/ ۷،دارالفكر۔و فتاوى دار العلوم ديوبند:۹/ ٤۷، واحسن الفتاوى: ٥/ ۱٤۸۔وفتاوى محموديه :۱۲/ ۲٤۷،مبوب ومرتب۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''تو میری بیوی نہیں'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا ''اب تو میری بیوی نہیں، اور نہ آئندہ میں تجھے اپنی بیوی سمجھونگا، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اور اگر طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

(قوله وتطلق بلست لي بامرأة أولست لک بزوج إن نوى طلاقاً)...ولو قال لا نكاح بيننا يقع الطلاق، والأصل أن نفي النكاح أصلا لا يكون طلاقاً بل يكون جحوداً، ونفي النكاح في الحال يكون طلاقاً إذا نوى، وما عداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف، قيد بالنية لأنه لا يقع بدون النية اتفاقا لكونه من الكنايات. ولا يخفى أن دلالة الحال تقوم مقامها حيث لم يصلح للرد والشتم ويصلح للجواب فقط، وقدمنا أن الصالح للجواب فقط ثلاثة ألفاظ ليس هذا منها فلذا شرط النية للإشارة إلى أن دلالة الحال هنا لا تكفي، وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ٣/٣٠٦،باب الكنايات۔ وكذا في الدر المختار مع فتاوى الشامي: ٣/٢٨٣، باب الصريح ، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (تبيين الحقائق:٢/٢١٨۔وفتح القدير:٤/٦٧۔وفتاوى دار العلوم ديوبند:٩/٤٠٠،مدلل مكمل). واللہ ﷻ اعلم۔

بیٹے کو طلاق کے بچے کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو اپنے بیٹے پر غصہ آیا اور اس سے کہا طلاق کے بچے، اس شخص نے پہلے کبھی بیوی کو طلاق نہیں دی، کیا ان الفاظ سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ بیوی کی طرف نسبت نہیں پائی گئی، نیز یہ الفاظ اکثر سب وشتم کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اگر سب وشتم کی نیت ہوتو بیوی کو مخاطب کر کے طلاقن کہدے تب بھی دیانۃً طلاق نہیں ہوگی۔

قال في المحيط البرهاني: ولو قال ابن طالق وليست امرأته في ذلک البيت وقت المقالة لاتطلق امرأته. (المحيط البرهاني: ۳/۳۵٤).

وقال في خلاصة الفتاوى: لوقال لامرأته يامطلقة بالتشديد، ولوقال أردت الشتم لم يصدق قضاء ودين. (خلاصة الفتاوى:۲/۸).

شامی میں ہے:

يا طالق أو يا مطلقة بالتشديد ولوقال أردت الشتم لم يصدق قضاء ودين، خلاصة، ولوكان لها زوج طلقها قبل فقال أردت ذلک الطلاق صدق ديانة باتفاق الروايات وقضاء في رواية أبي سليمان وهوحسن كما في الفتح وهو الصحيح كما في الخانية ولولم يكن لها زوج لايصدق وكذا لوكان لها زوج قد مات. (فتاوى الشامي:۳/۲۵۱ ـ وكذا في الهندية:۱/۳۵۵).

واللہ ﷻ اعلم۔

طلاقن کہنے سے طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا چل رہا تھا باتوں میں اپنے بیوی کو طلاقن کہا، کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاقن کہنے سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، ہاں اگر اس نے سب شتم کرتے ہوئے کہا تو دیانۃً اس کی بات مانی جائیگی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

...البتہ طلاقن اور مطلقہ کہہ کر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے...(امداد الاحکام:۲/۴۱۸).

وفي الشامية : يا طالق أويا مطلقة بالتشديد ولوقال أردت الشتم لم يصدق قضاء ودين، خلاصة، ولوكان لها زوج طلقها قبل فقال أردت ذلك الطلاق صدق ديانة باتفاق الروايات، وقضاء في رواية أبي سليمان وهوحسن كما في الفتح وهو الصحيح كما في الخانية ولولم يكن لها زوج لايصدق، وكذا لوكان لها زوج قد مات. (فتاوی شامی: ۳/ ۲۵۱،وکذا فی الفتاوی الهندية:۱/ ۲۵۵، وخلاصة الفتاوی :۲/ ۸۰).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر پہلے شوہر سے طلاق مل چکی ہے اسی لیے اس شخص نے طالقن کہا ہے تو شرعاً اس کا قول معتبر ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/ ۳۷۰).

خلاصہ یہ ہے کہ سب وشتم کی نیت سے کہا اور بیوی کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو مفتی طلاق نہ ہونے کا فتویٰ دے سکتا ہے، کیونکہ عرف میں یہ سب وشتم میں استعمال ہوتا ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

’’تو میری بہن کے برابر ہے‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا ’’تو میری بہن کے برابر ہے‘‘ کیا ان الفاظ سے طلاق پڑی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور بلا نیت طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن آئندہ اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

إن نوى بأنت علي مثل أمي أو أمي أوكأمي، وكذا لوحذف ’’علي‘‘ خانية، براً أوظهاراً أوطلاقاً صحت نيته ووقع مانواه لأنه كناية. وفي الشامية: قوله لأنه كناية،أى من كنايات الظهار والطلاق، قال في البحر: وإذا نوى به الطلاق كان بائناً كلفظ الحرام. (فتاوی الشامی:۳/ ۴۷۰،باب الظهار،سعید۔وکذا فی البحرالرائق:۴/ ۹۸، کوئٹہ).

درمختار میں ہے:

ویکره قوله أنت أمي ویا ابنتي ویا أختي . وفی الشامیة: والذي فی الفتح:وفي " أنت أمي"...وینبغي أن یکون مکروهاً فقد صرحوا بأن قوله لزوجته یاأخیة مکروه. وفیه حدیث رواه أبوداود...الخ. (الدرالمختارمع الشامی:۳/ ۴۷۰،باب الظهار،سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (فتح القدیر:۴/ ۲۵۲،دارالفکر۔وفتاوی محمودیه:۱۳/ ۳۲۲۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/ ۳۸۴۔وکفایت المفتی:۶/ ۴۴۰۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

’’تم سب سے کہدو کہ طلاق دیدی‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: عورت نے اپنے خاوند سے کہا مجھے طلاق دیدو، اس نکاح میں بدنامی ہے، اس کے جواب میں شوہر نے ایک رقعہ لکھا: تمہاری بدنامی جاتی رہے گی، تم سب سے کہدو کہ طلاق دیدی، بظاہر اس سے مقصود طلاق واقع کرنا نہ تھا، اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر واقعۃً طلاق نہیں دی اور عورت سے صرف یہ کہدیا: سب سے کہدو کہ طلاق دیدی، دیانۃً اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، ہاں قضاءً طلاق ہوگئی، مگر پہلے سے اس پر گواہ بنالیے تھے تو قضاءً بھی واقع نہ ہوگی، اور اگر شوہر کا مقصد اس لفظ سے طلاق دینا تھا تو طلاق واقع ہوگئی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما ما في إکراه الخانیة : لو أکره علی أن یقر بالطلاق فأقر لایقع، کما لو أقر بالطلاق هازلاً أو کاذباً، فقال فی البحر: إن مراده لعدم الوقوع فی المشبه به عدمه دیانةً ، ثم نقل عن البزازیة والقنیة: لوأراد به الخبر عن الماضي کاذباً لایقع دیانةً ، وإن أشهد قبل ذلک لایقع قضاءً أیضاً . (فتاوی الشامی:۳/ ۲۳۸، کتاب الطلاق، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (البحرالرائق:۳/ ۲۴۶۔وحاشیة چلپی علی تبیین الحقائق:۲/ ۱۹۵۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/ ۱۵۸،مدلل مکمل). **واللہ ﷻ اعلم۔**

''والدہ کے گھر چلی جا، یہاں تک کہ عقل ٹھیک ہو جائے'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا: ''تو اپنی والدہ کے گھر چلی جا، یہاں تک کہ تیری عقل ٹھیک ہو جائے'' یہاں طلاق کی کوئی بات نہ تھی اور نہ شوہر کی نیت طلاق دینے کی تھی، بلکہ بچوں کے بارے میں کوئی جھگڑا ہوا اور شوہر نے یہ جملہ کہدیا، کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور کیوں؟ جواب دیکر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: بشرطِ صحتِ سوال صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ ''اپنی والدہ کے گھر چلی جا'' کنایہ میں سے ہیں، اور کنایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر طلاق دینے کی نیت ہو تو طلاق واقع ہوگی۔ جبکہ صورتِ مسئولہ میں مابعد کی عبارت خود طلاق کے مخالف ہے، یعنی ''یہاں تک کہ تیری عقل ٹھیک ہو جائے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود طلاق دینا نہیں تھا، بلکہ کچھ مدت والدہ کے گھر رکھنا مقصود تھا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة، وإن نوى ثلاثاً كان ثلاثاً ... وهذا مثل قوله أنت بائن، وألحقي بأهلك . (الهداية:۲/۳۷٤۔ وكذا في الفتاوى الهندية:۱/۳۷۵).

عالمگیری میں ہے:

الفصل الخامس في الكنايات: لايقع بها الطلاق إلا بالنية أوبدلالة الحال كذا في الجوهرة النيرة . (الفتاوى الهندية:۱/۳۷٤). **واللہ ﷻ اعلم۔**

''والدین کے گھر گئی تو تیسری'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو پہلے وقفے وقفے سے دو طلاقیں دی ہیں، اب اس کے اختیار میں ایک طلاق باقی ہے، ایک مرتبہ اس نے بیوی سے کہا ''اگر تم والدین کے گھر گئی تو تم کو تیسری'' اس کے ساتھ طلاق وغیرہ کا لفظ نہیں کہا، اگر بیوی والدین کے گھر گئی تو تیسری طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر شوہر نے تیسری میں طلاق کی نیت کی تو والدین کے گھر جانے سے تیسری واقع ہو جائیگی، اور اگر ویسے ڈرانے کے لئے یہ لفظ کہا تو طلاق نہیں ہوگی۔

عالمگیری میں ہے:

امرأة قال لها زوجها: أنت طالق واحدة، فقالت له المرأة: هزار، فقال الزوج: هزار، فهذا على وجهين: إما أن ينوي شيئاً أو لم ينو، ففي الوجه الأول هو على ما نوى، وفي الوجه الثاني لا يقع . (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸۱) .

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شوہر نے بیوی کے جواب میں ہزار کا لفظ کہا، لیکن جب نیت نہیں کی تو طلاق نہیں ہوگی۔

دوسری جگہ مذکور ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہا: حیلہ زنان کن **يكون إقراراً بالطلاق إذا نوى** ۔ (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸٦) .

یعنی شوہر نے بیوی سے کہا: عورتوں والا حیلہ کرو، بظاہر مطلب یہ ہے کہ حلالہ کی تدبیر کرو، کیونکہ تین طلاقیں ہوئیں۔ لیکن جب طلاق کا لفظ نہیں کہا تو نیت پر موقوف ہے، اگر نیت ہو تو طلاق ہے ورنہ نہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن إبراهيم قال: إذا كتب الطلاق بيده، وجب عليه .
وعن حماد قال: إذا كتب الرجل إلى امرأته : إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق ، فإن لم يأتيها الكتاب فليس هي بطلاق ،
وإن كتب : أما بعد فأنت طالق ، فهي طالق .
وقال ابن شبرمة: هي طالق.

(مصنف ابن ابي شيبة)

باب......﴿۵﴾

طلاق بالکتابت کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الدلائل الباھرۃ فی تنفیذ کتابۃ الطلاق للزوجۃ الحاضرۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”الدلائل الباھرۃ فی تنفیذ کتابۃ الطلاق للزوجۃ الحاضرۃ“

زوجہ کی موجودگی میں طلاق بالکتابت کا حکم:

سوال: کیافرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی حاضری میں طلاق لکھ کر دے دے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو کیا یہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے بیوی حاضر ہو یا غائب بہر صورت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ہاں اگر کسی پر اکراہ کیا جائے تو مکرَہ کی تحریر معتبر نہ ہوگی اور طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

تحریری طلاق کی چند صورتیں ہیں:

کتابتِ مستبینہ:یعنی کسی کاغذ،دیوار وغیرہ پر ایسی تحریر جو واضح ہو اور باقی رہنے والی ہو،اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱)مستبینہ مرسومہ:اگر باضابطہ طلاق نامہ یا مکتوب عنوان اور مخاطب کے ساتھ لکھا گیا ہو تو اسے کتابتِ مستبینہ مرسومہ کہتے ہیں۔

(۲)مستبینہ غیر مرسومہ:اگر یوں ہی کسی کاغذ کے ٹکڑے یا دیوار پر بیوی کی طرف اضافت کے بغیر صرف یہ لکھے کہ طلاق ہے یا طلاق دی،اور یہ تحریر بیوی کو نہ بھیجے تو یہ کتابتِ مستبینہ غیر مرسومہ ہے۔

کتابتِ مستبینہ مرسومہ تلفظ کے قائم مقام ہے،اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

کتابتِ مستبینہ غیر مرسومہ سے طلاق ایسی صورت میں واقع ہوگی جب کہ شوہر کہے کہ میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی تھی۔

کتابتِ غیر مستبینہ: جو تحریر ظاہر نہ ہو اور پڑھنے میں نہ آئے، جیسے پانی اور ہوا پر لکھنا، اس سے کسی حال میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۲۹۔۱۳۰، دفعہ ۴/۳، مسلم پرسنل لا بورڈ)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الكتابة على ثلاثة أوجه مستبين مرسوم أى معنون وهو يجري مجرى النطق في الحاضر والغائب على ما قالوا، ومستبين غيرمرسوم كالكتابة على الجدار وأوراق الأشجار وهوليس بحجة إلا بالبينة والبيان وغيرمستبين كالكتابة على الهواء والماء وهوبمنزلة كلام غيرمسموع فلايثبت به الحكم. (الفتاوى الهندية: ٦/٤٤٢، مسائل شتىٰ).

درمختار میں ہے:

كتب الطلاق، إن مستبيناً على نحو لوح وقع إن نوى، وقيل مطلقاً، ولوعلى نحو الماء فلا، مطلقاً، ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يافلانة: إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب جوهرة.

وفي الشامية: (قوله كتب الطلاق الخ) قال في الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغيرمرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوناً مثل مايكتب إلى الغائب وغيرالمرسومة أن لايكون مصدراً ومعنوناً، وهوعلى وجهين مستبينة وغيرمستبينة، فالمستبينة مايكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته، وغيرالمستبينة مايكتب على الهواء والماء وشيء لايمكن فهمه وقراءته. ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وإن نوى، وإن كانت مستبينة لكنهاغيرمرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو، ثم المرسومة لاتخلوإما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكماكتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن كتب: إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٣/٢٤٦، مطلب

فی الطلاق بالکتابة،سعید).

ہدایہ میں ہے:

ثم الكتاب على ثلاثة مراتب : مستبين مرسوم وهوبمنزلة النطق في الغائب والحاضرعلى ما قالوا، ومستبين غيرمرسوم كالكتابة على الجداروأوراق الأشجار وينوي فيه لأنه بمنزلة صريح الكناية فلا بد من النية وغيرمستبين كالكتابة على الهواء والماء وهو بمنزلة كلام غيرمسموع فلايثبت به الحكم.(الهداية:٤/٥٠٧،كتاب الخنثیٰ).

وفي الشامية : اعلم أن هذا في كتابة غيرمرسومة أي غيرمعتادة ، لما في التبيين وغيره أن الكتاب على ثلاثة مراتب: مستبين مرسوم وهوأن يكون معنوناً : أي مصدراً بالعنوان ، وهو أن يكتب في صدره من فلان إلى فلان على ماجرت به العادة فهذاكالنطق فلزم حجة... الخ.(فتاوی الشامی:٦/٧٣٧،مسائل شتیٰ،سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأماالنوع الثاني فهوأن يكتب على قرطاس أولوح أوأرض أوحائط كتابة مستبينة لكن لاعلى وجه المخاطبة امرأته طالق فيسئل عن نيته فإن قال : نويت به الطلاق وقع وإن قال : لم أنوبه الطلاق صدق في القضاء لأن الكتابة على هذا الوجه بمنزلة الكتابة لأن الإنسان قد يكتب على هذا الوجه ويريد به الطلاق وقد يكتب لتجويد الخط فلايحمل على الطلاق إلا بالنية ...وإن كتب كتابة مرسومة على طريق الخطاب والرسالة مثل أن يكتب أما بعد يافلانة فأنت طالق أوإذا وصل كتابي إليک فأنت طالق يقع به الطلاق ولوقال: ما أردت به الطلاق أصلاً لايصدق إلا أن يقول نويت طلاقاً من وثاق فيصدق فيما بينه وبين الله عزوجل لأن الكتابة المرسومة جارية مجرى الخطاب ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبلغ بالخطاب مرة وبالكتاب أخرى وبالرسول ثالثاً وكان التبليغ بالكتاب والرسول كالتبليغ بالخطاب فدل أن الكتابة المرسومة بمنزلة الخطاب فصاركأنه خاطبها

بالطلاق عند الحضرة فقال لها: أنت طالق .(بدائع الصنائع:۳/۱۰۹،سعید).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

المادة : ٦٩ :ــ الكتاب كالخطاب...والحاصل أن كل كتاب يحرر على وجه المتعارف من الناس حجة على كاتبه كالنطق باللسان .(دررالحكام شرح مجلة الاحكام :١/٦٢،دارالكتب العلمية).

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية:۳/۳۷۷، في ايقاع الطلاق بالكتاب.والأشباه والنظائر:۳/۱۲۳، مع شرح الحموى.والبحر الرائق:۸/۴۷۷،مسائل شتىٰ،كوئته.وتبيين الحقائق:٦/٢١٨،مسائل شتىٰ،ملتان. وتنقيح الفتاوى الحامدية:كتاب الدعوى).

مذکورہ بالاعبارات فقہاء سے مجموعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتابتِ مستبینہ مرسومہ نطق کے قائم مقام ہے، اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے،اوراس میں حاضر وغائب کا کوئی فرق نہیں ہے۔

اکابر کے فتاوی ملاحظہ فرمائیں:

الطرائف والظرائف میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب،مفتی دارالعلوم دیوبند کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

عباراتِ کتب متعلقہ کتابت طلاق سے یہی ظاہراً ثابت ہوتا ہے کہ حضور زوجہ فی المجلس کی صورت میں بھی طلاق مکتوب صریح وکنایہ واقع ہوجاوے گی اگر غرض ایقاع طلاق ہو نہ تجربہ خط وغیرہ،نکاح میں چونکہ سماع شہود ایجاب وقبول زوجین کوشرط کیا گیا ہے،لہذا بصورت امکان سماع مکتوب کو لغو کہا جاوے تو ممکن ہے اور طلاق میں اس کی حاجت نہیں،شامی کتاب الاقرار میں طلاق کو بھی دیگر دیون وغیرہ کے اقرار کی مثل باللسان وبالبنان دونوں طرح مساوی قرار دیا ہے: فانه كما يكون باللسان يكون بالبنان درمختار. اورظاہر ہے کہ اقرار بالدیون اگر بالبنان ہواور کاتب کو اقرار ہو کہ یہ تحریر میری ہے تو لزوم دین میں تامل نہ ہوگا،اگر چہ شامی نے مسائل شتیٰ میں ایک عبارت اشباہ ونظائر سے یہ مفہوم ہونا ظاہر کیا ہے کہ ناطق حاضر میں کتابت کا اعتبار نہ ہو،مگر ظاہر اس کا یہ ہے کہ شہود مجرد تحریر وکتابت پر شہادت نہیں دے سکتے،کیونکہ مجرد کتابت میں احتمال ہے کہ تجربہ خط وغیرہ کے لیے لکھا ہو،الغرض راجح ومحقق یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضرہ فی المجلس کو بھی طلاق بالکتابۃ واقع ہوتی ہے اور جانب

احتیاط بھی یہی ہے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سلمہ ومولانا انور شاہ کی بھی یہی رائے ہے۔فقط والسلام راقم الحروف عزیز الرحمٰن عفی عنہ از دیوبند ۱۳۳۰ھ بروز پنجشنبہ۔

(الطرائف والظرائف:۱۲-۱۳،فائدۃ فقہیۃ متعلقۃ بالطلاق بالکتابۃ)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے یعنی جو حکم زبان سے بولنے کا ہے وہی حکم تحریر کا ہے۔البتہ حالتِ اکراہ میں یعنی جبراً لکھوانے کی صورت میں جب تک زبان سے طلاق نہ کہے طلاق نہیں ہوتی۔(فتاوی رحیمیہ:۸/۳۰۹،مبوب ومرتب)۔

مزید ملاحظہ ہو:امداد الفتاویٰ:۲/۳۸۶-واحسن الفتاویٰ:۵/۱۸۴۔

لیکن علامہ شامیؒ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے:**وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر**.(فتاوى الشامي:٦/٧٣٧،مسائل شتیٰ،سعيد).

اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گونگے کی معنون طلاق حاضر کے لیے معتبر ہے اور ناطق کی مرسوم طلاق حاضر کے لیے معتبر نہیں ہے،لیکن یہاں علامہ شامیؒ نے جس مفہوم مخالف کو ظاہر کہا ہے اس کے مقابلہ میں فقہاء کی صریح عبارات موجود ہیں،مفہوم مخالف کا اعتبار تب ہوگا جب کہ منطوق اس کے خلاف نہ ہو،خود علامہ شامیؒ نے اس کو ظاہر یعنی قیاس کا درجہ دیا محقق نہیں بتایا،نیز علامہ رافعیؒ نے علامہ شامیؒ کے ظاہر کہنے پر اشکال فرمایا،چنانچہ فرماتے ہیں:**(قوله وظاهره) لم يظهر وجه ظهوره من عبارة الأشباه**. (تقريرات الرافعي: ٦/٣٥٥، مسائل شتیٰ، سعيد).

کیونکہ ممکن ہے کہ صاحب اشباہ کی عبارت کا یہ مطلب ہو کہ گونگے کی معنون طلاق کا اعتبار ہے غیر معنون کا اعتبار نہیں ہے۔

نیز یہ علامہ شامیؒ کا مسلک مختار نہیں ان کا مسلکِ مختار وہی ہے جو اوپر کی عبارات میں ان ہی کے حوالہ سے مذکور ہوا،

لہٰذا معلوم ہوا کہ طلاق بالكتابة المستبينة المرسومة طلاق صریح کے حکم میں ہے،اور جس طرح زبان سے طلاقِ صریح دینے میں بیوی کی موجودگی اور عدم موجودگی برابر ہے یعنی دونوں صورتوں میں بلاشبہ طلاق

واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح طلاق بالکتابة المستبینة المرسومة بھی بہرصورت واقع ہوجائے گی، خواہ بیوی موجود ہو یا غائب، اور زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کیے ہوں یا ادا نہ کیے ہوں۔

اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت اور نطق احکام کے ثابت کرنے میں برابر ہے اگرچہ نطق و کتابت میں فرق ہے اس لیے کہ نطق کو مشبہ بہ اور کتابت کو مشبہ فرماتے ہیں، "الکتاب کالخطاب" جیسے اخرس کی کتابت اور اشارہ میں فرق ہے لیکن اثبات حکم میں دونوں برابر ہے۔

لیکن شمس الدین قاضی زادہ نے ایک اشکال ظاہر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو، نتائج الافکار میں ہے:

قوله وهو بمنزلة النطق في الغائب والحاضر على ما قالوا، فإنه إذا كان بمنزلة النطق في حق الحاضر أيضاً لم يكن حجة ضرورية، فينبغي أن يكون حجة في الحدود أيضاً كما كان النطق حجة فيها أيضاً فليتأمل في المخلص. (نتائج الافکار: ۵۲۵/۱۰، مسائل شتیٰ، دارالفکر).

یعنی جب کتابت نطق کی طرح ہے تو پھر حدود میں حجت ہونی چاہئے؟

لیکن یہ اشکال درست نہیں، کیونکہ حدود کا ثبوت اس طریقہ پر ہوگا جو طریقہ شریعت میں وارد ہے، کتابت کا طریقہ وارد نہیں ہے، جیسے عام طور پر ایک مرتبہ کا اقرار کافی ہوتا ہے، لیکن حد زنا میں احادیث میں چار مرتبہ اقرار وارد ہے، اس لیے چار مرتبہ ضروری ہوگا۔

نیز حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

اگر نطق کو فی الحاضر مؤثر اور کتابت کو غیر مؤثر مان لیں تو پھر طلاق بالکتابت میں قادر علی النطق کو کتابت کے ساتھ نطق بھی کرنا چاہئے، چاہے گواہوں کے سامنے کرے یا بغیر گواہوں کے، جیسے نکاح میں تلفظ ضروری ہے، مثلاً زید نے ہندہ کو نکاح کا پیغام لکھ کر بھیجا تو قبول کرنے سے پہلے گواہوں کے سامنے اس کا پڑھنا اور پھر قبول کرنا ضروری ہے تاکہ ایجاب وقبول مکمل ہو۔

نیز اگر کوئی شخص دربن سے جہانسبرگ طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے تو طلاق واقع ہوجائے گی، حالانکہ اس زمانہ میں وہ تلفظ پر بذریعہ ٹیلی فون مع معرفۃ الصوت قادر ہے، پھر کیوں طلاق واقع ہوتی ہے؟

نیز وصیت میں کتابت چلتی ہے، لیکن اگر وہ نطق پر قادر ہے تو اس کو زبانی وصیت کرنا چاہئے، کتابت

کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

نیز احادیث کی اجازت بالمشافہہ کتابۃً معتبر ہے، حالانکہ تلفظ پر قادر ہے تو کتابۃً اجازت معتبر نہیں ہونا چاہئے۔

اعلاء السنن میں ہے:

أن يكتب الشيخ مسموعه لحاضر أو غائب بخطه أو بأمره. وأما المجردة فتمنع الرواية بها، وأجازه كثيرون من المتقدمين والمتأخرين. (اعلاء السنن: ۱۶۷/۸).

بیع کے لیے شرعاً "اشتریت" کے الفاظ ہیں، حالانکہ تعاطی سے بھی بیع منعقد ہوتی ہے، جب تلفظ پر قادر ہے تو تعاطی سے بیع کیوں منعقد ہوتی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحشؓ کو خط دیا اور فرمایا اس کو فلان جگہ سے پہلے نہ کھولو، اور وہاں جا کر پڑھو۔ (بخاری کتاب العلم).

اگر کتابت بغیر قراءت کے حاضر میں معتبر نہیں تو یہ مکتوب غیر معتبر ہو جائے گا۔

مدرسہ کے دفتر اہتمام کی طرف سے امتحان کا اعلان آویزاں کیا جاتا ہے، زبانی اعلان نہیں ہوتا، اگر طلبہ امتحان میں شرکت نہ کریں اور کہیں کہ آپ نے باوجود ناطق ہونے کے تحریر لکھی جو غیر معتبر ہے، لہذا یہ اعلان غیر معتبر ہے، تو ہم کیا کہیں گے؟

اگر مسجد کے بورڈ پر نماز کے ٹائم کا اعلان لگا دیا جائے اور امام وقت مقرر پر نہ آئے اور کہیں کہ تلفظ پر قدرت کے باوجود آپ کی تحریر معتبر نہیں تو ہم کیا کہیں گے؟

لہذا تحریر کو غیر معتبر ماننے سے بے شمار مسائل پیدا ہوں گے۔

باقی جہاں فقہاء نے مکرہ کی طلاقِ مکتوب کو نہیں مانا اور صرف طلاق مکرہ میں ایسا کیا اس میں استحسان للضرورۃ یعنی دفع الظلم کا دخل ہے، تاکہ وہ ظلم سے بچے، ظلم سے بچنے کے لیے حیلہ بھی کافی ہے، جیسے ظالم کے استحلاف کے وقت ظلم سے بچنے کے لیے کوئی شخص طلاقِ ثلاثہ دیدے اور گواہ پیش کرے کہ جھوٹی قسم تھی، ہمارے اکراہ طلاق میں بھی اعراض من التلفظ إلی الکتابۃ کو ظلم سے بچنے کا ذریعہ بنایا گیا۔

لأن الكتابة أقيم مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة ههنا. کا مطلب یہی ہے کہ عبارت کو چھوڑ کر کتابت کو اختیار کرنا کسی حاجت ومقصد کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہاں صرف جان چھڑانا مقصود ہے اور کوئی حاجت نہیں، لہذا اس کی جان چھوٹ گئی اور طلاق واقع نہیں ہوئی، اب اگر کوئی شخص لکھتا ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہے، بیوی کا مطالبہ مکتوب کا ہے، تاکہ آئندہ سندر ہے، یا اس کو عدالت میں پیش کرنا ہوگا، یا بیوی سے خائف ہے زبانی طلاق نہیں دے سکتا، یا اس لیے کہ یہ قلم وکتابت کا زمانہ ہے۔ صرف جان چھڑانا مقصود نہیں ہے۔

(۲) بے شمار احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں، اس مسئلہ میں جیسے بیع میں عرف کا اعتبار کرلیا جائے اور آجکل کے عرف میں کتابت کالنطق ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے، اس لیے حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے کتابت کو تلفظ کے برابر تسلیم کیا۔

خصوصاً اس زمانہ میں کتابت کو غیر مؤثر تسلیم کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

شرح مجلّہ میں مذکور ہے:

(المادة: ١٦٠٩): إن سند الدين الذي يكتبه الرجل أويستكتبه ويعطيه لآخر فمضى بإمضائه أومختوماً بختمه يعد إقراراً بالكتابة ويكون معتبراً ومرعياً كتقريره الشفاهي إذا كان مرسوماً أى إذاكان قدكتب موافقاً للرسم، والعادة والوثائق المعلمة بالقبض المسماة بالوصول هي من هذا القبيل أيضاً...(شرح المجلة:ص٩٠٢).

(المادة: ١٦١٠): من كتب سنداً أواستكتبه مرسوماً على الوجه السابق وأعطاه فمضى أومختوماً إذا أقر بأنه له ولكنه أنكر الدين الذي حواه فلا يعتبر إنكاره ويلزمه أداء ذلك الدين. (شرح المجلة: ٩٠٤).

نیز مفتی محمد اشرف صاحب ’’مفتی جامعہ محمودیہ اسپرنگ‘‘ فقہاء کی عبارات ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

مندرجہ بالا مسائل وعبارات سے چند امور ثابت ہوئے:

(۱) کتابت مستبینہ تلفظ کے حکم میں ہے۔

(۲) مستبینہ مرسومہ صریح کے حکم میں ہے۔

(۳) مستبینہ غیر مرسومہ کنایہ کے حکم میں ہے۔

(۴) کتابت اگر معلق نہ ہو تو وہ طلاق منجز کے حکم ہے، اور لکھنے کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی۔

(۵) کتابت مستبینہ کو مٹانا ایسا ہے جیسے تعلیق سے رجوع کرنا اور تعلیق سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

(۶) کتابت اگر ثابت ہو جائے تو وہ قضاءً معتبر ہے، شوہر کے انکار کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

...سابق بحث خصوصاً کتابت کے احکام سے متعلق مطلق عبارتیں، تحریر کا قضاءً معتبر ہونا، المرأۃ کالقاضی اور آج کل کے حالات وعرف کے تقاضے کے مطابق ہماری رائے یہ ہے کہ بیوی خواہ سامنے موجود ہو یا غائب ہو، ہر صورت میں کتابت اپنی شرائط وتفصیل کے ساتھ معتبر ہے۔

آج کل کا عرف یہ ہے کہ لوگ تحریر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، بعض دفعہ کلام کرنے کے بجائے تحریر ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ باقی رہتی ہے، سند بنتی ہے اور بوقتِ ضرورت کام آتی ہے خصوصاً اہم معاہدوں کے وقت تحریر کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ (ملخص از فتویٰ مفتی اشرف صاحب زید مجدہ، ۱۶/ رجب ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۴/ ستمبر ۲۰۰۳ء)۔

نیز دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے بھی تفصیلی فتویٰ شائع ہوا ہے، اس میں بھی ثابت کیا ہے کہ بیوی کی موجودگی میں تحریری طلاق معتبر ہے۔ اور چند مفتی حضرات کی دستخط بھی موجود ہے۔ اور پاکستان کے دارالافتاؤں کا یہی فتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق بالکتابت فی الحاضر کا ایک مسئلہ:

سوال: یہاں جنوبی افریقہ میں ایک صاحب نے اپنی حاضر بیوی کو تین طلاقیں کاغذ پرلکھ کر دیں، بعض مفتی حضرات نے اس کو لغو قرار دیا اور شامی کی اس عبارت سے استدلال کیا: **لكن في الدر المنتقى عن الأشباه أنه في حق الأخرس يشترط أن يكون معنوناً وإن لم يكن لغائب وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر.** (شامی:۷۳۷/۶)۔ یعنی ناطق حاضر کی طلاق معنون ''جو عرف وعادت کے مطابق لکھی گئی ہو'' معتبر نہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: بیوی کی موجودگی میں دی ہوئی تحریری طلاق واقع ہوتی ہے اس مسئلہ میں چند سال پہلے یہاں مفتیوں کا اجلاس بھی ہوا تھا، بہت سارے مفتیوں کی رائے آخر میں یہ ٹھہری کہ طلاق ہوجاتی ہے اب اس نئے واقعہ کی وجہ سے یہ مسئلہ دوبارہ اٹھا، فقہاء احناف کی چند عبارات ملاحظہ ہو:

وهو أي المستبين بمنزلة النطق في الغائب والحاضر على ما قالوا فإنه إذا كان بمنزلة النطق في حق الحاضر أيضاً لم يكن حجة ضرورية. (تکملة فتح القدير:۵۲۵/۱۰،دارالفکر).

شامی میں ہے: **فهذا أي المستبين كالنطق فلزم حجة.** (فتاوی الشامی:۷۳۷/۶،سعید،وشرح الحموی علی الاشباہ:۱۲۳/۳،احکام الکتابة).

وهو يجري مجرى النطق في الحاضر والغائب. (حاشية الكنز من ملامسكين والعينى، ص ۴۹۰، ورمز الحقائق:۴۹۹/۲،مسائل شتیٰ).

وهو أي هذا المذكور من الكتابة كالنطق في الغائب والحاضر على ما قالوا فيلزم حجة وفي زماننا الختم شرط لكونه معتاداً. (مجمع الانہر:۷۳۳/۲،داراحیاء التراث العربی).

ثم الكتابة على ثلاثة أوجه مستبين مرسوم ...وهويجري مجرى النطق في الحاضر والغائب على ما قالوا. (عالمکیریہ:۴۴۲/۶، مسائل شتیٰ).

ثم الكتاب على ثلاث مراتب مستبين مرسوم وهو بمنزلة النطق في الغائب والحاضر

علی ما قالوا .(الهداية ، مسائل شتى:٤/٧٠٥).

والحاصل أن كل كتاب يحرر على الوجه المتعارف من الحاضر حجة على كاتبه كالنطق باللسان .(درر الحكام شرح مجلة الاحكام ،مادة الكتاب كالخطاب ،لعلي حيدر).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

وجه انعقاد العقود بالكتابة هو أن القلم أحد اللسانين كما قال الفقهاء بل ربما تكون هي أقوى من الألفاظ ولذلك حث الله المؤمنين على توثيق ديونهم بالكتابة . (الموسوعة الفقهية الكويتية،مادة : العقدبالكتابة او الرسالة، ٣٠/٢١٠،وزارة الاوقاف ،الكويت).

مذکورہ بالاعبارات سے واضح ہوا کہ تحریری طلاق واقع ہوجاتی ہے بیوی سامنے ہو یا غائب ہو،اور شامی کی عبارت سے جو استدلال کیا جاتا ہے اس کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ کی یہ رائے مذکورہ بالا کتبِ فقہیہ کے خلاف ہے اس لیے یہ مرجوح ہے اور وقوعِ طلاق کا قول راجح ہے۔

(۲) شامیؒ کے محشی علامہ رافعیؒ نے اس کی تردید فرما کر غیر ظاہر ہونے کا حکم کیا، چنانچہ فرماتے ہیں: **لم يظهر وجه ظهوره من عبارة الأشباه** . (تقريرات الرافعي،ضميمه شامى:٦/٣٥٥).

(۳) یہ عبارت خود علامہ شامی کی دوسری عبارت کے خلاف ہے،لہٰذا جو عبارت بقیہ کتبِ فقہ کے موافق ہے،مثلاً " **فهذا كالنطق فلزم حجة** " (شامی:٦/٧٣٧) تو اسی کا اعتبار ہوگا۔جب کہ علامہ شامی نے "**ظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر** ،فرما کر اس کو ماقبل سے بطریق دلالتِ التزامی یا مفہوم مخالف ثابت کیا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ منطوق غیر منطوق (مفہوم مخالف) پر مقدم ہے۔

(۴) مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ان تمام حضرات نے عام فتاویٰ کی کتابوں کے فتویٰ کو قبول فرمایا، اور شامی کی عبارت کو قبول نہیں فرمایا۔

چنانچہ الطرائف والظرائف کی فوٹو کاپی ملاحظہ فرمائیں:

(۵) اس عبارت کا تعلق مسئلہ اکراہ سے ہے، کیونکہ علامہ شامیؒ نے یہ عبارت اشباہ بلکہ شرح اشباہ سے نقل فرمائی ہے، اور وہ خانیہ سے نقل کرتے ہیں دیکھئے: (اشباہ مع شرح الحموی:۳/۱۲۳) اور شرح اشباہ اور خانیہ کی عبارت میں اکراہ کا مسئلہ موجود ہے، حالتِ اختیار میں حاضر بیوی کا مسئلہ مذکور نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضیخان کی عبارت ملاحظہ ہو:

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق لاتطلق امرأته لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة

باعتبار الحاجة و لاحاجة ههنا. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۴۷۲۔شرح الاشباه :۳/۱۲۳).

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حالتِ اکراہ میں اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق لکھ کر دیدی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ کتابت ضرورت کی وجہ سے قائم مقام عبارت ہے اور یہاں ضرورت نہیں یعنی سابقہ عبارات کی روشنی میں کتابت حجتِ اصلیہ ہے لیکن حالتِ اکراہ میں عدم وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرکے کتابت کو حجتِ ضروریہ تسلیم کیا گیا۔

عام حالات میں تو کتابت حجتِ اصلیہ اور عبارت کی طرح ہے لیکن حالتِ اکراہ میں اس کے نافذ کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ موثر نہیں، یعنی حالتِ اکراہ میں کتابت کا اعتبار نہیں، چاہے بیوی حاضر ہو یا غائب، لہٰذا اکراہ کے مسئلہ کا تعلق بیوی کے حاضر یا غائب ہونے سے نہیں بلکہ اس صورت میں اس کو حجتِ ضروریہ تسلیم کیا گیا، عام حالات میں کتابت کا حجتِ اصلیہ ہونا سابقہ عبارات میں بحر و فتح القدیر میں مذکور ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل محترم مولانا مفتی محمد رضوان صاحب کے رسالہ ''تحریری اور زبردستی طلاق کی تحقیق'' میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ فرمالیں، یہ رسالہ بہت سارے مفتیوں کی تقریظات سے آراستہ ومزین ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

غیر معتاد طریقہ پر طلاق بالکتابت کا حکم:

سوال: زید کرسی پر بیٹھا تھا اس کے سامنے میز پڑی تھی، اس نے میز پر اپنی بیوی کا نام لکھ کر تین طلاق لکھ دی اور یہ لکھا: ''میری بیوی زینب کو تین طلاق'' بعد میں کہا کہ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں تھا اور نہ غصہ میں لکھا، بلکہ میں مذاق کر رہا تھا، کیا طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: غیر معتاد طریقہ پر طلاق لکھنے سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں طلاق کی نیت سے لکھا تو طلاق واقع ہوجائیگی۔ اور صورتِ مسئولہ میں چونکہ مذاق میں طلاق کے الفاظ میں طلاق واقع کرنے کی نیت نہیں ہے، اس لیے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدران وأوراق الأشجار أوعلى كاغذ لا على الوجه المعتاد فلا يكون حجة إلا بانضمام شيء آخر إليه كالنية . (فتاوى الشامي ،مسائل شتىٰ: ٦/٧٣٧).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

کتابت مستبینہ غیر مرسومہ سے طلاق ایسی صورت میں واقع ہوگی جب کہ شوہر کہے کہ میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی تھی۔ ردالمحتار میں ہے: **وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا** . (مجموعہ قوانین اسلامی،ص۱۳۰).

مزید ملاحظہ ہو: (مجمع الانهر: ٢/٧٣٣، والفتاوى الهندية: ٦/٤٤٢). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بجبر واکراہ تحریری طلاق کا حکم:

سوال: ایک عورت نے طلاق نامہ لکھوا کر ایک پولیس کو اپنے ہمراہ کیا اور شوہر کے پاس گئی، پولیس والے نے شوہر کو دھمکی دی کہ اس پرچہ پر دستخط کر دو ورنہ گولی ماردوں گا، اس نے پوچھا اس میں کیا لکھا ہے، پولیس والے نے کہا ایک طلاق، شوہر نے بجبر واکراہ بادل ناخواستہ اس طلاق نامہ پر دستخط کر دی، بعد میں بتایا کہ اس میں تین طلاق لکھی تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کتنی طلاق واقع ہوئی ایک یا تین؟

الجواب: طلاق بالکتابۃ میں شرعاً شوہر کی رضامندی سے طلاق واقع ہوتی ہے، یعنی شوہر نے ازخود اپنی رضامندی سے طلاق نامہ لکھایا اس نے برضاورغبت طلاق نامہ پر دستخط کر دی، لیکن بجبر واکراہ طلاق نامہ لکھوانے یا طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہٰذا بصورتِ مسئولہ اگر شوہر نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وفي البحر: ... فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (فتاوى الشامي: ٣/٢٣٦، مطلب في الاكراه على التوكيل ...،سعيد).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأته. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية: ١/٤٧٢، الطلاق بالكتابة).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الظهيرية: رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق، وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (الفتاوى التاتارخانية: ٣/٣٨٠، ايقاع الطلاق بالكتابة).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

بجبر طلاق نامہ پر دستخط کرا لینے سے جب کہ زبان سے طلاق نہیں دی، اور نہ خود لکھی، طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۹/۱۵۴، مدلل مکمل).

کتاب الفتاوی میں ہے: پولیس کی دھمکی بھی "اکراہ" میں داخل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۵/۹۰).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۳۵، دفعہ ۲۔ وامداد المفتین: جلد دوم: ۶۳۵، دارالاشاعت۔ وکتاب الفتاویٰ: ۵/۱۰۲). واللہ ﷻ اعلم۔

بحالتِ نشہ طلاق نامہ پر دستخط کروانے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے دشمنوں نے اسے شراب پلا کر یا کسی اور طرح بے ہوش کر دیا، پھر ایک وثیقہ نویس (طلاق نامہ لکھنے والے اور عرضی لکھنے والے) کو ساتھ لے کر نشہ کی حالت میں اس طلاق نامہ پر اس کی انگشت کا نشان لگوالیا، یا اس کے دستخط کروالیے، پھر ان لوگوں نے اس کی زوجہ کو اس کی طرف سے طلاق لکھدی، لیکن اس شخص کو اور اس کی زوجہ کو طلاق نامہ کی کچھ خبر نہیں، الغرض پوری کارروائی دھوکہ سے کی گئی، کیا اس صورت میں اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دھوکہ بازی اور بغیر اطلاع کے سادہ کاغذ پر دستخط کروانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو فتاوی دار العلوم دیو بند میں ہے:

فرضی طور سے کسی کی طرف سے طلاق نامہ لکھ دینے سے اور بدون اطلاع اس امر کے کہ اس کاغذ میں طلاق لکھی ہوئی ہے، شوہر کا انگوٹھا لگوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح سفید سادہ کاغذ پر کسی حیلہ سے شوہر کا انگوٹھا لگوا کر بعد میں اس کاغذ میں طلاق لکھ دینے سے شوہر کی طرف سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

كما في حديث ابن ماجة: " الطلاق لمن أخذ بالساق" .الخ. اور شامی میں ہے: **وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لايقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه.**

پس اس صورت میں شوہر کی طرف سے طلاق نہیں ہوئی۔ (فتاوی دار العلوم دیو بند: ۹/۱۰۲، دار الاشاعت).

وکذا فی فتاوی محمودیہ: ۱۲/۶۴۴). واللہ ﷻ اعلم۔

زبان سے کہے بغیر محض تحریری طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو صرف تحریری طلاق لکھ کر بھیج دی، مگر زبان سے کچھ نہیں کہا، اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اپنی رضامندی سے تحریری طلاق خود لکھنے یا دوسرے سے لکھوانے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو، اس لیے کہ وقوعِ طلاق کے لیے تکلم شرط نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وكذا التكلم بالطلاق ليس بشرط فيقع الطلاق بالكتابة المستبينة وبالإشارة المفهومة من الأخرس لأن الكتابة المستبينة تقوم مقام اللفظ. (بدائع الصنائع: ۳/۱۰۰، شرائط ركن الطلاق، سعيد).

درمختار میں ہے:

کتب الطلاق، إن مستبيناً على نحو لوح وقع إن نوى، وقيل مطلقاً ، ولوعلى نحو الماء فلا ، مطلقاً، ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يافلانة : إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب جوهرة.

وفي الشامية: (قوله كتب الطلاق الخ) قال في الهندية: الكتابة على نوعين : مرسومة وغيرمرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوناً مثل مايكتب إلى الغائب وغيرالمرسومة أن لايكون مصدراً ومعنوناً، وهوعلى وجهين مستبينة وغيرمستبينة، فالمستبينة مايكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته، وغيرالمستبينة مايكتب على الهواء والماء وشيء لايمكن فهمه وقراءته. ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وإن نوى ، وإن كانت مستبينة لكنهاغيرمرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو، ثم المرسومة لاتخلوإما أن أرسل الطلاق بأن كتب : أما بعد فأنت طالق، فكماكتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة ، وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن كتب:إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲٤٦/۳،مطلب في الطلاق بالكتابة،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱۱۱/۲، كوئته. والفتاوى الهندية: ۳۷۸/۱. وبدائع الصنائع: ۱۰۹/۳،سعيد. ومجموعه قوانين اسلامى : ۱۲۹ . وفتاوى دارالعلوم ديوبند: جلددوم : ۲۳۳ . وفتاوى محموديه: ۵۸۳/۱۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولوی صاحب کے کہنے پر طلاق نامہ لکھنے کا حکم:

سوال: میں نے اپنی مخطوبہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نکاح کرلیا، مگر میری مخطوبہ اس کے باوجود میرے انتظار

میں بیٹھی رہی، آخرلوگوں کے کہنے سے نکاح کی تیاری ہوئی، لیکن عین موقع پر اس کے والد نے کہا پہلی زوجہ کو طلاق دیدو، میں نے صاف انکار کردیا، ایک روز مولوی صاحب نے کہاتم کاغذ لکھ دوتو ان کی زبان بند ہوجائے گی، اورصرف لکھنے سے طلاق نہیں ہوتی، مولوی صاحب کے کہنے کی وجہ سے مجھے یقین ہوا کہ صرف لکھنے سے طلاق نہیں ہوگی، مولوی صاحب مضمون بتلاتے تھے اور میں لکھتا تھا، تین طلاق کا لفظ بھی لکھوایااور زوجہ کا نام وغیرہ بھی لکھوایا، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے طلاق ہوئی یانہیں؟

الجواب: جس طرح زبانی طلاق واقع ہوتی ہے اسی طرح تحریری طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے، چنانچہ بصورتِ مسئولہ باضابطہ طلاق نامہ یامکتوب بعنوان ومخاطب لکھا ہے، لہذا تلفظ کے قائم مقام ہوکر بلانیت طلاق واقع ہوگئی۔

ملاحظہ ہوفتاوی شامی میں ہے:

اعلم أن هذا في كتابة غيرمرسومة أى غيرمعتادة ، لما في التبيين وغيره أن الكتاب على ثلاثة مراتب: مستبين مرسوم وهوأن يكون معنوناً : أى مصدراً بالعنوان ، وهو أن يكتب في صدره من فلان إلى فلان على ماجرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة ومستبين غيرمرسوم كالكتابة على الجدران وأوراق الاشجار...وغيرمستبين كالكتابة على الهواء أوالماء...والحاصل أن الاول صريح والثانى كناية والثالث لغو. (فتاوى الشامى:٦/٧٣٧،مسائل شتىٰ، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كتب كتابة مرسومة على طريق الخطاب والرسالة مثل أن يكتب أما بعد يافلانة فأنت طالق أوإذا وصل كتابي إليک فأنت طالق يقع به الطلاق ولوقال: ما أردت به الطلاق أصلاً لايصدق، إلا أن يقول: نويت طلاقاً من وثاق فيصدق فيما بينه وبين الله عزوجل لأن الكتابة المرسومة جارية مجرى الخطاب ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبلغ بالخطاب مرة و بالكتاب أخرى و بالرسول ثالثاً وكان التبليغ بالكتاب والرسول

کالتبلیغ بالخطاب فدل أن الکتابة المرسومة بمنزلة الخطاب فصار کأنه خاطبها بالطلاق عند الحضرة فقال لها: أنت طالق .(بدائع الصنائع:۳/۱۰۹،سعید).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

المادة: ٦٩:ـ الکتاب کالخطاب...والحاصل أن کل کتاب یحرر علی وجه المتعارف من الناس حجة علی کاتبه کالنطق باللسان .(دررالحکام شرح مجلة الاحکام :۱/٦۲،دارالکتب العلمیة). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، لیکن بیوی نے محکمہ میں جا کر مقدمہ دائر کیا اور طلاق نامہ لکھوا کر شوہر کے سامنے دستخط کے لیے پیش کر دیا، اب اگر شوہر اس طلاق نامہ پر دستخط کر دے تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ جب کہ بیوی کے بھائی دستخط کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر اگر اپنی رضامندی سے دستخط کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر بیوی کے بھائی انتہائی سخت مار پٹائی یا پولیس وغیرہ کی دھمکی دیکر جبراً دستخط کروالے اور شوہر زبان سے کچھ نہ کہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وفی البحر:...فلو أکره علی أن یکتب طلاق امرأته فکتب لاتطلق.(فتاوی الشامی:۳/۲۳٦،مطلب فی الاکراہ علی التوکیل ...،سعید).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

رجل أکره بالضرب والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأته. (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیة:۱/٤۷۳،الطلاق بالکتابة).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الظهيرية: رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق، وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لاتطلق. (الفتاوى التاتارخانية:۳/ ۳۸۰،ايقاع الطلاق بالكتابة).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

زید سسرال گیا اس کی سسرال والوں نے طلاق دینے پر مجبور کیا اور طلاق نامہ لکھ کر اس پر جبراً انگوٹھا زید سے لگوالیا لیکن زید نے زبان سے الفاظ طلاق نہیں کہے، اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (ملخص از امداد المفتین:۶۳۴،جلد دوم،دارالاشاعت)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

طلاق نامہ بھیجنے کے بعد تصدیق کے لیے دوسرا خط بھیجنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا، پھر اس کی تصدیق کے لیے دوبارہ خط لکھ کر بھیجا تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسؤلہ اگر شوہر نے دوسرے خط میں پہلے خط کی تصدیق کی نیت کی تھی نئی طلاق مقصود نہیں تھی تو اس کی زوجہ پر صرف ایک طلاق واقع ہوگئی۔

اور اگر دوسرا خط دوسری طلاق کے ارادہ سے لکھا تھا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

كرر لفظ الطلاق وقع الكل وإن نوى التاكيد دين، قوله وإن نوى التاكيد أى وقع الكل قضاءً وكذا إذا أطلق أشباه: أى بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً لأن الأصل عدم التاكيد.

(فتاوى الشامي:۳/ ۲۹۳،سعيد)۔

اگر عدت گزری ہو تو بہر حال دونوں صورتوں میں تجدید نکاح کی گنجائش ہے، البتہ پہلی صورت میں تجدید نکاح کے بعد شوہر کو دو طلاقوں کا حق ملے گا، اور دوسری صورت میں صرف ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا۔

واللہ ﷻ اعلم۔

میاں بیوی کے ایک معاہدے پر دستخط کرنے کا حکم:

سوال: میاں بیوی اگر ایسے معاہدہ (Agreement) پر دستخط کریں جس میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی درج ہوں ''ہم میاں بیوی کا باہم مل کر رہنا ناممکن ہو چکا ہے'' تو شرعاً ایسے معاہدہ پر دستخط کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسے معاہدہ پر دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ الفاظ طلاق ہی نہیں، ہاں اگر اس کے بعد یا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ کہد ئے ہوں تو پھر سوال کیا جائے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں:

سوال: شوہر نے اپنی خوشدامن کو ایک تحریر لکھی کہ آپ کی لڑکی کا اور میرا نباہ دنیا میں مشکل ہے، اب وہ کہتا ہے کہ یہ تحریر میں نے یوں ہی لکھدی تھی قطع تعلق کا ارادہ نہ تھا آیا اس فقرہ سے طلاق بائن پڑی یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ نباہ کو مشکل کہنا نہ صریح طلاق ہے نہ کنایہ۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳۸۱/۹، مدلل مکمل)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تحریری طلاق معلق کرنے کا حکم:

سوال: میری اہلیہ اور والدین کا ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے، والدین کی شکایت رہتی ہے کہ تمہاری اہلیہ کام کاج وغیرہ نہیں کرتی، اور والدین گھر میں رکھنا نہیں چاہتے، اور والد صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ میں اپنی اہلیہ کو شرطیہ طلاق دیدوں، اور اگر نہ دوں تو والدین ناراض رہیں گے، حالانکہ میرا اور اہلیہ کا کوئی جھگڑا نہیں، بلکہ ہم اچھی طرح زندگی گزارتے ہیں، اور میری اولاد بھی ہیں، نیز شرطیہ طلاق کی تحریر والد صاحب نے خود لکھ کر مجھے دی ہے کہ میں نقل کر کے اہلیہ کو پہنچادوں، والد صاحب کی تحریر حسبِ ذیل درج کر رہا ہوں:

۷۸۶

عبرت نامہ

میری بیوی شمیمہ خاتون بنت نصیر الدین خوب غور سے سنو تم میری بیوی ہو میں تم کو خرچہ دوں گا جہاں تم رہوگی، لیکن تم نے میری غیر موجودگی میں میرے والدین کے گھر میں چند ہفتے کے لیے مالکانہ تصرف کر کے میرے والدین کو روحی اور جسمانی تکلیف واذیت پہنچائی ہے اس سے مجبور ہو کر وہ مجھ کو اپنی ملکیت سے محروم کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے میں ان کی بات اور شرط کو ماننے پر مجبور ہوں کہ تم اپنی پوری زندگی بھر میں میرے والدین کے ملکیت والے گھر وزمین پر قدم رکھوگی تو تم کو فوراً اسی وقت طلاق، طلاق، طلاق۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا میرے لیے گنجائش ہے کہ میں والدین کو راضی کرنے کے لیے یہ تحریر والدین کو نقل کردوں اور کہدوں کہ میں نے اہلیہ کو لکھ کر بھیج دیا، اور میں اپنی اہلیہ سے اس کے بارے میں کوئی تذکرہ نہ کروں تو یہ شرطیہ طلاق معلق ہوگی یا نہیں؟ اور شرط کے پائے جانے پر واقع ہوگی یا نہیں؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: زبانی طلاق کی طرح تحریری طلاق بھی معلق ہوجاتی ہے، اور شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہوجاتی ہے، بنابریں اگر آپ نے والدین کو طلاق نامہ لکھدیا اگر چہ اہلیہ کو نہ لکھا اور نہ کوئی تذکرہ کیا پھر بھی طلاق معلق ہوجائے گی، اور والدین کی زندگی میں آپ کی اہلیہ والدین کے گھر جائے گی تو تین طلاق واقع ہوجائے گی، لہذا آپ طلاق نامہ والدین کو بھی نہ لکھیں، ہاں اگر تو ریہ کر کے والدین سے یہ کہیں کہ بالکل میں نے بیوی کو خط لکھا ہے، اور خط کا مضمون نہ بتائے اور نہ یہ بتائے کہ میں نے بیوی کو طلاق معلق دی ہے، اور اس خط پر احتیاطاً گواہ بھی رکھ لے تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ آپ نے طلاق نامہ لکھا ہی نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدارفأنت طالق. (الهداية:۲/۳۸۵).

درمختار میں ہے:

كتب الطلاق إن مستبيناً على نحولوح وقع إن نوى وقيل مطلقاً . وفي الشامية:قوله كتب الطلاق) قال في الهندية: الكتابة على نوعين : مرسومة وغيرمرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوناً مثل مايكتب إلى الغائب وغيرالمرسومة أن لايكون مصدراً ومعنوناً، وهوعلى وجهين مستبينة وغيرمستبينة، فالمستبينة مايكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراء ته، وغيرالمستبينة مايكتب على الهواء والماء وشيء لايمكن فهمه وقراء ته. ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وإن نوى ، وإن كانت مستبينة لكنهاغيرمرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو، ثم المرسومة لاتخلوإما أن أرسل الطلاق بأن كتب : أما بعد فأنت طالق، فكماكتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة ، وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن كتب :إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاء ها الكتاب فقرأ ته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة.قوله مطلقاً المراد به في الموضعين نوى أولم ينو. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۳/۲٤٦،مطلب في الطلاق بالكتابة،سعيد۔وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۲/۱۱۱،كوئته).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

طلاق لکھنے اور لکھانے سے بھی واقع ہوجاتی ہے اور طلاق کے اندر جد و ہزل برابر ہے یعنی جعلی طور سے یا مذاق سے بھی اگر طلاق دی جاوے یا دوسرے سے کہدے کہ طلاق لکھ دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۹/۱۴۶،مدلل مکمل)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

وقوع طلاق کے لیے طلاق نامہ کا عورت تک پہنچنا شرط نہیں صرف لکھنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور جس قسم کی طلاق لکھوائی ہے اس قسم کی واقع ہوگی۔ (احسن الفتاوی:۵/۱۴۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر خط کا منکر ہو تو طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کچھ مدت کے لئے گھر سے چلا گیا، اس کی طرف سے ایک خط اس کے خسر کو ملا کہ: ''میری طرف سے مہر معاف کرادو، اور بیوی کو میری طرف سے اجازت ہے'' اس پر دستخط بھی موجود نہیں تھے، اس شخص کو جب خبر ملی تو اس نے خط کا انکار کیا، تو کیا اب طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ وقوعِ طلاق کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ شخصِ مذکور خط کا انکار کرتا ہے، اور خط میں طلاق کا کوئی لفظ بھی موجود نہیں ہے، بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ یہ الفاظِ کنایہ میں سے ہے، اور نیت کی ضرورت ہے، اور جب شوہر خود انکار کردے تو وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہیں ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة ، لكنه وصف الأمرعلى وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة ، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه.

(فتاوى الشامي: ۳/۲۴۷، سعيد. وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۹. وفتاوى محموديه: ۱۲/۵۹۴. والمحيط البرهاني: ۳/۴۲۹، رشيديه) . واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :
”لا طلاق إلا بعد نکاح“.
وعن الشعبيؒ : أنه سئل عن رجل قال لامرأته کل امرأة
أتزوجها علیک فهي طالق؟ قال: فکل امرأة
یتزوجها علیها فهي طالق.

(مصنف ابن ابی شیبۃ)

باب......﴿۶﴾

تفویض، توکیل اور تعلیق طلاق کا بیان

باب……﴿۶﴾

تفویض، توکیل اور تعلیقِ طلاق کا بیان

تفویض طلاق کی ایک صورت:

سوال: ساؤتھ افریقہ میں کورٹ کا قانون ہے کہ جس طرح شوہر کو طلاق کا اختیار رہوتا ہے اسی طرح بیوی کو بھی طلاق کا اختیار رہوتا ہے، لہذا اس قانون کے مطابق کسی نے اپنی بیوی سے کہدیا کہ اگر کورٹ میں بلائے اور طلاق دینے کو کہے تو دیدینا لیکن شرعی طلاق کا جو اختیار مجھے ہے وہ اختیار میں تجھے نہیں دیتا ہوں، اب سوال یہ ہے کہ اس لفظ سے تفویض سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور عورت مطلقہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے طلاق کا مکمل اختیار مرد کو دیا ہے، اگر مرد اپنا اختیار عورت کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے، شرعاً اس کو تفویض طلاق کہتے ہیں، لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کو طلاق کا کوئی اختیار نہیں، اگرچہ غیر اسلامی قوانین میں ہو، اسلامی قانون پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، اسی مسئلہ کے پیش نظر بصورتِ مسئولہ جب کہ شوہر نے صرف غیر اسلامی قانون کی رعایت کرتے ہوئے کہدیا تاکہ کورٹ میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، ورنہ درحقیقت تفویض کی نیت نہیں تھی، نیز شوہر کے صریح الفاظ ”شرعی طلاق کا جو اختیار مجھے ہے وہ اختیار میں تجھے نہیں دیتا ہوں“ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار نہیں دیا، لہذا شرعاً تفویض نہیں ہوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

أولياء المرأة إذا طلبوا من الزوج أن يطلقها، فقال الزوج لأبيها: ماذا تريد مني افعل ما تريد وخرج ثم طلقها أبوها، لم تطلق إن لم يرد الزوج التفويض ويكون القول قوله أنه لم يرد به التفويض ،كذا في الخلاصة.(الفتاوى الهندية:١/٤٠٧،فصل في المشيئة).

درمختار میں ہے:

(قال لها: اختاري أو أمرك بيدك ينوي) تفويض(الطلاق)لأنها كناية فلا يعملان بلانية (أو طلقي نفسك فلها أن تطلق في مجلس علمها به).وفي الشامية: ثم اعلم أن اشتراط النية إنما هو فيما إذا لم يذكر النفس أوما يقوم مقامها في كلامه... قوله فلا يعملان بلا نية أي قضاءً وديانةً في حالة الرضاء، أما في حالة الغضب أو المذاكرة فلا يصدق قضاءً في أنه لم ينو الطلاق... قوله طلقي نفسك هذا تفويض بالصريح ولايحتاج إلى نية والواقع به رجعي. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٣/٣١٥،باب تفويض الطلاق،سعيد).

تقریرات الرافعی میں ہے:

(ثم اعلم أن اشتراط النية إنما هو)كلماتهم متفقة على اشتراط النية وذكرالنفس أو ما يقوم مقامها والاكتفاء بذكرالنفس عن النية تكون مخالفاً لما اتفقوا على اشتراطه فلايعول عليه.(تقريرات الرافعي:٣/٢١٩،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

ثم لابد من النية في قوله اختاري فإن اختارت نفسها في قوله اختاري كانت واحدة بائنة...فإذا اختارت نفسها فأنكر قصد الطلاق فالقول له مع يمينه. (الفتاوى الهندية:١/٣٨٨،الباب الثالث في تفويض الطلاق).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولو لم يرد الزوج بالأمر باليد طلاقاً فليس بشيء إلا أن يكون في حالة الغضب أوفي

حالة مذاكرة الطلاق فلا يدين في الحكم. (الفتاوى التاتارخانية:۳/۳۲۹،تفويض الطلاق۔وكذا في البحرالرائق:۳/۳۱۱،کوئٹہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

تفویض طلاق اور توکیل طلاق میں فرق:

سوال: تفویض طلاق اور توکیل طلاق میں کیا فرق ہے؟

الجواب: مرد اپنا اختیار اپنی بیوی کو دیدے کہ وہ اس کی طرف سے اپنے اوپر طلاق واقع کرلے، یا کسی اور شخص کو اس بات کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی بیوی کو طلاق دیدے، تو یہ تفویض ہے۔
اور اگر کسی دوسرے عاقل بالغ کو طلاق دینے کا حکم دے اور اس کے اختیار پر نہ چھوڑے، تو یہ توکیل ہے۔
دوسرا فرق یہ ہے کہ تفویض تملیک ہے اور توکیل تملیک نہیں ہے، اسی وجہ سے تفویض طلاق میں رجوع صحیح نہیں اور توکیل طلاق میں رجوع صحیح ہے، نیز مالک اپنی مشیت پر عمل کرتا ہے جب کہ وکیل کا مشیت اور رائے سے تعلق نہیں، اس سے فقط فعل مطلوب ہے۔
تیسرا فرق یہ ہے کہ تفویض مجلس تک محدود ہے برخلاف توکیل کے کہ وہ مجلس تک محدود نہیں ہے۔
بدائع الصنائع میں ہے:

وأما قوله طلقي نفسک فهو تمليک عندنا سواء قيده بالمشيئة أولا ويقتصرعلى المجلس... والمراد من المشيئة المذكورة ههنا هواختيارالإيثار لا اختيار الفعل وتركه لأنا لوحملناه عليه للغاكلامه ولوحملناه على اختيارالإيثار لم يلغ وصيانة كلام العاقل عن اللغو واجب عند الإمكان واختيار الإيثار في التمليک لا في التوكيل لما ذكرنا أن الوكيل يعمل عن رأي المؤكل وتدبيره وإنما يستعيرمنه العبارة فقط فكان الإيثار من المؤكل لامن الوكيل وأما المملک فإنما يعمل برأي نفسه وتدبيره وإيثاره لا بالمملک فكان التقييد بالمشيئة مفيداً والأصل أن التوكيل لغة هوالإنابة والتفويض هوالتسليم بالكلية لذلک سمى مشايخنا الأول توكيلاً والثاني تفويضاً ، وإذا ثبت أن المقيد بالمشيئة تمليک

والمطلق توكيل والتمليك يقتصرعلى المجلس لماذكرناأن المملك إنمايملك بشرط الجواب في المجلس...ثم التوكيل لايقتصرعلى المجلس. (بدائع الصنائع:۱۲۳/۳،فصل فی التفویض،سعید).

فتاویٰ شامی میں ہے:

المراد بالتفويض تمليك الطلاق وذكر في الفتح في فصل المشيئة أن صاحب الهداية جعل مناط الفرق بين التمليك والتوكيل مرة بأن المالك يعمل برأي نفسه بخلاف الوكيل، ومرة بأنه عامل لنفسه بخلافه، ومرة بأنه يعمل بمشيئة نفسه بخلافه...ثم قال بعد ما بحث في الأولين أن الفرق الثالث أصوب... (وتفويض الطلاق... تمليك فيتوقف على قبولها في المجلس لاتوكيل فلم يصح رجوعه) تفريع على كونه ليس توكيلاً، فإن الوكالة غيرلازمة فلوكان توكيلاً لصح عزلها، قال في البحرعن جامع الفصولين: تفويض الطلاق إليها، قيل هو وكالة يملك عزلها والأصح أنه لايملكه...(قوله طلقي نفسك وأخواته متى شئت...فلا يتقيد بالمجلس ولم يصح رجوعه) لأنه ليس توكيلاً بل لوصرح بتوكيلها لطلاقها يكون تمليكاً لاتوكيلاً كما في البحرعن الفصولين،(وأما في طلقي ضرتك أو قوله لأجنبي طلق امرأتي فيصح رجوعه منه ولم يقيد بالمجلس لأنه توكيل محض) أي بخلاف طلقي نفسك لأنها عاملة لنفسها فكان تمليكاً لا توكيلاً بحر، (وفي طلقي نفسك وضرتك كان تمليكاً في حقها) لأنها عاملة فيه لنفسها(توكيل في حق ضرتها) لأنها عاملة فيه لغيرها ،(إلا إذا علقه بالمشيئة فيصيرتمليكاً) فلايملك الرجوع لأنه فوض الأمر إلى رأيه، والمالك هو الذي يتصرف عن مشيئته والوكيل مطلوب منه الفعل شاء أولم يشأ. (فتاوی الشامی:۳۱۵/۳-۳۱۷،سعید-وکذا فی الهدایة:۳۸۱/۲-ومجموعہ قوانین اسلامی:۱۵۰دفعہ ۳۵). واللہ ﷻ اعلم۔

تفویض طلاق کے بعد رجوع کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے بیوی کو تفویض طلاق کر لی یعنی طلاق کا اختیار دیدیا تو اب اس کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تفویض طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا ہے یعنی شوہر عورت کو طلاق کا اختیار دینے کے بعد واپس نہیں لے سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإن قال طلقي نفسک فليس له أن يرجع عنه لأن فيه معنى اليمين لأنه تعليق الطلاق بتطليقها و اليمين تصرف لازم. (الهداية: ۲/ ۳۸۱، باب تفويض الطلاق).

وفي الدر المختار: ولايملک الزوج الرجوع عنه أي عن التفويض. (الدر المختار: ۳/ ۳۳۲، باب المشيئة، سعيد۔ و كذا في الهندية: ۱/ ۳۸۷).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

تفویض طلاق کے بعد شوہر اس سے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۵۴ دفعہ ۴۲).

واللہ ﷻ اعلم۔

تفویض طلاق کا مجلس تک محدود رہنے کا حکم:

سوال: کیا تفویض طلاق مجلس تک محدود رہتی ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اختیار نہیں دیا اور کوئی مدت بھی متعین نہیں کی تو ایسی صورت میں اسی مجلس تک تفویض طلاق محدود رہے گی، لیکن اگر شوہر نے بیوی کو ہمیشہ کے لیے اختیار دیا مثلاً یہ کہا کہ جب چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کر لو، تو ہمیشہ کے لیے اختیار حاصل ہوگا، اور اگر کوئی مدت مقرر کر دی ہے، تو اسی مدت تک اختیار حاصل رہے گا، غرض یہ ہے کہ شوہر کے الفاظ سے فیصلہ کیا جائے گا۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

فإن كان مطلقاً بأن قال: أمرك بيدك فشرط بقاء حكمه بقاء المجلس وهومجلس علمها بالتفويض فما دامت في مجلسها فالأمر بيدها...وسواء قصر المجلس أوطال لأن ساعات المجلس جعلت كساعة واحده، فإن قامت عن مجلسها بطل لأن الزوج يطلب جواب التمليك فى المجلس والقيام عن المجلس دليل الإعراض عن جواب التمليك ... هذا إذا كان التفويض مطلقاً عن الوقت فأما إذاكان موقتاً فإن أطلق الوقت بأن قال: أمرك بيدك إذا شئت أوإذا ما شئت أومتى شئت أوحيثما شئت فلها الخيار فى المجلس وغير المجلس ولايتقيد بالمجلس حتى لو ردت الأمر لم يكن رداً ولو قامت من مجلسها أو أخذت في عمل آخر أوكلام آخر فلها أن تطلق نفسها لأنه ما ملكها الطلاق مطلقاً ليكون طالباً جوابها فى المجلس بل ملكها في أي وقت شاء ت...فإن وقته بوقت خاص بأن قال: أمرك بيدك يوماً أوشهراً أوسنةً أوقال اليوم أوالشهر أوالسنة أوقال: هذا اليوم أوهذا الشهرأوهذه السنة لايتقيد بالمجلس ولها الأمر فى الوقت كله تختارنفسهافيما شاء ت منه. (بدائع الصنائع:۳/۱۱۳_۱۱۵،سعید).

وکذا فی الدرالمختار:۳/۳۳۲،فصل فی المشیئة،سعید_والفتاوی الهندیة:۱/۳۹۰_ومجموعہ قوانین اسلامی: ۱۵۱، دفعہ ۳۶_وفتاوی محمودیہ:۱۳/۱۳۹،مبوب ومرتب). **واللہ ﷻ اعلم۔**

’’پہلی طلاق شوہر کا حق دوسری بیوی کا حق اور تیسری شوہر کا حق‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: میاں بیوی نے نکاح کے وقت یہ شرط لگائی کہ پہلی طلاق دینے کا حق شوہر کو ہوگا اور دوسری طلاق بیوی کی ملک میں ہوگی، اور تیسری طلاق کا حق شوہر کا ہے، اس ترتیب سے تفویض صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کو ایک طلاق کی تفویض صحیح اور درست ہوگئی، اب عورت ایک طلاق اپنے اوپر واقع کر سکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شوہر کے پاس صرف دو طلاقیں رہ گئیں، بلکہ حسبِ

سابق شوہر تینوں طلاقوں کا مالک ہے، لہٰذا اگر شوہر نے تین طلاق دیدی تو اس کی زوجہ پر تین واقع ہوجائیں گی۔

البتہ مذکورہ بالا صورت میں چونکہ ترتیب کی شرط لگائی ہے لہٰذا اس کا اعتبار کرتے ہوئے جب شوہر ایک طلاق دے گا اس کے بعد ہی بیوی کو ایک طلاق کا اختیار ہوگا اس سے قبل طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شوہر نے اگر عدد طلاق یا وصف طلاق ذکر کرتے ہوئے تفویض یا توکیل کو عورت یا وکیل کی مشیت کی شرط کے ساتھ مقید کردیا ہو تو شوہر کے ذکر کردہ عدد یا وصف کی رعایت ضروری ہوگی، مخالفت کی صورت میں طلاق نہ پڑے گی۔

قال في الدر: طلقي نفسك ثلاثاً إن شئت فطلقت واحدة وكذا عكسه لايقع فيهما لاشتراط الموافقة لفظاً (قوله لاشتراط الموافقة لفظاً ...ان اشتراط الموافقة لفظاً خاص بالمعلق بالمشيئة فيكون تعليقاً للإتيان بصورة اللفظ. "الدرالمختار مع ردالمحتار:۳/۳۳۴، فصل في المشيئة، سعيد۔ وهكذا في الهداية على فتح القدير:۳/۱۱۸"۔ (مجموعہ قوانین اسلامی:۱۵۳، دفعہ۴۰)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

تفویض کی ایک صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہی میں تفویض طلاق کردیا جائے، درست ہے، البتہ ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف تفویض طلاق سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کرلے، اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ ایجاب کے ساتھ تفویض طلاق کرے اور عورت قبول کرے، تو اس کا اعتبار نہیں، خلاصۃ الفتاوی میں ہے: **وعلى هذا لو تزوج امرأة على أنها طالق أو على أن أمرها بيدها تطلق نفسها كلما تريد لايقع الطلاق ولايصير الأمر بيدها ولو بدأت المرأة فقالت: زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلت، وقع الطلاق وصار الأمر بيدها.**

(خلاصة الفتاوى:۲/۲۹، ط: المكتبة الرشيدية).

خلاصہ ہی کے حوالہ سے اس کو ابن نجیم نے (البحر الرائق:۳/۳۱۸)، اور ابن نجیم کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نے (ردالمحتار) بھی اس کو نقل کیا ہے فتاوی بزازیہ میں بھی تفویض طلاق کی اسی صورت کو کسی قدر قیود وحدود کی پابندی کے ساتھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ **إذا خافت المرأة أنه إذا تزوجها لايجعل الأمر بيدها بعد التزوج**

تقول زوجت نفسي منک بکذا علی أن أمري بیدي، أطلق نفسي منک بائناً متی شئت کلما ضربتني بغیر جنایة أو تزوجت عليّ أخری أو اشتریت أو غبت عني سنة. (البزازية: ٤/ ٢٣٤) یہ شوہر کی جانب سے لازم ہے۔(جدید فقہی مسائل:۳/ ۴۶،اشتراط فی النکاح).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

تفویض یا توکیل کی وجہ سے خود شوہر کا حق طلاق ختم نہیں ہوتا۔(مجموعہ قوانین اسلامی:۱۵۴).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

شریعت نے جو طلاق کا اختیار مردوں کو دیا ہے، یہ اختیار تفویض کے نتیجے میں عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، تو اس انتقال اختیار کی وجہ سے مصالح شرع کے ضیاع کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ عورت کو اختیار دینے کے باوجود شوہر کو از خود طلاق واقع کرنے کا اختیار ختم نہیں ہوتا بلکہ بدستور سابق باقی رہتا ہے۔(جدید فقہی مباحث: ۱۱/ ۳۵۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”إن دخلت دار أمک فأنت طالق ثلاثاً“ سے تعلیق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا” إن دخلت دار أمک فأنت طالق ثلاثاً“ تو کیا دخول دار سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز اس تعلیق سے بچنے کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تعلیق صحیح ہے، بیوی اگر اپنی والدہ کے گھر جائے گی تو تین طلاق واقع ہو جائے گی، اور بغیر شرعی حلالہ کے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

ہاں اس تعلیق سے بچنے کا ایک راستہ یہ نکل سکتا ہے، کہ شوہر بیوی کو ایک طلاق دیکر الگ کر دے، پھر عدت کے بعد عورت اپنی والدہ کے گھر چلی جائے گی تو اس وقت تعلیق پوری ہو جائے گی چونکہ دخول دار کے وقت اس مرد کے نکاح میں نہیں ہے، لہذا تین طلاق واقع نہ ہوگی، پھر مرد تجدید نکاح کر لے اسکے بعد بیوی اپنی ماں کے گھر جاتی رہے، لیکن یہ حیلہ اس وقت مفید اور کار آمد ثابت ہوگا جب کہ بیوی اب تک اپنی ماں کے گھر نہیں گئی، اگر گئی ہو تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق وهذا بالاتفاق لأن الملك قائم في الحال، والظاهر بقاؤه إلى وقت وجود الشرط فيصح يميناً أو إيقاعاً. (الهداية:۲/۳۸۵،باب الايمان فى الطلاق).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (الفتاوى الهندية:۱/۴۲۰،فصل فى تعليق الطلاق).

وفي الدر المختار: وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق وإلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (الدر المختار:۳/۳۵۵،باب التعليق،سعيد). واللہ ﷻ اعلم۔

''اگر میں لینس گیا تو مجھ پر تین طلاق'' کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں لینس گیا تو مجھ پر تین طلاق اور وہ شخص لینس گیا لیکن وہ کہتا ہے کہ میں بھول گیا تھا مجھے اپنی تعلیق یاد نہیں تھی، تو اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور کی بیوی پر قضاءً طلاق واقع ہوگئی، لیکن دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

سئل في رجل حلف بالطلاق أن لايسافر حتى يعطي زوجته خرجية فسار ولم يعطها خرجية وادعى أنه نسي ذلك فهل يقع عليه الطلاق المذكور (الجواب) نعم، يقع طلاق الساهي قضاءً فقط والمعتمد أن السهو والنسيان مترادفان كما في الأشباه. (تنقيح الفتاوى الحامدية:۱/۳۶،دار الاشاعة العربية).

درمختار میں ہے:

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل...أومخطئاً...أوغافلاً أوساهياً...يقع قضاءً فقط.

وفي الشامية: قوله أوغافلاً أوساهياً فالظاهر أن المراد هنا بالغافل الناسي بقرينة عطف الساهي عليه، وصورته أن يعلق طلاقهاعلى دخول الدار مثلا فدخلها ناسياً التعليق أوساهياً، قوله يقع قضاءً متعلق بالمخطئ وما بعده، لكن في وقوعه في الساهي والغافل على ماصورناه لايظهر التقييد بالقضاء، إذ لافرق في مباشرة سبب الحنث بين التعمد وغيره. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۳/۲٤۱،کتاب الطلاق،سعید).

وفي حاشية الطحطاوي على الدر: قوله أوساهياً صورته أن يحلف أن لايتلفظ بالطلاق فجرى على لسانه الطلاق سهواً منه. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:۲/۱۰۹،کوئٹہ).

واللہ ﷻ اعلم۔

”مکان میں جاؤ تو واپس نہ آنا“ اس جملہ سے تعلیق کا حکم:

سوال: شوہر نے بیوی سے کہا ”اس مکان میں نہ جاؤ اگر چلی گئی تو واپس مت آنا“ ان الفاظ سے تعلیق صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے، اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے تو تعلیق صحیح ہے اور مکان میں جانے پر طلاق واقع ہوجائے گی، ورنہ بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

إذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق وهذا بالاتفاق لأن الملک قائم في الحال والظاهر بقاؤه إلى وقت وجود الشرط فيصح يميناً وإيقاعاً. (الهداية:۲/۳۸۵،باب الايمان فی الطلاق).

درمختار میں ہے:

الكنايات لاتطلق بها قضاءً إلا بنية أوبدلالة الحال، قوله قضاءً قيدبه لأنه لايقع ديانةً

بدون النية، ولو وجدت دلالة الحال فوقوعه بواحد من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط. (الدر المختار مع رد المحتار:۳/۲۹۶،باب الكنايات،سعيد).

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر صریح طلاق معلق کی ہے، تو بعد تحقیق شرط رجعی طلاق واقع ہوگی اور اگر بائنہ کو معلق کیا ہے، تو بائنہ واقع ہوگی، غرض جیسی طلاق معلق کی ہے بوقت تحقیق ویسی ہی واقع ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۱۰/۹۱، مدلل مکمل۔وفتاوی رحیمیہ:۶/۳۰۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''جب ہوا چلے گی تو تجھ کو طلاق'' سے تعلیق کا حکم:

سوال: کسی نے بیوی سے کہا جب ہوا چلے گی تو تجھ پر طلاق تو اس کا کیا حکم ہے؟ تعلیق صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ شرط ''جب ہوا چلے گی'' باطل ہے اور طلاق فی الحال واقع ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

فأما لايصح التعليق بمجرد الشرط كقوله إن هبت الريح أوجاء المطر وكذا إذا جعل واحداً منهما أجلاً إلا أنه يصح الكفالة ويجب المال حالاً لأن الكفالة لما صح تعليقاً بالشرط لاتبطل بالشروط الفاسدة، كالطلاق والعتاق. (الهداية:۳/۱۱۷،كتاب الكفالة).

وفى البناية في شرح الهداية للعلامة العينيؒ: قوله كالطلاق والعتاق أى كما أن الشرط المجهول فى الطلاق والعتاق يبطل ويصح الطلاق والعتاق، بأن قال: أعتقت عبدي أو طلقت امرأتي إلى قدوم الحاج أو الحصاد أو القطاف. (البناية فى شرح الهداية:۳/۲۳۹،المكتبة الامدادية۔وفتح القدير:۷/۱۸۶،دار الفكر۔والعناية على هامش الفتح:۷/۱۸۷،دار الفكر).

درمختار میں ہے:

وشرط صحته كون الشرط معدوماً على خطر الوجود، وفى الشامية: قوله على خطر الوجود أي متردداً بين أن يكون وأن لايكون لامستحيلاً ولامتحققاً لامحالة لأن الشرط

للحمل والمنع وكل منهما لايصور فيهما، شرح التحرير. (الدر المختار مع ردالمحتار:۳/۳۴۲، باب التعليق، سعيد). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

’’فلان چیز دیکھوں تو میری بیوی کو طلاق‘‘ کہنے سے تعلیق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نکاح کے بعد یوں کہا کہ ’’اگر میں نے فلان چیز کو دیکھا تو میری بیوی کو طلاق‘‘ اور اس آدمی نے اس چیز کو دیکھ لیا، لیکن اب تک دخول وخلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز طلاق ہوگئی تو یہ شخص اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور حلالہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق معلق شرط کے پائے جانے کی وجہ سے واقع ہوگئی، ہاں دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنے کے بعد ساتھ رہنے کی اجازت ہے، اور حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

إذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق وهذا بالاتفاق لأن الملك قائم في الحال والظاهر بقاؤه إلى وقوع وجود الشرط فيصح يميناً وإيقاعاً. (الهداية:۲/۳۸۵،باب الايمان فى الطلاق).

وفيه : وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها لأن المحلية باقٍ لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله. (هدايه:۲/۳۹۹،باب الرجعة).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر نکاح کا ایجاب وقبول ہونے کے بعد تنہائی ویکجائی ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدی خواہ ایک یا دو طلاق دی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۳/۳۶۴،مبوب ومرتب)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

’’اگر وجہ بیان نہیں کرتی تو ایک طلاق کے ساتھ الگ ہو جا‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: شوہر بیوی کے درمیان اختلاف و جھگڑا ہوا، دوران گفتگو بیوی نے شوہر سے کہا میں تجھ سے الگ ہونا چاہتی ہوں، اور الگ ہونے سے طلاق مراد نہیں تھی، شوہر نے الگ ہونے کی وجہ کافی اصرار کے ساتھ دریافت کی، بیوی نے وجہ بیان کرنے سے انکار کر دیا، آخر شوہر نے کہا: اگر تو وجہ بیان نہیں کرتی تو ایک طلاق کے ساتھ الگ ہو جا، بیوی نے کہا ٹھیک ہے، اب طلاق کا کیا حکم ہے، معلق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر نے بیوی کو طلاق معلق دی یعنی ’’اگر تو وجہ بیان نہ کرے تو تجھے ایک طلاق‘‘ اور عدم بیان اس وقت معلوم ہوگا جب کہ شوہر یا بیوی کا انتقال ہو جائے، لہٰذا شوہر یا بیوی کے انتقال سے پہلے طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر عورت وجہ بیان کر دے گی تو طلاق معلق ساقط ہو جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ فی الحال کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو قال: أنت طالق إن لم أطلقك، لم تطلق حتى يموت لأن العدم لايتحقق إلا باليأس عن الحياة و هو الشرط كما في قوله إن لم آت البصرة، و موتها بمنزلة موته هو الصحيح. (الهداية:٢/٣٦٥،باب ايقاع الطلاق).

فتح القدیر میں ہے:

قوله ولو قال: أنت طالق إن لم أطلقك، لم تطلق حتى يموت باتفاق الفقهاء لأن الشرط أن لايطلقها وذلك لايتحقق إلا باليأس عن الحياة لأنه متى طلقها في عمره لم يصدق أنه لم يطلقها بل صدق نقيضه وهو أنه طلقها واليأس يكون في آخر جزء من أجزاء حياته ولم يقدره المتقدمون بل قالوا: تطلق قبيل موته، فإن كانت مدخولاً بها ورثته بحكم الفرار وإلا لاترثه، وقوله وهو الشرط يعني العدم، قوله كما في قوله إن لم آت البصرة، إعطاء نظير، والمراد أن كل شرط بإن منفي حكمه كذلك وهو أن لايقع الطلاق أو العتاق

إذا علق به إلا بالموت كما ذكرنا وزاد قيداً حسناً في المبتغى بالغين المعجمة، قال: إذا قال لامرأته: إن لم تخبريني بكذا فأنت طالق ثلاثاً فهو على الأبد إذا لم يكن ثمة ما يدل على الفور، انتهىٰ. (فتح القدير:٤/٣١،باب ايقاع الطلاق،دارالفكر). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

تعلیق اور تنجیز میں زوجین کے اختلاف کا حکم:

سوال: میاں بیوی کے درمیان جھگڑا اور اختلاف ہوگیا، اور اس درمیان شوہر نے کہا ''میں ابھی یہاں سے رخصت ہوں گا تو تجھے دوطلاق کے ساتھ چھوڑ کر رخصت ہوں گا'' بیوی کا بیان ہے کہ شوہر کے یہ الفاظ تھے ''میں تجھے دوطلاق کے ساتھ چھوڑ رہا ہوں'' پھر شوہر چار پانچ روز کے بعد سفر پر روانہ ہوگیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس کا قول معتبر ہوگا اور طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر طلاق معلق کا دعوی کرتا ہے اور عورت فوری طلاق کو بیان کرتی ہے، لہٰذا عورت کے ذمہ دو گواہ پیش کرنا ضروری ہے، اور اگر دو گواہ پیش نہ کر سکے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اور اگر عورت نے گواہ پیش کردیے تو دوطلاق رجعی واقع ہوگئی، اور شوہر کو رجعت کا اختیار ہے عدت ختم ہونے سے پہلے اور عدت کے بعد عورت کی رضامندی سے بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر عورت گواہ پیش کرنے سے قاصر ہے تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا اور طلاق معلق ہوگی، پھر تعلیق کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ شوہر نے کہا ابھی میں رخصت ہوتا ہوں، اور وہ اس وقت نہیں گیا چار پانچ روز کے بعد روانہ ہوا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(فإن اختلفا في وجود الشرط فالقول له مع اليمين إلا إذا برهنت) قوله في وجود الشرط أي أصلاً أو تحققاً كما في شرح المجمع: أي اختلفا في وجود أصل التعليق بالشرط، أو في تحقق الشرط بعد التعليق، وفي البزازية: ادعى الاستثناء أو الشرط فالقول له، ثم قال: وذكر النسفي: ادعى الزوج الاستثناء وأنكرت فالقول لها ولا يصدق بلابينة، وإن ادعى تعليق الطلاق بالشرط وادعت الإرسال فالقول له. (فتاوى الشامی:٣/٣٥٦، مطلب

اختلاف الزوجین فی وجود الشرط، سعید).

ہدایہ میں ہے:

وإن اختلفا في الشرط فالقول قول الزوج إلا أن تقيم المرأة البينة لأنه متمسك بالأصل وهو عدم الشرط ولأنه منكر وقوع الطلاق وزوال الملك والمرأة تدعيه. (الهداية:۲/۳۸٦).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تعلیق اور وجود شرط میں بینہ زوجہ پر ہے ورنہ قول زوج مع الیمین قبول ہوگا۔(احسن الفتاویٰ:۵/۱۹٦).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

’’بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کروں تو طلاق‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: زید نے اللہ کا نام لے کر قسم کھائی اور اپنی بیوی اور دو مذکر گواہوں کے سامنے یہ کہا کہ میں اگر پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس کو یعنی دوسری بیوی کو طلاق، اب زید نے پہلی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرلیا، اور زید یوں کہتا ہے کہ اس کا دوسرا نکاح برقرار ہے کیونکہ بعض مفتیانِ کرام نے بتلایا کہ قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہے اور اس نے کفارہ ادا کردیا، تو اب زید کی دوسری شادی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق معلق میں شرط پائی گئی یعنی بغیر اجازت زید نے دوسرا نکاح کرلیا لہٰذا دوسری بیوی کو طلاق واقع ہوگئی، نیز قسم توڑنے کی وجہ سے کفارہ بھی لازم ہوا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

إذا أضاف الطلاق إلى النكاح وقع عقيب النكاح مثل أن يقول لامرأة إن تزوجتك فأنت طالق...أن هذا تصرف يمين لوجود الشرط والجزاء فلايشترط لصحته قيام الملك في الحال لأن الوقوع عند الشرط. (الهداية:۲/۳۸۵، باب الايمان فی الطلاق).

درمختار میں ہے:

لاتطلق الجديدة في قوله للقديمة إن نكحتها أي فلانة عليك فهي طالق إذا نكح فلانة عليها في عدة البائن، فلو نكح في عدة الرجعي أو لم يقل عليك طلقت الجديدة. (الدر المختار:۳/۳۶۵،باب التعليق،سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تعلیق طلاق کی ایک صورت:

سوال: ایک شخص کی بیوی ناراض ہوکر چلی گئی،شوہر نے کہا اگر تم یکم جنوری ۲۰۱۰ تک نہیں آئی،تو نکاح ختم اور فسخ ہے،مذکورہ تاریخ تک بیوی نہیں آئی ،اب بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور طلاق واقع ہونے کی صورت میں کونسی طلاق ہوئی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور نے طلاق کی نیت سے کہا تھا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی،چونکہ عرف میں نکاح ختم ہونا تعلقات ختم ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے بظاہر نیت کی ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولو قال لها لانكاح بيني وبينك أو قال لم يبق بيني وبينك نكاح أوقال فسخت نكاحك يقع الطلاق إذا نوى. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۴۶۸). **واللہ ﷻ اعلم۔**

”مجھے دوبارہ فون کرلے تو سمجھ لیجئے کہ طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو دو طلاق دیکر رجعت کرلی،حال میں دونوں ٹیلی فون پر گفتگو کررہے تھے کہ جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی،اور غصہ میں مرد نے بیوی سے فون پر یہ کہا: اگر تو مجھے دوبارہ فون کرے گی تو سمجھ لیجئے کہ تیسری طلاق واقع ہوچکی،اس جملہ سے قبل زوج نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تجھے طلاق دونگا،عورت کہتی

ہے کہ یہ پہلا جملہ ''میں تجھے طلاق دونگا'' سن کر میں نے فون نیچے رکھدیا، پس آگے جو بھی شوہر نے کہا وہ میں نے نہیں سنا، اس گفتگو کے پندرہ منٹ بعد زوجہ نے شوہر کو فون کیا معافی کی غرض سے، اب چونکہ زوجہ نے تعلیق نہیں سنی تھی تو شرط پائے جانے پر تیسری طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان الفاظ سے ''اگر تو مجھے دوبارہ فون کرلے تو سمجھ لیجئے کہ تیسری طلاق واقع ہوچکی'' طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

داده انگار أو كرده انگار لايقع وان نوى ولو قال لها بعد ماطلبت الطلاق. (الفتاوى الهندية:١/ ٣٨٠).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده قال الزوج داده انگار أو كرده انگار لايقع الطلاق و إن نوى. (فتاوى قاضيخان:٢/ ٢١٠).

نیز مرقوم ہے:

كانه قال لها بالعربية : احسبي انک طالق وان قال ذلک لايقع وان نوى. (قاضيخان:٢/ ٢١٠).

اردو فتاویٰ میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانیؒ نے امداد الاحکام:۲/۴۲۳ پر یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر بیوی کو خطاب کیا اور وہ ٹیلی فون سے اٹھ گئی تھی تو اس میں فقیر کی رائے یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگی، اس کو اس طرح سمجھ لیجئے جیسے کوئی شخص بیوی کو طلاق کا خط لکھ کر خط اس کے مکان پر پہنچادے، اور بیوی گھر پر موجود نہ ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

درمختار میں ہے:

ثم المرسومة لاتخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب

هذا يقع الطلاق. (الدر المختار مع الشامي: ۳/ ۲۹٦، سعيد).

یہ مسئلہ فتاوی دارالعلوم دیوبند کی پہلی جلد عزیز الفتاوی میں بھی موجود ہے، لیکن غالباً اس میں ایک لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے عنوان ہے، وقوع طلاق کے لیے زوجہ کا سامنے ہونا شرط نہیں ہے: پھر سوال کے الفاظ یہ ہیں زید نے اپنی زوجہ کو جب کہ وہ اس کے سامنے تھی، یہاں غالباً ''نہیں'' کا لفظ رہ گیا ہے، کیونکہ جواب میں یہ الفاظ ہیں: سامنے ہونا زوجہ کا وقوع طلاق کے لیے ضروری نہیں ...الحاصل حاضر ہونا عورت کا بوقت طلاق شرط نہیں۔ (عزیز الفتاوی: جلد اول: ۴۸۲، دارالاشاعت)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''تقریر سنوں تو میری بیوی کو طلاق'' کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے زید کو بتلایا کہ فلاں مولوی صاحب کی تقریر مت سنو اس کی تقریر میں زہر بھرا ہوا ہے، زید نے کہا: اگر میں فلاں مولوی صاحب کی تقریر سنوں تو میری بیوی پر تین طلاق، پھر زید نے ٹیپ ریکارڈ سے بیان سنا، تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ٹیپ ریکارڈ سے بیان سنا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی اس لیے کہ اس نے تقریر و بیان کا عکس سنا بعینہ بیان نہیں سنا جیسے ٹیپ ریکارڈ سے آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوتا یا آوازِ بازگشت سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوتا، مسئلہ طلاق بھی اسی طرح ہے۔

ملاحظہ ہو آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام میں ہے:

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ جو آیتِ سجدہ سنی جائے اس کا وہی حکم ہے جو گراموفون کے ریکارڈ کا کہ اس کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدۂ تلاوت کے وجود کے لیے تلاوتِ صحیحہ شرط ہے اور آلہ بے جان بے شعور سے تلاوت مقصود نہیں۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص ۲۲۴)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص ٤٨٦، ونظام الفتاوی: ۱/ ۲/ ۷، وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۲/ ۴۷، واحسن الفتاوی: ۴/ ۶۵، وفتاوی دارالعلوم زکریا: ۲/ ۴۷۸)۔

نوٹ: عام طور پر کتابوں میں مرقوم ہوتا ہے کہ تعلیق الطلاق میں یمین پوشیدہ ہے سو وہ اس طور پر کہ جس طرح یمین توڑنے سے اس پر کفارہ مرتب ہوتا ہے، اسی طرح تعلیق کے بعد طلاق مرتب ہوتی ہے، ورنہ تعلیق طلاق میں حقیقی واصطلاحی یمین نہیں ہے، لہٰذا طلاق کا مدار حقیقت پر ہوگا اور تقریر کا عکس سننے سے طلاق واقع نہ ہوگی، برخلاف یمین کے کہ کتاب الایمان میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ تقریر کا عکس سننے سے حانث ہو جائیگا۔

واللہ ﷻ اعلم۔

''جب بھی میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق'' کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کہا کہ میں جب بھی شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق، اب اس شخص کی شادی کا کیا طریقہ ہے، جب کہ وہ شادی کا شوق بھی رکھتا ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسا شخص شافعی قاضی کے پاس اپنا مقدمہ لے جائے، اور چونکہ شوافع کے نزدیک جب وہ شخص یہ جملہ کہے گا، تو لغو ہو جائے گا، کیونکہ اس کے وقوع کا کوئی محل نہیں ہے، پھر قاضی تعلیق ختم کردے گا، اب وہ شخص شادی کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ورنہ مذہب احناف کے مطابق جب بھی وہ شادی کرے گا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

دوسرا حیلہ یہ ہے کہ کوئی فضولی اس شخص کا نکاح کرادے اور وہ شخص اس نکاح کو بالفعل قبول کرے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال في البحر: وللحنفي أن يرفع الأمر إلى شافعي يفسخ اليمين المضافة، فلو قال: إن تزوجت فلانة فهي طالق ثلا ثاً فتزوجها فخاصمته إلى قاض شافعي وادعت الطلاق فحكم بأنها امرأته وان الطلاق ليس بشيء حل له ذلک. (فتاوی الشامی:۳/۳۴۶،مطلب فی فسخ الیمین المضافة الی الملك،سعید).

وفي الدر المختار: كل امرأة تدخل في نكاحي أوتصير حلالاً لي فكذا فأجاز فضولي

بالفعل لایحنث. (الدر المختار:۳/۸٤٦،باب الیمین فی الضرب...، سعید).

وفي الشامي: وينبغي أن يجئ إلى عالم ويقول له ماحلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي فيزوجه العالم امرأة ويجيز بالفعل فلا يحنث. (فتاوی الشامی:۳/۸٤۳،باب التعلیق، سعید).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

القاضي إذا فوض إلى شافعي ليقضي ببطلان اليمين بالطلاق جاز وعليه الفتوىٰ.

(الفتاوی السراجیة: صـ ۱۱۹،کتاب القضاء، باب المتفرقات) **.واللہ ﷻ اعلم۔**

تعلیقِ طلاق میں شافعی قاضی سے فیصلہ کرانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے یہ کہا کہ اگر میں کسی بھی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے۔حنفیہ کے نزدیک جس لڑکی سے بھی نکاح کرے گا،تو اس کو طلاق واقع ہوجائے گی۔

یا ایک شخص نے ایک عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا،اور پھر لاعلمی میں اس عورت کی لڑکی سے نکاح کیا، اوراس لڑکی سے اولاد ہوئی۔یا اولاد نہیں ہوئی لیکن اس سے محبت ہے،اب اگر کوئی حنفی مفتی یا قاضی اس جوڑے کو کسی شافعی کے پاس بھیج دے،اور شافعی قاضی یا جمعیت کے شافعی علماء پہلی صورت میں نکاح کو جائز قرار دے اور طلاق کو کالعدم قرار دے،اور دوسری صورت میں اس لڑکی کے نکاح کو درست قرار دے تو حنفی کے لیے اس فیصلہ کو تسلیم کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہیہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی قاضی کے فیصلہ کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اوراس مسئلہ کے دیگر بہت سارے نظائر دستیاب ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفی شافعی قاضی کا فیصلہ تسلیم کرلے تو نافذ ہوجائے گا،اسی طرح شافعی حنفی قاضی کا فیصلہ تسلیم کرلے تو وہ بھی نافذ ہوجائے گا،نیز بوقتِ ضرورت بعض صورتوں میں حنفی قاضی شافعی قاضی کی طرف مقدمہ بھیج سکتا ہے۔

کتب فقہ کی عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فتاوی سراجیہ میں ہے:

القاضي إذا فوض إلى شافعي ليقضي ببطلان اليمين بالطلاق جاز وعليه الفتوىٰ.

(الفتاوى السراجية: صـ ۱۱۹، كتاب القضاء، باب المتفرقات) .

یعنی کسی اجنبی عورت سے کہا:'' إن تزوجتک فانت طالق '' پھر نکاح ہوااور حنفی قاضی نے شافعی قاضی کی طرف مسئلہ بھیج دیااوراس نے تعلیق کے باطل ہونے کا فیصلہ کیاتو درست ہے۔

البحرالرائق میں ہے:

(الف) وللحنفي أن يرفع الأمر إلى شافعي يفسخ اليمين المضافة فلوقال: '' إن تزوجت فلانة فهي طالق ثلثاً '' فتزوجها فخاصمته إلى قاضٍ شافعي وادعت الطلاق ، فحكم بأنها امرأته وأن الطلاق ليس بشيء ، حل له ذلک ، ولو وطئها الزوج بعد النكاح قبل الفسخ ثم فسخ يكون الوطء حلالاً إذا فسخ وإذا فسخ بعد التزوج لايحتاج إلى تجديد العقد .

(باء) ولوقال : كل امرأة أتزوجها فهي طالق فتزوج امرأة وفسخ اليمين ثم تزوج امرأة أخرى لا يحتاج إلى الفسخ في كل امرأة كذا ذكر في الخلاصة ، و في الظهيرية: أنه قول محمدؒ. وبقوله يفتىٰ. وكذلک في قوله: '' كل عبد اشتريته ''.

(ج) وإذا عقد أيماناً على امرأة واحدة فإذا قضى بصحة النكاح بعد ، ارتفعت الأيمان كلها .

وإذا عقد على امرأة يميناً على حدة لاشک أنه إذا فسخ على امرأة لاينفسخ الأخرىٰ.

(د) وإذا عقد يمينه بكلمة كلما فإنه يحتاج إلى تكرار الفسخ في كل يمين .

فهي أربع مسائل في شرح المجمع للمصنف فإن أمضاه قاضٍ حنفي بعد ذلک كان أحوط. (البحر الرائق: ۶/۴، باب التعليق، كوئته ـ وكذا في الشامي: ۳۴۶/۳، سعيد ـ وفتح القدير: ۳۰۶/۷، دارالفكر ـ خلاصة الفتاوى: ۲۷/۲، الرشيدية) .

وفي المحيط البرهاني: وإذا كتب القاضي الحنفي إلى القاضي الشافعي [في الأصل

الشفعوي] في تقليده في هذه الصورة وأمثالها إن كان التقليد للحكم ببطلان اليمين كان جائزاً في قول أبي حنيفةؒ ... وذكر شمس الأئمة الحلوانيؒ في شرح أدب القاضي للخصاف: أن حكم الحاكم فيماعدا الحدود والقصاص من المجتهدات نحو الكنايات، والطلاق المضاف جائز، هذا هو الظاهر من مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ، وهو الصحيح لكن مشايخنا امتنعوا عن هذه الفتوىٰ ... كيلا يتجاسر العوام. (المحيط البرهاني:٤/٢٥٤، كتاب النكاح،المجلس العلمی).

(۲) اگر کسی شخص نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا، پہلے دینداری نہیں تھی، اب دینداری آنے کے بعد شوہر نے اس کا اقرار کیا، بیوی کو پتہ چلا تو تفریق کے لیے قاضی کے پاس گئی، اتفاق سے وہ قاضی شافعی تھا، اور اس نے بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنے کا حکم دیا، تفریق نہیں کی، اب یہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا زنى بأم امرأته فراجعته إلى القاضي، فلم يفرق بينهما وأقرهما على ذلک، فليس لقاضٍ آخر أن يفرق بينهما. (الفتاوی السراجية:١١٦، كتاب القضاء، مايجوزمن القضاء).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قال صاحب الأقضية: ولو زنى رجل بأم امرأته، ولم يدخل بها، فجلده القاضي ورأى أن لايحرمها عليه، فأقرها معه وقضى بذلک نفذ قضائه. (الفتاوى الهندية:٣/٣٥٨).

وذكر مثله صاحب المحيط عن صاحب الأقضية: وزاد بقوله: نفذ قضاء ه لأنه قضى في فصل مجتهد فيه، فإن بين الصحابة اختلافاً في هذه الصورة، فعند ابن مسعودؓ ...قالوا بالحرمة، وابن عباس ﷺ كان لايقول بالحرمة وكان يقول: " الحرام لايحرم الحلال" وربما كان يرويه مرفوعاً إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المحيط البرهاني:١٢/٢٤٧، كتاب القضاء۔ و كذا في خلاصة الفتاوى: ٤/٢٦).

(۳) اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس کی بیٹی سے شادی کی، اور قاضی نے نکاح کے صحیح ہونے

کا فیصلہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نافذ نہ ہوگا، امام محمدؒ کے نزدیک نافذ ہوجائے گا۔ فتاوی ظہیریہ سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے کما مر آنفاً۔

فتح القدیر میں ہے:

وحكى في الفصول فيما إذا زنى بامرأة ثم تزوج بنتها فقضى بجوازه ...عند أبي يوسفؒ لا ينفذ للنص عليه، وعند محمدؒ يجوز . (فتح القدير: ۳۰۳/۷، دارالفكر۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۳۵۸/۳۔ والمحيط البرهاني: ۲۴۷/۱۲) .

(۴) ایک شافعی لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر حنفی مرد سے نکاح کیا، شوافع کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوسکتا، اور احناف کے نزدیک ہوجاتا ہے، اب اس صورت میں شوہر بیوی کے ساتھ ہم بستری کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور بیوی شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے سکتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ جنوبی افریقہ کے مسلمان بعض حنفی ہیں اور بعض شافعی؟

الجواب: اولاً لڑکی کو چاہئے کہ والدین کی رضامندی سے نکاح کرے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو پھر اس مسئلہ کا حل بھی یہی ہے کہ لڑکی کسی حنفی قاضی یا جمعیت کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کردے، پھر وہ حضرات نکاح کے درست ہونے کا فیصلہ کردیں کے تو یہ فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔ اگرچہ فقہ حنفی کی روشنی میں یہ نکاح درست ہے، لیکن چونکہ لڑکی مطمئن نہیں ہے اس لیے قاضی کے فیصلہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

قال الماوردي: وليس للزوج الاستبداد بعقد مختلف فيه، إلا أن كانا من أهل الاجتهاد واداهما إلى ذلك وإلا فوجهان أحدهما: نعم، وثانيهما: لا، إلا بإفتاء مفتٍ أو حكم حاكم . (حواشي الشيخ عبدالحميد الشرواني والشيخ احمد بن قاسم العبادي على تحفة المحتاج: ۲۸۳/۷) .

درمختار میں ہے:

والحنفي كفء لبنت الشافعي، وقال الشامي: يعني لوتزوج حنفي بنت شافعي نحكم بصحة العقد، وإن كان في مذهب أبيها أنه لايصح العقد إذا كانت بكراً إلا بمباشرة وليها ،

لأنا نحكم بما نعقد صحته في مذهبنا .

قال في البزازية: وسئل شيخ الإسلام عن بكر بالغة شافعية زوجت نفسها من حنفي أوشافعي بلا رضا الأب هل يصح ؟ أجاب : نعم وإن كانا يعتقدان عدم الصحة ، لأنا نجيب بمذهبنا، لا بمذهب الخصم... (الدرالمختارمع فتاوى الشامي: ۹۳/۳، باب الكفاءة، سعيد) .

(۵) اگرکسی شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح غیرعادل گواہوں کی گواہی سے نابالغ لڑکے سے کردیا،اب دونوں بالغ ہوگئے ،لیکن دونوں کے درمیان بہت دوری ہے ملنامشکل ہے،تو اگرحنفی قاضی شافعی قاضی کوخط لکھ دے کہ آپ اس نکاح کو باطل کردے،اورشافعی قاضی اس نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ کردے،تو یہ فیصلہ نافذ ہوجائے گا،حنفی اس کے مطابق عمل کرسکتا ہے۔

اسی طرح اگرکوئی آدمی اپنی بیوی کوچھوڑ کردوسرے ملک چلا گیااوراس کےواپس آنے کاامکان نہیں ہے، اور یہ نکاح فاسق گواہوں کی گواہی سے ہواتھا،تو اگرحنفی قاضی شافعی قاضی کے پاس عورت کوبھیج دے اورشافعی قاضی نکاح کے باطل ہونے کافیصلہ کردےتو یہ فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔

ملاحظہ ہوفتاوی ہندیہ میں ہے:

ذكر في مجموع النوازل: سئل شيخ الإسلام عطاء بن حمزة عن أب الصغيرة زوجها من صغير، وقبل أبوه، وكبر الصغيران وبينهما غيبة منقطعة ، وقد كان التزويج بشهادة الفسقة هل يجوز للقاضي أن يبعث إلى شافعي المذهب ليبطل هذا النكاح بسبب أنه كان بشهادة الفسقة ؟ قال: نعم . (الفتاوى الهندية : ۳۶۲/۳ـ و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۹۶/۳ ـ وفتاوى الشامي: ۴۰۳/۵) .

وفي المحيط : سئل شيخ الإسلام أبو الحسن عطاء بن حمزة عن رجل غاب عن امرأته غيبة منقطعة ، وقدكان النكاح بينهما بشهادة الفسقة ، هل يجوز للقاضي أن يبعث إلى القاضي الشافعي ليبطل هذا النكاح بهذا السبب ؟ قال: نعم . (المحيط البرهاني:۲۵۸/۴) .

(۶) ایک شخص نے کسی لڑکی سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیرشادی کی، دخول کے بعد اسے تین طلاق

دیدی، اب ولی اس لڑکی کی شادی اسی آدمی سے کرانا چاہتا ہے، لیکن حلالہ سے بچنا چاہتا ہے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی زوجین کو شافعی قاضی کے پاس بھیج دے، جو پہلے نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ کرے گا، اور نکاح ثانی کو جائز قرار دے گا، اور یہ فیصلہ بلا کسی خرابی کے نافذ ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

وكذا لو كان بغير ولي فطلقها ثلاثاً فبعث إلى شافعي يزوجها منه بغيرمحلل، ثم يقضي بالصحة وبطلان النكاح الأول يجوز إذا لم ياخذ القاضي الكاتب ولا المكتوب إليه شيئاً، ولايظهر بهذا حرمة الوطء السابق ولاشبهة ولاخبث في الولد، كذا في الخلاصة .

(فتح القدير:۲۰۳/۳، كتاب النكاح، دار الفكر ـ وكذا في الفتاوى الهندية:۳۶۲/۳ ـ والبحر الرائق:۸۹/۳ ـ والمحيط البرهاني:۲۵۹/٤).

خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام مسائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حنفی قاضی یا مفتی، زوجین کو شافعی قاضی یا جمعیت کے شافعی علماء کے پاس بھیج دے اور وہ حضرات نکاح کے جائز ہونے کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ درست ہے، اور حنفی کے لیے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :
كل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه المغلوب على عقله".

(رواه الترمذي)

وعن مجاهد وعطاء و الحسن و محمد وإبراهيم
وسعيد بن المسيب أنهم قالوا: طلاق السكران جائز.
وعن عبدالرحمن بن عنبسة : أن عمر بن عبدالعزيز
أجاز طلاق السكران وجلده.

(مصنف ابن ابی شیبة)

باب......(۷)

سکران،مجنون اور مکرَہ کی طلاق کا بیان

روى الفرج بن فضالة عن عمرو بن شراحيل
أن امرأة أكرهت زوجها على طلاقها فطلقها ،
فرفع ذلك إلى عمر فأمضى طلاقها.

(عمدة القاری)

باب......﴿۷﴾

سکران، مجنون اور مکرہ کی طلاق کا بیان

بحالتِ نشہ وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نشہ کی حالت میں بیوی کو طلاق دی تو طلاق ہو گی یا نہیں؟ اور اگر کسی کو دوا سے نشہ آ گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: مذہب احناف کے مطابق حالتِ نشہ کی طلاق زجر وتنبیہ اور بطورِ سزا واقع ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اس کا نشہ پینا ناجائز طریقہ پر ہو، ہاں اگر کوئی مباح شیٔ ہو اور اتفاقاً اس سے نشہ پیدا ہو گیا، یا اکراہ واضطرار کی وجہ سے نشہ آور چیز استعمال میں آئی ہو تو اسکی طلاق واقع نہ ہو گی۔

اسی طرح بعض ادویات بھی نشہ آور ہوتی ہیں، لہذا ان چیزوں کے استعمال سے اگر نشہ آ جائے اور اس حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ نیز بعض ایسی چیزیں بھی ہیں کہ شرعاً ان کا کھانا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے، مگر استعمال کی بے اعتدالی کی وجہ سے اس سے بھی کبھی نشہ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ تمباکو وغیرہ تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہو گی۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

السکران إذا طلق امرأته فإن کان سکره بسبب محظور بأن شرب الخمر أو النبيذ طوعاً حتی سکر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضي الله

عنهم...لعموم قوله عزّوجلّ: ﴿الطلاق مرتٰن﴾ إلى قوله سبحانه وتعالى﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ من غير فصل بين السكران وغيره إلا من خص بدليل، وقوله عليه الصلاة والسلام:''كل طلاق جائز إلا طلاق الصبي والمعتوه'' ولأن عقله زال بسبب هو معصية، فينزل قائماً عقوبة عليه وزجراً له عن ارتكاب المعصية... بخلاف ما إذا زال بالدواء، لأنه ما زال بسبب هو معصية. (بدائع الصنائع:۳/۹۹، شرائط ركن الطلاق،سعيد).

وفي الدرالمحتار: سواء كان سكره من الخمر أو الأشربة الأربعة المحرمة أو غيرها من الأشربة الأربعة المتخذة من الحبوب والعسل عند محمد. قال في الفتح: وبقوله يفتى لأن السكر من كل شراب محرم. وفي البحر عن البزازية: المختار في زماننا لزوم الحد ووقوع الطلاق. وما في الخانية من تصحيح عدم الوقوع فهو مبني على قولهما من أن النبيذ حلال، والمفتى به خلافه. وفي النهر عن الجوهرة أن الخلاف مقيد بما إذا شربه للتداوي فلو للهو والطرب فيقع بالإجماع...قوله أو أفيون أو بنج ...إن كان للتداوي لم يقع لعدم المعصية، وإن للهو وإدخال الآفة قصداً، فينبغي أن لا يتردد في الوقوع.وفي تصحيح القدوري عن الجواهر: وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجراً، وعليه الفتوى، وتمامه في النهر. قوله (لو زال عقله بالصداع أو بمباح لم يقع) كما إذا سكر من ورق الرمان فإنه لا يقع طلاقه ولا عتاقه.ونقل الإجماع على ذلک صاحب التهذيب،كذا في الهندية.(الدر المختار مع رد المحتار:۳/۲۳۹،۲٤۰، مطلب في تعريف السكران وحكمه،سعيد).

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۳/۳۴۸، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه ومن لا يقع طلاقه، رشيدية).

وفي الفتاوى الهندية :

ولو أكره على شرب الخمر أو شرب الخمر لضرورة وسكر وطلق امرأته، اختلفوا فيه، والصحيح أنه كما لا يلزمه الحد لا يقع طلاقه ولا ينفذ تصرفه. كذا في فتاوى قاضي

خان. (الفتاوی الھندیة: ۳/ ۳۵۳، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

مزید ملاحظہ ہو: (**الفقه علی المذاهب الأربعة: ۴/ ۲۱۹، شروط الطلاق. وجدید فقهی مسائل: ۳/ ۲۱۵**).

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

نشہ کی حالت کی طلاق واقع ہوجاتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نشہ اپنے علم واختیار سے کیا ہو۔ اگر کسی نے دھوکہ دے کر یا زبردستی پلادیا اور اس حالت میں طلاق دی گئی تو وہ طلاق نہیں پڑتی۔ (کفایت المفتی: ۶/ ۹۲، حالتِ نشہ میں طلاق دینا، دارالاشاعت).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (خیر الفتاوی: ۵/ ۲۳۷۔ وفتاوی رحیمیہ: ۸/ ۲۷۳۔ واحسن الفتاوی: ۵/ ۱۸۲)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اسلام میں نشہ کی سخت ممانعت ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص نشہ استعمال کرلے اور اس حالت میں طلاق دیدے تو گو وہ ہوش وحواس سے محروم ہے پھر بھی اس کی طلاق واقع ہوجائے گی۔ لیکن اگر ناواقفیت میں یا کسی غیر معمولی مجبوری کی بنا پر کسی شخص نے نشہ آور چیز استعمال کی تو ایسے خصوصی مواقع پر وہ گنہگار نہیں ہوگا اور ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی، ایسے نشہ کی چند صورتیں ہیں:

(الف) بطور دوا وعلاج کے نشہ آور چیز استعمال کرلی گئی۔

(ب) کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرنے کے قریب تھا اور اس وقت نشہ آور چیز کے سوا کوئی اور ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کھا کر وہ جان بچائے اس لیے اضطرار کی حالت میں اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کرلیا۔

(ج) کسی شخص کو نشہ آور چیز کے استعمال کرنے پر اس طرح مجبور کیا گیا کہ اسکو غالب گمان ہو کہ اگر وہ اس کا استعمال نہیں کریگا تو اسکو سخت جسمانی مضرت یا کوئی اور ناقابلِ برداشت نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(د) اس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی جس کے نشہ آور ہونے سے واقف نہیں تھا، اتفاق سے وہ نشہ آور شئ نکلی اور نشہ آگیا۔

ان صورتوں میں اگر وہ طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۳۴، ۱۳۵).

نیز ملاحظہ فرمائیں: (نئے مسائل اورعلمائے ہند کے فیصلے،حالتِ نشہ کی طلاق،ص۹۰)۔واللہ ﷻ اعلم۔

حالتِ غصہ میں عقل زائل ہونے پر طلاق کاحکم:

سوال: اگرایک آدمی غصہ میں اپنے اختیار سے باہر ہوجاتا ہے،اپنا سر دیوار سے ٹکراتا ہے،گھر کے سامان کوبھی توڑ دیتا ہے،اور کچھ یادبھی نہیں رہتا کہ میں نے کیا کیا تھا،اس کی آواز بھی بدل جاتی ہے،اور یہ شخص مسحور بھی ہے،ایسی کیفیت میں اپنی بیوی کوتین طلاقیں دیں تو طلاق واقع ہوجائے گی یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگرشخص مذکورکی حالت واقعی ایسی ہے جوسوال میں درج ہے،توان حالات کومدنظر رکھتے ہوئے طلاق واقع نہ ہوگی۔البتہ آئندہ علاج کی فکرکرنا چاہئے،تاکہ بارباران حالات کا سامنا نہ کرناپڑے۔ ملاحظہ ہو"الفقه على المذاهب الأربعة" میں ہے:

فاعلم أن بعض العلماء قد قسم الغضب إلى ثلاثة أقسام: الأول: ـ أن يكون الغضب في أول أمره، فلا يغير عقل الغضبان بحيث يقصد ما يقوله ويعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذا المعنى يقع طلاقه وتنفذ عباراته باتفاق.

الثاني: ــ أن يكون الغضب في نهايته بحيث يغير عقل صاحبه ويجعله كالمجنون الذي لايقصد ما يقول ولا يعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذا المعنى لا يقع طلاقه لأنه هو والمجنون سواء.

الثالث: ــ أن يكون الغضب وسطاً بين الحالتين بأن يشتد ويخرج عن عادته، ولكنه لا يكون كالمجنون الذي لايقصد ما يقول ولا يعلمه. والجمهور على أن القسم الثالث يقع به الطلاق. والتحقيق عند الحنفية أن الغضبان الذي يخرجه غضبه عن طبيعته وعادته بحيث يغلب الهذيان على أقواله وأفعاله فإن طلاقه لا يقع وإن كان يعلم ما يقول ويقصده، لأنه يكون في حالة يتغير فيها إدراكه، فلا يكون قصده مبنياً على إدراک صحيح، فيكون كالمجنون، لأن المجنون لا يلزم أن يكون دائما في حالة لا يعلم معها ما يقول، فقد يتكلم

في كثير من الأحيان بكلام معقول، ثم لم يلبث أن يهذي. (الفقه على المذاهب الأربعة: ٤/٢٢٧، شروط الطلاق، القاهرة).

وكذا في رد المحتار: ٣/٢٤٤، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

انتہائی درجہ کا غضب جس میں عقل مغلوب ہوجائے اور انسان یہ نہ سمجھے کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے، یہ بھی وہ کیفیت ہے جس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۳۳۔ وامداد المفتین جلد دوم: ۵۹۳)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

مسحور اور آسیب زدہ کی طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی پر جادو کیا گیا ہو اور اسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں تو واقع ہوگی یا نہیں؟ اس کی حالت بظاہر مجنون کی سی نہیں ہے۔ نیز اگر مجنون کی طرح ہو تو کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی کہے اس پر جنات کا اثر ہے اور جنات نے طلاق دی، اس نے نہیں دی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: سحر اور جنات کا دعویٰ بظاہر مقبول نہیں، طلاق سے فرار اختیار کرنے کے لئے ہے، لہٰذا جس شخص نے بیوی کو طلاق دی اور اس کا جنون اور پاگل پن معلوم ومشہور نہ ہو تو اس کی طلاق واقع ہوجائے گی۔ ہاں اگر جنون اور پاگل پن معلوم ومشہور ہو تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

لا يقع طلاق... والمجنون... والمعتوه من العته وهو اختلال في العقل. وفي الشامية: قوله "والمجنون" قال في التلويح: الجنون اختلال القوة المميزة بين الأمور الحسنة والقبيحة المدركة للعواقب بأن لا تظهر آثارها وتتعطل أفعالها، إما لنقصان جبل عليه دماغه في أصل الخلقة، وإما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو آفة وإما لاستيلاء الشيطان عليه وإلقاء الخيالات الفاسدة إليه بحيث يفرح ويفزع من غير ما يصلح سبباً. وفي البحر عن الخانية: رجل عرف أنه كان مجنوناً فقالت له امرأته طلقتني

البارحة فقال: أصابني الجنون ولا يعرف ذلک إلا بقوله كان القول قوله. (قوله وهو اختلال في العقل) هذا ذكره في البحر تعريفاً للجنون وقال: ويدخل فيه المعتوه، وأحسن الأقوال في الفرق بينهما أن المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير، لكن لا يضرب ولا يشتم بخلاف المجنون، وصرح الأصوليون بأن حكمه كالصبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲٤۳/۳، کتاب الطلاق، سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط الركن فأنواع، بعضها يرجع إلى الزوج...أما الذي يرجع إلى الزوج فمنها: ـــ أن يكون عاقلاً حقيقةً أو تقديراً، فلا يقع طلاق المجنون والصبي الذي لا يعقل، لأن العقل شرط أهلية التصرف، لأن به يعرف كون التصرف مصلحة، وهذه التصرفات ما شرعت إلا لمصالح العباد. (بدائع الصنائع: ۹۹/۳، شرائط ركن الطلاق، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر جنون وسحر وغیرہ کی وجہ سے ہوش وحواس قائم نہ رہے اور یہ معلوم نہ ہو کہ زبان سے کیا الفاظ کہہ رہا ہے اوران کا کیا نتیجہ ہوگا تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، اگر یہ بات نہ ہو بلکہ الفاظ کے مطلب کو سمجھتا ہو پھر اس طرح کہے تو طلاق ہو جاتی ہے۔

طلاق دیتے وقت اس کے دوسرے احوال ومعاملات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حواس صحیح تھے یا نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۱/۱۲، مبوب ومرتب).

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۲۵۵/۳، في بيان من يقع طلاقه ومن لا يقع. و امداد الاحكام: ۵٦۵/۲. و فتاوى رحيميه: ۲٦۲/۸. وفتاوى محموديه: ۳۰۱/۱۲. ومجموعه قوانين اسلامى: ۱۳۱). واللہ ﷻ اعلم۔

بحالتِ جبر واکراہ وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے دوسرے کو طلاق پر مجبور کیا کہ اگر طلاق نہیں دیتے تو تمہاری پٹائی کرتے ہیں، تو کیا

پٹائی اکراہ میں آتی ہے یا اکراہ میں قتل اور ہاتھ وغیرہ کا کاٹنا مراد ہے؟ اور مکرہ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ حالت اکراہ میں مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اکراہ میں قتل اور قطع ید وغیرہ مراد ہے۔ ملاحظہ ہو خزانۃ الفقہ میں فقیہ ابوالليث سمرقندیؒ فرماتے ہیں:

إذا أكره رجلاً بقتل أوتلف عضو من أعضائه أو بأمر يخاف منه تلف نفسه أو ذهاب عضو من أعضائه أن يطلق امرأته ...إلى قوله ففعل ذلك جاز. (خزانة الفقه:۳۳۳،۳۳٤،كتاب الاكراه، باب ماتصح مع الاكراه، المكتبة الغفورية).

شرح منظومہ ابن وھبان میں مذکور ہے:

أن الإكراه يحصل بالضرب أو بالحبس أو بالقيد . قال: واعلم أن أصحابنا أجمعوا على أن الإكراه بوعيد تلف النفس أوعضو من الأعضاء إكراه معتبرشرعاً، سواء حصل على فعل أو قول . وإن حصل الإكراه بالحبس و التقييد، فإن كان على فعل فليس بمعتبر شرعاً، ويجعل كأن المكرَه فعل ذلك بغير إكراه، وإن كان على قول لايستوي فيه الجد والهزل، كالبيع والشراء والوقف والهبة والإجارة والبراء ة والصدقة ، فيعتبرشرعاً، كما سيأتي في البيت الذي بعد هذا. وإن كان على ما يستويان فيه كالطلاق والعتاق فغيرمعتبر. (شرح منظومة ابن وهبان:۲/۸۷، فصل من كتاب الحجروالاكراه، الوقف المدني ،ديوبند).

ترجمہ: بے شک اکراہ حاصل ہوتا ہے مار پٹائی سے یا قید وبند سے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جان لو ہمارے فقہائے احناف کا اس بات پر اجماع ہے کہ بے شک اکراہ اگر قتل کرنے یا کسی عضو کو ہلاک کرنے کی دھمکی سے ہو تو یہ اکراہ ازروئے شریعت معتبر ہے چاہے فعل پر حاصل ہو یا قول پر، اور اگر قید وبند کے ذریعہ حاصل ہو تو اگر کسی کام کے کرنے پر کیا جائے تو ازروئے شرع معتبر نہیں ہے، اور گویا مکرہ نے یہ کام بغیر کسی اکراہ کے کیا۔

اور اگر کسی قول پر اکراہ کیا جائے اور وہ قول ایسا ہو کہ اس میں حقیقت اور مذاق دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے، جیسے خرید وفروخت، وقف، ہبہ، اجارہ، براءت اور صدقہ تو ازروئے شرع معتبر ہے، اور اگر ایسے قول پر کیا جائے کہ جس میں جد وہزل کا حکم یکساں ہے، جیسے طلاق وعتاق تو اس میں یہ اکراہ (یعنی غیر ملجئی) معتبر نہیں ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

والإكراه بوعيد القتل وإتلاف العضو يظهر فى الأقوال والأفعال جميعاً. (فتاوى قاضيخان: ۳/۴۸۳). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

طلاقِ مکرَہ کے بارے میں دوسرا قول:

لیکن احوالِ شخصیہ وغیرہ جو بعض حنفی علماء کا مرتب کردہ قانون ہے اس میں مرقوم ہے کہ مکرَہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو احوالِ شخصیہ میں مرقوم ہے:

والظاهر مذهب من قال بعدم طلاق المكرَه والمخطئ والناسي. (الاحكام الشرعية فى الاحوال الشخصية للشيخ محمد قدرى باشا م۱۳۰۶ھ: ۱/۵۱٤، ط: دارالسلام).

اس کتاب کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

جاء في قانون الأحوال الشخصية السورى: المادة (۸۹): ا۔ لا يقع طلاق السكران ولا المدهوش ولا المكره.

جاء في قانون الأحوال الشخصية الأردني: المادة (۸۸): أ۔ لا يقع طلاق السكران ولا المدهوش ولا المكره ولا المعتوه ولا المغمى عليه ولا النائم.

جاء في قانون الأحوال الشخصية المصري: مادة ا۔ لا يقع طلاق السكران و المكره. (حاشية الاحوال الشخصية: ۱/۵۱٤، رقم الحاشية: ۲).

اس کتاب کے مقدمہ میں تصریح موجود ہے کہ یہ کتاب امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق مرتب کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: **أما كتاب " الأحكام الشرعية فى الأحوال الشخصية على مذهب الأمام أبي حنيفة النعمان ".** (مقدمة، ص۱۳). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

پولیس کی دھمکی اکراہ میں داخل ہے:

سوال: اگر کسی شخص کو اس کے خسر یا کسی اور نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو تین طلاق لکھ دو ورنہ تم کو پولیس کے

حوالہ کردوں گا،تو یہ اکراہ ہے یانہیں؟اور طلاق ہوگی یانہیں؟کیا طلاق میں اکراہ ملجی مؤثر ہے؟

الجواب: بصورت مسئولہ بجبر واکراہ طلاق لکھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی،ہاں زبان سے طلاق دیدے تو مکرہ کی طلاق واقع ہوجائے گی،اور پولیس کی دھمکی بھی اکراہ میں داخل ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أومکرهاً فإن طلاقه صحیح. وفی الشامی: وفی البحر: أن المراد الإكراه علی التلفظ بالطلاق، فلو أكره علی أن یكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی: ۲۳۶/۳، مطلب فی الإكراه، سعید).

وفی البزازیة : أكره علی أن یكتب علی قرطاس ''امرأته طالق أوأمرها بیدها'' لم یصح إلا إذا نوی. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة :۱۳۱/۶، كتاب الاكراه۔وكذا فی البحرالرائق:۲۴۶/۳).

وفی الهندیة : وأما أنواعه فالإكراه في أصله علی نوعین، إما أن كان ملجئاً أوغیر ملجئ، فالإكراه الملجئ هو الإكراه بوعید تلف النفس أو بوعید تلف عضو من الأعضاء، والإكراه الذي هوغیرالملجئ هو الإكراه بالحبس والتقیید. (الفتاوی الهندیة :۳۵/۵).

عالمگیری میں ہے:

ولوكانت هي المسلطة فأكرهت علی أن یطلقها بوعید تلف ففعل لم یكن لها علیه شيء من المهر ولوكانت المكرهة بالحبس أخذته بنصف الصداق. (الفتاوی الهندیة:۴۳/۵).

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

بجز طلاق نامہ پر دستخط کرالینے سے جب کہ زید نے زبان سے طلاق نہیں دی،اور نہ خود لکھی،طلاق واقع نہیں ہوئی۔(فتاوی دارالعلوم:۱۵۴/۹۔وکتاب الفتاوی:۱۰۲/۵).

کتاب الفتاوی میں ہے:

پولیس کی دھمکی بھی اکراہ میں داخل ہے۔(کتاب الفتاوی:۹۰/۵).

فتاوی قاضی خان میں ہے:

رجل أكره بالضرب والسجن على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لا تطلق امرأته. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٤٧٢، فصل في الطلاق بالكتابة). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿والذین یظاہرون منکم من نسائہم ماہن أمہتہم ...﴾

(سورة المجادلة : الآية:٢).

وقال تعالیٰ:

﴿للذین یؤلون من نسائہم تربص أربعة أشہر،
فإن فاء وا فإن اللّٰہ غفور رحیم﴾

(سورة البقرة:الآية:٢٢٦).

باب......﴿۸،۹،۱۰﴾

ظہار،ایلاء اورخلع کا بیان

وقال تعالیٰ:

﴿فإن خفتم أن لایقیما حدود اللّٰہ،
فلاجناح علیہما فیما افتدت بہ﴾.

(سورة البقرة:الآية:٢٢٩).

باب ……﴿۸﴾

ظہار کا بیان

شریعتِ مطہرہ میں ظہار کا صحیح مفہوم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہاری شرمگاہ میرے لیے ماں بہن کی طرح ہے، اس پر بعض علماء نے اس سے کہا کہ یہ ظہار ہے تم کو کفارہ دینا پڑے گا، حالانکہ وہ شخص نہ ظہار جانتا ہے نہ اس نے ظہار کی نیت کی تھی، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بعض علماء کا قول صحیح ہے، یہ ظہار ہے اور کفارہ بھی لازم ہوگا، اور حکم شریعت سے ناواقف ہونا کوئی عذر نہیں ہے، اگر ناواقف ہے تو ہم ظہار کے باب میں سیر کراتے ہیں، چنانچہ ظہار کا صحیح مفہوم حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:۔

ظہار کے لغوی معنی پشت کو پشت کے مقابل کرنا یا ملانا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو اپنی محرماتِ ابدیہ یا اس کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے، ظہار کہلاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

والظهار لغة مصدرظاهر وهو مفاعلة من الظهر فيصح أن يراد به معانٍ مختلفة ترجع إلى الظهر معنىً ولفظاً بحسب اختلاف الأغراض، فيقال: ظاهرت، أى قابلت ظهرك بظهره حقيقة، وإذا غايظه أيضاً وإن لم تدابره حقيقة. (فتح القدير:٤/٢٤٥،باب الظهار، دارالفكر۔ وكذا في الدرالمختار:٣/٤٦٥،باب الظهار،سعيد)۔

وفي العناية في شرح الهداية: وفي اصطلاح الفقهاء: تشبيه المنكوحة بالمحرمة على سبيل التأبيد اتفاقاً بنسب أو برضاع أومصاهرة. (شرح العنايةعلى هامش فتح القدير:٤/٢٤٦،دارالفكر۔ومجموعه قوانين اسلامى:١٦١، قانون ظهار)۔

نیز ظہار کے کچھ ارکان وشرائط ہیں، جوحسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) شوہر کا عاقل بالغ ہونا۔

(۲) بیوی کی پوری ذات یا اس کے کسی ایسے عضو کو تشبیہ دینا جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو۔

(۳) محرماتِ ابدیہ میں سے کسی سے یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

(۴) حرف تشبیہ یعنی لفظ مثل، طرح، جیسے، وغیرہ الفاظ کا صراحۃً ذکر کرنا، ورنہ کلام لغو ہوجائے گا، مثلاً اگر کوئی یہ کہے ''تو میری ماں ہے'' یا ''میری ماں کی پشت ہے'' تو کلام لغو ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وشرعاً تشبيه المسلم ...زوجته...أو تشبيه ما يعبرعنها من أعضائها كالرأس والرقبة أو تشبيه جزء شائع منها كنصفك ونحوه بمحرم عليه تأبيداً أي بعضو يحرم النظر إليه من أعضاء محرمة عليه نسباً أوصهريةً أورضاعاً كما في البحر، أو بجملتها كأنت علي كأمي فإنه تشبيه بالظهر و زيادة. (الدرالمختارمع الشامى:٣/٤٦٦،سعيد۔وكذا فى فتح القدير:٤/٢٤٥،دارالفكر)۔

البحرالرائق میں ہے:

والحاصل أن هنا أربعة أركان المشبه، والمشبه به...أما الأول: وهو المشبِه وهو

بکسر الباء فهو الزوج البالغ العاقل المسلم... وأما الثاني وهو المشبَه بفتح الباء المنكوحة أو عضو منها يعبر به عن كلها أو جزء شائع ، وأما الثالث : وهو المشبه عضو لايحل النظر إليه من محرمة تأبيداً. وأما الرابع: وهو الدال عليه وهو ركنه وهوصريح وكناية.

(البحر الرائق:۴/۹۵،باب الظهار، کوئٹہ۔وکذا فی فتح القدیر:۴/۲۴۵،ط:دارالفکر۔وبدائع الصنائع:۳/۲۳۰۔۲۳۳،شرائط الظهار،ط:سعید۔ومجموعہ قوانین اسلامی:۱۶۲،قانون ظہار)۔

اقسام ظہار:۔

ظہار کی دو تقسیم کی گئی ہے۔(۱) باعتبار الفاظ۔اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ظہار صریح (باء) ظہار کنایہ۔

(الف) صریح :محرماتِ ابدیہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے ۔مثلاً ''تو میری ماں کی پشت کی مانند ہے''۔تو یہ صریح ظہار ہے اس میں نیت کا اعتبار نہیں بلا نیت ظہار متحقق ہو جائے گا۔

(باء) محرماتِ ابدیہ کی پوری ذات سے تشبیہ دینا۔مثلاً کوئی یہ کہے ''تو میری ماں کی مثل ہے''۔تو یہ ظہار کنائی ہوگا، جس میں ظہار، طلاق، ایلاء اور عزت وکرامت میں مماثلت سب ہی کا احتمال ہے۔

جیسی نیت ہوگی اس کے مطابق حکم ہوگا، لیکن مذاکرۂ طلاق اور باہمی جھگڑے کے وقت عند القضاء عزت وکرامت کی نیت معتبر نہ ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

لو قال لامرأته أنت علي كظهر أمي كان مظاهراً سواء نوى الظهار أولا نية له أصلاً لأن هذا صريح في الظهار إذ هوظاهر المراد مكشوف المعنى عند السماع بحيث يسبق إلى أفهام السامعين فكان صريحاً لايفتقر إلى النية كصريح الطلاق... وكذا إذا قال: أناْ منک مظاهر أو قد ظاهرتک فهو مظاهر نوى الظهار أولا نية له لأن هذا اللفظ صريح في الظهار أيضاً... وكذا لوقال: أنت علي كبطن أمي أو كفخذ أمي أو كفرج أمي فهذا وقوله أنت علي كظهر أمي على السواء لأنه يجري مجرى الصريح لما ذكرنا.

ولو قال لها: أنت علي كأمي أو مثل أمي يرجع إلى نيته فإن نوى به الظهار كان مظاهراً وإن نوى به الكرامة كان كرامة وإن نوى به الطلاق كان طلاقاً وإن نوى به اليمين كان إيلاء لأن اللفظ يحتمل كل ذلك إذ هو تشبيه المرأة بالأم فيحتمل التشبيه في الكرامة والمنزلة... (بدائع الصنائع:۳/ ۲۳۱، شرائط الظهار، سعيد).

وفي الشامي: وينبغي أن لا يصدق قضاءً في إرادة البر إذا كان في حال المشاجرة وذكر الطلاق. (فتاوى الشامي:۳/ ۴۷۰ باب الظهار، سعيد۔ وفتح القدير:۴/ ۲۵۱، باب الظهار، دار الفكر۔ ومجموعه قوانين اسلامی:۱۶۲، قانون ظهار).

ظہار کی دوسری تقسیم باعتبار مدت کے ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ظہار موقت۔

(باء) ظہار مطلق۔

(الف) ظہار موقت وہ ہے جس میں کسی خاص وقت کی طرف نسبت کی گئی ہو مثلاً یوں کہا گیا ہو: أنت علي كظهر أمي يوماً أو شهراً أو سنةً.

اس کا حکم یہ ہے کہ وقت ختم ہونے سے ظہار بھی ختم ہو جاتا ہے کفارہ ادا کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كان موقتاً بأن قال لها: أنت علي كظهر أمي يوماً أو شهراً أو سنة صح التوقيت وينتهي بانتهاء الوقت بدون الكفارة عند عامة العلماء ... لأن تحريم الظهار أشبه بتحريم اليمين من الطلاق لأن الظهار تحله الكفارة كاليمين يحله الحنث ثم اليمين تتوقت كذا الظهار. (بدائع الصنائع:۳/ ۲۳۵، سعيد۔ وكذا في فتح القدير:۴/ ۲۵۷، دار الفكر).

(باء) ظہار مطلق: وہ ہے جس میں کسی وقت کی طرف نسبت نہ کی گئی، مثلاً یوں کہا گیا ہو: ”أنت علي كظهر أمي“.

مطلق ظہار کا حکم ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ظہار سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے الا یہ کہ طلاق کی نیت کرے، البتہ جب تک کفارہ ادا نہ کیا جائے بیوی سے صحبت اور بوس وکنار حرام ہے۔

(۲) اگر شوہر کفارہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے بیوی سے ہم بستر نہیں ہوتا ہے تو عورت قاضی کے ذریعہ شوہر کو کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے پر مجبور کرسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما حكم الظهار فللظهار أحكام (۱) منها حرمة الوطء قبل التكفير لقوله عزوجل ﴿والذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحريررقبة من قبل أن يتماسا﴾. (۲) ومنها حرمة الاستمتاع بها من المباشرة والتقبيل واللمس عن شهوة والنظر إلى فرجها عن شهوة قبل أن يكفر. (۳) ومنها مع بقاء النكاح كحرمة الفعل في المطلقة بعد زوال النكاح وتلك الحرمة تعم البدن كله كذا هذه...(۴) ومنها أن للمرأة أن تطالبه بالوطء وإذا طالبته به فعلى الحاكم أن يجبره حتى يكفر ويطأ... (بدائع الصنائع: ۳/۲۳٤،احكام الظهار،سعيد۔وكذا في فتح القدير:٤/۲٤٦،ط: دارالفكر۔ومجموعه قوانين اسلامی:١٦٣، قانون ظهار)۔

ظہار کا حکم ختم ہونے یا باطل ہونے کا حکم:

ظہار کا حکم ختم ہوجاتا ہے یا باطل ہوجاتا ہے مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک سے:

(۱) زوجین میں سے کسی ایک کے انتقال کرنے کی وجہ سے، چونکہ محل باطل ہوگیا۔

(۲) کفارۂ ظہار ادا کرنے کی وجہ سے ظہار کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔

(۳) اگر ظہار مؤقت ہے تو وقت کے ختم ہونے سے ظہار کا حکم بھی ختم ہوجاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان ماينتهي به حكم الظهار أو يبطل فحكم الظهار ينتهي بموت أحد الزوجين لبطلان محل الظهار ولايتصور بقاء الشيء في غير محله وينتهي بالكفارة وبالوقت إن كان موقتاً. (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۵،سعيد۔وفتح القدير:٤/۲٤٦،دارالفكر)۔

کفارۂ ظہار ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کفارۂ ظہار میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے اس طور پر کہ ان میں رمضان کے روزے اور وہ پانچ دن شامل نہ ہوں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔
اگر کفارہ کے روزوں کے درمیان رمضان مبارک شروع ہو جائے یا دس ذی الحجہ کی تاریخ آ گئی تو ازسرِنو دو ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہوگا۔

(۲) جو شخص روزے پر قادر نہ ہو اس کے لیے کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت متوسط درجہ کا پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دینا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وكفارة الظهار عتق رقبة فإن لم يجد فصيام شهرين متتابعين فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً للنص الوارد فيه فإنه الكفارة على هذا الترتيب ...صوم شهرين متتابعين ليس فيهما شهر من رمضان ولا يوم الفطر ولا يوم النحر ولا أيام التشريق ...وإن أفطر منها يوماً بعذر أو بغير عذر استأنف لفوات التتابع وهو قادر عليه عادة. (الهداية:۲/۴۱۳، ۴۱۴، فصل فی الكفارة۔ ومجموعه قوانين اسلامی: ۱۶۳، قانون ظهار، مسلم پرسنل لا بورڈ)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

ظہار میں عزت واحترام کی نیت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تو میری ماں بہن کی طرح ہے“ اس کے بعد بیوی اپنے میکے چلی گئی شوہر کہتا ہے میری نیت طلاق کی نہیں تھی، بلکہ احترام وعزت کی تھی حالانکہ اس وقت جھگڑا چل رہا تھا، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دیانۃً اس کی نیت کا اعتبار ہے، لیکن قضاءً یہ ظہار ہے اور جھگڑے واختلاف کے وقت عزت واحترام کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا عندالقضاء شرعاً کفارہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وينبغي أن لا يصدق قضاءً في إرادة البر إذا كان في حال المشاجرة وذكر الطلاق.
(فتاوى الشامي:۳/ ٤٧٠،باب الظهار،سعيد۔وفتح القدير:٤/ ٢٥١،باب الظهار،دار الفكر).

وفي البدائع: ولوقال لها: أنت علي كأمي أومثل أمي يرجع إلى نيته فإن نوى به الظهار كان مظاهراً وإن نوى به الكرامة كان كرامة وإن نوى به الطلاق كان طلاقاً وإن نوى به اليمين كان إيلاء لأن اللفظ يحتمل كل ذلک إذ هوتشبيه المرأة بالأم فيحتمل التشبيه في الكرامة والمنزلة... (بدائع الصنائع:۳/ ٢٣١،شرائط الظهار،سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر محرماتِ ابدیہ کی پوری ذات سے تشبیہ دی گئی ہو، مثلاً کوئی یوں کہے: ”تو میری ماں کی مثل ہے“ تو یہ ظہار کنائی ہوگا، جس میں ظہار، طلاق، ایلاء، اورعزت وکرامت میں مماثلت سب ہی کا احتمال ہے، جیسی نیت ہوگی اسی کے مطابق حکم ہوگا، حتی کہ اگر شوہر کی مرادعزت وکرامت کے اندر مماثلت ہے تب بھی تسلیم کیا جائے گا، اوراگر یہی جملہ مذاکرۂ طلاق اور باہمی جھگڑے کے وقت استعمال کیا جائے تو عندالقضاء عزت وکرامت کی نیت معتبر نہ ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی:۱۶۲، دفعہ۴۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

”تو میری ماں ہے“ کہنے سے ظہار یا طلاق کا حکم:

سوال: اگرکسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تو میری ماں ہے“ اورطلاق یا ظہار کی نیت کرلی تو ظہار یا طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بغیر حرفِ تشبیہ کے یہ کہنا ”تو میری ماں ہے“ اس لفظ سے ظہار نہیں ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی، بلکہ کلام لغو ہوجائے گا۔

قاضی مجاہدالاسلام تحریرفرماتے ہیں:

حرفِ تشبیہ یعنی لفظ مثل، طرح، جیسے وغیرہ کا صراحۃً ذکر،...اور یہ رکن اعظم ہے جس کے بغیر کلام لغوقرار پائے گا، مثلاً کوئی کہے ”تو میری ماں ہے“ یا ”میری ماں کی پشت ہے“ تو کلام لغوہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی:ص۱۶۲)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو قال أنت أمي لايكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروهاً، ومثله أن يقول يا ابنتي، ويا أختي. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۰٦، باب الظهار).

درمختار میں ہے:

ويكره قوله "أنت أمي" و "يا ابنتي" و "يا أختي". وفي الشامية: والذي في الفتح: وفي "أنت أمي" لا يكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروهاً، فقد صرحوا بأن قوله لزوجته "يا أخية" مكروه. وفيه حديث رواه أبو داود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً يقول لامرأته "يا أخية" فكره ذلك ونهى عنه ... ولولا هذا لأمكن أن يقال: هو ظهار، لأن التشبيه في "أنت أمي" أقوى منه مع ذكر الأداة. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۳/۴۷۰).

وفي البدائع: وروى ابن سماعة عن محمد فيمن قال لامرأته "إن فعلت كذا فأنت أمي" يريد التحريم، قال: هو باطل، لأنه لم يجعلها مثل أمه ليكون تحريماً، وإنما جعلها أمه فيكون كذباً. قال محمد: ولو ثبت التحريم بهذا لثبت إذا قال: أنت حواء، وهذا لا يصح.

(بدائع الصنائع: ۳/۱۷۰۔ سعيد۔ وكذا في فتح القدير: ٤/۲۵۲۔ والبحر الرائق: ٤/۹۸۔ ومجمع الأنهر: ۲/۳۳۸، باب الظهار).

اس مسئلہ کے بارے میں احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد صاحب نے تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ طلاق بائن واقع ہوجائیگی۔ تفصیلی فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: (احسن الفتاوی: ۵/۱۸۵-۱۸۷).

لیکن حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ حدیث میں اس کو طلاق قرار نہیں دیا۔ اگر اس میں نیت کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیت کے بارے میں دریافت فرماتے، جیسا کہ آپ نے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة

ألبتة، فأخبر النبي صلى الله عليه وسلم بذلک وقال: ما أردت إلا واحدة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والله ما أردت إلا واحدة؟ فقال ركانة: ما أردت إلا واحدة، فردها إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابوداود شریف:۱/ ۳۰۰).

بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کے مخصوص الفاظ ہیں، ان سے طلاق یا ظہار ہوتا ہے، باقی الفاظ جن میں کاف محذوف ہو، ظہار یا طلاق کا سبب نہیں، ورنہ تشبیہ کے وقت کاف کا حذف کرنا عرب کے عرف میں عام ہے۔

نیز اس زمانے میں طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں بے شمار گھروں کی ویرانی کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہونے کا حکم دیا جائے۔ باقی حضرت مفتی رشید احمد صاحب کا یہ فرمانا کہ اس زمانے میں طلاق کا واقع ہونا ان الفاظ سے معروف ہے، تو دراصل بات یہ ہے کہ جب یہ الفاظ ہی طلاق کے نہیں ہیں تو عرف کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے تین طلاق کے لئے تین پتھروں کا پھینکنا معروف ہے، لیکن تین پتھروں کے پھینکنے سے طلاق نہیں پڑتی جب تک تین پتھروں پر طلاق کا تلفظ نہ کرے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

(وركنه لفظ مخصوص)... وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق، ولم يذكر لفظاً صريحاً ولا كناية لا يقع عليه، كما أفتى به الخير الرملي وغيره. (فتاوى الشامي:۳/ ۲۳۰).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وفي مجموع النوازل: سئل شيخ الإسلام عمن ضرب امرأته فقال: دار طلاق (أي خذى الطلاق) قال: لا تطلق. (الفتاوى الهندية:۱/ ۳۸۲).

وفيه أيضاً: ولو قالت لزوجها طلقني، فأشار بثلاث أصابع وأراد بذلک ثلاث تطليقات لا يقع مالم يقل بلسانه. (الفتاوى الهندية:۱/ ۳۵۷ـ وكذا في الخانية على هامش الهندية:۱/ ۴۶۲). **واللہ ﷻ اعلم۔**

’’تجھے رکھوں تو ماں بہن کو رکھوں‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا’’تجھے رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں‘‘ان الفاظ سے ظہار یا طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بغیر حرفِ تشبیہ کے یہ کہنا’’تجھے رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں‘‘ان الفاظ سے ظہار نہیں ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی، بلکہ کلام لغو ہو جائے گا۔البتہ اس قسم کے الفاظ کہنا مکروہ ہے۔

قاضی مجاہدالاسلام تحریر فرماتے ہیں:

حرفِ تشبیہ یعنی لفظ مثل،طرح، جیسے وغیرہ کا صراحۃً ذکر،...اور یہ رکن اعظم ہے جس کے بغیر کلام لغو قرار پائے گا،مثلاً کوئی کہے’’تو میری ماں ہے‘‘یا’’میری ماں کی پشت ہے‘‘تو کلام لغو ہوگا۔(مجموعہ قوانین اسلامی:ص۱۶۲،).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال:ایک شوہر نے اپنی بیوی کو سخت غصہ کی حالت میں جس میں اپنا سر خود کئی جگہ سے پھوڑ لیا کہا:اگر میں تجھ سے صحبت کروں،اپنی ماں سے صحبت کروں‘‘۔کیا یہ الفاظ یمین ہیں، کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب: **لوقال: إن وطئتک وطئت أمي، فلا شيء عليه ،كذا في غاية السروجي،** فتاوی عالمگیریہ،عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ الفاظ مذکورہ کہنے سے شوہر پر کوئی کفارہ لازم نہیں، بیوی پر طلاق بھی نہیں ہوئی اس کا یہ قول لغو ہے۔ **فلو قال: إن فعلت كذا فأنت أمي، وفعله، فهو باطل إن نوى التحريم ، سكب الأنهر .** (فتاوی محمودیہ:۱۳/۳۲۶،فاروقیہ).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

لوقال: أنت أمي ، لا يكون مظاهراً ، وينبغي أن يكون مكروهاً، ومثله أن يقول يا ابنتي ويا أختي. (الفتاوى الهندية:۱/۵۰۶).

وللاستزادة انظر: (الدرالمختار مع ردالمحتار:۳/۴۷۰،سعيد،وبدائع الصنائع:۳/۱۷۰،سعيد،و المحيط البرهاني: ۳/۶۱۱). **واللہ ﷻ اعلم۔**

باب......﴿۹﴾

ایلاء کا بیان

ایک سال تک عدم قربان کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا: ''میں ایک سال تک آپ سے ہم بستری نہیں کروں گا'' شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی ہمبستری سے چار ماہ سے زیادہ مثلاً ایک سال کی قسم کھائے، اور چار ماہ بغیر جماع کے گزر گئے، تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور اگر چار ماہ کی مدت میں جماع کیا تو کفارہ لازم ہوگا، قسم کا کفارہ، اگر اس مدت میں جماع پر قادر نہ ہو تو زبانی رجوع بھی طلاق سے بچنے اور کفارہ کے لیے کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

والإيلاء لغة اليمين ...وفي الشرع هو اليمين على ترك قربان الزوجة أربعة أشهر فصاعداً بالله أوبتعليق مايستشقه على القربان. (فتح القدير: ٤/ ١٨٩، باب الايلاء، دارالفكر۔ و كذا في البحر الرائق: ٤/ ٦٠، كوئته).

البحرالرائق میں ہے:

فإن وطئ في المدة كفر وسقط الإيلاء بإجماع الفقهاء حتى لو مضت أربعة أشهر لايقع طلاق لإخلال اليمين بالحنث وسواء حلف على أربعة أشهر أو أطلق أو على الأبد... وإلا بانت أي إن لم يطأ في المدة وهي أربعة أشهر وقعت عليه طلقة بائنة. (البحر الرائق: ٤/٦٢، باب الایلاء، کوئٹہ)۔

ہدایہ میں ہے:

وإن كان المولي مريضاً لايقدر على الجماع أو كانت مريضة أو رتقاء أو صغيرة لاتجامع أو كانت بينهما مسافة لايقدر أن يصل إليها في مدة الإيلاء ففيئه أن يقول بلسانه فئت إليها في مدة الإيلاء فإن قال ذلک سقط الإيلاء. (الهداية: ٢/٤٠٣، باب الایلاء)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

ہم بستری پر چار رکعت نماز کی قسم سے ایلاء کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اپنی بیوی سے صحبت کروں تو مجھ پر چار رکعت نماز پڑھنا لازم ہے، اس صورت میں ایلاء ہوگا یا نہیں؟ نیز ایلاء میں کسی مدت کی تعیین شرط ہے یا مطلقاً بھی صحیح ہے؟ نیز برائے مہربانی شرعاً ایلاء متحقق ہونے کے لیے ضروری چیزیں بتلا دیں؟

الجواب: چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے لیے یا مدت کی تعیین کے بغیر بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا، یا بیوی سے صحبت کرنے پر کسی کام کو اپنے اوپر لازم کرنا جو فی نفسہ بہت مشکل ہو، ایلاء ہے، لیکن اگر ایسی چیز کو لازم کیا جو عموماً بہت دشوار نہ ہو تو ایلاء نہ ہوگا، مثلاً یوں کہے: ''اگر میں تم سے صحبت کروں تو مجھ پر چار رکعت نماز یا ایک دن کا روزہ لازم ہوگا''۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

والإيلاء لغة اليمين ...وفي الشرع هو اليمين على ترک قربان الزوجة أربعة أشهر فصاعداً بالله أو بتعليق مايستشقه على القربان. (فتح القدير: ٤/١٨٩، باب الایلاء، دارالفکر۔ وکذا فی

البحر الرائق: ٤/ ٦٠، کوئٹه).

وفي العناية: وهو في اللغة عبارة عن اليمين... وفي الشريعة عبارة عن منع النفس عن قربان المنكوحة أربعة أشهر فصاعداً منعاً مؤكداً باليمين. (شرح العناية على فتح القدير: ٤/ ١٨٨، دار الفكر).

شرعاً ایلاء متحقق ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں، ملاحظہ فرمائیں:۔

(الف) ایلاء کرنے والے کا عاقل بالغ ہونا۔ (ب) بوقتِ ایلاء عورت کا حقیقتاً یا حکماً شوہر کے نکاح میں ہونا۔ (ج) اگر ایلاء کسی اجنبیہ سے کیا گیا ہے تو وہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ ایلاء کو اس عورت سے نکاح پر موقوف رکھا گیا ہو۔ (د) صحبت نہ کرنے کو کسی جگہ کے ساتھ مقید نہ کرنا۔ (ھ) چار ماہ سے کسی دن کا استثناء نہ کرنا۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

لركن الإيلاء في حق هذا الحكم شرائط بعضها يعم كل يمين بالطلاق وبعضها يخص الإيلاء أما الذي يعم... من العقل والبلوغ وقيام ملك النكاح والإضافة إلى الملك حتى لا يصح إيلاء الصبي والمجنون لأنهما ليسا من أهل الطلاق... وكذا جميع ما ذكرنا من شرائط صحة التطليق فهو من شرط صحة الإيلاء في حق الطلاق وأما الذي يخص الإيلاء فشيئان أحدهما المدة... والثاني ترك الفيء في المدة... (بدائع الصنائع: ٣/ ١٧١-١٧٣- سعيد).

فتح القدیر میں ہے:

وشرطه محلية المرأة وأهلية الحالف وعدم النقص عن أربعة أشهر. (فتح القدير: ٤/ ١٨٩، باب الايلاء، دار الفكر).

البحر الرائق میں ہے:

ولو حلف لا يقربها في زمان أو مكان معين لا يكون مولياً لأنه يمكنه قربانها في مكان آخر أو زمان آخر. (البحر الرائق: ٤/ ١٦، باب الايلاء، كوئته).

فتاوی شامی میں ہے:

يشترط أن لايستثني بعض المدة مثل لاأقربك سنة إلا يوماً. (فتاوى الشامي:۴۲۴/۳، سعيد ـ وبدائع الصنائع:۱۷۲/۳، سعيد ـ ومجموعه قوانين اسلامی:۱۷۴، قانون ايلاء).

ایلاء کی چند اقسام ہیں جو حسب ذیل درج ہیں:۔

ایلاء کی دو تقسیم کی گئی ہے (۱) باعتبار مدت (۲) باعتبار الفاظ۔

(۱) تقسیم اول کی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایلاء مؤقت: مدتِ معینہ کے لیے (جو چار ماہ سے کم نہ ہو) بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا۔

(باء) ایلاء مؤبد: بغیر تعیین مدت یا ہمیشہ کے لیے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا۔

(۲) تقسیم دوم کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایلاء صریح: ان الفاظ سے ایلاء کرنا جن کو سنتے ہی ترک جماع کا مفہوم ذہن میں آئے، توان الفاظ سے ایلاء صریح کہلائے گا۔

(باء) ایلاء کنایہ: اور جو الفاظ ایسے نہ ہوں وہ ایلاء کے سلسلہ میں کنائی کہلائیں گے، اور شوہر کی نیت پر اس کا حکم موقوف رہے گا، اگر اس نے ترک جماع مراد لیا ہے تو ایلاء ہوگا ورنہ نہیں۔

ایلاء کے احکام:

ایلاء مؤقت میں چار ماہ کے اندر صحبت کرنے سے کفارہ یا وہ مشکل کام لازم ہوجاتا ہے جو اس نے اپنے اوپر لازم کیا تھا۔

اور چار ماہ تک صحبت نہ کرنے سے اس مدت کے گزرتے ہی طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے، اور دونوں صورتوں میں ایلاء ختم ہوجاتا ہے۔

ایلاء مؤبد میں چار ماہ کے اندر صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہوکر ایلاء ختم ہوجائے گا، اور چار ماہ تک صحبت نہ کی تو طلاق بائن واقع ہوجائے گی، مگر ایلاء ختم نہ ہوگا، اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا، حتی کہ وہ عورت پھر اس کے نکاح

میں آئے اور چار ماہ کے اندر اس سے صحبت کرے تو کفارہ لازم آئے گا، اور ایلاء بھی ختم ہوجائے گا، اور صحبت نہ کی تو طلاق بائن واقع ہوگی، یہاں تک کہ تین طلاق واقع ہوجائے تو طلاق کی حد تک ایلاء ختم ہوجائے گا، اب حلالہ کے بعد جب وہ عورت اس کے نکاح میں آئے اور صحبت کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی، مگر کفارہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

فإن كان حلف على أربعة أشهر فقد سقطت اليمين لأنها كانت موقتة به وإن كان حلف على الأبد فاليمين باقية لأنها مطلقة ولم يوجد الحنث لترتفع به إلا أنه لايتكرر الطلاق قبل التزوج لأنه لم يوجد منع الحق بعد البينونة فإن عاد فتزوجها عاد الإيلاء فإن وطئها وإلا وقعت بمضي أربعة أشهر تطليقة أخرى لأن اليمين باقية لإطلاقها وبالتزوج ثبت حقها فيتحقق الظلم ويعتبر ابتداء هذا الإيلاء من وقت التزوج فإن تزوجها ثالثاً عاد الإيلاء ووقعت بمضي أربعة أشهر أخرى إن لم يقربها لما بيناه فإن تزوجها بعد زوج آخر لم يقع بذلك الإيلاء طلاق لتقيده بطلاق هذا الملك واليمين باقية لإطلاقها وعدم الحنث فإن وطيها كفر عن يمينه لوجود الحنث. (الهداية:۲/۱ ۰ ٤،باب الايلاء كتاب الطلاق ـ والبحرالرائق:٤/۶۰،باب الايلاء ـ وكذا في فتح القدير:٤/۱۸۹،دارالفكر ـ ومجموعه قوانين اسلامی:۱۷۷، قانون ايلاء).

فتح القدیر میں ہے:

وحكمه لزوم الكفارة أو الجزاء المعلق بتقدير الحنث بالقربان، ووقوع طلقة بائنة بتقدير البر... (فتح القدير:٤/۱۸۹ ـ وكذا في بدائع الصنائع:۳/۱۷۵،سعيد). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

ایلاء سے رجوع کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایلاء کیا چار ماہ یا اس سے زیادہ، اب ایلاء سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس کیا طریقہ ہے؟ نیز رجوع کرنے سے طلاق یا کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص ایلاء سے رجوع کرنا چاہتا ہو اور صحبت پر قادر ہو تو ایلاء کی مدت کے اندر صحبت

کرلے، کفارہ لازم ہوگا، اور ایلاء ختم ہوجائے گا، صحبت پر قادر ہونے کی صورت میں زبان سے رجوع کرنا کافی نہیں، اور اگر کوئی شخص کسی عارضی یا مستقل مرض یا کسی اور قوی مانع کے سبب چار ماہ تک مسلسل صحبت پر قادر نہ ہوتو اس کا زبان سے رجوع کرلینا کافی ہوگا، طلاق واقع نہیں ہوگی، اور کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

البحرالرائق میں ہے:

فإن وطئ في المدة كفر وسقط الإيلاء بإجماع الفقهاء حتى لومضت أربعة أشهر لايقع طلاق لإخلال اليمين بالحنث وسواء حلف على أربعة أشهر أو أطلق أوعلى الأبد... وإلا بانت أي إن لم يطأ في المدة وهي أربعة أشهر وقعت عليه طلقة بائنة. (البحرالرائق:۶۲/۴، باب الایلاء، کوئٹہ)۔

ہدایہ میں ہے:

وإن كان المولي مريضاً لايقدر على الجماع أوكانت مريضة أورتقاء أوصغيرة لاتجامع أوكانت بينهما مسافة لايقدر أن يصل إليها في مدة الإيلاء ففيئه أن يقول بلسانه فئت إليها في مدة الإيلاء فإن قال ذلک سقط الإيلاء. (الهداية:۴۰۳/۲، باب الایلاء۔ومجموعہ قوانین اسلامی:۱۷۸، قانون ایلاء)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

باب ...... ﴿۱۰﴾

خلع کا بیان

شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کرنے کا حکم:

سوال: عورت نے شوہر کے مظالم سے تنگ آکر طلاق نہ ملنے کی صورت میں ازخود خلع کرلیا اور شوہر کے بیان کے مطابق نہ اسے کسی قسم کی خلع کے سلسلہ میں پیش کش کی گئی اور نہ ہی کوئی اختیار دیا گیا، تو اس صورت میں خلع ہوا یا نہیں؟ عورت دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں خلع بھی دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے، جو فریقین کی رضامندی کے بغیر تام نہیں ہوتا، لہٰذا بصورتِ مسئولہ خلع منعقد نہیں ہوا اور عورت کا خلع کا دعوی کرنا لغو اور بے بنیاد ہے، وہ حسب سابق اس مرد کے نکاح میں ہے، طلاق یا تفریق کے بغیر کسی اور سے نکاح کرنا ناجائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وأما ركنه فهو كما في البدائع : إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض ، فلا تقع الفرقة ، ولا يستحق العوض بدون القبول . (فتاوى الشامي: ٣/٤٤١، باب الخلع ، سعيد).

علامہ زیلعی فرماتے ہیں:

ولا بد من قبولها لأنه عقد معاوضة أو تعليق بشرط فلا تنعقد المعاوضة بدون القبول... إذ لا ولاية لأحدهما في إلزام صاحبه بدون رضاه. (تبيين الحقائق:۲/۲۷۱، ملتان).

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

فيحتمل الفسخ بالتراضي أيضاً وذلک بالخلع واعتبر هذه المعاوضة المحتملة للفسخ بالبيع والشراء في جواز فسخها بالتراضي. (المبسوط:۶/۱۷۱، باب الخلع، ادارة القرآن۔ وكذا في بدائع الصنائع:۳/۱۴۵، سعيد). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

شوہر کے ظلم کی بنا پر خلع کرنے کا حکم:

سوال: ایک شوہر اپنی بیوی پر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور وہ طلاق دینا بھی نہیں چاہتا ہے، تو عورت کیسے رہائی حاصل کرے، بنگاہِ شریعت عورت کے چھٹکارے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

الجواب: سب سے پہلے خاندان والوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طریقہ پر دونوں کے درمیان صلح صفائی ہو جائے اور آپس میں الفت ومحبت کی زندگی بسر کرنا شروع کر دے۔ لیکن کسی طرح صلح کی شکل نہ نکل سکے اور شوہر کے ظلم کی وجہ سے عورت اس کے ساتھ رہنا گوارہ نہ کرے تو پھر شوہر کو طلاق پر آمدہ کرنا چاہئے، لیکن شوہر کو کچھ منظور نہ ہو تو مہر یا کچھ مال دیکر خلع کر لے، اور اس طرح عورت شوہر کے پنجۂ ظلم سے نجات حاصل کر لے، لیکن خلع میں بھاری معاوضہ طلب کرنا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ جو مہر دیا ہے وہی واپس کر کے خلع کر لینا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها إن يريدا إصلاحاً يوفق اللّٰه بينهما﴾. (سورة النساء:الآية:۳۵).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيماحدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلک وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية. (الفتاوی الهندية: ۱/۴۸۸ ـ وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۱۴۵، سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

خلع ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں شوہر نکاح سے حاصل ہونے والے اپنے اختیارات کسی طے شدہ بدل کے عوض ختم کردیتا ہے اس لیے یہ طلاق بائن کے حکم میں ہے، اور چونکہ اس میں عوض زوجہ کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کی رضامندی ضروری ہے، خلع کی پیش کش زوجین میں سے کسی کی طرف سے ہوسکتی ہے، مثلاً شوہر کہے کہ میں نے مہر کے عوض تم کو خلع دیا، اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا، یا عورت کہے کہ مجھے مہر کے عوض خلع دے دو، اور شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا۔

خلع کے ذریعہ وہی حقوق ساقط ہوں گے اور وہی عوض واجب الاداء ہوگا جن کے اسقاط اور جن کی ادائیگی پر باہم اتفاق ہوگیا ہو۔

خلع میں اگر عورت صراحۃً نفقۂ عدت کو ساقط کردے تو ساقط ہوجائے گا، لیکن عدت کا سکنیٰ اور بچوں کا نفقہ ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوگا۔

خلع میں مال کی جو مقدار طے ہوجائے درست ہے، لیکن مقدار مہر سے زیادہ مال متعین کرنا اور لینا بہر حال ناپسندیدہ ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، قانون خلع: ۱۸۱ـ۱۸۳، مسلم پرسنل لابورڈ).

اور اگر شوہر کے برے اخلاق کی وجہ سے بیوی شوہر کو ناپسند کرے تب بھی خلع کی گنجائش ہے اسی طرح بغیر کسی وجہ کے ناپسند کرے اور دونوں خلع پر راضی ہیں، تب بھی خلع کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شعرانیؒ "المیزان الکبری" میں فرماتے ہیں:

واتفق الأئمة على أن المرأة إذا كرهت زوجها لقبح منظر أو سوء عشرة جاز لها أن تخالعه على عوض وإن لم يكن من ذلک شيء وتراضيا على الخلع من غير سبب جاز و لم يكره. (الميزان الكبرى: ۲/۱۱۹، كتاب الخلع، دار الفكر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها إن يريدا إصلاحاً يوفق اللّٰه بينهما﴾.

(سورة النساء:الآية:۳۵).

وقال تعالیٰ:

﴿وإن يتفرقا يغن اللّٰه كلاً من سعته﴾.

(سورة النساء:الآية: ۱۳۰).

باب......(۱۱)
فسخ وتفریق کا بیان

شوہر کا نفقہ ادانہ کرنے پر تفریق کا حکم:

سوال: ایک عورت شوہر کے متعلق یہ کہتی ہے کہ وہ گھر کا ضروری خرچہ نہیں دیتا ہے، مثلاً بہت کم رقم دیتا ہے جس سے گزارہ مشکل ہوتا ہے اوراس کا حساب بھی مانگتا ہے، نیز بیوی کے رشتہ داروں کی مہمان نوازی سے انکار کرتا ہے، لڑائی جھگڑے روزانہ کا معمول ہے، بیوی سخت کوفت میں مبتلا ہے، شوہر کے ساتھ بالکل رہنا نہیں چاہتی، اور شوہر کے مطالبات ظالمانہ ہونے کے وجہ سے خلع بھی مشکل ہے، لہذا اس مسئلہ میں کوئی عالم تفریق کرسکتا ہے یانہیں؟ جبکہ کورٹ میں تفریق ہوچکی ہے۔

الجواب: اگر شوہر زوجہ کونفقہ کے معاملہ میں پریشان کرتا ہواور سخت مجبوری کی بنا پر تفریق کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتو ایسے وقت میں علمائے احناف عورت کومصیبت سے نکالنے کے لئے مذہبِ مالکیہ پرفتویٰ دیتے ہیں، یعنی جب کسی قسم کی مصالحت یا خلع وغیرہ کی گنجائش باقی نہ رہے تو عورت کواپنا مقدمہ قاضی یا جمعیۃ العلماء کے سامنے پیش کرکے تفریق کرانے کا اختیار ہے۔

ملاحظہ ہو''الحیلۃ الناجزۃ''میں ہے:

زوجۂ متعنت (باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ ادانہ کرے) کواول تولازم ہے کہ کسی طرح خاوند

سے خلع وغیرہ کرلے، لیکن اگر باوجود سعیِ بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔اور سخت مجبوری کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہوسکے یعنی نہ تو کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہواور نہ خود عورت حفظِ آبرو کے ساتھ کسبِ معاش پر قدرت رکھتی ہو۔

(۲) اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگر چہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہوسکتا ہے، لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلائے معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔

اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی یا مسلمان حاکم، اوران کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے سامنے پیش ہووہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ پوری تحقیق کرے، اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوکہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاقِ مالکیہ ضرورت نہیں۔

"للرواية الثانية والعشرين من الفتوى للعلامة سعيد بن صديق المالكي". (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة: ص ٦٣، حكمِ زوجه متعنت في النفقة، ط:دارالاشاعت، ديوبند).

جماعتِ مسلمین مذکورہ بالاہدایات کے مطابق تحقیق کر کے فیصلہ کردے تو وہ نافذ ہوگا۔

جماعتِ مسلمین کی شرائط:

جماعتِ مسلمین کے بارے میں مندرجۂ ذیل باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

(۱) فتاوی مالکیہ میں "جماعة المسلمين العدول" کے الفاظ ہیں، اور عدول سے مراد وہ شخص ہے جو فاسق نہ ہو۔

(۲) اگر فیصلہ جماعت کے سپرد کیا جائے تو وہ عوام کی پنچایت اور جماعت نہ ہو یعنی یا تو سب علماء ہوں یا کم ازکم ایک معاملہ شناس عالم ہو۔

(۳) جماعت کا عدد کم از کم تین ہو۔

(۴) ایسی جماعت اگر تفریق کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، لیکن فیصلہ اتفاقِ رائے سے ہونا ضروری ہے۔ پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کردیا جائے۔

(ملخص از "الحیلۃ الناجزۃ" ص ۱۳۵ صورتِ قضاء قاضی در ہندوستان)۔

مالکی مفتی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

الجواب من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي متعنا الله بعلومه:

بسم الله الرحمن الرحيم، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، سبحانك لا علم لنا إلا ما علمتنا إنك أنت العليم الحكيم، أتم الصلاة وأتم التسليم على سيدنا محمد الهادي الحليم، وعلى آله وصحبه والآتي ربه بقلب سليم... أما الجواب عن المتعنت الممتنع عن الإنفاق ففي مجموع الأمير ما نصه: إن منعها نفقة الحال فلها القيام، فإن لم يثبت عسره أنفق أو طلق، وإلا طلق عليه. قال محشّيه: قوله وإلا طلق أي طلق عليه الحاكم من غير تلوم إلى أن قال: وإن تطوع بالنفقة قريب أو أجنبي...قال ابن عبد الرحمن: لا مقال لها، لأن سبب الفراق هوعدم النفقة قد انتفى.(الحيلة الناجزة :ص ۱۱۵،۱۱۹، ط:دارالاشاعت،دیوبند).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (مجموعہ قوانین اسلامی، مسلم پرسنل لا بورڈ، از قاضی مجاہد الاسلام: ص ۱۹۸، دفعہ ۷۹۔ و کتاب الفسخ والتفریق، از مولانا عبدالصمد رحمانی، مکتبہ امارت شرعیہ: ص ۸۹)۔

کورٹ میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں "ایضاح النوادر" میں ہے:

غیر مسلم جج اگر طلاق وغیرہ کے متعلق فیصلہ دیتا ہے تو شرعی طور پر اس کا فیصلہ صحیح اور معتبر نہ ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے مسئلہ طلاق میں بیوی کو آزادی حاصل نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي". (ایضاح النوادر: ص ۱۵۲)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے طویل عرصہ قید ہونے کی وجہ سے تفریق کا حکم:

سوال: قیدی کی بیوی اگر عفت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی اور اس کے خرچے کا انتظام ہے تو کیا قاضی یا جماعۃ المسلمین تفریق کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ قیدی کی مدت لمبی ہو؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شدید مجبوری اور زنا سے تحفظ کے لیے امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔ یعنی مذہب مالکی میں ترک مجامعت بھی وجہ تفریق ہے، لہذا عورت اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں یا جمعیت العلماء کے سامنے پیش کردے کہ فلاں میرا شوہر فلاں جیل میں ہے اور اس کی سزا کافی طویل ہے، اور اتنی مدت انتظار کرنا میرے بس سے باہر ہے، مجھے نکاح کی سخت ضرورت ہے، بصورتِ دیگر گناہ میں پڑنے کا سخت اندیشہ ہے۔ قاضی یا جمعیۃ العلماء باقاعدہ تحقیق کریں کہ عورت کے بیان میں کس حد تک صداقت پائی جاتی ہے، اگر عورت کا بیان صحیح ثابت ہوجائے تو اس کے پاس حکم بھیجے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلالو یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دیدو، اگر کچھ منظور نہ ہو تو پھر ہم خود تفریق کردیں گے، اس پر بھی خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی عورت کو مزید ایک ماہ کے انتظار کا حکم دے، اگر اس مدت میں شوہر کی رہائی یا سزا میں تخفیف کے کچھ اسباب پیدا نہ ہوئے تو قاضی یا جمعیۃ العلماء عورت کو اس مرد کی زوجیت سے الگ کردے۔ اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

ترک مجامعت اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا بھی تفریق کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ حقوق زوجیت کی ادائیگی واجب ہے، حقوق زوجیت ادا نہ کرنا اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا ظلم ہے، اور رفع ظلم قاضی کا فرض ہے، نیز صورتِ مذکورہ میں عورت کا معصیت میں مبتلا ہونا بھی ممکن ہے، قاضی کا فرض ہے کہ ایسے امکانات کو بند کردے، اس لیے کہ اگر عورت قاضی کے یہاں مذکورہ بالا شکایت کے ساتھ مرافعہ کرے تو قاضی تحقیق حال کے بعد لازمی طور پر رفع ظلم کرے گا اور معصیت سے محفوظ رکھنے کے مواقع پیدا کرے گا، مذہب مالکی میں بھی ترک مجامعت وجہ تفریق ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۲، دفعہ ۳۷).

وإذا ثبت لها التطليق بذلك فبخشية الزنا أولى، لأن ضرر ترك الوطئ أشد من ضرر عدم النفقة، ألا ترى أن إسقاط النفقة يلزمها، وإن أسقطت حقها في الوطئ فلها الرجوع فيه، ولأن النفقة يمكن تحصيلها بنحو تسلف وسؤال بخلاف الوطئ . (من فتوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتي،بحواله : الحيلة الناجزة :۱۱۸،دارالاشاعت،دیوبند).

ملاحظہ فرمائیں ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ میں ہے:

ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایتِ احتیاط پر مبنی ہے، مگر فقہائے حنفیہ میں سے بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالک کے مذہب پر فتوی دیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ”الدر المنتقی“ سے قہستانی کا قول نقل کیا ہے: **” لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن“.** (فتاوى الشامي:٤/ ٢٩٥،مطلب في الافتاء بمذهب مالكؒ، سعيد) اور ایک عرصے سے اربابِ فتوی اہلِ ہند و بیرونِ ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے، اور یہ مسئلہ اسوقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہوگیا، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہبِ حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جاوے، اس وقت مذہبِ مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں ،اور ایسے ہی مواقع کے لئے یہ فتوی مرتب کیا گیا ہے۔(الحيلة الناجزة: ٥٠،دارالاشاعت،دیوبند، من فتوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتي المالكيؒ).

کتاب الفسخ والتفریق میں ہے:

اگر عورت کو نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے طلاق کے مطالبہ کا حق ثابت ہے تو زنا کے اندیشہ سے بدرجہ اولیٰ یہ حق ہوگا، اس لئے کہ ترکِ وطی کا ضرر عدمِ نفقہ کے ضرر سے زیادہ سخت ہے۔...دوسری وجہ یہ کہ قرض یا سوال کے ذریعہ نفقہ حاصل کرنا ممکن ہے، لیکن وطی میں ایسا ممکن نہیں ہے۔(کتاب الفسخ والتفریق:ص۷۳).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

بہتر یہ ہے کہ کسی طرح طلاق حاصل کر لی جائے ،اگر طلاق نہ دے تو کچھ مال دے کر خلع کر لے، ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرے ،وہ حاکم اس قیدی کو طلاق دینے

پر مجبور کرے، نہ دے تو پھر یہ حاکم خود طلاق کا حکم کر دے، حاکم کا یہ حکم قائم مقام طلاق کے ہو جائے گا، بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو۔

وهذا في الأصل مذهب الإمام مالك ؒ إلا أن علمائنا الحنفية أفتوا عليه لمكان الضرورة الشديدة ... (ملخص از امداد المفتین: جلد دوم: ۲/۶۷، دارالاشاعت، کراچی)۔

فتاویٰ دارالعلوم کبیر میں ہے:

سوال کا ماحصل یہ ہے کہ زید کو کسی جرم میں تیس سال کی قید ہوگئی، تین سال گزر چکے، ستائیس سال باقی ہیں، زوجہ کہتی ہے کہ میں اس قدر مدت مدید بلا خاوند صبر نہیں کر سکتی، نکاح فسخ کرایا جائے۔ زید طلاق دینا یا علیحدہ کرنا نہیں چاہتا، دور کے رشتہ دار کے مکان میں رکھنا چاہتا ہے، اس پر اطمینان نہیں، آبروریزی کا ظنِ غالب ہے، بحالت موجودہ حکم شرعی کیا ہے، جبراً نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل مذہب حنفیہ کا اس صورت میں یہ ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا، اور بدون طلاق دینے شوہر کے نکاحِ ثانی عورت کو کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن بعض دیگر ائمہ ایسی صورت میں فسخِ نکاح کو جائز فرماتے ہیں، اور حنفی کو بضرورت اس پر عمل کرنا درست ہے، لہذا موقعِ ضرورت میں حنفی کو گنجائش ہے کہ تفریق کرادے اور عدت کے بعد جوازِ نکاحِ ثانی کا فتویٰ دیدے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰/۲۳۰)۔

نیز فقہاء احناف نے ظہار کے باب میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر مظاہر کفارہ ادا نہ کرے اور عورت کو معلق رکھے تو عورت قاضی کے پاس مرافعہ کر سکتی ہے اور حاکم عورت سے دفع ضرر کرے گا۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

أن للمرأة أن تطالبه بالوطء وإذا طالبته به فعلى الحاكم أن يجبره حتى يكفر ويطأ لأنه بالتحريم بالظهار أضر بها حيث منعها حقها في الوطء مع قيام الملك فكان لها المطالبة بإيفاء حقها ودفع التضرر عنها وفي وسعه ايفاء حقها بازالة الحرمة بالكفارة فيجب عليه ذلك ويجبر عليه لو امتنع... (بدائع الصنائع: ۳/۲۳٤، احکام الظهار، سعید)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

شوہر کے مجنون ہونے کی وجہ سے فسخِ نکاح کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص پاگل ہو تو اس کی بیوی کی تفریق کی کیا صورت ہے، جبکہ عورت کو یہ بات معلوم تھی، لیکن اب عزت کا خطرہ ہے، اور اس سے خوف زدہ بھی ہے؟

الجواب: اگر کسی عورت کا شوہر مجنون یا پاگل ہو، دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو، بیوی کے حقوق کی ادائیگی کی ان کو خبر ہی نہ ہو اگر چہ عورت کو پہلے سے جنون معلوم تھا، لیکن اب شوہر کے پاس رہنا مشکل بلکہ خطرہ بھی ہے، اور نان ونفقہ کا معاملہ بھی بیوی کے لئے مشکل ہے، نیز عفت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی بسر کرنا بیوی کے بس سے باہر ہے، تو ان تمام صورتوں میں یہ عورت شرعی قاضی کے پاس، اور اگر شرعی قاضی نہ ہو تو علماء کی جمعیت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کر دے، جمعیت اس کے دعوی کو صحیح پا کر شوہر کے علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے، اگر ایک سال میں صحیح نہیں ہوا تو دوبارہ عورت اپنا مقدمہ اسی جمعیت کے پاس دائر کر کے جمعیت والے حضرات دونوں کے مابین تفریق کر دے، اس کے بعد جب عدت گزر جائے تو بیوی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ (ملخص از امداد المفتین از مفتی شفیع صاحب ۲/۶۷۳)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شوہر کے جس جنون سے بیوی کے جسم و جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے وہ جنون موجبِ تفریق ہے، لیکن شوہر کو قاضی علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے گا، اس کے بعد بھی اگر افاقہ نہ ہو اور بیوی علیحدگی چاہے تو قاضی تفریق کر دے گا۔

قال محمد: إن كان بالزوج عيب لا يمكنه الوصول إلى زوجته، فالمرأة مخيرة بعد ذلك، ينظر إن كان العيب كالجنون الحادث والبرص ونحوهما، فهو والعنة سواء فينظر حولاً، وإن كان الجنون أصلياً أو به مرض ولا يرجى برءه فهو والجب سواء، وهي بالخيار إن شاءت رضيت بالمقام معه، وإن شاءت رفعت الأمر إلى الحاكم حتى يفرق بينهما.

(الفتاوى الحمادية للعلامة ركن الدين ناغوري ص ٧٦ نقلاً عن المضمرات، بحواله: الحيلة الناجزة ص ٣٩).

لیکن چونکہ جنونِ حادث کی تفسیر نہ اس جگہ لکھی ہے اور نہ کہیں دوسرے مواقع میں دستیاب ہوئی، جس کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں مطبق کی تفسیر بھی پوری طرح واضح نہیں ہوسکتی، اور دوسرے مواقع میں جو مطبق کی تفسیر بمقابلہ غیر مطبق لکھی ہے اس کو محض قیاس سے اس جگہ جاری کرنا احتیاط کے خلاف ہے...اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس تفسیر سے قطع نظر کر کے ہر حال میں سال بھر کی مہلت دی جاوے، اس کے بعد حکم کیا جاوے۔ الحیلۃ الناجزۃ: ص۶۲/۶۳ زیرعنوان: حکمِ زوجہ مفقود۔ (ماخوذ از مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۵ دفعہ ۷۶).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (کتاب الفسخ والتفریق: ص ۱۱۳۔۱۱۵ ، از مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ۔ والحیلۃ الناجزۃ: ۴۱، ۴۸).

نیز نان ونفقہ اور دیگر اخراجات کے اسباب مہیا کرنا بیوی کے لئے مشکل ہوجاوے تب بھی تفریق ہوسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: (الحیلۃ الناجزۃ: ص ۶۳ حکمِ زوجہ متعنت فی النفقۃ) کما مرّ.

اسی طرح حقوقِ زوجیت ادا نہ کرسکتا ہو اور بیوی کے لیے عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنا مشکل ہوجاوے، بلکہ معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تب بھی عورت مقدمہ دائر کر کے قاضی یا جمعیت المسلمین سے تفریق کراسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: (کتاب الفسخ والتفریق: ص ۷۳، والحیلۃ الناجزۃ) کما مرّ. **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مرضِ ایڈس (Aids) کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایڈس (Aids) کی بیماری کی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں، جبکہ حدیث میں آیا ہے: "**لا عدوی ولا طیرۃ**". (رواہ البخاری:).

الجواب: بصورتِ مسئولہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے مذہب کے موافق تو عورت کو کسی بیماری کی وجہ سے فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، ہاں امام محمدؒ کے نزدیک جنون، برص، جذام وغیرہ بیماریوں کی وجہ سے عورت کو فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔ چونکہ عصر حاضر میں ایڈس (Aids) ایک مہلک خطرناک بیماری ثابت ہوچکی ہے،

اور عام طور پر متعدی بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے امام محمد کے قول پر فتوی دیتے ہوئے عورت کو اختیار ہوگا کہ قاضی شرعی یا جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے اور جمعیت العلماء تحقیق فرما کر جب بیماری ثابت ہوجائے تو دونوں کے درمیان تفریق کرنے کی مجاز ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولا يتخير أحد الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشاً كجنون وبرص ورتق وقرن، وخالف محمدؒ في الثلاثة الأول وخالف الأئمة الثلاثة في الخمسة.

وفي حاشية الطحطاوي: قوله وخالف محمدؒ في الثلاثة الأول هي الجنون والجذام والبرص، وألحق به القهستاني كل عيب لا يمكنها المقام معه إلا بضرر، ونقله المؤلف في شرح الملتقى. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:٢/٢١٣،كوئته).

ہدایہ میں ہے:

وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لهاعند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ، وقال محمدؒ: لها الخيار دفعاً للضرر عنها كما في الجب والعنة.

وفي العناية في شرح الهداية: لها الخيار لأنه تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه فكان بمنزلة الجب والعنة، فتخير دفعا للضرر حيث لا طريق لها سواه. (العناية في شرح الهداية مع الهداية على هامش فتح القدير:٤/٣٠٥،ط: دارالفكر).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قال محمد: إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة، ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرء، وإن كان الجنون مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ، كذا في الحاوي القدسي. (الفتاوى الهندية ١/٥٢٦).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما خلو الزوج عما سوى هذه العيوب الخمسة من الجب والعنة والتأخذ والخصاء

والخنوثة فهل هوشرط لزوم النكاح، قال أبو حنيفةؒ وأبو يوسفؒ: ليس بشرط ولا يفسخ النكاح به، وقال محمد: خلوه من كل عيب لا يمكنها المقام معه إلا بضرر كالجنون والجذام والبرص شرط لزوم النكاح حتى يفسخ النكاح به...لأن هذه العيوب في إلحاق الضرر بها فوق تلك، لأنها من الأدواء المتعدية عادة، فلما ثبت الخيار بتلك فلأن يثبت بهذه أولى. (بدائع الصنائع ۳۲۷/۲، شروط لزوم النكاح).

"الموسوعة الفقهية الكويتية" میں ہے:

جاء ت هذه العيوب بصيغة التمثيل، هذا إلى جانب أن نصوص الفقهاء عامة كانت تعلل التفريق للعيب بالضرر الفاحش وبالعدوى، وعدم القدرة على الوطء، وهو ظاهر في جواز القياس عليها.

وعلى هامشه قال: وترى اللجنة أن هذه العيوب المنصوص عليها ليست للحصر، وإنما هي للتمثيل، ولذلك فإنه يلحق كل ماكان في معناها أوزاد عليها، كالإيدز وما شابهه من الأمراض التي تفوق بعض ما ذكر. (الموسوعة الفقهية الكويتية مع التعليقات :۶۹/۲۹، التفريق للعيب، ط: وزارة الأوقاف بالكويت).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

چونکہ امام محمد کا مسلک اس مسئلہ میں شریعت کی روح ومزاج سے قریب بھی ہے، اور مصلحتِ عامہ کے مطابق بھی، اس لئے فقہاء احناف نے امام محمد ہی کی رائے پرفتوی دیا ہے۔(جدید فقہی مسائل:۱۷۷/۳).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

زیلعی کہتے ہیں: **وقال محمد: ترد المرأة إذا كان بالرجل عيب فاحش بحيث لا تطيق المقام معه، لأنها تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه كالجب والعنة.** (تبيين الحقائق :۲۵/۳،باب العنين وغيره، ملتان).

گویا امام محمد کے نزدیک ہر متعدی اور قابل نفرت مرض کی بناء پر عورت تفریق کا مطالبہ کرسکتی ہے، اور یہی شریعت

کے مزاج و مذاق سے ہم آہنگ اوراس کے اصول ومقاصد اور روحِ قواعد کے مطابق ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں غور کیا جائے تو ائمہ ثلاثہ کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک بھی ایڈز ان امراض میں سے ہے جن کی وجہ سے عورت کو حق تفریق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ برص وجذام سے زیادہ قابل نفرت بھی ہے اور متعدی بھی، اور چونکہ جنسی ربط بھی اس مرض کی منتقلی کا ایک اہم سبب ہے، اس لئے ایڈز کا مریض شوہر اس کی بیوی کے حق میں نامرد ہی کے حکم میں ہے کہ وہ مرض کی منتقلی کے خوف سے اس مرد کے ذریعہ داعیہ نفس کی تکمیل نہیں کرسکتی۔(جدید فقہی مباحث:۱۰/۶۶).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

ایڈز کا مرض مہلک امراض میں سے ہے بشرطیکہ ٹیسٹ (Test) سے یہ ثابت ہوجائے کہ وائرس اس پر حملہ آور ہوا ہے، اوراس نے مرض کی شکل اختیار کرلی ہے، ورنہ کسی شخص کے خون میں وائرس کی محض موجودگی یہ معنی نہیں رکھتی کہ وہ ایڈز کے مرض میں مبتلا ہوگیا ہے، اگر کوئی واقعی ایڈز کے مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے تو عورت کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا اختیار رہے۔(جدید فقہی مباحث:۱۰/۱۲۰).

طبی اخلاقیات میں ہے:

اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو، مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کرلیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخِ نکاح کا حق ہوگا۔ اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہوجائے اوخطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخِ نکاح کا حق ہوگا۔(طبی اخلاقیات:ص ۴۰۶، ترتیب از: قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعدیہ امراض اوراحادیث میں تطبیق:

مرض کے متعدی ہونے کے متعلق دوقسم کی احادیث ملتی ہیں: بعض احادیث سے متعدی ہونے کی نفی اور بعض سے متعدی ہونا معلوم ہوتا ہے،

مثلاً حدیث " لا عدوى ولا طيرة... الخ " (رواه البخاري:۲/۸۵۰/۵۴۸۸،باب الجذام) سے مفہوم ہوتا ہے کہ مرض متعدی نہیں ہوتا، اور حدیث " فر من المجذوم فرارک من الأسد "(رواه البخاري:۲/۸۵۰/۵۴۸۸،

باب الجذام۔و کذا فی مسند احمد برقم ۹۳۴۵) **یعنی ”جذامی سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو“** اس سے **معلوم ہوتا ہے کہ مرض متعدی ہوتا ہے۔نیز ” لا یوردن ممرض علی مصح “** (رواہ البخاری:۲/۸۵۹/۵۵۴۵، باب لا ھامۃ) **یعنی بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لایا جائے،اس سے بھی مرض کا تعدیہ معلوم ہوتا ہے،** **نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت مجذوم کو ہاتھ نہیں لگایا، بلکہ دور سے بیعت فرمائی ،دوسری جگہ مجذوم شخص کی بابت منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اورارشاد فرمایا: ” ثقة بالله وتوكلاً عليه “** (رواہ ابوداود فی الطیرۃ۔والترمذی فی باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم۔وابن ماجہ فی باب الجذام) **یعنی اللہ کے بھروسہ اورتوکل پر۔**

محدثین نے ان روایات میں مختلف طریقوں پر تطبیق فرمائی ہے،جن میں آسان اور ذہن میں اترنے والی بات یہ ہے کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں لیکن ان کا متعدی ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے،زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بعض چیزوں میں ذاتی تاثیر ہے،ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا کوئی دخل نہیں ،جیسے ستاروں کو قسمت میں مؤثر مانتے تھے،اوراللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے،لہٰذا حدیث ”لا عدوی“ میں اس عقیدہ کی نفی مقصود ہے کہ مرض کا متعدی ہونا بذاتِ خودنہیں،اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔اس وجہ سے جب ایک اعرابی نے ” لا عدوی“ کے بعد کہا کہ ہم تندرست اونٹ کو خارشی اونٹ کے پاس لاتے ہیں اور وہ بیمار ہوجاتا ہے،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے کو کس نے خارشی بنایا،(بخاری شریف:۲/۸۵۲)یعنی مرض تو دوسرے اونٹوں سے لگ گیا،لیکن اس کا لگنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا،جیسے پہلے میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم کارفرما ہے۔الغرض ہمارے زمانہ میں بہت سے امراض کا متعدی ہونا نظر وخیال سے بڑھ کر مشاہدہ بن چکا ہے،اس لئے صحیح یہی ہے کہ بعض امراض جراثیم کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں،البتہ یہ من جملہ اسباب کے ایک سبب کے درجہ میں ہے، ورنہ بیماری کا پیدا ہونا نہ کسی بیمار سے میل جول پر موقوف ہے،اورنہ یہ ضروری ہے کہ بیمار شخص سے میل جول لازماً بیماری کو لاتا ہے،ہاں ان اسباب سے متاثر ہونا اورنہ ہونا بہرحال مشیتِ خداوندی اورقدرِالٰہی کے تابع ہے کہ بغیر حکمِ ایزدی کے درخت کا ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔

دلائل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتح الباري شرح صحيح البخاري:۱۰/۱۵۹۔۱۶۲،

باب الجذام۔وعمدۃ القاري شرح صحیح البخاري:۶۹۲/۱٤،۶۹۳، باب الجذام، دارالحدیث، ملتان۔ومرقاۃ المفاتیح:۳/۹۔ شرح الطیبي: ۳۱۵/۸۔ وبذل المجھود :۲٤۱/۱۶۔واللہ ﷻ اعلم۔

زوجین میں شقاق کی وجہ سے فسخ وتفریق کا حکم:

سوال: سوال کا ماحصل اوراشکالات کا خلاصہ حسب ذیل درج ہے:۔

بیوی اوراس کے خاندان والوں کا بیان حقیقت پرمبنی ہوتو ان کی شکایات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے، جن کی وجہ سے بیوی اوراس کے خاندان والے نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں:

(۱) شوہر بیوی سے کئی دن بات چیت نہیں کرتا،اوراس کوذہنی اذیت میں مبتلا رکھتا ہے۔

(۲) شوہر کی اجازت سے جانے کے بعد بھی شوہر بیوی کونفقہ نہیں دیتا۔

(۳) اولاد شرعاً اورطبعاً مرغوب ہے۔ ’’تزوجوا الودود الولود‘‘(رواہ ابوداود) کی حدیث اور’’ نسائکم حرث لکم‘‘(سورۃ البقرۃ : الآیۃ:۲۲۳) اورانبیاءعلیہم الصلاۃ والسلام کی دعائیں اوران جیسی بےشمار نصوص اس حقیقت کوواضح کرتی ہیں، جبکہ شوہر اولاد کو بوجھ سمجھتا ہے اور اولاد کو روکنے کی کوشش کرتا ہے یا ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔

(۴) شوہر بیوی سے حد درجہ بیزار ہے، یہاں تک کہ بیوی کے رشتہ داروں سے بھی تعلق رکھنے کا روادار نہیں،اوراس بیزاری کے نتیجہ میں بیوی بھی شوہر سے بیزار ہوچکی ہے،اس لئے شوہر سے الگ رہنا چاہتی ہے۔

(۵) شوہر بیوی سے بیزاری کے نتیجہ میں طلاق کا خواہاں ہے،لیکن طبعی حرص یالالچ کی وجہ سے یابیوی کو تنگ کرنے کی نیت سے دولاکھ کی خطیر رقم کا مطالبہ کرتا ہے جوایک نامعقول مطالبہ ہے۔

(۶) شوہر کے مزاج میں یہاں تک ضد ہے کہ اپنے والد کی عیادت سے بھی گریزاں رہا، یہاں تک کہ ان کی نمازِ جنازہ میں بھی شرکت گوارانہیں کی۔

الجواب: جمعیت کے ارباب بست وکشاد سے درخواست ہے کہ ان امور کی تحقیق فرمادیں،اگرواقعی یہ الزامات درست ہوں،تو میرے خیال میں ان امور کی وجہ سے اگرشوہر طلاق پرآمادہ نہ ہو، یا جو کچھ شوہر نے مہر

میں دیا ہوا اس کو واپس لے کر خلع پر بھی آمادہ نہ ہو تو جمعیت نکاح فسخ کرسکتی ہے۔ مفتیانِ عظام نے زوجہ کو برا بھلا کہنے، گالی دینے کو باعثِ تفریق قرار دیا ہے، کئی کئی دنوں تک بات نہ کرنا اس سے بھی زیادہ باعثِ اذیت ہے۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر زوجہ کو برا بھلا کہے، گالی دے جو عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور اذیت کا باعث ہو، شدید زدوکوب کرے تو اس کو حق تفریق حاصل ہوگا۔

قرآن مجید میں ﴿ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا، ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾. (سورة البقرة: ۲۳۱). وارد ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ضرب شدید اور گالی گلوچ سے بڑھ کر ضرر رساں بات اور کیا ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص: ۱۹۹، دفعہ ۸۱).

اسی طرح اگر زوجین میں شقاق پایا جاتا ہو جس کی اصلاح کی صورت ممکن نہ ہو تب بھی تفریق ہوسکتی ہے۔

لفظِ ''شقاق'' کی تحقیق:

''شقاق'' کے معنی عداوت، دشمنی اور مخالفت کے ہیں، اور چونکہ یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس لئے اس کے معنی یہ ہے کہ باہم شقاق میں اس حالت پر ہو جانا کہ ایک شخص ایک شق پر ہو یعنی ایک سرے پر ہو اور دوسرا دوسرے سرے پر ہو، یعنی دو آدمیوں کے درمیان شقاق (عداوت، دشمنی، مخالفت) نے انتہائی صورت اختیار کرلی ہو، اسی کی تعبیر مفرداتِ امام راغب میں ان الفاظ سے ہے:

الشقاق: المخالفة وكونك في شق غير شق صاحبك. (المفردات فی غریب القرآن، ص ۲٦٤).

زن وشوہر میں جب شقاق رونما ہوجائے تو اس کے متعلق شرعی حکم قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها، إن يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما، إن الله كان عليما خبيراً﴾. (سورة النساء: ۳۵).

یہ شقاق عام ہے چاہے شوہر کے بلاوجہ مار پیٹ سے باہم زن وشوہر میں پیدا ہوا ہو، یا بیوی کی جائیداد پر ناجائز تصرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، یا بے پردگی اور موجودہ فیشن کی عریانی اختیار کرنے پر جبر کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہو، یا دیگر قسم کے محرمات پر اکراہ اور جبر کرنے کے وجہ سے پیدا ہوا ہو، یا فرائض وواجبات کی ادائیگی سے

روکنے کی بناپر پیدا ہوا ہو، یا اسی طرح کے اورامور کی وجہ سے رونما ہوا ہو، سب کے لئے قرآن کا حکم یہ ہے کہ حکمین کے ذریعہ اس شقاق کو دور کیا جائے۔(کتاب الفسخ والتفریق :ص:۱۵۲)۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ''مجموعہ قوانین اسلام'' فرماتے ہیں:

''شقاق'' کے لفظی معنی ''اختلاف'' کے ہیں یہ لفظ شق سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''طرف یا جانب'' کے ہیں، چونکہ باہمی اختلاف کے سبب میاں بیوی دواطراف میں بٹ جاتے ہیں اس لیے اس صورتِ حال کو قرآن کریم ''شقاق'' سے تعبیر کرتا ہے، جیسے اردو زبان میں ''ناچاقی'' کہا جاتا ہے۔(مجموعہ قوانین اسلام:۲/۶۴۴،بحوالہ اسلامی قانون نکاح وطلاق،ازمولانا یعقوب قاسمی صاحب ص۱۳۳)۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:

الشقاق :العداوة، لأن كلا منهما يفعل ما يشق على صاحبه أو يميل إلى شق أي ناحية غير شق صاحبه. (تفسير النسفي:۱/۲۲٤۔ وكذا في التفسير المنير:٥/٥٨۔وأحكام القرآن للجصاص:۲/۱۹۰)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

والشقاق : الخلاف و العداوة ، و اشتقاقه من الشق ، و هو الجانب ، لأن كلاً من المتخالفين في شق غير شق الآخر. (روح المعاني: ٥/٢٦)۔

وفيه أيضاً : واختلف في أنهما(أى الحكمين) هل يليان الجمع والتفريق إن رأيا ذلک؟ فقيل: لهما ، وهو المروي عن علي كرم الله وجهه وابن عباس رضي الله عنهما، وإحدى الروايتين عن ابن جبير، وبه قال الشعبي، فقد أخرج الشافعي في الأم والبيهقي في السنن وغيرهما عن عبيدة السلماني قال: جاء رجل وامرأة إلى علي كرم الله وجهه ومع كل واحد منها فئام من الناس، فأمرهم علي كرم الله وجهه أن يبعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها، ثم قال للحكمين: تدريان ما عليكما؟ عليكما إن رأيتما أن تجمعا أن تجمعا، وإن رأيتما أن تفرقا أن تفرقا، قالت المرأة: رضيت بكتاب الله تعالىٰ بما علي فيه ولي، وقال الرجل: أما الفرقة فلا ، فقال علي كرم الله وجهه : كذبت والله حتى تقر بمثل الذي أقرت

به. (روح المعاني: ٥/٢٦).

وفي التفسير المظهري: فقال مالك: يجوز لحكم الزوج أن يطلق المرأة بدون رضا الزوج، ولحكم المرأة أن يختلع بدون رضا المرأة، ويجب عليها المال إذا رأى الصلاح في ذلك حيث ملك علي الحكمين الجمع والتفريق، وكذب الزوج على نفي الفرقة ...الخ. (التفسير المظهري: ٢/١٠١، بلوجستان).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر زوجین کے درمیان شدید نفرت پیدا ہوجائے کہ دونوں کا اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارنا ممکن نظر نہ آئے تو ایسی صورت میں:

(الف) قاضی حکمین مقرر کریگا، تاکہ اصلاح کی صورت نکل سکے۔

(ب) اگر تحکیم کے باوجود اصلاح حال یا باہمی رضامندی سے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں نکل سکے تو قاضی بربنائے شقاق، زوجہ کے مطالبہ کی صورت میں تفریق کردیگا۔

تشریح: اگر زوجین میں اختلاف وشقاق پیدا ہوجائے یعنی کسی وجہ سے زوجین کے درمیان ایسی شدید نفرت پیدا ہوجائے کہ حسن معاشرت کی گنجائش باقی نہ رہے، اور اللہ کے حدود پر قائم رہنا مشکل ہوجائے تو ایسی صورت میں ابتداءً اصلاح کی کوشش کی جائے گی اور اس کے لئے حکمین مقرر کئے جائیں گے، حکمین کی کوشش ہوگی کہ یہ منافرت دور ہوجائے یا دونوں کی رضامندی سے علیحدگی ہوجائے، لیکن اگر اس کوشش میں بھی ناکامی ہو تو قاضی کے ذریعہ تفریق کردی جائے گی، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم معاشرت بالمعروف کا ہے، اس کے لئے دونوں طرف سے محبت ضروری ہے، معاشرت بالمعروف کے امکانات اس وقت ختم ہوجائیں گے جب زوجین ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، یا زوجین میں سے کوئی ایک نفرت کرنے لگے تو بھی شقاق قرار دیا جائیگا کہ دونوں کی رضا معاشرت بالمعروف کے لئے ضروری ہے، اور ایک کی طرف سے بھی محبت و رضا کا فقدان معاشرت بالمعروف کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے، پس دونوں ہی ایک دوسرے سے نفرت کریں یا کسی بھی وجہ سے عورت شدید نفرت میں مبتلا ہو تو قاضی کو چاہئے کہ حکمین مقرر کرے جو اصلاحِ حال کی صورت نکالیں، اور اگر

باوجود ان کی کوششوں کے اصلاحِ حال ممکن نہ ہو اور نکاح اپنے مقاصد سے خالی ہو جائے یعنی امساک بالمعروف سخت دشوار ہو جائے تو شوہر کی ذمہ داری تسریح بالاحسان ہے لیکن اگر شوہر اس سے گریز کرے تو قاضی نیابۃً عن الزوج تفریق کردے گا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۲۰۰، ۲۰۲ دفعہ ۸۲، مسلم پرسنل لابورڈ).

مجموعہ قوانین اسلام میں ہے:

ظلم یا ناچاقی کے سبب عدالت (یا اس کے قائم مقام مثلاً جمعیت العلماء) میاں بیوی کے درمیان جو تفریق کردے گی تو وہ تفریق اپنے حکم کے اعتبار سے ''ایک طلاق بائن'' ہوگی، " والفراق في ذلک طلاق بائن". (مجموعہ قوانین اسلام، از ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب: ۲/۶۷۵، بحوالہ اسلامی قانون نکاح وطلاق، ۱۳۳).

حکمین کی شرائط ملاحظہ فرمائیں:

حکمین کے تقرر میں ان قیود وشرائط کا پورا پورا لحاظ رکھے، جن کا مسلکِ مالکیہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ملاحظہ فرمائیں "الأحوال الشخصية "میں ہے:

ويشترط في الحكمين عندهم أربعة شروط: وهي الذكورة، والعدالة، والرشد، والعلم بما هو بسبيله، فلا يجوز تحكيم النساء ولا الصبيان ولا العبيد ولا المجانين ولا الكفار ولا الفسقة ولا السفهاء، ولا من لا علم عندهم بأحكام النشوز والصلح. ثم إن وجد حكمان من أهل الزوجين وأمكن تحكيمهما وجب تحكيمهما، ولم يجز للقاضي أن يبعث أجنبيين. ويندب كون الحكمين من جيران الزوجين، ولا يشترط رضاء الزوجين بما يحكمان به. (الأحوال الشخصية: ٤٠٨).

مالکیہ کے نزدیک حکمین میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) مرد ہونا۔

(۲) عادل ہونا۔

(۳) رشید ہونا۔

(۴) جس کام کے لئے حکم بنایا جارہا ہے اس کے مسائل سے واقف ہونا۔

لہٰذا عورت، بچہ، مجنون، کافر، فاسق اور سفیہ کو حکم بنانا جائز نہیں، اسی طرح اس شخص کو بھی جس کو نشوز اور صلح کے احکام کا علم نہ ہو، حکم بنانا جائز نہیں۔

پھر اگر زوجین کے گھرانے سے دو حکم موجود ہوں اور ان دونوں کو حکم بنانا ممکن ہو تو ان دونوں کو حکم بنانا واجب ہوگا، اور قاضی کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ دو اجنبیوں کو حکم بنا کر بھیجے، اور مستحب یہ ہے دونوں حکم زوجین کے پڑوسی ہوں اور حکمین کے فیصلہ پر زوجین کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔ (ملخص از "کتاب الفسخ والتفریق" ص ۱۵۷).

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

ذهب الفقهاء إلى أنه يشترط في الحكمين العدالة، والفقه بأحكام النشوز، واختلفوا في اشتراط الذكورة والحرية، وذلك في الجملة، ولهم تفصيل:

قال المالكية: شرط الحكمين الذكورة والرشد والعدالة والفقه بما حكما فيه، وبطل حكم غير العدل، وهو الفاسق والصبي والمجنون بإبقاء أو بطلاق بغير مال أو بمال في خلع، وبطل حكم سفيه "وهو المبذر في الشهوات ولو مباحة على المذهب" وحكم امرأة، وحكم غير فقيه بأحكام النشوز ما لم يتشاور العلماء في ما يحكم به، فإن حكم بما أشاروا به عليه كان حكمه نافذاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱/۴۷، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مار پیٹ اور زوجہ کی تحقیر پر فسخ وتفریق کا حکم:

سوال: دو عورتوں نے اپنے شوہروں کو چھوڑ دیا اور والد کے گھر چلی گئیں، پہلی بیوی کا شوہر اس کو بہت سخت مار پیٹ کرتا تھا، جس کی وجہ سے عورت کا اس کے ساتھ رہنا مشکل ترین اور دشوار ہو گیا تھا۔ دوسری عورت کا شوہر اس کو زبانی تکلیف دیتا تھا اور اس کی تقبیح وتحقیر اور گالی گلوچ کرتا تھا، بنابریں عورت کہتی ہے کہ اس کے ساتھ رہنا سخت مشکل اور دشوار ترین ہے۔

کیا یہ افعال نشوز میں داخل ہیں یا نہیں؟ جس مدت تک عورتوں نے شوہروں کو چھوڑ دیا اس مدت کا نفقہ شوہر پر

واجب ہے یا نہیں؟ چھوٹے بچے ساتھ ہوں تو ان کا نفقہ والد پر واجب ہے یا نہیں؟ کیا یہ ضرر اور تکلیف فسخِ نکاح کے لئے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟ یعنی عورتوں کو مطالبہ تفریق کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کا سخت مار پیٹ کرنا اور قسم قسم کے مظالم ڈھانا، نیز زبانی تقبیح وتحقیر کرنا اور گالی گلوچ وسخت الفاظ استعمال کرنا کہ عورت کی عصمت کا تحفظ مشکل ہو جائے یہ سب نشوز میں داخل ہیں اور ان تمام صورتوں میں دونوں عورتوں کو قاضی شرعی یا جمعیت کے سامنے مقدمہ پیش کرنے اور مطالبہ فسخِ نکاح کا حق ہوگا۔ جمعیت العلماء معاملہ کی تحقیق فرما کر دونوں نکاح کے فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔ نیز دونوں عورتیں اپنے شوہروں کے مظالم کی وجہ سے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں، لہٰذا ناشزہ شمار نہ ہوں گی، اور ان دنوں کے نفقہ کی بھی مستحق ہوں گی، اسی طرح نابالغ اولاد کا نفقہ بھی والد کے ذمہ ہے، لہٰذا ان ایام کا نفقہ والد ادا کریگا۔

ملاحظہ فرمائیں ''کتاب الفسخ والتفریق'' میں ہے:

آئین اسلامی یہ کسی طرح جائز نہیں کہ عورت کو اس طرح مار پیٹ کی جائے، اور اگر کوئی شوہر اس طرح کی حرکتِ ناشائستہ کا ارتکاب کرے تو عورت کو یہ حق ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور قاضی سے تعزیر کا مطالبہ کرے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ قاضی سے تطلیق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

'' الأحوال الشخصية '' میں ہے:

مذهب الحنفية أن الزوج الذي يضار زوجته بنحو الضرب الأليم المبرح يستحق التعزير، وللزوجة أن ترفع أمرها إلى القاضي طالبته تعزيره، ومذهب المالكية أن للزوجة في هذه الحالة أن تطلب إلى القاضي أن يطلقها منه، وأخذ المشروع المصري أخير المذهب المالكية في هذه المسئلة، وسنستوفي بحث هذا الموضوع فى الكلام على فرق الزوج.

(الأحوال الشخصية: ١٥٤).

حالات کے پیشِ نظر اگر مار پیٹ حد ضرر تک ہو اور عورت تنگ ہو کر تفریق کا مطالبہ کرے اور حنفی قاضی کو فریقین سے تحقیق حال کے بعد شواہد وثبوت سے یہ ظن غالب ہو جائے کہ عورت اپنے دعوی میں سچی ہے تو امام

مالک کے مسلک پران کی تصریحات کے مطابق فیصلہ دے سکتا ہے۔

مذہبِ مالکیہ کی تصریحات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

ومذهب المالكية أن الزوج إذا كان يضار زوجته بالضرب ونحوه كالإكراه على فعل أمر حرام كان لها أن ترفع أمرها إلى القاضي، وكان لها أن تطلب من القاضي تأديبه وزجره ليكف أذاه عنها كما أن تطلب التطليق منه، فإن طلبت من القاضي كفه عنها وعظه أول الأمر فبين له ما يجب على الزوج من حسن معاشرة زوجته وما عسى أن يترتب على سوء العشرة من التفريق الشمل وضياع الولد إن كان، فإن أجدت الموعظة فبها، وإن جائته ثانية تخبره أنه لم ينته ضربه، فإن استمر الأشكال بينهما بعث حكمين، ويجب على حكمين أن يسعيا في إصلاح ذات بينهما وتأليف قلبيهما على المودة وحسن المعاشرة، فإن تعذر عليهما ذلك نظرا فيمن تجيئ الإساءة من جهته إلى صاحبه، فإن كانت الإساءة تأتي من قبل الزوج طلقا الزوجة عليه بغير عوض... (الأحوال الشخصية ص: ٤٠٧، بحوالہ "کتاب الفسخ والتفریق": ۱۴۹،تفریق کی تیرہویں بنیادشوہر کا تکلیف دہ مار پیٹ کرنا).

"الموسوعة الفقهية الكويتية" میں ہے:

الشقاق هنا: هو النزاع بين الزوجين، سواء أكان بسبب من أحد الزوجين أو بسببهما معاً أو بسبب أمر خارج عنهما، فإذا وقع الشقاق بين الزوجين وتعذر عليهما الإصلاح، فقد شرع بعث حكمين من أهلهما للعمل على الإصلاح بينهما وإزالة أسباب النزاع والشقاق بالوعظ وما إليه، قال تعالى:﴿ وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها، إن يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما﴾ ومهمة الحكمين هنا الإصلاح بين الزوجين بحكمة وروية.

وقد اختلف الفقهاء في مهمة الحكمين...وذهب المالكية إلى أن واجب الحكمين الإصلاح أولا، فإن عجزا عنه لتحكم الشقاق كان لهما التفريق بين الزوجين دون التوكيل،

ووجب على القاضي إمضاء حكمهما بهذا التفريق إذا اتفقا عليه وإن لم يصادف ذلك اجتهاده. (الموسوعة الفقهية الكويتية :۲۹/ ۵۳،التفريق للشقاق، وزارة الأوقاف،الكويت).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر زوجہ کو برا بھلا کہے، گالی دے جو عورت کے لئے انتہائی تحقیر واذیت کا باعث ہو، یا شدید زدوکوب کرے تو اس کو حق تفریق حاصل ہوگا۔

تشریح: قرآن مجید میں ہے: ﴿ **ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا ، ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه**﴾ . (سورة البقرة : ۲۳۱). وارد ہوا ہے کہ ظاہر ہے کہ ضرب شدید اور گالی گلوچ سے بڑھ کر ضرر رساں بات اور کیا ہوگی، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرب مبرح سے منع فرمایا ہے، اور یہ مار پیٹ، گالی گلوچ " **لا ضرر ولا ضرار في الإسلام** " کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے، اس لئے ایسی حالت میں اس ضرر کے تدارک کے لئے عورت کو قاضی کے یہاں درخواست دینے کا حق حاصل ہوگا۔ قاضی تحقیق حال کے بعد مناسب فیصلہ صادر کرے گا، خواہ افہام وتفہیم کر کے چھوڑ دے یا شوہر سے ضمانت ومچلکہ لے کر چھوڑ دے، یا میاں بیوی میں تفریق کر کے اس ضرر کا تدارک کرے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۹ دفعہ ۸۱۔ وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۰/ ۲۵۲).

کفایت المفتی میں ہے:

اگر شوہر کے مظالم نا قابل برداشت ہوں اور وہ طلاق بھی نہ دے اور عورت کی عصمت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور بعد حصولِ فسخ وانقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۶/ ۱۵۲).

عورت شوہر کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے گھر سے نکلی ہے، نافرمان اور ناشزہ نہیں ہے، اس لئے نفقہ کی مستحق ہوگی۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

لا نفقة لأحد عشر...وخارجة من بيته لغير حق وهي الناشزة. وفي الشامية: قوله "بغير حق" ذكر محترزه بقوله: بخلاف ما خرجت الخ، وكذا هو احتراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر، ولها الخروج في مواضع مرت في المهر. (الدر المختار مع الشامي: ۳/ ۵۷۶

باب النفقة، ط: سعید).

البحر الرائق میں ہے:

قوله (ولو مانعة نفسها للمهر) أي يجب عليه النفقة ولو كانت المرأة مانعة نفسها بحق كالمنع لقبض مهرها، والمراد منه المعجل إما نصاً أو عرفاً كما أسلفناه، لأنه منع بحق، فكان فوت الاحتباس لمعنى من قبله، فيجعل كلا فائت. (البحر الرائق: ۱۷۹/٤ باب النفقة۔وكذا في مجمع الانهر: ٤٨٩/١۔والفتاوى الهندية: ٥٤٥/١، باب في النفقة).

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

زمانہ پرورش میں بچہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، اگر بچہ کا باپ مالدار ہے تو بچہ کی ماں زمانہ پرورش کا معاوضہ بھی طلب کرسکتی ہے۔(فتاوی رحیمیہ: ۲۵۱/۸). واللہ ﷻ اعلم۔

شیعہ شوہر کے چھوڑ کر چلے جانے پر فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک سنی عورت نے ایک شیعہ مرد سے شادی کی ایک رات گزارنے کے بعد اس شیعہ مرد نے کہا بس میں تو گیا واپس نہیں آؤنگا، اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: علمائے کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ شیعہ اپنے عقائد کی روشنی میں مسلمان نہیں، کیونکہ وہ تحریف قرآن سب صحابہ، عقیدۂ امامت، وغیرہ کفریہ عقائد کے قائل ہیں، لہٰذا بصورتِ مسئولہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا، لیکن چونکہ صورتِ نکاح پائی گئی، اس وجہ سے جمعیت العلماء کے ذریعہ نکاح فسخ کرانا چاہئے، پھر عدت کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

مسئلہ بالا کے دلائل ''فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد سوم کتاب النکاح'' کے تحت ص ۵۹۸ پر ملاحظہ فرمالیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شوہر کا مدتِ طویلہ تک خبر گیری نہ کرنے پر فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت کی شادی ہوئے تقریباً چودہ سال گزر گئے، اور اولاد بھی ہیں، لیکن تقریباً ۹ سال ہو گئے، شوہر نے بیوی بچوں کی کوئی خبر نہیں لی، اور اخراجات کا بھی کوئی انتظام نہیں کیا، نیز اس نے گھر میں آنا بھی چھوڑ دیا اس صورت میں شریعتِ مطہرہ کی جانب سے کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب طویل عرصہ سے شوہر نے بیوی بچوں کی خبر گیری نہیں کی، اور نیز نان ونفقہ کا انتظام بھی نہیں کیا اور گھر میں آنا بھی چھوڑ دیا تو شرعاً بیوی کو حق ہے کہ وہ شرعی قاضی یا جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کردے، قاضی یا جمعیت العلماء معاملہ کی تحقیق کے بعد شوہر کو نفقہ وغیرہ ادا کرنے پر مجبور کرے، ادا نہ کرنے کی صورت میں طلاق پر مجبور کرے، اور کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی یا جمعیت العلماء نکاح فسخ کردے، عورت عدت گزار کر دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في غرر الأذكار: ثم اعلم أن مشايخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائباً "من مذهبه التفريق" بينهما إذا كان الزوج حاضراً وأبى عن الطلاق، لأن دفع الحاجة الدائمة لايتيسر إلا بالاستدانة، إذ الظاهر أنها لاتجد من يقرضها وغنى الزوج مآلاً أمر متوهم، فالتفريق ضروري إذا طلبته،... والحاصل أن التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج، وكذا حال غيبته مطلقاً... نعم يصح الثاني عند أحمد كما ذكره في كتب مذهبه وعليه يحمل ما في فتاوى قارئ الهداية حيث سأل عمن غاب زوجها، ولم يترک لها نفقة فأجاب: إذا قامت بينة على ذلک وطلبت فسخ النكاح من قاضٍ يراه ففسخ نفذ وهو قضاء على الغائب، وفي نفاذ القضاء على الغائب رويتان عندنا، فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفي أن يزوجها من الغير بعد العدة. (فتاوی الشامی:۳/ ۵۹۰، مطلب في فسخ النكاح، سعيد).

علامہ سعید بن صدیق فلاتی مالکی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

أما الجواب عن المتعنت الممتنع عن الإنفاق ففي مجموع الأمير ما نصه: إن منعها نفقة الحال فلها القيام، فإن لم يثبت عسره أنفق أو طلق، وإلا طلق عليه. قال محشّيه: قوله وإلا طلق أي طلق عليه الحاكم من غير تلوم إلى أن قال: وإن تطوع بالنفقة قريب أو أجنبي...قال ابن عبد الرحمن: لا مقال لها، لأن سبب الفراق هو عدم النفقة قد انتفى.

(الحيلة الناجزة :ص ۱۱۵،۱۱۹، ط:دارالاشاعت،دیوبند).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر نفقہ پر قدرت کے باوجود زوجہ کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور نہ عورت عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ خود نفقہ کا انتظام کرسکتی ہو اور نہ کوئی دوسرا شخص اس کے نفقہ کا کفیل ہو، یا دقت وپریشانی سے نفقہ کا انتظام تو ہوسکتا ہو لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو اور شوہر خلع یا طلاق پر بھی راضی نہ ہو تو ایسی سخت مجبوری کی حالت میں زوجہ قاضی کے یہاں تفریق کی درخواست دے سکتی ہے، قاضی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو قاضی شوہر کو حکم کرے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو ورنہ ہم خود تفریق کردیں گے، اگر شوہر کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے، اور یہ تفریق طلاق رجعی قرار پائے گی۔(مجموعہ قوانین اسلامی، مسلم پرسنل لابورڈ:ص ۱۹۸، دفعہ ۷۹).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الحیلۃ الناجزۃ:ص ۶۳،حکم زوجہ متعنت فی النفقہ۔ وکتاب الفسخ والتفریق، از مولانا عبد الصمد رحمانی، مکتبہ امارت شرعیہ:ص ۸۹۔ وکفایت المفتی: ۶/ ۱۱۷، فسخ وانفساخ). واللہ ﷻ اعلم۔

دائم المرض کی زوجہ کے لیے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت نکاح کے بعد کچھ مدت خاوند کے ساتھ رہی، اس کے بعد خاوند کو سخت مرض کا عارضہ ہوگیا، جس کی وجہ سے بدن سے خون وپیپ جاری ہوجاتا ہے، خاوند نامرد تو نہیں لیکن قلتِ توانائی اور مرض کے باعث ہمبستر نہیں ہوسکتا، اگر ہوتا ہے تو زیادہ تکلیف ہوتی ہے، خاوند کی طرف سے اخراجات میں کوئی کمی نہیں

ہے، مگر عورت رہنا نہیں چاہتی اور اپنی خوشی سے نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے تو نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوہر کے دائم المرض ہونے کی وجہ سے جوان بیوی کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہے، اور عورت صبر نہیں کرسکتی ہے اور معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو علماء نے اندیشۂ زنا و معصیت کے پیش نظر فسخ کرنے کی اجازت دی ہے، بنابریں عورت اپنا مقدمہ قاضی یا جمعیت العلماء کے سامنے پیش کردے، وہ حضرات تحقیق حال کے بعد شوہر کو ایک قمری سال علاج ومعالجہ کی مہلت دیدیں، پھر بھی افاقہ نہ ہو اور بیوی دوبارہ مقدمہ دائر کرکے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی یا جمعیت العلماء نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شوہر کے وطی پر قادر نہ ہونے کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً شوہر مقطوع الذکر ہے، یا آلہ تناسل اتنا چھوٹا ہے کہ اس کے باعث وہ صحبت پر قادر نہیں ہے، یا آلۂ تناسل موجود ہے لیکن کسی مرض کے باعث عورت سے جماع پر قادر نہیں ہے، تو ان تمام صورتوں میں عورت کو قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، پہلی اور دوسری صورت میں قاضی فوراً نکاح فسخ کردے گا، اور تیسری صورت میں ایک قمری سال تک علاج کی مہلت دے گا، علاج کے بعد بھی جماع پر قادر نہ ہوسکا تو عورت کے مطالبہ پر فوراً قاضی نکاح فسخ کردے گا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص۱۹۳، دفعہ۴۷)۔

نیز مذکور ہے:

اگر شوہر کسی موذی مرض میں نکاح کے بعد مبتلا ہوا تو عورت کی درخواست پر قاضی تحقیق حال اور ثبوت شرعی کے بعد شوہر کو ایک قمری سال علاج کی مہلت دیگا، اس کے بعد بھی اگر افاقہ نہ ہو اور بیوی پھر تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی تفریق کردیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص۱۹۴، دفعہ ۵۷)۔

مزید ملاحظہ ہو: (کتاب الفسخ والتفریق: ۱۰۶۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲۳۱/۱۰، مدلل مکمل)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنگ میں مفقود الخبر کی بیوی کا حکم:

سوال: کسی ملک میں جنگ کی فضاء بننے کی وجہ سے بعض لوگ مفقود الخبر ہوگئے، یعنی چند سالوں سے

ان کا کوئی پتہ نہیں ہے، نہ ان کے مکان کی خبر ہے اور نہ حیات وممات کی کچھ خبر ہے، ایسے آدمیوں کو مفقود الخبر کے حکم میں شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بلاشبہ یہ لوگ مفقود الخبر کے حکم میں ہیں، اور مفقود کے بارے میں علمائے حنفیہ نے مذہبِ مالکیہ پر فتویٰ دیا ہے، اور مذہبِ مالکیہ کے مطابق چار سال کے بعد قاضی چند شرائط کے ساتھ اس پر موت کا حکم جاری کر دیگا، اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دیدیگا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جس وقت قاضی کو قرائن وحالات سے اس کا ظن غالب ہو جائے کہ یہ لوگ جو معرکہ جنگ میں مفقود الخبر ہو گئے ہیں زندہ نہیں ہیں، اس وقت ان پر موت کا حکم کر دیا جائیگا، اور ان کی بیویوں کو نکاح ثانی کی اجازت حکم قاضی کے بعد ہو جائے گی، (اس وقت جبکہ قاضی شرعی مفقود ہے تو اس کے قائم مقام جمعیت العلماء یا جماعۃ المسلمین تحقیق حال کے بعد موت کا حکم لگا کر نکاح ثانی کی اجازت دیدے گی)۔ (مستفاد از امداد المفتین: ص۵۵۶، دارالاشاعت، کراچی)

مجموعہ قوانین اسلامی ہے:

(فائدہ) زوجہ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں بالاتفاق ضروری ہے جب کہ عورت اتنی مدت صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گزار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشہ ابتلاء ظاہر کرے، اور اس نے ایک عرصہ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہو گئی، تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ مذہبِ مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کر دی جائے، کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے... یہ تفریق طلاقِ رجعی ہوگی۔ اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدتِ وفات کے عدتِ طلاق گزارنی ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ۱۹۶ بحوالہ الحیلۃ الناجزۃ ۷۹-۸۰)۔

تفصیلی دلائل ملاحظہ فرمائیں: (الحیلۃ الناجزۃ: ۹۸-۱۱۰۔ وکتاب الفسخ والتفریق: ۶۲-۷۴۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: جلد دوم: ۵۵۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے اکثر غائب رہنے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت کا شوہر شادی کے ۵ ماہ بعد اچانک غائب ہوگیا نہ بیوی کو بتلایا اور نہ کسی دوسرے کو، کافی ایام کے بعد واپس آیا چند ایام کے بعد دوبارہ بغیر کسی اطلاع کے غائب ہوگیا، کچھ مدت کے بعد واپس آیا، غائب رہنے کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کرتا، غائب رہنا اس کی عادت بن چکی ہے، کسی جگہ ملازمت یا اور کوئی کاروبار وغیرہ بھی نہیں کرتا، بیوی کو جو کچھ مدد ملتی تھی اس میں سے شوہر کو دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ بہت ساری رقم کاروبار کے بہانہ سے ضائع کردی، نیز بیوی کی اشیاء بھی چوری کر کے فروخت کردی، بیوی کو نہ رہائش کے لیے مکان دیا اور نہ اخراجات کا انتظام کیا، سمجھانے والوں کا یہ کہنا ہے کہ شوہر اپنی حالت درست نہیں کریگا، کیا ان حالات کے پیش نظر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا یا نہیں؟ شریعت کا اس بارے میں کیا فیصلہ ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کا بیان حقیقتِ حال کے مطابق ہے تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کردے، وہ حضرات معاملہ کی پوری تحقیق کرنے کے بعد اگر عورت کا دعویٰ صحیح ہے تو شوہر کو حقوق ادا کرنے پر مجبور کریں گے، اگر وہ تیار نہیں ہے تو طلاق دینے پر مجبور کریں گے، ظالم شوہر کوئی صورت قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو جمعیت العلماء مزید ایک ماہ کی مہلت دینے کے بعد عورت کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان تفریق کرنے کی مجاز ہوگی، تفریق کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ رشتہ نکاح قائم کرسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

وہ شخص جس کا زندہ ہونا معلوم ہو، لیکن اس کا پتہ معلوم نہ ہو، یا پتہ بھی معلوم ہو لیکن نہ بیوی کے پاس آتا ہو نہ اس کو بلاتا ہو اور نہ اس کا نفقہ ادا کرتا ہو، جس سے عورت سخت تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو، ایسی صورت میں عورت ظالم شوہر سے نجات کے لیے قاضی کے یہاں تفریق کی درخواست دے سکتی ہے، درخواست کی وصولی کے بعد:

(الف) بیوی کو قاضی حکم کریگا، کہ وہ دو گواہوں اور حلف کے ذریعہ غائب شوہر سے اپنا نکاح اور اس پر نفقہ کا وجوب ثابت کرے بایں طور کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا ہے اور نہ اس نے نفقہ بھیجا ہے، نہ یہاں کوئی

انتظام کیا ہے نہ میں نے معاف کیا ہے۔

(د) نکاح اور وجوب نفقہ کے ثبوت کے بعد قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلالو (بشرطیکہ عورت کے وہاں جانے میں کوئی خطرہ نہ ہو) یا وہیں سے انتظام کر دو ورنہ اس کو طلاق دیدو، اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات قبول نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔

...اب اگر شوہر قاضی کے حکم کی تعمیل کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی مزید ایک ماہ یا اپنی صوابدید پر اس سے کچھ زیادہ دن کی مہلت دینے کے بعد عورت کے مطالبہ پر تفریق کر دے، اور یہ تفریق طلاق رجعی قرار پائے گی۔
(مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۷، دفعہ ۸۷، مسلم پرسنل لابورڈ)۔

مفتی الفا ہاشم مالکی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

طريق تطليق زوجة المفقود أو الغائب الذي تعذر الإرسال إليه أو أرسل إليه فتعاند إن كان لعدم النفقة فإن الزوجة تثبت بشاهدين أن فلاناً زوجها وغاب عنها ولم يترك لها نفقة ولا وكيلاً بها ولا أسقطتها عنه وتحلف على ذلك فيقول الحاكم فسخت نكاحه أو طلقتك منه أو يأمره بذلك ثم يحكم به وهذا بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاده عند المالكية. (الحيلة الناجزة: ۱۱۰، دارالاشاعت، ديوبند)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الحيلة الناجزة: ۱۹۲، امداديه۔ و كتاب الفسخ و التفريق: ۷۵۔۷۸)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات کی بنا پر فسخ کا حکم:

سوال: ایک عورت کا بیان ہے کہ اس کا شوہر اجنبی شادی شدہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھتا ہے، اور اس کی وجہ سے گھر اور بچوں کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتا، حتی کہ اپنے فارغ اوقات کا اکثر و بیشتر حصہ اس عورت کے پاس گزارتا ہے، نیز مار پٹائی، ذہنی دباؤ اور طعن و تشنیع وغیرہ کرتا ہے، اخراجات کی پوری رقم نہیں دیتا بلکہ اکثر میرے والد صاحب خرچہ پورا کرتے ہیں، نیز بچوں کا ڈاکٹری خرچہ بھی نہیں دیا، ان تمام وجوہات کی

بناپرعورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کا بیان صحیح ثابت ہوجائے تو عورت کوطلاق کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوگا، اورطلاق نہ ملنے کی صورت میں جمعیت العلماء کے سامنے مقدمہ پیش کردے وہ حضرات تحقیق حال کے بعد اگرشوہرحقوق ادانہیں کرتا اورناجائز تعلقات سے بھی بازنہیں آتا تو نکاح فسخ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

ملاحظہ فرمائیں مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگرشوہرزوجہ کوبرابھلا کہے، گالی دے جوعورت کے لئے انتہائی تحقیر اوراذیت کا باعث ہو، شدید زدوکوب کرے تواس کوحق تفریق حاصل ہوگا۔

قرآن مجید میں ﴿ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا، ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾. (سورة البقرة: ۲۳۱). واردہوا ہے، ظاہر ہے کہ ضرب شدیداورگالی گلوچ سے بڑھ کرضرررساں بات اورکیاہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ص:۱۹۹، دفعہ ۸۱).

نیز مذکور ہے:

اگرزوجین کے درمیان شدید نفرت پیدا ہوجائے کہ دونوں کا اللہ کے حدود کوقائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارناممکن نظرنہ آئے توایسی صورت میں:

(الف) قاضی حکمین مقررکریگا، تاکہ اصلاح کی صورت نکل سکے۔

(ب) اگرتحکیم کے باوجوداصلاح حال یاباہمی رضامندی سے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں نکل سکے تو قاضی بربنائے شقاق، زوجہ کے مطالبہ کی صورت میں تفریق کردیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ص:۲۰۰، دفعہ ۸۲).

مزید دلائل مسئلہ ''شقاق کی وجہ سے فسخ تفریق'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ایک مولوی صاحب کے تفریق کرنے پرفسخ کا حکم:

سوال: ایک عورت کسی شخص کے نکاح میں تھی، دونوں میں نااتفاقی پیداہوگئی، آخرکارعورت اپنے میکے میں بیٹھ گئی شوہرکا مطالبہ تھا کہ شریعت کے مطابق بچے میرے حوالہ کردوتو میں طلاق دینے کے لیے تیارہوں، مگر

عورت بچے شوہر کو دینا نہیں چاہتی، الغرض عورت نے شوہر کے علم کے بغیر ایک مولوی صاحب سے تفریق کرالی، اور دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، اب (۱) نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟ (۲) فسخ نہیں ہوا تو دوسرے مرد سے پیدا ہونے والے بچے ثابت النسب ہے یا نہیں؟ (۳) دوسرے شوہر کے انتقال پر یہ عورت وارث ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ (۱) عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوا اس لیے کہ فسخ نکاح کے لیے قاضی شرعی کا فیصلہ ضروری ہے اور قاضی شرعی نہ ہونے کی صورت میں جماعت المسلمین یا جمعیت العلماء یا حکمین کے ذریعہ نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے، اور ان کے لیے بھی شرائط وضوابط ہیں، جن کی پابندی لازم ہے، لہٰذا صرف ایک عالم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، بنابریں دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا یہ عورت بدستور پہلے مرد کے نکاح میں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ہے:

عورت کی رہائی کی سب صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ عورت یا اس کے اولیاء خود مختار نہیں بلکہ قضائے قاضی شرط ہے یعنی ضروری ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں دائر کرے اور قاضی باقاعدہ شرعی تحقیق کے بعد تفریق وغیرہ کا حکم کرے، اگر کسی جگہ قاضی شرعی موجود نہ ہو تو مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جائیگا، اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلّہ یا بستی کے دیندار اور باثر مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے جن کا عدد کم از کم تین ہو اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کردے۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ۲۴۸، امدادیہ۔ وچند اہم فقہی مسائل: ۶۰)۔

نوٹ: جماعت مسلمین وحکمین کے شرائط وضوابط مختصراً ذکر کیے گئے، مزید تفصیلی بحث آخر باب میں مذکور ہوگی۔

(۲) جب نکاح فسخ نہیں ہوا تو دوسرا نکاح فاسد ہے، لیکن دوسرے نکاح میں پیدا ہونے والے بچے ثابت النسب ہوں گے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویثبت نسب الولد المولود فی النکاح الفاسد وتعتبر مدۃ النسب من وقت الدخول

عـنـد محمدؒ وعليه الفتوىٰ قاله أبو الليثؒ كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية:١/ ٣٣٠،باب في النكاح الفاسد).

(۳) شوہر اول کے انتقال پر عورت مستحق میراث ہوگی، کیونکہ اس کی زوجیت میں ہے، ہاں دوسرے شوہر کے انتقال پر مستحق میراث نہ ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله و يثبت النسب (في النكاح الفاسد) أما الأرث فلا يثبت فيه. (فتاوى الشامي: ٣/ ١٣٤، مطلب في النكاح الفاسد_ط: سعيد).

ومثله في الطحطاوي على الدرالمختار:٢/ ٦٠،باب المهر، ط: كوئته). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مرتد ہونے سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت اپنے شوہر سے بہت تنگ آچکی ہے شوہر طلاق نہیں دیتا، اس کو کسی نے حیلہ بتلایا کہ نعوذ باللہ تم مرتد ہو جاؤ تمہارا نکاح ٹوٹ جائیگا، اس کے بعد مسلمان بن جاؤ، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، کیا اس عورت کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اور مسلمان ہونے کے بعد وہ اپنے سابقہ شوہر کے علاوہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمارے اکابرؒ نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ کو اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے، امداد المفتین یعنی فتاوی دارالعلوم دیوبند قدیم میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ص ۵۷۰ سے ۵۷۵ تک اس مسئلہ کی تفصیلات اور فقہائے کرام کی عبارات تحریر فرمائی ہے، فتح القدیر:۳/ ۲۹۷، نکاح اہل الشرک، والبحر الرائق: ۲/ ۲۳۰، وفتاوی ہندیہ، الباب العاشر فی نکاح الکفار:۲/ ۳۱۷، وشامی:۲/ ۴۰۳، سے عبارات نقل فرمائی ہیں، اس کے بعد تحریر فرمایا: عورت اگر مرتد ہو جائے اور مرد مسلمان ہو تو یہ نکاح اگرچہ فسخ ہو جائیگا، لیکن یہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی، بلکہ شرعاً وہ مجبور ہے کہ بعد تجدید اسلام اسی خاوند سے تجدید نکاح کرلے اور اس نکاح جدید میں مہر بھی بہت کم رکھا جائیگا، اور اس نکاح جدید میں عورت کی رضا وعدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ

بلا رضا بھی اس کا نکاح جدید بحکم قاضی صحیح ہو جائیگا، یہ مشائخ بخاری کا فتویٰ ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے جو عام متون وشروح میں منقول ہے،...الخ۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ مذہب حنفیہ میں اس مسئلہ سے متعلق تین قول ہیں:

اول یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن قاضی اس کو تجدید نکاح پر مجبور کریگا، اور اسی خاوند کو جبراً دلائیگا، یہ ظاہر الروایہ ہے جو عام متون میں مذکور ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح ہی فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ بہت سے مشائخ بلخ و بخاری کا فتویٰ ہے، اور درمختار نے اس پر فتویٰ دینے کو جائز کہا ہے، نیز نہر فائق سے شامی نے بھی اس پر فتویٰ دینا نقل کیا ہے اور فتاوی قنیہ میں بھی اس پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

تیسرا قول نوادر کی روایت ہے کہ اس کو بجائے بیوی ہونے کے باندی بنا کر اس خاوند کے ساتھ رکھا جائیگا، صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ یہ تینوں قول فتاوی قاضیخان، فتح القدیر، قنیہ، درمختار، شامی میں مفصل منقول ہیں، اور یہ تینوں اتنی بات پر متفق ہیں کہ عورت مرتد ہونے کے بعد اپنے سابقہ خاوند کے قبضہ سے ہرگز نہیں نکل سکتی بلکہ قول اول کی بنا پر اسے تجدید نکاح پر بعد تجدید اسلام مجبور کیا جائیگا، اور قول ثالث کی بنا پر کنیز بنا کر رکھا جائیگا

لیکن ہندوستان میں بحالتِ موجودہ ان دونوں صورتوں پر مسلمانوں کو قدرت نہیں اس لیے وہی دوسرا قول یعنی عدم فرقت جو مشائخ بخاریٰ کا مفتیٰ بہ ہے، اس پر فتویٰ دیا جائے اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوا، البتہ احتیاطاً تجدید نکاح کے بغیر اس سے وطی نہ کرنی چاہئے، لیکن اپنے قبضہ میں رکھنا بہر حال جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد المفتین: ۲/۵۷۴)۔

لیکن غیر مسلم ممالک میں وہاں کی جمعیتوں اور علماء کی جماعتوں کو سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور اگر واقعی عورت مصائب میں مبتلا ہے اور وہ ابتلا نکاح فسخ کرنے کا سبب بن سکتی ہو تو حتی الوسع جلدی شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں حیلہ ناجزہ وغیرہ کی تفصیلات کو سامنے رکھ کر نکاح فسخ کرنے کی تدبیر فرمالیں، تاکہ ارتداد کا دروازہ بند ہو جائے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم جج کے تفریق کرنے سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: امریکہ میں ایک عورت نے عدالت میں جا کر طلاق کا مقدمہ دائر کیا، اور عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ چاہا، جس کے نتیجہ میں عدالت نے شوہر پر طلاق کا فیصلہ کر دیا تو کیا یہ طلاق کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ جب کہ شوہر راضی نہیں ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلاق وتفریق زوجین کی بابت غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہے، لہذا یہ عورت بدستور اس مرد کے نکاح میں ہے۔ اگر چہ حکومت کے رجسٹر میں نکاح ختم ہو گیا، لیکن اسلامی نکاح باقی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل ومنها البلوغ ومنها الإسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها السلامة عن حد القذف.(بدائع الصنائع:۷/۳، کتاب ادب القضاء،ط: سعید).

الحیلۃ الناجزۃ میں ہے:

جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ "لان الكافر ليس باهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه"۔ (الحیلۃ الناجزۃ:۲۳،مقدمہ،دار الاشاعت،دیوبند).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

غیر مسلم مجسٹریٹ (جج) کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۲۷۷).

کفایت المفتی میں ہے:

غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں۔ (کفایت المفتی:۶/۱۳۲،دارالاشاعت).

ایضاح النوادر میں ہے:

غیر مسلم جج اگر طلاق وغیرہ کے متعلق فیصلہ دیتا ہے تو شرعی طور پر اس کا فیصلہ صحیح اور معتبر نہ ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے مسئلہ طلاق میں بیوی کو آزادی حاصل نہ ہوگی، اس مسئلہ کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

" لم ينفذ حكم الكافر على المسلم وينفذ للمسلم على الذمي". (ایضاح النوادر:۱۵۲). واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم عدالتوں میں فسخ کی متبادل صورتیں:

سوال: غیر مسلم عدالتوں کا فیصلہ طلاق اور فسخ وتفریق میں ازروئے شرع نافذ ہوتا ہے یا نہیں؟ جب کہ دور حاضر میں غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی مستقل رہائش ہے، اور اس قسم کے معاملات بھی پیش آتے ہیں، نیز بعض ممالک میں تو اس قسم کے مسائل کے لیے کورٹ میں جانا ضروری ہوتا ہے، لہذا اگر نافذ نہیں ہے تو نافذ کرنے کی کوئی متبادل صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ دیگر صورتیں اختیار کرنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلم جج کے فیصلہ کی چند صورتیں ہیں، شرعی حکم کے ساتھ حسب ذیل درج ہیں:

(۱) شوہر کورٹ میں اپنی بیوی سے طلاق کے لیے مقدمہ دائر کرتا ہے، اور کورٹ کا غیر مسلم جج قانونی کاروائی کے بعد دونوں کے درمیان طلاق کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے اس فیصلہ میں طلاق واقع ہو جائیگی، کیونکہ اگر چہ شریعت نے طلاق کا مکمل اختیار مرد کو دیا ہے، لیکن مرد نے مقدمہ دائر کر کے کورٹ کے غیر مسلم جج کو اپنا وکیل بنالیا کہ وہ وکیل بن کر دونوں کے درمیان نکاح ختم کر دے۔

لہذا "The said marriage will be dissolved"

اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا، اور شرعاً ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، کیونکہ غیر مسلم کو وکیل بنا کر اس طرح کا کام کرانا درست ہے، اور ڈکری "decree" (یعنی حکم جاری کرنے) کی تاریخ سے عدت شمار ہوگی۔

(۲) بیوی ملکی قانون کے مطابق کورٹ میں مقدمہ دائر کرتی ہے، اور جدائی طلب کرتی ہے، اور غیر مسلم جج دونوں کے درمیان جدائی (طلاق) کا فیصلہ کردیتا۔ اس صورت میں کورٹ کے فیصلہ اور جدائی کی تفصیل درج ذیل ہیں:

(۱) سرکاری کاروائی شروع ہوئی اور جج کی طرف سے شوہر کو اطلاع ملی اور شوہر نے جج کو مقدمہ کی کاروائی کی باقاعدہ اجازت دیدی تو اس صورت میں طلاق واقع ہوجائیگی۔

(۲) جب کاروائی شروع ہوئی اور جج کی طرف سے شوہر کو اطلاع ملنے پر وہ وکیل کے پاس گیا، وکیل نے مشورہ دیا کہ مقدمہ کے دفاع سے سوائے تاخیر اور خرچ کے کوئی اور فائدہ نہیں ہوگا، کورٹ سے جدائی کا فیصلہ ہوجائیگا لہذا شوہر کی رضامندی سے وکیل نے لکھدیا کہ دونوں کے درمیان جدائی کردی جائے یا شوہر نے خود طلاق نامہ پر رضامندی سے دستخط کردی، اس صورت میں بھی شرعی طلاق واقع ہوجائیگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

" إذا قال الرجل طلق امرأتي كان توكيلاً ولم يقتصر على المجلس. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۴).

یعنی جب مرد نے کسی کو کہا میری عورت کو طلاق دیدو تو یہ طلاق دینے کے لیے وکیل ہوجائیگا۔

دوسری جگہ صفحہ ۴۰۷ پر لکھا ہے کہ:

"من قال لامرأته انطلقي إلى فلان حتى يطلقك، فذهبت فطلقها فلان ويصير فلان وكيلاً بالتطليق وإن لم يعلم بوكالته".

یعنی کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میرے ساتھ فلاں کے پاس چلو کہ وہ تجھے طلاق دے، پس وہ گئی اس فلانے نے (جج نے) اس کو طلاق دیدی تو طلاق صحیح ہوجائے گی، اور وہ فلانہ آدمی (یعنی جج) طلاق دینے کے لیے وکیل قرار دیا جائے گا اگرچہ اس کو وکیل بنایا جانے کا علم نہ ہو۔

(۳) عورت نے مقدمہ دائر کیا جج نے شوہر کو اطلاع بھیجی مرد نے مقدمہ کا دفاع کیا اور طلاق پر رضامندی ظاہر نہ کی بلکہ مخالفت کی، اس کے باوجود قانون کی وجہ سے جج نے طلاق کا فیصلہ کردیا۔

(۴) شوہر نے اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور آئندہ حقوق زوجیت ادا کرنے کا پورا یقین دلایا لیکن اس کے

باوجود جج نے طلاق کا فیصلہ کردیا۔

(۵) مرد نے کوئی کاروائی شروع نہیں کی، اور طلاق پر رضامندی ثابت ہوا ایسا بھی کوئی کام نہیں کیا، اس کے باوجود جج نے طلاق کا حکم دیدیا۔

(۶) مرد نے مقدمہ کا دفاع کرنے سے انکار کردیا لیکن طلاق دینے پر صراحۃً انکار کردیا، اس کے باوجود جج نے طلاق کا فیصلہ کردیا۔

ان چاروں (۳،۴،۵،۶) صورتوں میں حکومت کے قانون کے اعتبار سے دونوں نکاح سے الگ شمار ہوں گے، لیکن اسلامی فقہ کے اعتبار سے دونوں کا نکاح بدستور باقی رہے گا، اور عورت ان حالات میں دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی۔ البتہ عورت کو حق ہے کہ شرعی پنچایت سے رجوع کرے، اور شرعی پنچایت باقاعدہ تحقیق حال کے بعد اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے تو تفریق کرنے کی مجاز ہوگی۔

(مستفاد از فتویٰ مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب، اسلامی قانون طلاق نکاح وطلاق).

''ہاں غیر مسلم جج کو وکیل بنادے پھر وہ طلاق کا فیصلہ کردے تو نافذ ہوجائے گا''۔

برطانوی نئے قانون ۲۰۰۴ء کے مطابق کورٹ جو سوالات خاوند کو روانہ کرتا ہے، اس میں مزید ایک سوال کا اضافہ ہے، جو حسب ذیل درج ہے:

''Do you consent to the decree being granted ?''(5)

ترجمہ: (۵) تمہاری طرف سے ڈکری نائس (طلاق) جاری (Issue) کرنے کی (کورٹ) کو اجازت ہے؟

اس کے جواب میں اگر خاوند ہاں (yes) لکھتا ہے، تو گویا خاوند نے کورٹ کے غیر مسلم جج کو اپنی طرف سے طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا، اور غیر مسلم جج خاوند کی طرف سے وکیل بن کر عورت پر طلاق واقع کرتا ہے، اس سے اسلامی اور شرعی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے، کیونکہ وکیل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم وکیل کے ذریعہ بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (ملخص از اسلامی قانون نکاح وطلاق، بعنوان ''برطانیہ میں طلاق کا قانونی طریقۂ کار'' ص ۱۴۰۔ ۱۴۳، از مولانا یعقوب قاسمی صاحب).

مختصر دلائل ملاحظہ فرمائیں مبسوط میں ہے:

إذا وكلت الذمية مسلماً بخلعها من الذمي على خمر أو خنزير جاز، وكذلك النكاح ... ولو كان أحد الزوجين مسلماً والوكيل كافراً جاز الخلع ويبطل الجعل ...لأن الوكيل سفير و معبر لايتعلق به شيء من حقوق العقد هنا. (المبسوط للامام السرخسیؒ: ۱۳۲/۱۹، باب توكيل الزوج بالطلاق والخلع،ط:ادارة القرآن۔وكذا فی الفتاوی الهندية:٦١٣/٦).

ہدایہ میں ہے:

إن الوكيل في النكاح معبر وسفير والتمانع في الحقوق دون التعبير ولا ترجع الحقوق إليه بخلاف البيع لأنه مباشر حتى رجعت الحقوق إليه. (الهداية:٣٢٢/٢،فصل فی الوكالة بالنكاح۔ ومثله فی البحر الرائق:١٣٦/٣،فصل فی الوكالة،كوئٹه).

شامی میں ہے:

الوكيل في النكاح وما بعده سفير محض فلا بد من إضافة هذه العقود المذكورة إلى المؤكل. (فتاوی الشامی:٨١٧/٣،مطلب فی العقود التی لابدمن اضافتها الی المؤكل، سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

وقوعِ طلاق کی دوسری صورت:

سوال: آج کل قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات عورتوں کو پیش آرہی ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم کرتا ہے اور بیوی کے حقوق ادانہیں کرتا، نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ طلاق، نیز نکاح کے قدیم وجدید ذہنیت کا ٹکراؤ عام ہورہا ہے جس کے نتیجہ میں حصولِ طلاق کے واقعات بڑھ رہے ہیں، لہذا ان مسائل کو نمٹنے کے لیے بوقتِ نکاح مرد سے اقرار نامہ لکھوالیا جائے جس کی وجہ سے عورتوں کو بوقت ضرورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے۔ ازروئے شرع اس کی اجازت ہوگی یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس قسم کا اقرار نامہ لکھوانا جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہو اور بوقتِ ضرورت احتیاط کے ساتھ اس سے کام لینا جائز اور درست ہے۔

اقرارنامہ یا کابین نامہ جوعوام کے لیے آسان اورعورتوں کے لیے مفید ہوحسب ذیل درج کیا جاتا ہے:

(مستفاد از اسلامی قانون نکاح وطلاق، ازمولانا یعقوب قاسمی صاحب، ناشر جامعہ علوم القرآن جمبوسر۔ وکذا فی الحیلۃ الناجزۃ:۱۳۱، دارالاشاعت، دیوبند)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اختیار نامہ﴾

میں مسمی..................موضع..................ضلع..................صوبہ..................

ملک..................پتہ..................

میں پورے ہوش وحواس اور بغیر نشہ اور کسی قسم کے دباؤ اور زبردستی کے بغیر اپنی خوشی سے یہ مذکورہ اختیار نامہ لکھتا ہوں۔

میری بیوی مسماۃ..................کو نکاح کے بعد ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ میں اپنی جانب سے کوئی ایذاء رسانی کروں یا اس کے شرعی حقوق کو ادا نہ کروں یا ذہنی اعتبار سے کوئی تکلیف پہونچاؤں تو میں جناب..................کو میری طرف سے اختیار دیتا ہوں کہ میری بیوی مسماۃ..................کو میری جانب سے کسی قسم کی تکلیف پر مطلع ہوتے ہی وہ کسی مستند ماہر مفتی سے اس کے متعلق مشورہ کر کے ان کی رہنمائی میں وہ اسی وقت یا بعد میں کسی بھی وقت وہ میری مسماۃ کو طلاق بائن دے کر میرے نکاح سے الگ کرسکتا ہے۔

میں نے اختیار نامہ پڑھا، سمجھا اور منظور کرتے ہوئے دستخط کرتا ہوں۔

دستخط:..................

مذکورہ اختیار نامہ جناب..................نے ہماری موجودگی میں پڑھا اور رضامندی سے قبول کیا اس بات پر ہم گواہ ہیں۔

(۱) گواہ:۔ ....

(۲) گواہ:۔ ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اقرار نامہ﴾

میں مسمیٰ.......................................موضع......................ضلع.....................صوبہ..................

ملک.. پتہ..

میرا نکاح مسماۃ... پتہ..

کے ساتھ بعوض مہر۔نقد/سونا...........................تاریخ.........................بمقام......................

طے ہوا۔ بیوی کی رخصتی ساؤتھ افریقہ/ برطانیہ ہی میں ہوگی۔

ساؤتھ افریقہ/ برطانیہ جاکر میں اپنے خاوند کے ساؤتھ افریقہ/ برطانیہ میں داخلہ ویزا اور مستقل ویزا کے لیے مخلصانہ طور پر قانونی کاروائی کرنے کی کوشش کروں گی، تاکہ ہمارا گھر جلد آباد ہو۔

سعی وکوشش کے باوجود میرا (خاوند) ویزا نہ ہوسکے یا کسی وجہ سے ہم دونوں میاں بیوی کے درمیان ایسا اختلاف ہوجائے کہ ساتھ رہنا دشوار ہوکر نکاح کا مقصد فوت ہوجائے، ایسے حالات پیدا ہونے پر میں اپنی بیوی مسماۃ..........................اور اس کے والدین کے اطمینان کے لیے اپنے پورے ہوش وحواس اور بغیر نشہ اور کسی قسم کے دباؤ اور زبردستی کے بغیر اپنی پوری رضامندی وخوشی سے مندرجہ ذیل اقرار نامہ گواہوں کی موجودگی میں لکھ دیتا ہوں کہ مجھے..........................ویزا نہ ملنے یا ہمارے درمیان اختلاف کی وجہ سے نکاح کا مقصد فوت ہوجائے اور میری بیوی مسماۃ..........................کے والد مخلصانہ طور پر یہ محسوس کریں کہ اصلاح کی قرآنی تدابیر کے باوجود ہمارے درمیان رشتہ کے نباہ کی کوئی صورت باوجود ہر طرح کی سعی وکوشش کے ممکن نہیں اور علاحدگی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اور بیوی طلاق کا مطالبہ کرے تو میری طرف سے میرے خسر مسمیٰ...................

میری بیوی مسماۃ.......................... پر ایک طلاقِ بائن واقع کرکے میرے نکاح سے الگ کردے۔

دستخط:۔ ....

(۱) گواہ:۔ ....

(۲) گواہ:۔ ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

AGREEMENT

I, ... reside in : Province: ....,City .... ,Town: .... My nikaah was performed with .... , daughter of .... with .... as my Mahr, in the presence of a number of people. It was agreed that .... would come to stay with me as my wife only after my reaching South Africa / U.K. Both the parties have started the procedure for my entry into South Africa / U.K., and I have trust in Allah that I will succeed. In case I fail to get an entry visa or leave to stay permanently in South Africa / U.K. , the said will be in a difficult situation. So for the satisfaction of .... , I am signing the following agreement in my full senses willingly without any pressure or coercion.

The agreement is that, if I enter into Nikaah with .... daughter of .... and thereafter fail to obtain an entry visa or leave to stay permanently in South Africa / U.K. in two years time, and if ...., father of...................................., thinks it proper to exercise one Talaaq-e-Baain and free her from my Nikaah , he will have full right to do so. I accept this agreement, and after going through it and understanding it I put my signature here ....

Mr. .... read the above agreement, willingly accepted and signed it, in our presence. We are witnesses thereof:

1..

2..

فصل دوم

فسخ وتفریق کے بنیادی اصول کا بیان

فسخ وتفریق کا مفہوم اور عورت کو رشتہ نکاح ختم کرنے کا اختیار:

سوال: شریعتِ مطہرہ نے طلاق کا مکمل اختیار مرد کو دیا ہے، عورت ازخود اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مختار نہیں ہے، لیکن کوئی ایسی شکل ہے کہ جس میں عورت کو بھی رشتہ نکاح ختم کرنے کا کوئی اختیار ہو؟ اگر ہے تو اس کو تفصیل کے ساتھ بتلا کر اجر عظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: ازدواجی بندھن کے بعد کسی مرحلہ میں اگر زن وشو کی زندگی خوشگواری کی حد سے نکل کر نا قابل برداشت ہو جائے اور باہم مل جل کر رہنا اور زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے تو شریعت مطہرہ نے جس طرح مرد کو حق دیا ہے کہ دینی حدود کے اندر رہتے ہوئے طلاق کے ذریعہ رشتہ نکاح کو ختم کر دے، اسی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ بذریعہ خلع یا بذریعہ فسخ وتفریق ازدواجی تعلق کو ختم کر دے۔

لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تنبیہ کی ہے کہ خواہ مخواہ معمولی رنجش پر تفریق کرا کر اس قانون سے غلط فائدہ نہ اٹھائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"أيـمـا امرأة اختلعت من زوجها من غير بأس لم ترح رائحة الجنة". (رواه الترمذي: ۲۲٦/۱، باب ماجاء في المختلعات).

نیز ارشاد فرمایا:

" أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً في غير ما بأس به فحرام عليها رائحة الجنة". (رواه الترمذي: ۱/ ۲۲۶، باب ماجاء في المختلعات).

ترجمہ: "جو عورت اپنے شوہر سے بے وجہ اور بے محل طلاق چاہے گی تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی"۔
ہاں مجبوری اور نازک حالت میں جب کوئی دوسرا شرعی چارۂ کار نہ رہا ہو تو عورت کو فسخ وتفریق کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔

☆ تفریق رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کا نام ہے۔

تفریق کی دو قسمیں ہیں:۔(۱) قضائے قاضی شرط ہے۔(۲) قضائے قاضی شرط نہیں ہے۔

(۱) تفریق کی وہ صورتیں جن میں قضائے قاضی شرط ہے، حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) نکاح کا غیر کفو میں ہونا۔

(۲) مہر میں غیر معمولی کمی یعنی غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہونا۔

(۳) نابالغہ کا خیار بلوغ کو اختیار کرنا۔

(۴) شوہر کا حقوق زوجیت ادا نہ کرنا۔

(۵) شوہر کا وطی پر قادر نہ ہونا۔

(۶) شوہر کا جذام، برص، ایڈس یا اس جیسے کسی موذی مرض میں مبتلا ہونا۔

(۷) شوہر کا مجنون ہونا۔(۸) شوہر کا مفقود الخبر ہونا۔(۹) شوہر کا غائب غیر مفقود ہونا۔

(۱۰) شوہر کا استطاعت کے باوجود نفقہ نہ دینا۔(۱۱) شوہر کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہونا۔

(۱۲) شوہر کا بیوی کو تکلیف دینا، سخت مار پٹائی کرنا۔(۱۳) زوجین میں شقاق کا پایا جانا۔

(۱۴) مرد کا اپنی حالت کے بارے میں عورت کو دھوکے میں ڈال کر نکاح کرنا۔

(۱۵) تفریق بسبب حرمت مصاہرت۔(اگر زوجین از خود متارکت اختیار کرلے، تو قضائے قاضی شرط نہیں ہے، ورنہ قضائے قاضی واجب ہے)۔

(۱۶) تفریق بسبب فسادنکاح۔ (اگر زوجین از خود متارکت اختیار کرلے، تو قضائے قاضی شرط نہیں ہے، ورنہ قضائے قاضی واجب ہے)۔

(۲) تفریق کی وہ صورتیں جن میں قضائے قاضی شرط نہیں ہے، حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ثبوت مصاہرت کے بعد شوہر کا متارکت اختیار کرلینا نکاح ختم کرنے کے لے کافی ہے۔

(۲) نکاح فاسد میں زوجین میں سے کسی کا متارکت اختیار کرنا نکاح ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۳) فرقت بسبب ایلاء۔ (۴) فرقت بسبب ارتداد زوج۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۸۷۔۲۰۸، قانون فسخ تفریق۔ وکتاب الفسخ والتفریق، از مولانا عبدالصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار۔ والحیلۃ الناجزۃ: جزو دوم، دارالاشاعت، دیوبند۔ وجدید فقہی مسائل: جلد سوم، کتب خانہ نعیمیہ۔ وطبی اخلاقیات، از قاضی مجاہدالاسلام، ادارۃ القرآن)۔

شرائط قضاء اور جماعت مسلمین یا جمعیت العلماء کے احکام۔

فسخ وتفریق کی اکثر صورتوں میں قضائے قاضی شرط ہے، لیکن اگر قاضی شرعی موجود نہ ہو تو اس کے قائم مقام جمعیت العلماء یا جماعت المسلمین کا فیصلہ بھی کافی ہوجاتا ہے، لیکن کچھ شرائط وضوابط کی پابندی لازم ہے، نیز ہر کس وناکس قضا کی اہلیت نہیں رکھتا ہے اس کی بھی کچھ شرائط ہیں، حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

منصبِ قضاء سے متعلق وضاحت:۔

اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق حق کے ساتھ لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینا قضاء ہے۔

قاضی کے فیصلہ کے لیے ضروری ہے کہ اجماع کے خلاف نہ ہو۔

قاضی کا فیصلہ خبر نہیں بلکہ انشاءِ حکم کے درجہ میں ہوگا۔

اہلیتِ قضاء کے لیے ضروری شرطیں:

(۱) عاقل ہونا، کسی مجنون اور مختل الحواس منصب قضاء کا اہل نہیں۔

(۲) بالغ ہونا، کسی نابالغ کی تقرری بھی درست نہیں ہے۔

(۳) مسلمان ہونا، غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جا سکتا، اگر قاضی غیر مسلم ہو اور فیصلہ کرے تو نافذ نہیں ہوگا۔

(۴) آزاد ہونا۔

(۵) بینا ہونا۔ کسی نابینا کو قاضی نہیں بنایا جائے گا۔

(۶) بولنے والا ہو اخرس نہ ہو، سننے والا ہو بہرا نہ ہو۔

(۷) حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو۔

قاضی کی کچھ صفات حسب ذیل درج ہیں:۔

☆ صاحب علم وفضل ہو حلال وحرام اور دیگر ضروری احکام پر اس کی نگاہ ہو۔

☆ کتاب وسنت اور طریقہ اجتہاد سے واقف ہونا چاہئے، تاکہ واقعات وحوادث میں اچھی طرح فیصلہ کر سکے۔

☆ عربی زبان، اس کی مختلف تعبیرات ومحاورات اور زبان وادب کا ضروری علم ہو۔

☆ جس ملک وعلاقہ میں ہو اس علاقہ کی زبان، معاشرت وعرف، محاورات اور لغت سے آشنا ہو۔

☆ مشورہ لینے میں علماء سے عار نہ کرے۔

☆ صفت عدل سے متصف ہو۔ اصطلاحِ فقہاء میں عادل وہ ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرے، صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔

☆ حسنات صغائر کے مقابلہ میں غالب ہوں۔

☆ محل تہمت سے بچنے والا ہو۔

☆ مزاج میں عجلت نہ ہو۔

☆ بداخلاق نہ ہو۔ ☆ کردار کا مضبوط، دانش مند، سمجھدار اور صالح ہو۔

(ملخص از اسلامی عدالت، از قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔ وایضاح النوادر از مفتی شبیر احمد قاسمی)۔

جماعتِ مسلمین کی شرائط:

اس جماعت کوقاضی کے قائم مقام کرنے کے لیے چند شرائط ہیں، جس جماعت میں یہ شرطیں موجود نہ ہوں وہ شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

(۱) کم ازکم تین آدمیوں کی جماعت ہوایک یادوآدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲) اس جماعت کے سب ارکان کاعادل ہوناشرط ہے، اور عادل وہ شخص ہے جوتمام کبیرہ گناہوں سے بچتاہواور صغائر پر مصر نہ ہواور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہوتو فوراًتوبہ کرلیتا ہو، لہٰذا سودخوار اور رشوت لینے والا، ڈاڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا، اور بے نمازی جماعت کارکن نہیں بن سکتا۔ (اگر بدقسمتی سے کسی جگہ بااثر لوگ دیندار نہ ہوں تو یہ تدبیر کرلیجائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دینداروں کواختیار دیدیں تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہواوران بااثر اشخاص کوکوشش کاثواب حاصل ہوجائے)۔

(۳) فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے صرف عوام کی جماعت کافیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتااس لیے اولاً تو یہ چاہئے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں اور اگر یہ میسر نہ ہوتو کم ازکم ایک معاملہ فہم عالم کوضرور جماعت کارکن بنائیں اور دوسرے ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کوان عالم صاحب سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہوتو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی کاروائی مکمل کرکے علمائے محققین سے ہر ہر جزئی کاحکم دریافت کریں، اور جوان کافتویٰ ہواس کے موافق فیصلہ کیاجاوے، اگرایسانہ کیابلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کردیاتو وہ حکم نافذ نہ ہوگااور فیصلہ بالکل بے کار وغیر معتبر رہے گا، اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ جماعت مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں اگر رائے مختلف رہے اور کثرت رائے کی بناپر فیصلہ کرناچاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، پس اگرارکان میں اختلاف رہے تومقدمہ خارج کردیاجائے۔

فائدہ: اگراختلاف رائے کی وجہ سے کسی درخواست پرتفریق کاحکم نہ ہوسکاتھاتو وہ درخواست ہمیشہ کے لیے مسترد نہیں ہوجائیگی، بلکہ مستغیثہ کواختیار رہوگا کہ معاملہ کی حالت بدل جاوے یاضرورت کی شدت بڑھ جائے

تو دوبارہ درخواست پیش کرے، اوردوبارہ درخواست دینے پر اگرارکان کی رائے متفق ہوجائے تو تفریق کردی جاوے۔ ("الحیلة الناجزة" ص۱۳۵،صورتِ قضاءقاضی درہندوستان، دارالاشاعت، دیوبند۔وکذافی اسلامی فقہ:۲/۲۶۱).

حکمین کی شرائط:

مالکیہ کےنزدیک حکمین کوتفریق کااختیار ہے،البتہ جمہورعلماء کےنزدیک ان کو یہ حق نہیں ہے۔

فسخ وتفریق کے باب میں چونکہ حنفیہ نے مالکیہ کےقول پرفتویٰ دیاہے،لہٰذااحناف کےنزدیک بھی حکمین تفریق کرسکتے ہیں، جس کی قدرے تفصیل حکمین کی شرائط کے ساتھ مسئلہ ''شقاق'' کےتحت گزرچکی ہے، وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مزیدایک عبارت ملاحظہ فرمالیں:

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

والحكمان : حران مسلمان ذكران عدلان مكلفان فقيهان عالمان بالجمع والتفريق لأن التحكيم يفتقر إلى الرأي والنظر، ويجوز أن يكونا من غير أهلهما؛ والأولىٰ أن يكونا من أهلهما؛ لأن القرابة ليست شرطاً في الحكم ولا الوكالة. وينبغي لهما أن ينويا الإصلاح لقوله تعالىٰ:﴿إن يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما﴾ وأن يلطفا القول، وأن ينصفا، ويرغبا ويخوفا، ولا يخصا بذلك أحد الزوجين دون الآخر، ليكون أقرب للتوفيق بينهما.

وينفذ عند المالكية تصرف الحكمين في أمر الزوجين بما رأياه من تطليق أو خلع، من غير إذن الزوج ولا موافقة الحاكم، بعد أن يعجز عن الإصلاح بينهما، وإذا حكما بالفراق فهي طلقة بائنة. (الفقه الاسلامی وادلته:۷/ ۳٤۰-۳٤۱،دارالفکر). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلٰثة قروء﴾

(سورۃ البقرۃ:الآیۃ:۲۲۸)

وقال تعالیٰ:

﴿والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً﴾

(سورۃ البقرۃ:الآیۃ:۲۳۴)

باب......﴿۱۲﴾

عدت کا بیان

وقال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿ والٰئ يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلٰثة أشهر والٰئ لم يحضن، وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾

(سورۃ الطلاق:الآیۃ:٤)

فصل اول
عدت گزارنے کے احکام

❁ شریعت مطہرہ میں عدت کا صحیح مفہوم:

آثارِ نکاح ختم ہوجانے کے لئے شریعت نے عورت کے واسطے جو مدت مقرر کی ہے اس کا نام عدت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

فالعدة في عرف الشرع اسم لأجل ضرب لانقضاء ما بقي من آثار النكاح . (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۳/ ۱۹۰، سعید).

❁ وجوب عدت کے شرائط:

نکاحِ صحیح کی صورت میں اگر وطی یا خلوت سے پہلے علیحدگی ہوگئی تو عدت واجب نہیں ہے، لیکن اگر شوہر کا انتقال ہوجائے تو بہر حال عدت واجب ہے، مطلق خلوت سے عدت واجب ہوجاتی ہے، خواہ خلوتِ صحیحہ ہو یا فاسدہ۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت أو خلوة أى صحيحة فلا عدة بخلوة الرتقاء وشرطها الفرقة .

وفي الشامي :قوله وما جرى مجراه ... وهذا خاص بالنكاح الصحيح أما الفاسد فلا

تجب فيه العدة إلا بالوطء . قوله أي صحيحة: فيه نظر فإن الذي تقدم في باب المهر أن المذهب وجوب العدة للخلوة صحيحة أو فاسدة. (الدر المختار مع الشامی:۳/۵۰۴، باب العدة ، ط: سعید۔وکذا فی البحر الرائق :۴/۱۲۸،ط:کوئٹہ۔وفتح القدیر:۴/۳۳۴،باب العدة ،دارالفکر).

مدتِ عدت:

(الف) عدتِ وفات قمری چار مہینے دس دن ہیں،اور اگر زوجہ حاملہ ہوتو وضع حمل ہے۔

(باء) مطلقہ کی عدت اگر اسے حیض آتا ہوتو مکمل تین حیض ہے،اور اگر کم عمری یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہوتو قمری تین مہینے ہیں،اگر مطلقہ حاملہ ہےتو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

عدت کی ابتداء:

تفریق،طلاق،خلع،،متارکت یا موت کے بعد سے عدت شروع ہوجاتی ہے،خواہ عورت کوان باتوں کا علم ہو یا نہ ہو۔

(الف) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عدة الحرة في الوفات أربعة أشهر وعشرة أيام سواء كانت مدخولاً بها أو لا مسلمة أو كتابية تحت مسلم صغيرة أو كبيرة أو آئسة وزوجها حر أو عبد حاضت في هذه المدة أو لم تحض ولم يظهر حبلها كذا في فتح القدير هذه العدة لا تجب إلا في نكاح صحيح كذا في السراج الوهاج . (الفتاوی الهندية: الباب الثالث عشر فی العدة:۱/۵۲۹۔وكذا فی البحر ۴/۱۳۱،کوئٹہ).

(باء) البحرالرائق میں ہے:

قوله عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء أی حيض ... أطلق الطلاق فشمل البائن والرجعي ولم يقيد بالدخول بناء على أن الأصل في النكاح الدخول ولا بد منه حقيقة أو حكماً حتى تجب على مطلقة بعد الخلوة ولو فاسدة... وشمل جميع أسبابه من الفسخ ... قوله وثلاثة أشهر إن لم تحض أي عدة الحرة إن لم تكن من ذوات الحيض لصغر أو

کبر مدة ثلاثة أشهر لقوله تعالى:﴿ واللآئی يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم فعدتهن ثلاثة أشهر ﴾ في حق الآيسة، وقوله تعالى:﴿واللآئی لم يحضن﴾في حق الصغيرة ومن بلغت بالسن ولم تحض، وشمل قوله إن لم تحض أيضاً البالغة إذا لم تر دماً أو رأت وانقطع قبل التمام . (البحر الرائق مع كنز الدقائق:٤/١٢٨-١٣٠، باب العدة،كوئته).

وأيضاً فيه : وعدة الحامل وضع الحمل لقوله تعالى:﴿ وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ أطلقها فشمل الحرة والأمة المسلمة والكتابية مطلقة أو متاركة فی النكاح الفاسد أو وطء بشبهة والمتوفى عنها زوجها لإطلاق الآية. (البحرالرائق :٤/١٣٣)

بدائع الصنائع میں ہے:

وقت وجوب العدة أنها تجب من وقت وجود سبب الوجوب من الطلاق والوفاة وغير ذلک حتى لو بلغ المرأة طلاق زوجها أو موته فعليها العدة من يوم طلق أو مات عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضی اللّٰه عنهم. (بدائع الصنائع: ٣/١٩٠، ط: سعيد۔وكذا فی الدر المختار ٣/٥٢٠، ط: سعيد)

❁ اگرعدت کا آغاز قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے نہیں ہورہا ہے تو ہرمہینہ تیس دن کا شمار ہوگا۔اس صورت میں عدت وفات کے کل ایام ایک سوتیس ہوں گے،اورطلاق،تفریق،متارکت میں عدت کے کل ایام صغیرہ وآئسہ کے لیےنوے ہوں گے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

إن سبب وجوب هذه العدة من الوفاة والطلاق ونحو ذلک إذا اتفق في غرة الشهر اعتبرت الأشهر بالأهلة وإن نقصت عن العدد في قول أصحابنا جميعاً لأن اللّٰه تعالیٰ أمر بالعدة بالأشهر بقوله عز و جل : ﴿ فعدتهن ثلاثة أشهر﴾ وقوله غز وجل:﴿أربعة أشهر و عشراً ﴾ فلزم اعتبار الأشهر والشهر قد يكون ثلاثين يوماً وقد يكون تسعة وعشرين يوماً بدليل ما روي عن النبي ﷺ أنه قال:" الشهر هكذا وهكذا وهكذا وأشار بأصابع يديه كلها

ثم قال الشهر هكذا وهكذا وهكذا وحبس إبهامه في المرة الثالثة" وإن كانت الفرقة في بعض الشهر اختلفوا فيه قال أبو حنيفة: يعتبر بالأيام فتعتد من الطلاق وأخواته تسعين يوماً ومن الوفاة مائة وثلاثين يوماً. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع:۳/۱۹۵۔ ط:سعید۔ وكذا في فتح القدير: ٤/۳۳۵، ط: دارالفکر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نابالغ شوہر کی خلوت سے عدت کا حکم:

سوال: نابالغ اور نابالغہ کا نکاح ہوا خلوت بھی ہوئی پھر بلوغ کے بعد طلاق دیدی، کیا عدت واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ بلوغ کے بعد کوئی خلوت نہیں ہوئی؟

الجواب: نکاح کے بعد زوجین کا ایسی خلوت میں ملاقات کرنا جہاں کسی اور کے جانے کا اندیشہ نہ ہو، لڑکی پر عدت کو واجب کر دیتا ہے، اگر چہ یہ ملاقات بلوغ سے پہلے ہوئی ہو، لہذا بصورتِ مسئولہ عدت واجب ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

لا فرق بين أن يكون الزوج أو الزوجة أو كل منهما صغيراً، قال في البحر: وفي خلوة الصغير الذي لا يقدر على الجماع قولان، وجزم قاضيخان بعدم الصحة فكان هو المعتمد ولذا قيد في الذخيرة بالمراهق، وتجب العدة بخلوته وإن كانت فاسدة؛ لأن تصريحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبي. (فتاوی الشامی: ۳/۱۱٤، باب المهر، احکام الخلوة، ط:سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نامرد کی خلوت سے وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے شادی کی لیکن وہ نامرد ہونے کی وجہ سے صحبت پر قادر نہیں ہوسکتا ہے، اس نے

اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی زوجہ پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ جب کہ کچھ ایام ساتھ گزارے ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب کچھ ایام ساتھ رہے ہیں یعنی خلوت ہو چکی ہے، لہذا عدت واجب ہے اگر چہ صحبت پر قادر نہیں تھا، خلوت چاہے صحیحہ ہو یا فاسدہ، عدت واجب ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولها كمال مهرها إن كان خلا بها فإن خلوة العنين صحيحة ويجب العدة وفي شرح العناية: قوله ويجب العدة لتوهم الشغل احتياطاً استحساناً. (شرع العناية مع الهدايه على هامش فتح القدير ٤/ ٣٠٠، باب العنين، دار الفكر).

درمختار میں ہے:

ولو كان الزوج مجبوباً أو عنيناً أو خصياً ... عن شرح الوهبانية أن العنة قد تكون لمرض أو ضعف خلقة أو كبر سن في ثبوت النسب ولو من المجموب وفي تأكد المهر المسمى ومهر المثل بلا تسمية والنفقة والسكنى والعدة وفى الشامي: قوله والعدة. وجوبها من أحكام الخلوة سواء كانت صحيحة أم لا ، أى إذا كانت في نكاح صحيح ، أما الفاسد فتجب فيه العدة بالوطء. (الدرالمختار مع الشامي: باب المهر، احكام الخلوة ٣/ ١١٨، سعيد).

واللہ ﷻ اعلم۔

حائضہ کے ساتھ ایک شب گزار کر طلاق دینے سے عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور رات ساتھ رہے لیکن بیوی حالت حیض میں تھی اس لئے ہم بستری نہ ہو سکی، بعدازاں طلاق کی نوبت آئی اور شوہر نے مہر ادا کر دیا ہے، کیا عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت پر عدت واجب ہوگی، اگر چہ خلوتِ صحیحہ متحقق نہیں ہوئی لیکن خلوتِ

فاسدہ سے بھی عدت واجب ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ ہو البحرالرائق میں ہے:

(قوله عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء ولم يقيد بالدخول بناء على أن الأصل في النكاح الدخول ولا بد منه حقيقةً أو حكماً حتى تجب على مطلقة بعد الخلوة ولو فاسدة. (البحر الرائق ٤/١٢٨، ط:کوئٹہ).

ہدایہ میں ہے:

وإن كان أحدهما مريضاً أوكان صائماً في رمضان أومحرماً بحج فرض أونفل أوبعمرة أوكانت حائضاً فليست الخلوة صحيحة ...إلى قوله وعليها العدة في جميع هذه المسائل احتياطاً واستحساناً لتوهم الشغل والعدة حق الشرع. (الهداية:٢/٣٢٦،باب المهر).

مزید ملاحظہ ہو فتاوی شامی: ٣/١١٤، باب المهر، احكام الخلوة، ط:سعيد)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

عورت کے نا قابل جماع ہونے سے عدت کا حکم:

سوال: نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کسی مرض یا کسی عارض کی وجہ سے نا قابل جماع ہے، اس پر طلاق کی نوبت آگئی تو عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ میاں بیوی نکاح کے بعد خلوت میں یکجا جمع ہوئے پھر طلاق واقع ہوئی، لہذا عدت واجب ہوگئی، اگرچہ عورت نا قابل جماع تھی اس سے وجوبِ عدت کا حکم ساقط نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والخلوة ... بلا مانع حسي كمرض لأحدهما يمنع الوطء ومن الحسي رتق ... التلاحم وقرن عظم وعفل غدة. وفي الشامي : قوله عظم في البحر عن المغرب: القرن في الفرج مانع يمنع من سلول الذكر فيه إما غدة غليظة أو لحم أو عظم وامرأة رتقاء بها ذلك ومقتضاه ترادف القرن والرتق . قوله عفل وغدة ، أي في خارج الفرج ، ففي القاموس: أنه

شيء يخرج من قبل المرأة شبيه بالأدرة للرجال... وتجب العدة... وإن كانت فاسدة ؛ فأن تصريحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة. (الدرالمختار مع رد المحتار:۳/۱۱٤، باب المهر، أحكام الخلوة).

واللہ ﷻ اعلم۔

شوہر کے مرتد ہونے سے وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: شوہر کے مرتد ہوجانے کی وجہ سے عورت خود بخود اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے، لیکن دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے یا عدت لازم ہے؟

الجواب: شوہر کے مرتد ہوجانے کی وجہ سے اس کی بیوی خود بخود اس شخص کے نکاح سے نکل گئی، مگر دوسرے مسلمان کے ساتھ شادی کرنے کے لئے اس پر بھی عدت لازم اور ضروری ہے، بغیر عدت گزارے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور زمانہ عدت شوہر کے مرتد ہوتے ہی شروع ہوجائے گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وارتداد أحدهما فسخ عاجل ... وعليه نفقة العدة الخ. وفي الشامي:قوله وعليه نفقة العدة ، أي لو مدخولاً بها إذ غيرها لا عدة عليها ، وأفاد وجوب العدة سواء ارتد أو ارتدت بالحيض أو بالأشهر لو صغيرة أو آيسة أو بوضع الحمل كما في البحر. (الدرالمختار مع الشامي: ۳/۱۹۳،۱۹٤ باب نكاح الكافر ، ط:سعيد).

وفيه أيضا وهي في حق حرة ولو كتابية تحت مسلم تحيض لطلاق ولو رجعياً أو فسخ بجميع أسبابه ... ثلاث حيض كوامل . وفي الشامية: قوله بجميع أسباب مثل الانفساخ بخيار البلوغ والعتق وعدم الكفائة وملك أحد الزوجين الآخر والردة في بعض الصور .(الدر المختارمع ردالمحتار: ۳/٥٠٤،ط:سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر مرتد ہوجائے تو نکاح خود بخود ختم ہوجائیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۰۸).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

صورتِ مسئولہ (شوہر کے مرتد ہونے) میں ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہوگئی اور عدت ہندہ پر لازم ہے بعد عدت وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، اور زمانہ عدت وقت ارتداد شوہر سے شمار ہوگا۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۰/۳۳۳، مدلل مکمل).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی التاتارخانیة: ۵۴۶/۵۳، وکتاب الفتاوی: ۱۸۹/۵). واللہ ﷻ اعلم۔

غلط فہمی میں صحبت کرنے سے وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: کسی دوسرے کی بیوی کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کرلی، پھر معلوم ہوا کہ اس کی بیوی نہ تھی تو اس عورت پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح نکاح فاسد میں عدت کا کیا حکم ہے؟ نیز بچہ پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ وطی بالشبہ اور نکاح فاسد بعد الدخول دونوں صورتوں میں عدت لازم اور ضروری ہے، اور عدت مکمل تین حیض ہے، اور اگر کم عمری یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو عدت تین ماہ قمری ہے اور حاملہ ہونے کی صورت میں عدت وضع حمل ہے۔ اور یہ بچہ حرامی نہیں اس کا نسب ٹھیک ہے جس نے غلط فہمی سے صحبت کی ہے اس کا بچہ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا دخل الرجل بالمرأة علی وجه شبهة أو نكاح فاسد فعليه المهر وعليها العدة ثلاث حيض إن كانت حرة...فإن كانت لا تحيض من صغر أو كبر فعدة الحرة ثلاثة أشهر.

(الفتاوی الهندية: ۵۲۷/۱، وكذا في بدائع الصنائع: ۱۹۲/۳، سعيد۔ و الدر المختار: ۵۰۱/۳، سعيد).

واللہ ﷻ اعلم۔

نابالغہ پر وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: ایک بالغ شخص نے نابالغہ کے ساتھ نکاح کیا پھر خلوت کے بعد طلاق واقع ہوگئی تو عدت لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بالغ شوہر نے خلوت صحیحہ کے بعد نابالغہ کو طلاق دی ہے لہذا عدت لازم ہے اگر چہ صحبت نہ ہوئی ہو، وجوب عدت کے لئے خلوت کا پایا جانا کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

قال في النهر: وتعريف البدائع شامل لعدة الصغيرة، بخلاف تعريف المصنف، وأكثر المشايخ لا يطلقون لفظ الوجوب عليها بل يقولون تعتد، والوجوب إنما هو على الولي بأن لا يزوجها حتى تنقضي العدة. قال شمس الأئمة: إنها مجرد مضي المدة، فثبوتها في حقها لا يؤدي إلى توجيه خطاب الشرع عليها، فإن قلت: كون مسماها المدة لا يستلزم انتفاء خطاب الولي أن لا يزوجها. قلت: إذا كان كذلک فالثابت فيها عدم صحة التزوج لا خطاب أحد بل وضع الشارع عدم صحة التزوج لو فعل، وهو ملخص من الفتح. والحاصل أن الصغير أهل لخطاب الوضع وهذا منه كما خوطب بضمان المتلفات. (فتاوی الشامی:۳/۵۰۲، باب العدة ـ وكذا في الفتاوى التاتارخانيه: ٤/٥٨، ادارة القرآن). **واللہ ﷻ اعلم۔**

معتدہ کے ساتھ وطی بالشبہ سے نئی عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا تین طلاق دی تھی، پھر عدت کے اندر غلطی سے صحبت کرلی تو از سر نو عدت لازم ہے یا اسی کو پوری کرے؟

الجواب: بصورت مسئولہ دوران عدت غلط فہمی میں صحبت کرنے سے ازسرے نو عدت واجب ہوگی،

اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا، یعنی پہلی عدت ختم ہونے کے بعد دوسری عدت کے بقیہ ایام گزار لے، دونوں مستقل علیحدہ گزارنا لازم نہیں ہے، لیکن نئی طلاق اور نفقہ کے حق میں پہلی عدت کا اعتبار ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

العدتان إذا وجبتا أنهما يتداخلان سواء كانتا من جنس واحد أو من جنسين وصورة الجنس الواحد المطلقة إذا تزوجت في عدتها فوطئها الزوج ثم تتاركا حتى وجبت عليها عدة أخرى فإن العدتين يتداخلان عندنا وصورة الجنسين المختلفين المتوفى عنها زوجها إذا وطئت بشبهة تداخلت أيضا وتعتد بما رأته من الحيض في الأشهر من عدة الوطء عندنا. (بدائع الصنائع:۳/ ۱۹۰، باب العدة ،ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو طلقها بتطليقة بائنة أو بتطليقتين بائنتين ثم وطئها في العدة مع الإقرار بالحرمة كان عليها أن تستقبل العدة استقبالاً بكل وطأة وتتداخل مع الأولى إلا أن تنقضي الأولى فإذا انقضت الأولى وبقيت الثانية والثالثة كان الثانية والثالثة عدة الوطء حتى لو طلقها في هذه الحالة لا يقع طلاق آخر فالأصل أن المعتدة بعدة الطلاق يلحقها الطلاق والمعتدة بعدة الوطء لا يلحقها الطلاق وأما المطلقة ثلاثا إذا جامعها زوجها في العدة.. وادعى الشبهة بأن قال ظننت أنها تحل لي تستأنف العدة بكل وطء وتتداخل مع الأولى إلا أن تنقضي الأولى فإذا انقضت الأولى وبقيت الثانية والثالثة كان هذه عدة لوطء لا تستحق النفقة في هذه الحالة . (الفتاوى الهندية:۱/ ۵۳۳، باب العدة ـ وكذا في الفتاوى التاتار خانية:٤/ ٦٣). **واللہ ﷻ اعلم۔**

رخصتی سے پہلے طلاق ہونے پر عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے شادی کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہوگئی تو زوجہ پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر شادی کے بعد کسی قسم کی کوئی خلوت یعنی تنہائی میں ملاقات نہیں ہوئی تھی تو

عدت واجب نہیں ہے، لیکن اگر خلوت ہوئی تھی اگر چہ فاسدہ ہو، عدت واجب ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ثم طلقتموھن من قبل أن تمسوھن فما لکم علیھن من عدة﴾. (سورة الاحزاب: الآیة: ٤٩).

فتح القدیر میں ہے:

أن الطلاق قبل الدخول لاتجب فیه العدة، قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل أن تمسوھن فمالکم علیھن من عدة تعتدونھا﴾. (فتح القدیر: ٤/٣٠٨، باب العدة، دار الفکر).

فتاوی قاضی خان میں ہے:

وإن کان الفساد بعجزہ عن الوطء حقیقة لا یجب علیھا العدة وکذا لو طلقھا قبل الخلوة. (فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیة: ١/٥٤٩).

البحر الرائق میں ہے:

وأما سبب وجوبھا فلکل نوع منھا سبب فعدة الأقراء لوجوبھا أسباب منھا الفرقة فی النکاح الصحیح سواء کانت بطلاق أو بغیر طلاق بعد وطء أو خلوة. (البحر الرائق: ٤/١٢٨).

وفی الدر المختار: وسبب وجوبھا عقد النکاح المتأکد بالتسلیم أی بالوطء وما جری مجراہ من موت أو خلوة أی صحیحة، قال الشامی: فیه نظر، فإن الذی تقدم فی باب المھر أن المذھب وجوب العدة للخلوة صحیحة أو فاسدة. (الدر المختار مع فتاوی الشامی: ٣/٥٠٤، باب العدة، ط: سعید).

معلوم ہوا کہ عدت واجب ہونے کا سبب خلوت یا صحبت ہے اگر خلوت یا صحبت کے بغیر طلاق ہوئی تو عدت واجب اور لازم نہیں ہوگی۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر شوہر نے اس عورت سے نہ جماع کیا، نہ تنہائی کی ہے اور بغیر ان دونوں باتوں کے طلاق دی ہے تو اس عورت پر شرعاً عدت واجب نہیں، جب چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۳/۳۸۱، مبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

صغیرہ قابل جماع نہ ہوتو عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے صغیرہ سے شادی کی جو جماع کی متحمل نہیں ہے پھر چند ایام کے بعد طلاق واقع ہوگئی تو عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ ایسی صغیرہ جو قابل جماع اور متحمل جماع نہ ہو اور خلوت کے بعد طلاق مل گئی اس پر بھی عدت لازم ہے۔

ملاحظہ ہو:

وفی الدر المختار: والخلوة ... كالوطء ... وفي تأكد المهر المسمى ... والنفقة والسكنى والعدة . و فى الشامية : قوله و العدة وجوبها من أحكام الخلوة سواء كانت صحيحة أم لا أي إذا كانت في نكاح صحيح . (الدر المختار مع الشامی: ۳/۱۱۸، باب المهر أحكام الخلوة).

وفى البحر الرائق: والحاصل أن الصغيرة أهل لخطاب الوضع وهذا منه كما خوطب الصغير والصغيرة بضمان المتلفات ولو حاضت الصغيرة فى الأشهر الثلاثة تسنأنف العدة بالحيض. (البحر الرائق: ٤/١٣١،ط:كوئته۔وكذا فی فتح القدير: ٤/٣١٢، ٣١٣، باب العدة ،ط: دار الفكر).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: اگر ہندہ نابالغہ شوہر کے ساتھ رہی ہو لیکن ہندہ قابل صحبت نہ ہو تو اس صورت میں عدت طلاق کی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: خلوت ہو جانے سے عدت لازم ہو جاتی ہے اگر چہ صحبت نہ ہوئی. کذا صرح بہ فی الشامی.

(فتاوی دارالعلوم ۱۰/۳۲۷). واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلمہ پر عدتِ وفات کا حکم:

سوال: کافرہ نصرانی عورت کی شادی کسی کافر کے ساتھ ہوئی تھی پھر کافر مرد کا انتقال ہوگیا، اب وہ عورت بغیر عدت گزارے کسی مسلمان مرد کے ساتھ شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ غیر مسلمہ پر کافر شوہر کے مرنے کی وجہ سے عدت لازم نہیں ہے، اس کا نکاح کسی مسلمان مرد کے ساتھ فی الفور ہوسکتا ہے، ہاں نکاح کے بعد مسلمان شخص فوراً صحبت نہیں کریگا بلکہ ایک حیض آنے کے بعد صحبت کرسکتا ہے، لیکن اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کی عدت گزارنا لازم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں:

ذمية غير حامل طلقها ذمي أو مات عنها لم تعتد عند أبي حنيفة إذا اعتقدوا ذلک لأنا أمرنا بتركهم وما يعتقدون، ولو كانت الذمية حاملاً تعتد بوضعه اتفاقاً ، وفي الشامية : قوله طلقها ذمي احترز به عن المسلم . قوله لم تعتد عند أبي حنيفة فلو تزوجها مسلم أو ذمي في فور طلاقها جاز كما في فتح القدير بحر. ..نعم ذكر في الخانية هناک الذمي إذا أبان امرأته الذمية فتزوجها مسلم أو ذمي من ساعته ذكر بعض المشايخ أنه يجوز نكاحها ولا يباح له وطؤها حتى يستبرئها بحيضة في قول أبي حنيفةؒ . (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۲۶/۳، باب العدة ، سعيد۔وكذا فی فتح القدير مع الهداية: ۳۳۳/٤، باب العدة ، دار الفكر).

وفي البدائع: وإن كانت (الكتابية) تحت ذمي فلا عدة عليها في الفرقة ولا في الموت في قول أبي حنيفةؒ إذا كان كذلک في دينهم حتى لو تزوجت في الحال جاز... وذكر الكرخيؒ في جامعه في الذمية تحت ذمي إذا مات عنها أو طلقها فتزوجت في الحال جاز إلا أن تكون حاملاً فلا يجوز نكاحها. (بدائع ۱۹۱/۳، شرط وجوب العدة). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نومسلمہ پر عدتِ وفات کا حکم:

سوال: ایک کافرہ عورت کا نکاح کافر مرد سے ہوا تھا پھر اس کافر مرد کا انتقال ہوگیا اس کے بعد کافرہ عورت اسلام لے آئی، تو عدت لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ایام عدت باقی ہیں تو عدت گزارنا لازم ہے، اس لئے کہ اسلام لانے کے بعد اسلامی احکام کی مکلّف ہوگئی اور عدت بھی اسلامی احکام میں سے ایک حکم ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

لو أسلمت الكافرة فى العدة لزمها الإحداد فيما بقي من العدة كذا فى الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ١/٥٣٤).

بدائع الصنائع میں ہے:

فإن أسلمت الكتابية فى العدة لزمها فيما بقي من العدة ما يلزم المسلمة بأن المانع من اللزوم هو الكفر وقد زال بالإسلام. (بدائع الصنائع:٣/٢٠٨، أحكام العدة، ط: سعيد).

فتاوی شامی میں ہے:

قوله مسلمة شمل من أسلمت فى العدة، فتحد فيما بقي منها. (فتاوى الشامي:٣/٥٣٠، باب الحداد، ط: سعيد).

و فيه أيضا : لأن المرأة إن كانت مسلمة فقد التزمت أحكام الإسلام ومن حكمه وجوب العدة. (فتاوى الشامي: ٣/ ١٨٩، باب نكاح الكافر، ط:سعيد).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۱۰/۳۰۸) پر یہ مرقوم ہے کہ نومسلمہ سے فوراً نکاح درست ہے۔ لیکن مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

طلاقِ سنت میں عدت گزارنے کا طریقہ:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طہر میں ایک طلاق دی، دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی، پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی، اب عدت گزارنے کا کیا طریقہ ہوگا، یعنی تیسری طلاق کے بعد تین حیض گزارے گی یا صرف ایک حیض؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دو طلاقوں کے بعد عدت کے دو حیض گزر چکے ہیں، لہٰذا تیسری طلاق کے بعد صرف ایک حیض گزارنا لازم ہے، ایک حیض گزرنے سے عدت ختم ہوجائے گی، تین طلاق کے بعد مستقل تین حیض گزارنا لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ابن ماجہ شریف میں روایت مذکور ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال فی طلاق السنة: يطلقها عند كل طهر تطليقة ، فإذا طهرت الثالثة طلقها وعليها بعد ذلک حيضة. (رواه ابن ماجه: ١/١٤٥).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن إبراهيم، قال: عليها حيضة أخرى بعد آخر تطليقة . (مصنف ابن ابی شيبة: ٩/٥١٥، المجلس العلمی).

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

إذا أوقع الثلاثة في ثلاثة أطهار فقد مضت من عدتها حيضان إن كانت حرة، فإذا حاضت حيضة انقضت . (فتح القدير: ٣/٤٦٨، باب طلاق السنة، ط: دار الفكر۔ وكذا فی بدائع الصنائع: ٣/٨٩، طلاق السنة، ط: سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مطلقاً مہینوں سے تعیین عدت کا حکم:

سوال: پاکستان کے عائلی قوانین (Family Laws Ordinance) دفعہ طلاق وعدت

کے مسائل ضمن (۳) میں یہ قانون مقرر ہوا ہے کہ عورت طلاق دینے کے بعد نوے دن عدت گزارے، اس کے بعد کسی اور جگہ نکاح کرسکتی ہے، آپ شریعت کی روشنی میں بتلادیں کہ عدت تین حیض ہیں، یا تین طہر یا تین ماہ؟

الجواب: کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ذوات الاقراء (ماہواری آتا ہو) عورتوں کی عدت مذہبِ احناف کے مطابق تین حیض ہیں، مطلقاً تین ماہ عدت گزارنا کافی نہیں ہے، مکمل تین حیض گزرنے کے بعد از روئے شرع عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔

قرآن وحدیث سے چند دلائل حسب ذیل درج ہیں:

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ والمطلقٰت یتربصن بأنفسھن ثلٰثة قروء ﴾. (سورة البقرة:الآية: ۲۲۸).

مفتی اعظم پاک و ہند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور طلاق دی ہوئی عورتیں (جن میں اتنی صفتیں ہوں، خاوند نے ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہو، ان کو حیض آتا ہو، آزاد ہوں، یعنی شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں) اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں، تین حیض (ختم ہونے) تک (اور اس کو عدت کہتے ہیں)۔ (معارف القرآن:۱/۵۴۵، از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ).

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں لفظ ''قروء'' سے مراد حیض ہے، جس کے دلائل حسب ذیل درج ہیں:

(۱) سنن ابن ماجہ میں روایت ہے:

عن عروة بن الزبیر أن فاطمة بنت أبي حبیش حدثته أنھا أتت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فشکت إلیہ الدم، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إنما ذلک عرق، فانظري إذا أتی قرءک فلا تصلي فإذا مر القرء فتطھري ...الخ. (رواہ ابن ماجہ:۴۵۔ وابوداود ۱/۳۷۔ والبیھقی فی سننہ الکبری:۱/۳۳۲۔ والنسائی فی سننہ الکبری:۳/۴۰۱).

یعنی ''جب حیض آجائے تو نماز چھوڑ دو'' اس حدیث میں قرء صراحۃً حیض کے معنی میں ہے۔

(۲) ابوداود شریف میں ہے:

عن عدي بن ثابت ...عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: المستحاضة تدع الصلاة

أيام أقراءها، ثم تغتسل وتتوضأ لكل صلاة ثم تصلي... (رواه ابوداود:١/٣٧، ٤١، ٤٣ـوابن ماجه:٤٦ـوالترمذي:١/٣٣ـوالبيهقي في سننه الكبرى:١/٣٤٥، ٣٤٦).

یعنی مستحاضہ حیض کے ایام میں نماز چھوڑ دے گی، یہاں بھی اقراء حیض کے معنی میں ہے۔

(۳) طبرانی میں روایت ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن للحائض دفعات، ولدم الحيض ريح ليس لغيره، فإذا ذهب قرء الحيض فلتغتسل إحداكن ثم لتغسل عنها الدم. (رواه الطبراني في الكبير:١١/٢٠٨/١١٥١٤ـوذكره الهيثمي في المجمع:١/٢٨٠، في الحيض والاستحاضة، ط: دار الفكر).

(۴) سنن نسائی میں روایت ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها... استحيضت... قال: لتنظر قدر قرءها التي كانت تحيض لها.... (سنن النسائي:١/٦٥ـومسند الامام احمد بن حنبل:٦/١٢٨/٢٥٠١٦).

اس روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو استحاضہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیض کے ایام کے بقدر انتظار کرے۔ اور لفظ حیض کی جگہ قرء کا لفظ استعمال فرمایا۔

علاوہ ازیں روایاتِ کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت حیض کے ساتھ ہے۔

❁ احادیث سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، أن امرأة ثابت بن قيس اختلعت من زوجها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم أن تعتد بحيضة.

(رواه الترمذي:١/٢٢٥ـوابوداود:١/٣٠٣ والحاكم وصححه ووافقه الذهبي:٢/٢٥٧/٢٨٢٥، ٢٨٢٦).

(۲) ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلاق

الأمة اثنتان، وعدتها حيضتان. وفيه عطية وهو ضعيف۔(رواه ابن ماجه:۱/ ۱۵۰).

وله شاهدمن حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها،انظر: ابوداود:۱/ ۲۹۸،سنة طلاق العبد۔ والترمذی:۱/ ۲۲۴، طلاق الامة تطليقتان۔ والسنن الكبرى للبيهقي:۷/ ۳۶۹۔والمستدرك على الحاكم وقال الحاكم:الحديث صحيح،ووافقه الذهبي:۲/ ۲۵۶/ ۲۸۲۲،ط:دارابن حزم).

(۳)سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال في طلاق السنة: يطلقها عند كل طهرتطليقة، فإذا طهرت الثالثة،طلقها، وعليها بعد ذلك حيضة.(سنن ابن ماجه:۱/ ۱۴۵).

(۴) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن ماجة:۱/ ۱۵۰۔مصنف عبدالرزاق:۷/ ۲۵۰).

(۵)سنن کبریٰ میں ہے:

عن ابن عمررضي الله تعالىٰ عنهما في الأمة تكون تحت الحر: تبين بتطليقتين وتعتد حيضتين، وإذا كانت الحرة تحت العبد بانت بتطليقتين وتعتد ثلاث حيض. (السنن الكبرى للبيهقي:۷/ ۳۶۹۔وسنن الدارقطني:۴/ ۳۹).

(نوٹ:اس روایت میں طلاق کے بارے میں شوہر یعنی عبد کا اعتبار کیا گیا ہے شاید یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک ہوگا)۔

(۶) عن عطاء بن أبي رباح أن مارية اعتدت بثلاث حيض بعد النبي صلى الله عليه وسلم يعني أم إبراهيم.(السنن الكبرى :۷/ ۴۴۸).

(۷) سئل عمر رضي الله عنه عن رجل غاب عن امرأته، فبلغها أنه مات فتزوجت،ثم جاء الزوج الأول، فقال عمررضي الله تعالىٰ عنه: يخير الزوج الأول بين الصداق وامرأته ،فإن اختار الصداق تركها مع الزوج الآخر، وإن شاء اختار امرأته، وقال علي رضي الله تعالىٰ عنه: لها الصداق بما استحل الآخرمن فرجها، ويفرق بينه وبينها، ثم تعتد ثلاث حيض ثم ترد على الأول. (مصنف ابن ابی شيبة:۹/ ۲۱۱،المجلس العلمی).

(۸)عن معمرعن الزهري في امرأة بكرطلقت لم تكن حاضت، فاعتدت شهراً أوشهرين ثم

حاضت ، قال : تعتد ثلاث حیض . (مصنف عبدالرزاق:٦/٣٤٣).

علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ ومصنف عبدالرزاق اور شرح معانی الآثار میں متعدد روایات وآثار موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت حیض کے ذریعہ گزارنی ہوگی۔

مفتی بغداد علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

وذهب ساداتنا الحنفية إلى أن المراد بالقرء الحيض ، وهو المروي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ، ومجاهدؒ ، وقتادةؒ ، والحسنؒ ، وعكرمةؒ ، وعمرو بن دينارؒ ، وجم غفير... (روح المعاني:٢/١٣٢). **واللہ ﷻ اعلم۔**

ممتدۃ الطہر کی عدت کا طریقہ:

سوال: اگر مطلقہ مرضعہ ممتدۃ الطہر ہو تو اس کی عدت گزارنے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز جس عورت کو طویل مدت تک حیض نہ آئے تو عدت کس طریقہ پر گزارے، کیا حیض کا انتظار کرے یا مہینوں سے عدت گزارے گی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مرضعہ عورت بظاہر ممتدۃ الطہر نہیں ہوتی، بلکہ اکثر وبیشتر چند ماہ کے بعد ماہواری جاری ہوجاتی ہے، لہٰذا حیض کے ساتھ عدت گزارنا لازم ہے، ہاں اگر کوئی عورت واقعی ممتدۃ الطہر ہو کہ اس قدر انتظار کرنا عدت گزارنے کے لئے ناقابل برداشت ہے تو اجرائے حیض کے لئے علاج کرائے اگر ناکامی ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو مالکی مفتی سے عدت بالاشہر ۹ ماہ یا ایک سال کی مدت کا فتویٰ حاصل کرے یا شرعی پنچایت سے فیصلہ کرائے اور اس کے مطابق عمل کرے۔

البحر الرائق میں ہے:

عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء وثلاثة أشهر إن لم تحض أي عدة الحرة إن لم تكن من ذوات الحيض لصغير أو كبير... وخرج بقوله إن لم تحض الشابة الممتد طهرها فلا تعتد بالأشهر، وصورتها إذا رأت ثلاثة أيام وانقطع ومضى سنة أو أكثر ثم طلقت فعتدها بالحيض إلى أن تبلغ إلى حد الإياس وهو خمس وخمسون سنة في المختار، كذا

فـي البزازية ومن الغريب ما فی البزازية: قال العلامة والفتوى في زماننا على قول مالکؒ في عـدة الآيسة ، و لو قضى قاضٍ بانقضاء عدة الممتدة طهرها بعد مضي تسعة أشهر نفذ كما فـي جـامـع الـفصولين ونقل فی المجمع إن مالكاً يقول إن عدتها تنقضي بمضي حول وفي شرح المنظومة إن عدة الممتد طهرها تنقضي بتسعة أشهر كما فی الذخيرة معزيا إلى حيض مـنهـاج الشـريعة ونقل مثله عن ابن عمرؓ قـال وهـذه الـمسئلة يجب حفظها لأنها كثيرة الـوقـوع وذكـر الـزاهـدي وقـد كـان بـعـض أصحابنا يفتون بقول مالکؒ في هذه المسئلة للضرورة خصوصاً الإمام والدي . (البحر الرائق : ٤/ ١٣١ ، باب العدة ، كوئته۔و فتاوی الشامی: ٣/ ٥٠٩).

وفی الفتاوی البزازية : بلغت فرأت يوماً دماً ثم انقطع ومضى حول ثم طلقت فعدتها بـالأشهـر وإن رأت ثـلاثة أيام وانقطع ومضى سنة أو أكثر ثم طلقت فعدتها بالحيض إلى أن تبـلـغ حد الإياس وهو خمس وخمسون سنة فی المختار، وعند مالکؒ للآيسة تسعة أشهر بستة أشهـر لاستبـراء الـرحـم وثـلاثة أشهر للعدة، قال العلامة والفتوى في زماننا على قول مالکؒ فی عدة الآيسة . (الفتاوی البزازية على هامش الهندية : ٤/ ٢٥٦ ، الثامن فی العدة).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قـلـت: ونـظيـر هـذه الـمسئلة عدة ممتدة الطهر الذي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام ثم امتـد طهـرهـا فـإنها تبقى فی العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض، وعند مالکؒ تنقضي عدتها بتسـعة أشهـر، وقد قال فی البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالکؒ وقال الزاهدي: كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة . (رد المحتار: ٤/ ٢٩٦، كتاب المفقود، سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

حنفیہ کے نزدیک ممتدۃ الطہر کی عدت حیض سے ہی پوری ہوگی تا آنکہ سن ایاس تک پہنچے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک ایک روایت میں نو مہینے، دوسری روایت میں سال بھر تک حیض نہ آنے کی صورت میں انقضائے عدت کا حکم دے دیا جاتا ہے، تو اگر کوئی سخت ضرورت لاحق ہو اور نکاح ثانی نہ ہونے کی صورت میں قوی خطرہ

وقوع فی الحرام یا کسی ایسے مفسدہ کا ہو تو کسی مالکی سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۶/۴۰۱).

احسن الفتاوی میں ہے:

جس عورت کو شروع ہی سے حیض بالکل نہ آیا ہو اس کی عمر تیس سال ہو جانے پر وہ آیسہ شمار ہوگی، اور اگر حیض آنے کے بعد بالکل بند ہو گیا یا بہت مدت کے بعد آتا ہو تو یہ پچپن سال کی عمر ہونے پر آیسہ ہوگی، دونوں قسم کی آیسہ کی عدت تین مہینے ہے، مگر صورتِ ثانیہ میں یہ شرط ہے کہ کم از کم چھ ماہ سے حیض بند ہو، یہ چھ ماہ کی مدت پچپن سال کی عمر پوری ہونے سے قبل گزر چکی ہو تو وہ بھی معتبر ہے، یعنی اس صورت میں پچپن سال پورے ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی، دونوں قسم کے ایاس میں اگر عدت کے تین ماہ پورے ہونے سے قبل حیض جاری ہو گیا تو از سر نو عدت تین حیض پوری کرے، اگر سن ایاس سے قبل عدت کی نوبت آ جائے تو بذریعہ علاج حیض جاری کر کے تین حیض عدت پوری کرے، اگر کسی علاج سے بھی حیض جاری نہ ہو تو بوقت ضرورت کسی مالکی قاضی سے ایک سال کی عدت کا فیصلہ کرایا جائے اگر مالکی قاضی میسر نہ ہو اور ضرورتِ شدیدہ ہو تو بدونِ قضاء بھی ایک سال کی عدت کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۵/۴۳۵).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الفتاوی: ۲/۴۹۰۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۰/۳۰۷۔ وکفایت المفتی: ۶/۱۷ا۴۔ واللہ ﷻ اعلم۔

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عدت کا حکم:

سوال: ایک لڑکی کا نکاح ہو گیا اب تک رخصتی نہیں ہوئی، اور نہ کوئی خلوت پیش آئی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو عورت پر عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ متوفی عنہا زوجہا پر ہر حال میں عدت لازم اور ضروری ہے، چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، نیز خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ چار ماہ دس دن عدت گزارنا ضروری ہے اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع میں ہے:

وأما الـذي يـجب أصلاً بنفسه فهو عدة الوفاة وسبب وجوبها الوفاة، قال اللّٰہ تعالى: ﴿ والـذيـن يتـوفـون مـنـكـم ويذرون أزواجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً﴾. وإنها تـجب لإظهـار الـحزن بفوت نعمة النكاح إذ النكاح كان نعمة عظيمة في حقها فإن الزوج كان سبب صيانتها وعفافها وايفائها بالنفقة والكسوة والمسكن فوجبت عليها العدة إظهاراً لـلحزن بفوت النعمة تعريفاً لقدرها وشرط وجوبها النكاح الصحيح فقط فتجب هذه العدة عـلـى الـمتـوفى عنها زوجها سواء كانت مدخولاً بها أو غير مدخولاً بها وسواء كانت ممن تـحيـض أو ممن لا تحيض لعموم قوله عز وجل. (بدائع الصنائع: ۱۹۲/۳، سعيد، والفتاوى الهندية: ۵۲۹/۱۔و الدر المختار مع الشامي: ۵۱۰/۳، باب العدة، سعيد). واللہ ﷻ اعلم۔

مدتِ عدت ختم ہونے کے بعد وفات کی خبر ملنے پر عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا لیکن بیوی کو اطلاع نہ مل سکی عرصہ دراز گزر جانے کے بعد خبر ملی تو اب عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ چار ماہ دس دن پورے ہو چکے ہیں بلکہ اس سے زائد عرصہ گزر گیا۔ یا جس وقت اطلاع ملی اسوقت سے عدت شروع ہوگی۔ برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جس دن شوہر کی وفات ہوئی اسی دن سے عدت شروع ہو چکی تھی اور چار ماہ دس دن گزرتے ہی عدت ختم ہوگئی، اب عرصہ دراز کے بعد خبر واطلاع ملنے پر دوسری عدت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عدت کا تعلق وفات سے ہے۔ خبر واطلاع سے نہیں ہے، لہذا بغیر اطلاع کے بھی عدت شروع ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع میں ہے:

وتـنـقـضـى العدة بدون العلم به ... وعلى هذا يبنى وقت وجوب العدة أنها تجب من وقت وجود سبب الوجوب من الطلاق والوفاة وغير ذلك حتى لو بلغ المرأة طلاق زوجها أو موته فعليها العدة من يوم طلق أو مات عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضى اللّٰہ عنهم.

(بدائع الصنائع:۳/۱۹۰، احکام العدۃ، ط: سعید۔وکذا فی الھدایۃ:۲/۴۲۵).

البحر الرائق میں ہے:

ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت يعني ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتداء عدة الوفاة من وقتها سواء علمت بالطلاق والموت أو لم تعلم حتى لو لم تعلم ومضت العدة فقد انقضت. (البحر الرائق:۴/۱۴۴، کوئٹہ). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عدتِ طلاق کے دوران عدتِ وفات کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عورت کو طلاق دیدی، عورت عدت طلاق میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہوگیا، تو اب عورت طلاق کی عدت ختم کرلے یا وفات کی شروع کرلے یا علیحدہ گزارے کس طرح عدت گزارے گی؟

الجواب: دورانِ عدتِ طلاق شوہر کے انتقال ہونے پر تین صورتیں ہیں، اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔

(۱) اگر عورت حاملہ ہے، تو اس کی عدت وضع حمل ہی رہے گی، اور بچے کی پیدائش سے دونوں عدتیں ختم ہوجائیں گی اگرچہ پیدائش چند لمحوں میں ہوجائے۔

(۲) عورت حاملہ نہ ہو اور عدت طلاق رجعی کی ہو تو پہلی کالعدم ہوکر صرف عدت وفات گزارے گی۔

(۳) عدت طلاق بائن کی ہو تو ابعد الاجلین گزارے گی یعنی جو زیادہ لمبی ہو وہ اختیار کرے گی۔ ان میں سے ایک جلد پوری ہوجائے تو دوسری کے بقیہ ایام بھی گزارلے اس طرح دونوں پوری ہوں گی۔ (آپ کے مسائل:۵/۴۱۳).

فتح القدیر میں ہے:

وإذا ورثت المطلقة في المرض فعدتها أبعد الأجلين أي الأبعد من أربعة أشهر وعشر وثلاث حيض، فلو تربصت حتى مضت أربعة أشهر وعشر ولم تحض لها ثلاث حيض بأن امتد طهرها لم تنقض عدتها حتى تمضي وأن مكثت سنين مالم تدخل سن الإياس فتعتد بالأشهر . ثم المراد بذلک الطلاق الطلاق البائن واحدة أو ثلاثاً أما إذا طلقها رجعياً فعدتها عدة الوفاة سواء طلقها في مرضه أو في صحته ودخلت في عدة الطلاق ثم

مـات الـزوج فـإنهـا ينتقل عدتها إلى عدة الوفاة وترث. (فتح القدير مع الهداية:٤/٣١٥، دار الفكر۔ والبحر الرائق :٤/١٣٦، كوئته ۔ وبدائع الصنائع :٣/٢٠٠، فصل في بيان انتقال العدة ، سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

حاملہ کے پیٹ میں بچہ مرجانے سے عدت کا حکم:

سوال: ایک عورت وضع حمل کی عدت گزار رہی تھی کہ اچانک بچہ پیٹ میں مرگیا تو اب عدت کیسے ختم کرے گی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دوا یا آپریشن کے ذریعہ رحم کی صفائی کرائی جائے اور حمل چار ماہ یا زیادہ مدت کا ہو تو عدت ختم ہوگئی، اور اگر حمل چار ماہ سے کم کا تھا تو تین حیض گزارنے پر عدت ختم ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وإذا أسـقطت سقطاً استبان بعض خلقه انقضت به العدة لأنه ولد وإن لم يستبن بعض خـلـقـه لـم تنقض لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة بدليل أن الساقط إذا كان علقة أو مضغة لم تـنقض به العدة لأنها لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبانه بعض الخلق كذا في المحيط. (البحر الرائق :٤/١٣٥، باب العدة ، كوئته).

وفـي الـدر الـمختار : وفي حق الحامل مطلقاً ... وضع جميع حملها. وفي الشامي : قـولـه وضع حملها والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله ، فإن لم يستبن بعضه لـم تـنـقـض الـعدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كـونها متغيرة بيقين إلا باستبان بعض الخلق بحر عن المحيط ، وفيه عنه أيضاً أنه لا يستبين إلا فـي مـائة وعشـريـن يوماً وفيه عن المجتبى أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر وتـام الـخـلـق ستة أشهـر ، وقـدمنا في الحيض استشكال صاحب البحر لهذا بأن المشاهد ظهـور الخلق قبل أربعة أشهر، فالظاهر أن المراد نفخ الروح لأنه لايكون قبلها. (الدر المختار مع الشامي: ٣/٥١١، سعيد۔ وفتاوى قاضيخان:١/٥٤٩، باب العدة على هامش الهندية۔ وبدائع الصنائع:٣/١٩٦، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴۲۹/۵). واللہ ﷻ اعلم۔

حمل خشک ہونے سے عدت کا حکم:

سوال: متوفی عنہا زوجہا حاملہ تھی کہ اچانک اس کا حمل خشک ہوگیا، تو اب عدت کس طرح گزارے گی؟

الجواب: متوفی عنہا زوجہا کا حمل یقینی طور پر متحقق ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، لیکن اگر حمل متحقق نہیں ہے یا تھا مگر خشک ہوگیا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾. (سورة الطلاق: الآية: ٤).

اگر حمل متحقق نہیں تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿والذي يتوفون منكم ويذرون أزوجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً﴾. (سورة البقرة: الآية: ٢٣٤).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عدة الحرة فی الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام سواء كانت مدخولاً بها أو لا مسلمة أو كتابية تحت مسلم صغيرة أو كبيرة أو آيسة وزوجها حر أو عبد حاضت في هذه المدة أو لم تحض ولم يظهرحبلها كذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية: ١/٥٢٩).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما عدة الحبل فمقدارها بقية مدة الحمل قلت أو كثرت حتى لو ولدت بعد وجوب العدة بيوم أو أقل أو أكثر انقضت العدة ... وشرط انقضاء هذه العدة أن يكون ما وضعت قد استبان خلقه أو بعض خلقه ... لأنه إذا استبان خلقه أو بعض خلقه فهو ولد فقد وجد وضع الحمل فتنقضي به العدة وإذا لم يستبن لم يعلم كونه ولداً بل يحتمل أن يكون

ويحتمل أن لا يكون فيقع الشك في وضع الحمل فلا تنقضي العدة بالشك. (بدائع الصنائع: ۱۹۶/۳، سعید).

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

جب کہ حمل پیٹ میں خشک ہو گیا، تو شریعت میں وہ حاملہ متصور نہ ہوگی، اور عدت اس کی چار ماہ دس ہوگی مثل غیر حاملہ کے...پس مراد حاملہ سے وہ ہے کہ حمل اس کا متحقق ہو، اور جب کہ خشک ہو گیا تو حاملہ ہونا اس کا متحقق نہ رہا۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۳۵۲/۱۰، مدلل مکمل)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اسقاطِ حمل سے عدت ختم ہونے کا حکم:

سوال: اگر کسی عورت نے حمل ساقط کرادیا، تو اس کی عدت کا کیا حکم ہوگا، حمل ساقط کروانے سے عدت ختم ہوگئی یا تین حیض گزارنے لازم ہوں گے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر حمل پر چار ماہ گزر چکے تھے اور حمل ساقط کروایا تو عدت ختم ہوگئی، اب کسی نئی عدت کی ضرورت نہیں ہے، ہاں حمل اگر چار ماہ سے کم کا تھا تو تین حیض گزارنے سے عدت ختم ہوگی محض اسقاط سے عدت ختم نہیں ہوگی۔ لیکن چار ماہ کے بعد بلا کسی قوی عذرِ شرعی حمل ساقط کروانا ناجائز اور گناہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی شامی میں ہے:

قوله وضع حملها والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله، فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبان بعض الخلق بحر عن المحيط، وفيه عنه أيضاً أنه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوماً وفيه عن المجتبى أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر وتام الخلق ستة أشهر، وقدمنا في الحيض استشكال صاحب البحر لهذا بأن المشاهد ظهور الخلق قبل أربعة أشهر، فالظاهر أن المراد نفخ الروح لأنه لا يكون قبلها.

(الدر المختار مع الشامي: ۵۱۱/۳، سعيد۔ وبدائع الصنائع: ۱۹۶/۳، سعيد۔ وكذا في (فتاوى قاضيخان على هامش

الهندية: ١/ ٥٤٩، باب العدة).

احسن الفتاوی میں ہے:

اگر حمل چار ماہ یا اس سے زائد مدت کا ہو تو اس کے اسقاط سے عدت ختم ہو جائے گی، ورنہ اس کے بعد تین حیض گزارنے سے عدت ختم ہوگی۔ حمل پر چار ماہ گزرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز نہیں، اس سے قبل جواز میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ بدونِ سخت مجبوری کے یہ بھی جائز نہیں، ولادت تک عدت میں کوئی ضرر نہیں۔(احسن الفتاوی: ۵/ ۴۳۲، ۴۳۳۔ وفتاوی رحیمیہ: ۸/ ۴۰۴)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

دو سال کی جدائی کے بعد طلاق ہونے پر عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے بیوی سے دو بچے ہیں، لیکن اختلاف کی وجہ سے دو سال سے شوہر سے الگ ہے، ملاپ نہیں ہوا اور اب طلاق دیدی بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ عدت کا مقصد رحم کے خالی ہونے کا یقین کرنا ہے اور وہ یقین پہلے سے موجود ہے، لہذا اب عورت پر عدت نہیں، شریعت کا کیا حکم ہے۔ اور عدت کی کیا حکمتیں ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دو سال کی جدائیگی کے بعد طلاق ملنے پر عدتِ طلاق گزارنا لازم اور ضروری ہے، اس لیے کہ عدت کا مقصد رحم کے خالی ہونے کے ساتھ ساتھ پہلا نکاح ختم ہونے اور رشتہ منقطع ہونے پر ملال وافسوس اور حزن کا اظہار بھی مقصود ہے، گویا رشتہ نکاح کے احترام کی رعایت ہے، یہی وجہ ہے کہ عدت ان عورتوں پر بھی لازم قرار دی گئی ہے جو نابالغہ ہوں یا سن ایاس کو پہنچ چکی ہوں، حالانکہ بلوغ سے قبل اور سن ایاس کو پہنچنے کے بعد عورتیں حاملہ نہیں ہوسکتیں، اور نسب کے اختلاط کا کوئی شبہ نہیں، اس کے باوجود شریعتِ مطہرہ نے ان پر بھی عدت واجب قرار دی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ثلاث حيض كوامل ... فالأولى لتعرف براءة الرحم، والثانية لحرمة النكاح. وفي الشامية: قوله فالأولى الخ بيان لحكمة كونها ثلاثاً مع أن مشروعية العدة لتعرف براءة

الرحم أي خلوه عن الحمل وذلك يحصل بمرة فبين أن حكمة الثانية لحرمة النكاح أي لإظهار حرمته.(الدر المختار مع فتاوى الشامي:۳/۵۰۵،باب العدة،ط: سعيد).

ہدایہ میں ہے:

لأن العدة وجبت للتعرف عن براء ة في الفرقة الطارية على النكاح. وفي فتح القدير: ثم كونها تجب للتعرف لاينفي أن تجب لغيره أيضاً، وقد أفاد المصنف فيما سيأتي أنها أيضاً تجب لقضاء حق النكاح بإظهار الأسف عليه، فقد يجتمعان كما في مواضع وجوب الأقراء وقد ينفرد الثاني كما في صور الأشهر.(الهداية مع فتح القدير:٤/٣٠٨،باب العدة ، ط: دار الفكر).

فتاوی دارالعلوم میں مذکور ہے کہ پانچ سال علیحدہ رہنے کے باوجود عدت واجب ہے،اگر شوہر نے اس سے وطی یا خلوت کی ہے۔ملاحظہ ہو:(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۱۰/۳۲۰،مدلل مکمل)۔

مزید ملاحظہ ہو:(فتاوی رحیمیہ:۸/۴۱۳،شوہر سے دو برس کی جدائیگی کے بعد عدت کا وجوب)۔واللہ ﷻ اعلم۔

وجوبِ عدت کی حکمت:

تفصیل بالا سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ عدت کی دو حکمتیں ہیں:

(۱)استبراءِ رحم یعنی بچہ دانی کے خالی اور فارغ ہونے کا یقین ہونا۔اس میں نسب کی حفاظت ہے۔

(۲)رشتۂ نکاح منقطع ہونے پر ملال وحزن کا اظہار۔

ملاحظہ فرمائیں''اسلامی قانون نکاح وطلاق''میں مرقوم ہے:

عدت کی حکمت شوہر کی جدائی پر رنج وغم کرنا اور اس کی وفات پر سوگ منانا ہے،عدت میں دوسری حکمت استبراءِ رحم ہے،یعنی اس بات کا اطمینان کر لینا ہے کہ اب اس عورت کے رحم میں شوہر کا مادہ (semen) بالکل نہیں رہا ہے،اب اگر دوسری شادی کرے تو اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ نسب میں اختلاط پیدا ہو اور اشتباہ ہوجائے کہ نہ معلوم بچہ کس مرد کا ہے۔(اسلامی قانون نکاح وطلاق،از مولانا یعقوب قاسمی صاحب،ص۱۶۷)۔

مزید ملاحظہ ہو:(کتاب الفتاوی:۵/۱۴۰،ط:زمزم۔واسلامی فقہ:۲/۱۸۸،عدت کا مقصد)۔

اشکال: لیکن یہاں پر ایک اشکال ذہن میں آتا ہے کہ نعمتِ نکاح کے فوت ہونے پر عدت لازم ہوتی ہے، تو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق ہونے پر بھی عدت لازم ہونی چاہئے، حالانکہ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول اور خلوت سے پہلے طلاق ہونے پر عدت نہیں ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دخول اور خلوت سے پہلے نعمتِ نکاح مؤکد نہیں ہوئی، یعنی عورت نے ابھی الفت ومحبت کا مزہ نہیں چکھا، لہذا نعمت تام ومکمل نہیں ہوئی، اس وجہ سے عدت بھی لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

وقد أفاد المصنف فيما سيأتي أنها أيضاً تجب لقضاء حق النكاح بإظهار الأسف عليه... بخلاف غير المتأكد وهو ما قبل الدخول لا يؤسف عليه إذ لا ألف ولا مودة فيه.

(الهداية مع فتح القدير: ٤/ ٣٠٨، باب العدة، ط: دار الفكر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثۃ أیام إلا علی زوجھا أربعۃ أشھر وعشرا“۔

(متفق علیہ).

فصل دوم

سوگ منانے کا بیان

دورانِ عدت سر دھونے، نہانے اور تیل لگانے کا حکم:

سوال: عدت کے دوران سر دھونا، نہانا، اور تیل لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دورانِ عدت سر دھونا، نہانا اور تیل لگانا جائز اور درست ہے، لیکن بقصد زینت استعمال نہ کرے، عادت کے طور پر یا عذر کی وجہ سے یعنی اگر استعمال نہ کرنے کی صورت میں دردِ سر یا سخت تکلیف کا اندیشہ ہو تو درست ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وعلی المبتوتۃ والمتوفی عنھا زوجھا إذا کانت بالغۃ مسلمۃ الحداد والحداد أن تترک الطیب والزینۃ والکحل والدھن المطیب وغیر المطیب إلا من عذر وفی الجامع الصغیر إلا من وجع ... والدھن لا یعری عن نوع طیب وفیہ زینۃ الشعر ولھذا یمنع المحرم

عنه قال إلا من عذر لأن فيه ضرورة والمراد الدواء لا الزينة ولو اعتادت الدهن فخافت وجعاً فإن كان ذلك أمراً ظاهراً يباح لها لأن الغالب كالواقع. (الهداية:۲/۴۲۷، فصل في الحداد).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها كذا في الكافي والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب... وإنما يلزمها الاجتناب في حالة الاختيار أما في حالة الاضطرار فلا بأس بها إن اشتكت رأسها أو عينها فصبت عليها أو اكتحلت لأجل المعالجة فلا بأس به ولكن لا تقصد به الزينة كذا في المحيط، لو اعتادت الدهن فخافت وجعاً يحل بها لو لم تفعل فلا بأس به إذا كانت الغالب هو الحلول كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳۳، باب في الحداد ـ وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۰۸، سعيد).

اسلامی فقہ میں ہے:

نہانے دھونے، بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(اسلامی فقہ:۲/۱۸۷).

واللہ ﷻ اعلم۔

دوران عدت جائز امور کا بیان:

(۱) نہانا، سر دھونا، بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنا جائز اور درست ہے۔(آپ کے مسائل ۵/۴۱۰).

(۲) بوقت ضرورت سر میں تیل ڈالنا، سر میں کنگھی کرنا بھی جائز ہے، مثلاً سر میں جوئیں پڑنے کا اندیشہ ہو۔(احسن الفتاوی ۵/۴۴۲).

(۳) گھر میں کسی مخصوص کمرہ میں بیٹھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ گھر میں جہاں چاہے رہے، نیز گھر ہی کے اندر چلنا پھرنا بھی جائز ہے۔

(۴) گھریلو کام کاج وغیرہ کی بھی اجازت ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

(۵) بوقتِ ضرورت ہسپتال میں جا کر ڈاکٹر کو دکھانے کی بھی گنجائش ہے، حتی الامکان گھر بلا کر علاج

کرالے، نیز ہسپتال میں رہنے کی ضرورت ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ (آپ کے مسائل: ۵/۴۱۰، واحسن الفتاوی: ۵/۴۴۳)

(۶) خاوند کے انتقال کے بعد کوئی معاش نہ ہو، اور اس کے پاس بھی کچھ موجود نہیں ہے جس سے اخراجات کا انتظام کر سکے تو پردے کے ساتھ محنت مزدوری اور ملازمت کے لئے جا سکتی ہے، لیکن رات گھر آ کر گزارے اور دن میں بھی کام سے فارغ ہو کر فوراً گھر آ جائے، بلا ضرورت گھر سے باہر رہنا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ۵/۴۱۰).

(۷) اگر عورت کو عدالت میں حاکم کے سامنے گواہی دینا ہو یا ضروری دستاویز پر دستخط کرنے ہوں، نیز عدالت میں حاضری سے اس کا اور اس کے بچوں کا مالی مفاد وابستہ ہو تو ایسی ضرورت کے لئے عورت عدات میں جا سکتی ہے، کام ختم ہوتے ہی گھر آ جانا ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل: ۵/۴۱۰).

(۸) پنشن وغیرہ کی وصولیابی کی دفتری کاروائی کے لئے بھی جانے کی اجازت ہے، جبکہ اس کا جانا ضروری ہو۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۹/۳۶۴، غیر مرتب).

(۹) عورت کو سودا وغیرہ ضروری چیزوں کی ضرورت ہو اور کوئی لانے والا نہ ہو تو اس صورت میں بقدرِ ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت ہے، اور ضرورت پوری ہوتے ہی گھر واپس آ جائے۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل: ۲/۱۳۵).

(۱۰) مکان کے منہدم ہونے کا خطرہ ہو یا مکان میں عورت کو اپنے اسباب و متاع یا جان کے نقصان کا اندیشہ ہو یا رہائشی مکان کرایہ کا ہو اور عورت کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا یہ مکان ترکہ بن کر تقسیم ہو رہا ہو اور عورت کے حصہ میں آنے والا رہائش کے لئے ناکافی یا عورت کو اس مکان میں سخت وحشت محسوس ہوتی ہو۔

ان مذکورہ بالا صورتوں میں عورت کو قریب تر دوسرے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت ہے۔ عدت طلاق کی صورت میں شوہر کے پسند کردہ قریبی مکان میں چلی جائے گی اور عدت وفات میں اپنی پسند کے قریبی مکان میں منتقل ہوگی۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل، جلد دوم ۱۳۴۔ واحسن الفتاوی: ۵/۴۴۰).

(۱۱) عدت طلاق رجعی میں پان کھانا جائز ہے۔ (احسن الفتاوی: ۵/۴۴۶۔ وآپ کے مسائل: ۵/۴۱۰).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

دورانِ عدت ناجائز امور کا بیان:

(۱) بطور زینت ریشمی یا عمدہ یا رنگا ہوا کپڑا پہننا۔

(۲) زمانۂ عدت میں زیورات کا استعمال کرنا۔

(۳) چوڑیاں پہننا۔

(۴) خوشبو، سینٹ، کریم، پاؤڈر وغیرہ استعمال کرنا۔

(۵) بقصد زینت سرمہ لگانا، اگر کسی تکلیف کی وجہ سے رات کے وقت لگائے تو گنجائش ہے۔

(۶) پان کھا کر منہ لال کرنا، میک اَپ کرنا۔

(۷) مہندی لگانا۔

(۸) بقصد زینت سر میں تیل ڈالنا۔

(۹) بقصد زینت کنگھی کرنا۔

(۱۰) عدت کے دوران سفر کرنا۔

(۱۱) عدت کے دوران غمی خوشی میں شرکت کرنا، تقریب عیادت، نکاح کی تقریب وغیرہ میں شرکت کرنا۔

(۱۲) عدت میں نکاح کرنا۔

(۱۳) باہر رات گزارنا۔

(۱۴) والدین یا شوہر کا منہ دیکھنے کے لئے گھر سے باہر نکلنا۔ (بضرورت جائز ہے، جس کی تفصیل آنے والے مسئلہ ''معتدہ کا والدین کے انتقال پر گھر سے نکلنے کا حکم'' کے تحت موجود ہے)۔

(۱۵) ٹیلی فون وغیرہ پر نامحرموں سے غیر ضروری بات چیت کرنا۔ ہاں ضروری بات چیت کی گنجائش ہے، اور یہ حکم صرف زمانہ عدت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام حالات میں بھی یہی حکم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار مع الشامی میں ہے:

تحد مكلفة مسلمة ولو أمة منكوحة نكاح صحيح ودخل بها بدليل قوله إذا كانت

معتدة بت أو موت وإن أمرها المطلق أو الميت بتركه لأنه حق الشرع،إظهاراً للتأسف على فوات النكاح بترك الزينة بحلي أي بجميع أنواعه من فضة وذهب وجواهر، بحر . قال القهستاني : والزينة ما تتزين به المرأة من حلي أو كحل كما في الكشاف، (أو حرير) أي بجميع أنواعه وألوانه ولو أسود ، بحر، (أو امتشاط بضيق الأسنان) فلها الامتشاط بأسنان المشط الوسعة ذكره في المبسوط، وبحث فيه في الفتح ، لكن يأتي عن الجوهرة تقييده بالعذر والطيب وإن لم يكن لها كسب إلا فيه والدهن ولو بلا طيب كزيت خالص . قوله والطيب أي استعماله في البدن أو الثوب قهستاني، وأعم منه قوله في البحر والفتح: فلا تحضر عمله ولا تتجر فيه، قوله كزيت خالص أي من الطيب وكالشيرج والسمن وغير ذلك، لأنه يلين الشعر فيكون زينة زيلعي، وبه ظهر أن الممنوع استعماله على وجه يكون فيه زينة ، فلا تمنع من مسه بيد لعصر أو بيع أو أكل كما أفاده الرحمتي.(والكحل) والظاهر أن المراد به ما تحصل به الزينة كالأسود ونحوه، بخلاف الأبيض مالم يكن مطيباً (الحناء ولبس المعصفر والمزعفر) أي لبس الثوب المصبوغ بالعصفر والزعفران، والمراد بالثوب ما كان جديداً تقع به الزينة وإلا فلا بأس به ، لأنه لا يقصد به إلا ستر العورة والأحكام تبتنى على المقاصد كما في المحيط وقهستاني.

إلا بعذر راجع للجميع، إذ الضرورات تبيح المحظورات فإن كان وجع بالعين فتكتحل أو حكة فتلبس الحرير أو تشتكي رأسها فتدهن وتمشط بالأسنان الغليظة المتباعدة من غير إرادة الزينة لأن هذا تداو لا زينة ...قلت:وقيد بعض الشافعية الاكتحال للعذر بكونه ليلاً ثم نزعه نهاراً كما ورد في الحديث، وأخرج الحديث في الفتح أيضاً، ولم أر من قيد بذلك من علمائنا ، وكأنه معلوم من قاعدة أن الضرورة تتقيد بقدرها، لكن إن كفاها الليل أو النهار اقتصرت على الليل ولا تعكس لأن الليل أخفى لزينة الكحل وهو محمل الحديث،والله سبحانه أعلم.(الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/ ۵۳۰-۵۳۲،فصل في الحداد، سعید).

وأيضاً فيه : ولا تخرج معتدة رجعي وبائن بأي فرقة كانت على ما في الظهيرية ولو مختلعة على نفقة عدتها في الأصح... مكلفة من بيتها أصلاً لا ليلاً ولا نهاراً ولا إلى صحن دار فيها منازل لغيره ولو بإذنه لأنه حق الله تعالى. وفي الشامية: قوله في الأصح: لأنها هي التي اختارت إبطال حقها فلا يبطل به حق عليها ومقابله ما قيل أنها تخرج نهاراً لأنها قد تحتاج كالمتوفى عنها .

قال في الفتح : والحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع ، فإن علم في واقعة عجز هذه المختلعة عن المعيشة إن لم تخرج أفتاها بالحل، وإن علم قدرتها أفتاها بالحرمة، وأقره في النهر والشرنبلالية . قوله من بيتها متعلق بقوله ولا تخرج والمراد به ما يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت، هداية، سواء كان مملوكاً للزوج أو غيره، حتى لو كان غائباً وهي في دار بأجرة قادرة على دفعها فليس لها أن تخرج بل تدفع وترجع إن كان بإذن الحاكم، بحر وزيلعي، قوله فيها منازل بغيره أي غير الزوج بخلاف ما إذا كانت له فإن لها أن تخرج إليها وتبيت في أي منزل شاء ت لأنها تضاف إليها بالسكنى. (الدر المختار مع الشامي:۳/۵۳۵، فصل الحداد،ط: سعيد).

مزید ملاحظہ فرمائیں: الهداية :۲/٤۲۷ ـ والفتاوى الهندية:۱/۵۳۳،الباب الرابع عشرفي الحداد وبدائع الصنائع :۳/۲۰۸ ، سعيد۔ وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل:۲/۱۳۲-۱۳۷۔وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/۴۱۰۔ واحسن الفتاوی: ۵/۴۳۰-۴۴۳۔ ومجموعہ قوانین اسلامی: ص۲۱۴۔ ورسالہ عدت کے شرعی احکام: ص۳۹-۵۳۔واللہ ﷻ اعلم۔

معتدہ کا والدین کے انتقال پر گھر سے نکلنے کا حکم:

سوال: ایک عورت عدتِ وفات یا عدتِ طلاق میں ہے،دورانِ عدت اس کی والدہ یا والد کا انتقال ہوگیا، اگر وہ اپنے والد یا والدہ کو دیکھنے نہ جائے تو پوری زندگی غم اور افسوس رہے گا اور طعنے سننے پڑیں گے۔کیا

تھوڑی دیر کے لئے اپنی والدہ کے دیکھنے کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ میت کا اس کے پاس لانا بہت مشکل اور مشقت طلب ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ والدین میں سے کسی کا انتقال ہوگیا اور وہ عدت میں ہے، اگر نہ جائے گی تو پوری زندگی غم اور افسوس اور پریشانی سوار رہے گی، نیز خاندان والوں کی طرف سے طعنہ وتشنیع کا بھی قوی اندیشہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں ضرورت وحاجت کی وجہ سے نکلنے کی گنجائش ہوگی، فقہاء نے متوفی عنہا زوجہا کو بوقتِ ضرورت نکلنے کی اجازت دی ہے۔ نیز سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت جابر ﷺ کی خالہ کو طلاق ہوئی، وہ اپنے کھجوروں کو توڑنے کے لئے نکلنا چاہتی تھی تو کسی نے ان کو منع کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توڑلو، شاید آپ صدقہ یا کارِ خیر کروگی۔
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے نکل سکتی ہے، حالانکہ یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس میں بدل نہ ملتا ہو، لیکن عورت کو پریشانی لاحق ہوتی ہے، اس لئے اجازت مل گئی، لیکن اس اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ عورت حالتِ عدت میں عیادت اور بیمار پرسی کے نام پر گھوم پھر کر اپنی عدت خراب کرتی رہے۔
ملاحظہ فرمائیں ابن ماجہ میں ہے:

عن جابر بن عبد اللہ ﷺ قال: طلقت خالتي فأرادت أن تجد نخلها، فزجرها رجل أن تخرج إليه، فأتت النبي صلی اللہ علیه وسلم فقال: بلی، فجدي فإنک عسی أن تصدقي أو تفعلي معروفاً. (ابن ماجة:ص ٤٦، باب هل تخرج المرأة في عدتها).

ضرورت کے وقت نکلنے میں متوفی عنہا زوجہا اور مطلقہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

وأما الخروج للضرورة فلا فرق فیه بینهما کما نصوا علیه فیما یأتي ... ولا یخرجان منه إلا أن تخرج أو یتهدم المنزل ... ونحو ذلک من الضرورات الخ. (الدر المختار مع الشامي:٣/٥٣٦، سعید).

عالمگیری میں ہے:

إن اضطرت إلی الخروج من بیتها... فلا بأس عند ذلک أن تنتقل. (الفتاوی الهندیة:١/٥٣٥).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

الحرة المسلمة في عدة طلاق أو فرقة سوى الموت لا تخرج ليلاً و لا نهاراً إلا لضرورة...والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها إلى النفقة و لا يبيت إلا في بيت زوجها ... (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/٥٥٣، فصل فيما يحرم على المعتدة).

مذکورہ بالا عبارات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی گنجائش ہے۔لیکن یہ بھی جاننا چاہئے کہ ضرورت کی کیا حدود ہیں، چنانچہ جدید فقہی مباحث میں مذکور ہے:

اس لفظ کا مادہ ''ضر'' ہے، یہ لفظ ض کے زبر اور پیش دونوں کے ساتھ منقول ہے۔بعض اہل لغت نے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے،بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ پیش کے ساتھ اسم ہے اور زبر کے ساتھ مصدر۔ یہ لفظ نقصان کے معنی میں ہے اور نفع کی ضد ہے، اس مادہ سے نکلنے والے تمام ہی الفاظ میں یہ معنی ملحوظ ہے۔(خالد سیف اللہ رحمانی) سخت پریشانی، سخت نقصان اور سخت تنگی کا مفہوم اس لفظ میں شامل ہے۔

اصطلاحی تعریف ''الموافقات'' میں امام شاطبیؒ نے تحریر فرمائی ہے:

فأما الضرورة فمعناها أنه لا بد منها في قيام مصالح الدين والدنيا بحيث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنيا على استقامته، بل على فساد وتهارج وفوت حياة، وفي الآخرة فوت النجاة والنعيم والرجوع بالخسران المبين. (الموافقات:٢/٤).

بعض حضرات کے یہاں ضرورت کی تعریف میں کسی قدر توسع ہے،اور وہ تمام باتیں جو نظامِ حیات کو مختل کردیں اور ان کی وجہ سے مفاسد پیدا ہو جائیں، یہ سب ضرورت کے زمرہ میں داخل ہیں۔شاطبیؒ کی مذکورہ بالا تعریف اسی رجحان کی حامل ہے، اور شیخ ابو زہرة اور شیخ عبد الوہاب خلاف وغیرہ کی تعریفات میں بھی ابو اسحاق شاطبی کی پیروی کی گئی ہے۔

اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ کی رائے میں ...ضرورت محض کیفیتِ اضطرار کا نام نہیں، بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اساسیات اور ان کے تحفظ کے لئے دیئے گئے مستقل اور عارضی احکام سبھی ضرورت میں داخل ہوں گے۔(جدید فقہی مباحث:۱۴/۷، تلخیص مقالات ضرورت وحاجت).

قاموس الفقہ میں ہے:

شریعت کے بنیادی مقاصد پانچ ہیں: حفظِ دین، حفظِ نفس (جس میں جان، عزت وآبرو، حیثیتِ عرفی اورعزتِ نفس بھی شامل ہے) حفظِ نسل، حفظِ مال اور حفظِ عقل۔ان پانچوں مقاصد کا حصول اور بقاء جن امور پر موقوف ہو، وہ ضرورت ہے۔اسی طرح ضرورت صرف جان بچانے ہی کا نام نہیں، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کی اساسیات ضرورت میں داخل ہے۔ (قاموس الفقہ: ۳۱۲/۴).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت صرف جان بچانے کا نام نہیں ہے، لہذا معتدہ طلاق اور وفات والدین میں سے کسی کے انتقال کی وجہ سے چہرہ دیکھنے کے لئے نکلے تو گنجائش ہونی چاہئے۔اگر نہیں نکلے گی تو بعد والی زندگی کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوڑھی عورت کے لیے بیٹے کے گھر عدت گزارنے کا حکم:

سوال: معتدۂ وفات نے کچھ عرصہ عدت کا اپنے گھر گزارا مگر تنہائی اور بڑھاپے کی وجہ سے باقی عدت اپنے بیٹے کے گھر گزارنا چاہتی ہے، کیا اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور کیا دوبارہ عدت شروع کرنی ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تنہائی اور بوڑھاپے کی وجہ سے بیٹے کے گھر عدت گزارنے کی گنجائش ہے۔ اور ازسرنو عدت شروع کرنے کی ضرورت نہیں بقیہ ایام کی تکمیل کافی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه . قوله نحو ذلک، منه ما في الظهيرية: لو خافت بالليل من أمر الميت والموت ولا أحد معها لها التحول والخوف شديد وإلا فلا .

(الدر المختار مع الشامي: ۵۳۶/۳، فصل في الحداد).

وفي الطحطاوي على الدر : قوله ونحو ذلک من الضرورات كما إذا لم يكن معها

أحـد فـي البيت وقلبها يخاف ليلاً من أمر الميت و الموت خوفاً شديداً فلها التحول وإن لم يكن شديداً فليس لها التحول ظهيرية . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ٢/ ٢٣١،باب العدة).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر تنہائی کی وجہ سے جان یا عزت یا مال پر خطرہ ہو یا اکیلی ہونے کی وجہ سے سخت وحشت ہوتی ہوتو دوسرے کسی قریبی مکان میں عدت گزار سکتی ہے۔(احسن الفتاوی:۵/۴۴۰). واللہ ﷻ اعلم۔

عدت میں میاں بیوی کے ساتھ رہنے کا حکم:

سوال: عدت کے زمانہ میں شوہر اور بیوی اگر ایک ہی گھر میں رہیں تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مطلقہ مغلظہ کو عدت کے زمانہ میں ایسی جگہ عدت گزارنا چاہئے جہاں شوہر سے اختلاط اور اس کی آمد ورفت نہ ہو، ایک مکان میں رہنے سے اگر ملاقات اور گناہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ نہ ہو نیز گھر کے بڑے حضرات روکنے پر قدرت رکھتے ہوں تو ایک گھر میں عدت گزارنا ممنوع نہیں ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

ولـم يبيـن الـمصنف حكم إقامته معها في منزل الطلاق قال في المجتبى: وإذا وجب الاعتداد في منزل الزوج فلا بأس بأن يسكنا في بيت واحد إذا كان عدلاً سواء كان الطلاق رجـعيـاً أو بائناً أو ثلاثاً والأفضل أن يحال بينهما في البيتوتة بستر إلا أن يكون الزوج فاسقاً فيـحال بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما وإن تعذر فلتخرج هي وتعتد في منزل آخر ... في الهداية: بأن خروجه أولى من خروجها عند العذر .(البحر الرائق :٤/ ١٥٤،باب العدة، كوئته).

وفـي الدر المختار : ولا بد من سترة بينهما في البائن لئلا يختلي بالأجنبية ومفاده أن الحائل يمنع الخلوة المحرمة وإن ضاق المنزل عليهما أو كان الزوج فاسقاً فخروجه أولى لأن مكثها واجب لا مكثه ومفاده وجوب الحكم به ذكره الكمال وحسن أن يجعل القاضي بينهما امرأة ثقة قادرة على الحيلولة بينهما وفي المجتبى الأفضل الحيلولة بستر ولو فاسقاً

فبامرأة . و في الشامي : فإن السترة لا بد منها كما عبر المصنف تبعاً للهداية و هو الظاهر لحرمة الخلوة بالأجنبية . (الدرالمختار مع رد المحتار:۵۳۷/۳، فصل في الحداد، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

عورت اسی مکان میں عدت گزارے مگر میاں بیوی کے درمیان کوئی حائل یعنی پردہ وغیرہ کرنا ضروری ہے تاکہ خلوت میں دونوں کا اجتماع نہ ہو، اگر ایک مکان میں رہنے سے گناہ میں ابتلاء کا اندیشہ ہوتو کوئی ایسی عورت ساتھ رہے جو دونوں کو الگ رکھنے پر قادر ہو اگر ایسا نہ ہو سکے تو شوہر پر واجب ہے کہ عدت ختم ہونے تک اس مکان کو چھوڑ دے، کسی دوسرے مکان میں رہے اگر اس کو اس پر مجبور نہ کیا جا سکتا ہو تو بیوی یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں عدت گزارے۔(احسن الفتاویٰ:۵/۴۴۷). **واللہ ﷻ اعلم۔**

طلاق ثلاثہ کے بعد ساتھ رہنے کا حکم:

سوال: تین طلاق کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کے تعاون وغیرہ کے لئے بڑھاپے کی وجہ سے ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ میں بڑھاپے میں ایک دوسرے کے تعاون اور خدمت کے لئے فقہاء نے ساتھ رہنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح عورت کا کوئی پرسان حال نہ ہو اور نفقہ، سکنی وغیرہ کا انتظام بھی مشکل ہو اور فتنہ وغیرہ کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو تو آپس میں ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے تعاون کی اجازت ہے لیکن میاں بیوی جیسا معاملہ نہ ہو۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے

قال : ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج، ولم يكن فيه خوف فتنة انتهى. وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا يلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلک؟ قال: نعم، وأقره المصنف. وفي الشامية : قوله

وسئل شيخ الإسلام حيث أطلقوه ينصرف إلى بكر المشهور بخواهر زاده، وكأنه أراد بنقل هذا تخصيص ما نقله عن المجتبى بما إذا كانت السكنى معها لحاجة، كوجود أولاد يخشى ضياعهم لو سكنوا معه أو معها أو كونهما كبيرين لا يجد هو من يعوله ولا هي من يشتري لها أو نحو ذلك، والظاهر أن التقييد يكون سنهما ستين سنة وبوجود الأولاد مبني على كونه كان كذلك في حادثة السؤال. (الدر المختار مع رد المحتار:۳/۵۳۸، فصل فی الحداد).

(ومثله فی البحر الرائق: ۴/۱۵۴، فصل فی الحداد، ط: کوئٹہ).

احسن الفتاوی میں ہے:

بڑھاپے اور مرض کی پیش نظر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور خدمت جائز ہے، بشرطیکہ میاں بیوی جیسا معاملہ نہ ہونے پائے اگر کسی ناجائز معاملہ میں ابتلاء کا ادنی سا خطرہ بھی ہو تو بالکل علیحدگی اختیار کرنا فرض ہے، اور ایک مکان میں رہنا جائز نہیں ہے۔(احسن الفتاوی ۵/۱۶۳). **واللہ ﷻ اعلم۔**

دورانِ عدت نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاقِ بائن دی ایک حیض گزرنے پر اس نے تجدیدِ نکاح کیا، پھر دوسری طلاقِ بائن دی، اس کے بعد عدت کا پہلا حیض یکم مارچ سے ۱۱ مارچ تک آیا، پھر عورت بتلاتی ہے کہ ۱۷، مارچ سے ۲۶، مارچ تک دوسرا حیض آیا اس کے بعد کسی اور شخص سے اس نے نکاح کیا پھر ۱۲، اپریل سے ۲۱، اپریل تک تیسرا حیض آنے پر دوبارہ تجدیدِ نکاح کیا نکاح کے بعد اسی دن خون کے چند قطرے نظر آئے تو اب یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نکاحِ ثانی دورانِ عدت واقع ہوا اس لیے کہ جو خون دیکھا، ۱۷، مارچ سے ۲۶، مارچ تک وہ حیض کا خون نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس سے پہلے والے حیض کے ختم ہونے کے بعد ۱۵، دن کا وقفہ جو کہ اقل مدتِ طہر ہے نہیں پایا گیا، اور معتدۃ الغیر سے نکاح باطل ہے، لہٰذا شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو چھوڑ دے اور اگر وہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی جمعیت کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرادے، اس کے بعد احتیاطاً

عدت گزارے پھر عورت آزاد ہوجائیگی، اور کسی اور جگہ اگر چاہے تو نکاح کرسکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

أقل الطهر بين الحيضتين أو النفاس والحيض خمسة عشر يوماً ولياليها إجماعاً .

(الدر المختار: ۱/ ۲۸۵، سعید).

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ امداد الفتاوی میں عربی عبارات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ازیں روایات معلوم شد کہ ایں نکاح (یعنی عدت میں نکاح) باطل است ...نیز واضح گشت کہ وجوبِ عدت دریں صورت مسئول عنہا مختلف فیہ است واحوط وجوب ست۔ (امداد الفتاوی: ۲/ ۵۰۵).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

نکاحِ فاسد کی صورت میں زوجین پر متارکت لازم ہے، اگر دونوں باہم جدا نہ ہوں تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۰۶).

یہاں چونکہ قاضی مفقود ہے اس لیے جمعیت قاضی کی قائم مقام ہے، وہ ایسے نکاح کو فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾

(سورة البقرة: الآية: ۲۳۳)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر".

(رواه البخاری).

باب ...... (۱۳)

ثبوتِ نسب کا بیان

باب ﴿۱۳﴾

ثبوتِ نسب کا بیان

زانیہ سے نکاح کے بعد ثبوتِ نسب کا حکم:

سوال: ایک لڑکے نے کسی لڑکی کے ساتھ زنا کیا اور حمل ظاہر ہونے کے بعد اس لڑکی سے نکاح کیا تو اب وہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہوگا، اور اگر چھ ماہ سے قبل پیدا ہوا تو ثابت النسب نہ ہوگا، ہاں اگر شوہر اس کو اپنا ہی بچہ سمجھے تو وہ اسی کا بچہ سمجھا جائیگا، چونکہ اس ملک میں قانون لعان نہیں ہے، اس لیے نسب کی نفی بذریعہ لعان بھی نہیں ہوسکتی، لیکن شوہر کے لیے ازراہِ دیانت جائز نہیں ہے کہ اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے جو نکاح کے بعد چھ ماہ سے قبل پیدا ہوا ہو، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے خفیہ نکاح کرلیا ہو۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً والولد له أى إن جاء ت بعد النكاح لستة أشهر مختارات النوازل، فلو لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح، لايثبت النسب، ولايرث منه إلا أن يقول: هذا الولد مني، ولايقول من الزنى خانية، والظاهر أن هذا من حيث القضاء،

أما من حيث الديانة فلا يجوز له أن يدعيه لأن الشرع قطع نسبه منه، فلا يحل له استلحاقه به ولذا لو صرح بأنه من الزنى لايثبت قضاءً أيضاً وإنما يثبت لو لم يصرح لاحتمال كونه بعقد سابق أو بشبهة حملاً لحال المسلم على الصلاح ، وكذا ثبوته مطلقاً إذا جاء ت به لستة أشهر من النكاح لاحتمال علوقه بعد العقد وأن ماقبل العقد كان انتفاخاً لاحملاً ويحتاط في إثبات النسب ما أمكن. (الدرالمختارمع فتاوى الشامي:۳/۴۹،فصل فى المحرمات،سعيد).

وفي الطحطاوى على الدرالمختار: قوله والولد له أى يثبت نسبه منه ولايحرم عليه إلحاقه به هذا مايعطيه ظاهره ولم ينظروا فيه إلى وقت العلوق وإلا انعكست الأحكام وإنما نظروا إلى النكاح فكأنه صدر من نكاح في ابتداء ه وحرره ثم رأيت في أبي السعود نقلاً عن الواقعات الحسامية: رجل زنى بامرأة حملت منه فلما استبان حملها تزوجها الذي زنى بها فالنكاح جائز فإن جاء ت بولد بعد النكاح بستة أشهر فصاعداً يثبت النسب منه ويرث منه لأنها جاء ت بالولد في مدة حمل تامة عقيب نكاح صحيح وإن جاء ت لأقل من ستة أشهر لايثبت النسب ولايرث منه لأنها لم تجئ به لمدة حمل تامة. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:۲/۲۳،كتاب النكاح،ط:كوئته). واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوعورت سے نکاح کرنے پر بچے کے نسب کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ہندوعورت سے نکاح کیا تو بچے ثابت النسب ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ہندوعورت سے نکاح صحیح نہ ہونے کی بنا پر اولا د ثابت النسب نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قلت: وفي مجمع الفتاویٰ: نكح كافر مسلمة فولدت منه لايثبت النسب منه ولاتجب العدة ، لأنه نكاح باطل . و في الشامية: قوله لأنه نكاح باطل أي فالوطئ فيه زنا لايثبت به النسب ، بخلاف الفاسد فإنه وطئ بشبهة فيثبت به النسب، ولذا تكون بالفاسد

فراشاً لا بالباطل. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۳/۵۵۵،فصل فی ثبوت النسب،ط:سعید).

امدادالفتاوی میں ہے:

نکاح باطل میں نسب ثابت نہیں ہوتا۔(امدادالفتاوی:۲/۵۱۴).

نوٹ:۔ نکاح باطل وفاسد کی ضروری وضاحت فتاویٰ کی تیسری جلد میں کتاب النکاح ص۶۰۳ پر گزرچکی ہے،وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ثبوتِ نسب کے بارے چنداصول کی وضاحت:

ثبوتِ نسب کے بارے چنداصولی باتیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) نکاح صحیح کے بعد اگر منکوحہ کو چھ مہینے سے کم میں بچہ ہوگا تو وہ بچہ شوہر سے ثابت النسب نہیں ہوگا،اور پورے چھ ماہ یا اس سے زائد پر جو بچہ پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا،اس کے ثابت النسب ہونے کے لیے شوہر کا دعویٰ ضروری نہیں ہے،اگر شوہر بچہ کا باپ ہونے سے انکار کرے تو لعان کے بغیر بچہ کا نسب اس سے منقطع نہیں ہوگا،حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دوسال۔

ملاحظہ فرمائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

" الولد لايبقى في بطن أمه أكثر من سنتين ولو بقدر فلكة مغزل ".قال العلامة اللكنويؒ:ومثله لايقال إلا سماعاً .(التعليق الممجدعلى موطامحمد:۲/۶۰۸،باب الرضاع،دارالقلم دمشق).

ہدایہ میں ہے:

وإذا تزوج الرجل امرأة فجاء ت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه لأن العلوق سابق على النكاح فلا يكون منه وإن جاء ت به ستة أشهرفصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت لأن الفراش قائم والمدة تامة. (الهداية:۲/۴۳۲،باب ثبوت النسب).

(۲) جس عورت سے وطی بالشبہہ ہوگئی ہو اور اس وطی کے چھ مہینے یا زائد پر بچہ پیدا ہوا ہو تو جب تک وطی

کرنے والا یہ دعویٰ نہ کرے کہ یہ میرا بچہ ہے اس وقت تک اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

البحر الرائق میں ہے:

أن من وطئ امرأة أجنبية زفت إليه و قيل له إنها امرأتک فهي شبهة في الفعل و أن النسب يثبت إذا ادعاه. (البحر الرائق: ۴/ ۱۵۸، باب ثبوت النسب، کوئٹہ)۔

(۳) اگر معتدہ رجعیہ کو عدت گزر جانے کے اقرار سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ ثابت النسب قرار پائیگا، اگر چہ دو سال کے بعد ہی پیدا ہوا ہو، اور اگر عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار کرلیا اور اس کے بعد چھ مہینہ سے کم میں بچہ پیدا ہو تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا، ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ويثبت نسب ولد معتدة الرجعي وإن ولدته لأكثر من سنتين ما لم تقر بمضي العدة وكانت رجعة في الأكثر منهما لا في الأقل منهما أي من السنتين لاحتمال العلوق في حالة العدة لجواز أنها تكون ممتدة الطهر، فإن جاء ت به لأقل من سنتين بانت من زوجها لانقضاء العدة وثبت نسبه لوجود العلوق في النكاح أوفي العدة ...وإن جاء ت به لأكثرمن سنتين كانت رجعة لأن العلوق بعد الطلاق والظاهر أنه منه لانتفاء الزنا...ويكون العلوق مستنداً إلى أبعد الأوقات للحاجة إلى إثبات النسب وأمره مبنى على الاحتياط كذا في غاية البيان...وقيد بعدم إقرارها لأنها لو أقرت بانقضائها والمدة محتملة بأن تكون ستين يوماً على قول أبي حنيفةؒ وتسعة وثلاثين على قولهما ثم جاء ت بولد لايثبت نسبه إلا إذا جاء ت به لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار فإنه يثبت نسبه للتيقن بقيام الحمل وقت الإقرار.

(البحر الرائق: ۴/ ۱۵۶، باب ثبوت النسب، ط: کوئٹہ)۔

(۴) مطلقہ بائنہ یا مغلظہ کو اگر بعد طلاق چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو تو وہ بھی ثابت النسب ہوگا، چھ مہینہ سے زائد مگر دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا، بلکہ اگر دو سال پر یا دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور شوہر دعویٰ کرے

تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا، ورنہ نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

والمبتوتة يثبت نسب ولدها إذا جاء ت به لأقل من سنتين...وإذا جاء ت به لتمام سنتين من وقت الفرقة لم يثبت لأن الحمل حادث بعد الطلاق فلا يكون منه لأن وطيها حرام إلا أن يدعيه لأنه التزمه وله وجه بأن وطيها بشبهة في العدة. (الهداية:٢/٤٣٠، باب ثبوت النسب).

(۵) اگر شوہر کی وفات کے بعد چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوتو وہ ثابت النسب ہوگا، اور اگر دوسال کے اندر پیدا ہوا اور اس نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو، یا اقرار کرلیا ہو مگر وقت اقرار کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بچہ بھی ثابت النسب ہوگا، ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويثبت نسب ولد المتوفى عنها زوجها ما بين الوفاة و بين السنتين...وإذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاء ت بالولد لأقل من ستة أشهر يثبت نسبه لأنه ظهر كذبها بيقين فبطل الإقرار وإن جاء ت به لستة أشهر لم يثبت لأنا لم نعلم ببطلان الإقرار لاحتمال الحدوث بعده. (الهداية:٢/٤٣١، باب ثبوت النسب).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (مجموعہ قوانین اسلامی:۲۲۴-۲۲۱). واللہ ﷻ اعلم۔

طویل عرصہ جدائی کے بعد بچہ پیدا ہونے پر ثبوتِ نسب کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص پچھلے چند سالوں سے سفر پر ہو، اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے تو بچہ کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: رشتہ نکاح کا وجود ثبوتِ نسب کے لیے کافی ہے، پس نکاح کی موجودگی میں جو بچہ بھی پیدا ہو وہ ثابت النسب ہوگا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی جب نکاح موجود ہے تو جدائی کا اعتبار نہیں بچہ کا نسب اس آدمی

سے ثابت ہوگا، ہاں شوہر بذریعہ لعان نسب کی نفی کرسکتا ہے، لیکن چونکہ اس ملک میں قانون لعان نافذ نہ ہونے کی بنا پر بذریعہ لعان بھی نفی ممکن نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: " الولد للفراش وللعاهر الحجر". (رواه البخاري:۲/۹۹۹،باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قال أصحابنا:لثبوت النسب ثلاث مراتب(الأولی)النكاح الصحيح وما هو في معناه والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة ولاينتفي بمجرد النفي وإنما ينتفي باللعان فإن كانا ممن لا لعان بينهما لاينتفي نسب الولد كذا في المحيط. (الفتاوی الهندية:۱/۵۳٦،الباب الخامس عشرفی ثبوت النسب).

فتح القدیر میں ہے:

وحاصله أن الثبوت يتوقف على الفراش وهو يثبت مقارناً للنكاح المقارن للعلوق فتعلق وهي فراش فيثبت نسبه ...قال بعض المشايخ ...قيام الفراش كافٍ ، ولا يعتبر إمكان الدخول بل النكاح قائم مقامه كما في تزوج المشرقي بمغربية. (فتح القدير:٤/۳٤۹،۳۵۰، باب ثبوت النسب،ط: دار الفكر).

درمختار میں ہے:

أن الفراش على أربع مراتب وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهرمذ تزوجها لتصوره كرامة أواستخداماً...وفی الشامية: قوله على أربع مراتب ...وقوي وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فإنه فيه لاينتفي إلا باللعان . (الدرالمختارمع فتاوی الشامی:۳/۵۵۰،فصل فی ثبوت النسب،ط: سعید۔وكذا فی الدرالمختار:۳/٦۹٤،باب الاستيلاد،ط: سعيد). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

گم شدہ عورت کی اولاد کے نسب کا حکم:

سوال: ایک شخص کسی کی عورت اغوا کر کے لے گیا اور طویل عرصہ سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، اور اس درمیان میں بچے بھی ہوئے ہیں، لیکن اب تک خاوند نے طلاق نہیں دی ہے، ایسی صورت میں بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور کا اغوا کر کے غیر کی زوجہ سے منافع حاصل کرنا زنا ہے، اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا بچوں کا نسب تو اصل شوہر ہی سے ثابت ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“. (رواه البخاري:۲/۹۹۹، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).

درمختار میں ہے:

أن الفراش على أربع مراتب وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول ...وفي الشامية: قوله على أربع مراتب ...وقوي وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فإنه فيه لاينتفي إلا باللعان. (الدرالمختار مع الشامي:۳/۵۵۰، فصل في ثبوت النسب، ط: سعيد۔ و۳/۶۹۴، باب الاستيلاد، سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أما أن قال: إنه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولايرث منه كذا في الينابيع. (الفتاوى الهندية:۱/۵۴۰، باب ثبوت النسب).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۱/۳۲، مدلل مکمل۔ وفتاویٰ حقانیہ:۴/۵۶۳). واللہ ﷻ اعلم۔

ٹسٹ ٹیوب بے بی کے نسب کا حکم:

سوال: ہم پچھلے چھ سال سے شادی شدہ ہیں، مگر اولاد سے محروم ہیں، آج کل کے طریقہ علاج میں

سے ایک طریقہ مصنوعی طریق حمل وتولید ہے، جس کی بہت ساری شکلیں ہیں، ان میں سے تین شکلوں سے متعلق مجھے فتویٰ درکار ہے، کہ ان تین طریقوں سے علاج کرنا اور اولاد حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ وہ شکلیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) (Artificial Insemination) شوہر کا مادۂ تولید انجکشن کے ذریعہ اپنی بیوی کے رحم میں پہنچانا یہ اس لیے ہوتا ہے کہ کوئی مرد کمزوری یا کسی بیماری کے سبب اپنے مادۂ تولید کو اس مقام تک پہنچانے پر قادر نہیں ہوتا۔

(۲) (In Vitro Fertilisation [IVF]) شوہر اور بیوی دونوں کا مادۂ تولید حاصل کرنے کے بعد رحم سے باہر ٹیوب میں مخصوص مدت تک ان کی پرورش کی جائے پھر بیوی کے رحم میں منتقل کردیا جائے، یہ صورت ایسی عورت کے لیے اختیار کی جاتی ہے جس کی بچہ دانی تک مادہ پہنچنے کا راستہ بند ہوگیا ہو جس کی وجہ سے استقرار حمل نہ ہوتا ہو۔ اسی کو ٹسٹ ٹیوب بے بی (Test Tube Baby) کہتے ہیں۔

(۳) (Gamete Intrafallopian Transfer [GIFT]) میاں بیوی کے مادۂ تولید کو باہم خلط ملط کر کے بجائے باہر ٹیوب میں رکھنے کے سیدھا بیوی کی رحم دانی میں داخل کردیا جاتا ہے، یہ صورت صرف اس عورت کے ساتھ اختیار کی جاسکتی ہے جس کی دو بیض نالیوں (Fallopian Tube) (وہ نالیاں جو بیضۃ المنی کو رحم میں پہنچانے کا کام کرتی ہیں) میں کم از کم ایک صحیح سالم ہو۔

الجواب: مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں میاں بیوی کے مادۂ تولید کا اختلاط ہے کسی اجنبی کا نہیں ہے، لہٰذا اس طرح اولاد حاصل کرنا اور علاج کرانا ضرورت کے وقت جائز اور درست ہوگا، ہاں بلا ضرورت اس پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہئے، نیز بوقت ضرورت بھی صرف میاں بیوی کے مادہ کے اختلاط کی گنجائش ہوگی، اجنبی کا مادہ لے کر رحم میں داخل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں، اور یہ عمل مکمل ہوجائے اور بچہ پیدا ہو تو میاں بیوی سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جدید فقہی مسائل میں تحریر فرماتے ہیں:

شوہر بیوی کے مادۂ حیات کو خلط ملط کر کے تولید عمل میں آئے، اس کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) شوہر کا مادہ انجکشن وغیرہ کے ذریعہ عورت کے رحم تک پہنچادیا جائے۔

(۲) شوہر و بیوی کے مادے حاصل کیے جائیں اور ٹیوب میں مخصوص مدت تک ان کی پرورش کی جائے، پھر اسی عورت کے رحم میں منتقل کردیا جائے۔

(۳) زن وشو کا مادہ حاصل کیا جائے اور اس آمیزش کو اسی شوہر کی دوسری بیوی کے رحم میں منتقل کردیا جائے، اس لیے کہ پہلی بیوی زچگی کی متحمل نہ ہو، یا طبی اسباب کی بنا پر تولید کی اہل نہ ہو۔

پہلے غور کرنا چاہئے کہ کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

جن فقہاء نے اس کو نادرست قرار دیا ہے ان کے سامنے تین باتیں ہیں:

(۱) مرد کو جلق کے ذریعہ مادہ نکالنا ہوگا اور جلق کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) مرد و عورت یا کم ازکم عورت کی بے ستری ہوگی، اور شدید مجبوری کے بغیر بے ستری اطباء کے سامنے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ طریقہ خلاف فطرت ہے، اور شریعت کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ خلاف فطرت امور سے منع کرتی ہے۔

ان اشکالات کے جوابات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عام حالات میں فقہاء نے جلق کرنے سے منع کیا ہے، لیکن جہاں ضرورت دامن گیر ہو وہاں اس کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں عبدالرشید طاہر بخاری لکھتے ہیں:

" إذا عالج ذكره حتى أمنى... ولا يحل هذا الفعل خارج رمضان إن قصد قضاء الشهوة و إن قصد تسكين شهوة أرجو أن لا يكون عليه وبال". (خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۶۰، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم، المكتبة الرشيدية).

جلق کی ممانعت کی اصل حکمت:

جلق میں مادۂ حیات کو ضائع کردیا جاتا ہے، لیکن جلق کا عمل مصنوعی تولید کے لیے کیا جائے تو اس میں

جوہر حیات کو کارگر وثمر آور بنانا ہے، اس لیے یہ صورت جلق کی ممنوع صورتوں میں داخل نہیں۔

(۲) شدید مجبوری کے بغیر اس میں بے پردگی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء نے بعض ایسی صورتوں میں بھی بے ستری کو گوارا کیا ہے جو خود تو کوئی شدید مرض نہیں، لیکن امکانی طور پر شدید امراض کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ اولاد سے محرومی بعض شدید امراض کا سبب بن جاتی ہے، ملاحظہ ہو علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

" **وقد روى عن أبي يوسفؒ أنه إذا كان به هزال فاحش وقيل له إن الحقنة تزيل ما بك من الهزال فلا بأس بأن يبدئ ذلك الموضع للمحتقن وهذا صحيح فإن الهزال الفاحش نوع مرض تكون آخره الدق والسل**". (المبسوط للامام السرخسیؒ: ۱۰/۱۵۶، کتاب الاستحسان، النظر الی العورۃ).

ضرورت تو کجا بعض مرتبہ سنت یا مباح کی ادائیگی کے لیے بھی بے ستری جو کہ حرام ہے شریعت نے اجازت مرحمت فرمائی ہے، جیسے مرد کی ختنہ محض سنت ہے، اور عورت کی مباح ہے پھر بھی فقہاء نے ضرورت اور عذر کے دائرہ میں شمار فرما کر بے ستری کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

" **ولايباح النظر والمس إلى مابين السرة والركبة إلا في حالة الضرورة بأن كانت المرأة ختانة تختن النساء**". (تحفۃ الفقہاء: ۳/۳۳٤، کتاب الاستحسان).

نیز موٹاپا نہ حاجت ہے ضرورت، لیکن فقہاء نے یہاں بھی حقنہ لگانے کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

" **لا بأس بالحقنة لأجل السمن هكذا روي عن أبي يوسفؒ**". (خلاصۃ الفتاوی: ٤/۳٦۳، کتاب الکراھیۃ، الفصل الخامس فی الاکل، ط: المکتبۃ الرشیدیۃ).

ٹسٹ ٹیوب کی مدد لاولد کے لیے دراصل ایک ذریعہ علاج ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ فقہاء نے انسانی مسائل کو تین خانوں۔ضرورت، حاجت، اور تحسین۔ میں تقسیم کیا ہے، اور ممنوعات کو صرف اس وقت جائز رکھا ہے جب کہ ضرورت یا حاجت اس کی اجازت کا تقاضہ کرے، لیکن فقہی جزئیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج و

معالجہ کے باب میں فقہاء نے ایک گونہ زیادہ وسعت سے کام لیا ہے، اس لیے اولاد سے محروم شوہر و بیوی کے لیے اولاد کا حصول ایک فطری جذبہ اور طبعی داعیہ جس کے لیے شوہر کا مرد طبیب اور عورت کی عورت طبیبہ کے سامنے بے ستری گوارا کی جاسکتی ہے۔

(۳) خلاف فطرت طریقہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ فطری ضرورت اور تقاضہ کی تکمیل (اولاد کا حصول) کے لیے ایسی غیر فطری صورت اختیار کرنا جس کی ممانعت پر نص وارد نہ ہو جائز ہوگا، مثلاً بچہ کی ولادت کی اصل راہ عورت کی شرمگاہ ہے، لیکن ضرورت ہو تو آپریشن کی اجازت ہے، اس لیے یہاں بھی مجبوری کے درجہ میں اس غیر فطری عمل کی اجازت ہونی چاہیے۔

ثبوتِ نسب کا حکم:

ثبوتِ نسب کے لیے شوہر کے نطفہ سے بیوی کا حاملہ ہو جانا کافی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جسمانی طور پر اس کے ساتھ مباشرت کرے، لہٰذا بغیر وطی کے بھی استقرار حمل سے بچہ کا نسب میاں بیوی سے ثابت ہو جائے گا۔ جس کی نظیر حسب ذیل درج ہے:

" رجل وطي جارية في مادون الفرج فأنزل فأخذت الجارية ماء ه في شيء فاستدخلته في فرجها فعلقت، عند أبي حنيفةؒ أن الولد ولده وتصير الجارية أم ولده كذا في فتاویٰ قاضيخان". (الفتاوى الهندية:٤/١١٤، الباب الرابع عشر في دعوى النسب).

تیسری صورت کا حکم:

اگر میاں بیوی کا مادۂ منویہ شوہر کی دوسری بیوی یعنی سوکن کے رحم میں داخل کیا جائے تو بچہ کی حقیقی ماں کون ہوگی؟ اس بارے میں اہل علم کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن معقول بات یہ ہے کہ حرمت نکاح وغیرہ میں دونوں کو اس مولود کے لیے حقیقی ماں کے حکم میں رکھا جائے، اور نفقہ و میراث وغیرہ کے احکام میں اس عورت کو ماں کا حکم دیا جائے جس نے حمل کی مشقت برداشت کی ہے اور مولود کو جنا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إن أمهاتهم إلا اللائي ولدنهم﴾. (سورة المجادلة:الآية:٢).

فقہاء کے یہاں بعض ایسی نظیریں بھی موجود ہیں کہ ایک ہی بچہ کا نسب دو مردوں سے ثابت کیا گیا ہے۔
ملاحظہ ہو شرح قدوری میں ہے:

" وإذا كانت جارية بين اثنين جاء ت بولد فادعياه حتى ثبت النسب منهما". (الجوهرة النيرة: ۲/۸٤، كتاب النكاح، ط: امداديه، ملتان۔ وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۱۹، كوئته).

پہلی عورت سے نسب کا ثبوت تو اس وجہ سے کہ بیضۃ المنی اسی سے حاصل کیا گیا ہے اور بچہ کی حیثیت اس کے جزو کی ہوگی اور نسب اور اس کی حرمت کی بنا اصل میں اسی رشتہ جزئیت پر ہے، صاحب ہدایہ نے زنا کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

" إن الوطي سبب الجزئية بواسطة الولد حتى يضاف إلى كل واحد منهما كملا".
(الهداية: ۲/۳۰۹، فصل في المحرمات).

اور شوہر کی دوسری بیوی جس کے رحم میں پرورش پائی اس سے ثبوت نسب کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جو زحمت ولادت برداشت کرے اور جس کے رحم میں بچہ پرورش پائے ان کے لیے سب سے بڑی شہادت قرآن کریم کی یہ تعبیر ہے کہ وہ ماں کو والدہ ''بچہ جننے والی'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے پھر رحم میں بچہ اسی عورت کا جزو قرار پاتا ہے۔
(ملخص از جدید فقہی مسائل ۵/۱۵۱۔۱۶۳، ٹسٹ ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام).
مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل: ۲/۵۴۷۔۵۴۸۔ وجدید مسائل کا شرعی حل: ۲۰۹۔۲۱۴). واللہ ﷻ اعلم۔

اجنبی کے مادہ سے تولید عمل میں آنے پر بچے کے نسب کا حکم:

سوال: ایک طریقہ رائج ہے کہ اگر خاوند سے کسی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی ہو تو دوسرے اجنبی کا مادہ منویہ رحم میں پہنچانے سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا، شوہر سے یا اس غیر سے جس کا مادۂ منویہ ڈالا گیا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ طریقہ کار یعنی بذریعہ انجکشن غیر شوہر سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے، تاہم تولید کا عمل مکمل ہو جائے تو اس عورت کے شوہر ہی سے نسب ثابت ہوگا، غیر

سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: " الولد للفراش وللعاهر الحجر". (رواہ البخاری:۲/۹۹۹،باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اجنبی مرد وعورت کے مادے کے اختلاط کی تمام صورتیں گناہ ہیں اور حکم کے اعتبار سے زنا ہے...اگر وہ عورت کسی مرد کی زوجیت میں رہتے ہوئے کسی اجنبی کے مادہ سے حاملہ ہو یا صاحب اولاد بنے تو مولود کا نسب اس کے حقیقی شوہر سے ثابت ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل:۱۵۲/۵،ٹسٹ ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام).

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر ہی لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا،اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام ثابت ہوں گے،ثبوتِ نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں،اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا،فقہاء کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

البکر إذا جومعت في ما دون الفرج فحبلت بأن دخل الماء في فرجها فلما قرب أوان ولادتها تزال عذرها ببيضة أو بحرف درهم. (الفتاوی الهندية:۳۶۰/۵،کتاب الکراهية ، باب ۲۱ ۔وکذا فی المحيط البرهانی:۱۲۷/۶،کتاب الاستحسان والکراهية).

کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے ،پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ مادۂ منویہ شرمگاہ میں داخل ہو جائے پس جب ولادت کا وقت قریب آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعہ اس کا پردۂ کنوار پن چاک کر دیا جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی،البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی ،اس لیے کہ وہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے، بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے

پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل: جلد اول، ص:۱۵۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوجین کا مادۂ منویہ کا اجنبیہ کے رحم میں نشو ونما پانے سے نسب کا حکم:

سوال: جدید طریقۂ تولید میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادۂ منویہ کو ملا کر ٹیوپ کے ذریعہ کسی اجنبیہ (شادی شدہ یا غیر شادی شدہ) کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اس کے رحم میں نشو ونما پا کر بچہ بن کر پیدا ہو جاتا ہے، اور اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ عمل حرام اور ناجائز ہے، البتہ تکمیل عمل کے بعد بچہ کی حقیقی ماں وہ ہی ہے جس نے مشقتِ حمل برداشت کی اور بچہ کو جنم دیا، ثبوتِ نسب کی مزید تفصیل حسبِ ذیل درج ہے۔

ملاحظہ ہو عصر حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بچہ کی ماں شرعی طور پہ وہی ہوگی جس نے بچہ کو جنم دیا ہو چاہے مادہ کسی دوسری عورت ہی کا استعمال کیوں نہ ہوا ہو، خداوند قدوس کا کھلا ہوا ارشاد ہے:

﴿إن أمهاتهم إلا اللائي ولدنهم﴾. (سورة المجادلة:الآية:۲).

ترجمہ: ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔

اگر کسی دوسرے مرد کا نطفہ استعمال ہوا ہو تو بچہ کی پیدائش اگر کسی باخاوند عورت کے پیٹ سے ہوئی ہو تو اس صورت میں بچہ کا نسب اس عورت کے حقیقی شوہر سے ہی قائم ہوگا، اور جس کا مادہ استعمال ہوا ہے وہ زانی کے حکم میں تصور کیا جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر". (رواه البخاري:۲/۹۹۹،باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).

یعنی: بچہ تو صاحبِ فراش (جائز شوہر) کا ہوگا اور زناکار کے لیے پتھر (سنگساری کی سزا) ہے۔

اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے پیٹ سے اس طریقہ کے مطابق بچہ کی پیدائش عمل میں آئے تو اس صورت میں اگر چہ وہ آدمی معروف ہی کیوں نہ ہو جس کا مادہ استعمال کیا گیا ہے لیکن نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا، اور بچہ کی نسبت ماں کی طرف کی جائیگی، کیونکہ شرعی طور پہ بدکاری سے نسب کا شرف انسان کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حاشیہ میں مذکور ہے:

اس سلسلہ میں عجیب وغریب رائے وہ ہے جس کا اظہار ڈاکٹر مصطفیٰ احمد الزرقاء نے کیا ہے کہ بچہ کی حقیقی ماں وہ قرار پائے گی، جس کا مادۂ منویہ مرد کے مادۂ منویہ کے ساتھ استعمال ہوا ہو اور جننے والی کی حیثیت رضاعی ماں کے مشابہ ہوگی، وراثت وغیرہ کا تعلق پہلی ہی عورت سے قائم ہوگا، ظاہر ہے کہ قرآنی آیت میں جس حصر اور تاکید کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ماں ہونے کا حق تولید (بچے کو جننے) سے مربوط ہے اس کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ کی تحقیق پہ ہی سعودی عرب کی المجمع الفقہی نے اپنے فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقاء اس وقت کے نامور عالم اور بالغ نظر فقیہ ہیں لیکن ان کی یہ تحقیق صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور اس سلسلہ میں خود ان کے ہم وطن اور ہم سبق مشہور ادیب شیخ علی الطنطاوی کی تنقید صحیح معلوم ہوتی ہے، جنھوں نے ان کی رائے سے شد ومد کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور ہماری نظر میں وہی صحیح بھی ہے۔

(عصر حاضر کے فقہی مسائل از مولانا بدر الحسن القاسمی، ص ۶۶۔۶۷، مرکز دعوت وتحقیق اسلامی حیدر آباد)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ۱۵۲/۵۔۱۵۴)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه
أن امرأة، قالت: يا رسول الله!
إن ابني هذا كان بطني له وعاء وثديي له سقاء
وحجري له حواء وأن أباه طلقني وأراد أن ينزعه مني،
فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم:
"أنت أحق به ما لم تنكحي".

(رواه ابو داود).

باب ...... ﴿۱۴﴾

حضانت کا بیان

باب ...... ﴿۱۴﴾

پرورش کا بیان

پرورش کی پہلی حقدار ماں ہے:

سوال: اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے یا زوجین میں تفریق ہو جائے تو بچے کی پرورش کا حقدار کون ہے؟ نیز نفقہ وغیرہ کس کے ذمے لازم ہے؟ اور پرورش کے حقداروں کی ترتیب کیا ہے؟

الجواب: بچے کی پرورش کی نگرانی ماں کے ذمہ ہے، اگر ماں کو طلاق مل چکی ہے تب بھی بچے کو سات سال تک اور بچی کو ۹ سال تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے، اور اخراجات بچہ کے باپ کے ذمہ ہوں گے، اس درمیان والد اس بچے کو نہیں لے سکتا ہے، البتہ طلاق کے بعد ماں خود اپنی خوشی سے بچے کو حوالہ کر دے، یا وہ اجنبی جگہ نکاح کر لے تو پھر باپ کو اس کی پرورش کرنی ہوگی، اور وہ اس کی مطلقہ ماں کو پرورش کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

اگر عورت خدانہ خواستہ مرتد ہو جائے تو بچہ اس کی پرورش اور نگرانی میں نہیں دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ بد اخلاق و بدکردار ہو یعنی اس میں ایسے عیوب ہوں مثلاً زنا، چوری، گانا بجانا وغیرہ جن کی موجودگی میں بچے کے دین و اخلاق کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی عورت کی نگرانی میں بچے کو نہیں دیا جائے گا۔

☆ ماں کے بعد پرورش کی حقدار کی ترتیب:

ماں اگر پرورش کرنے کی اہل نہ ہو یعنی فاسقہ فاجرہ ہو یا اس نے انکار کر دیا ہو یا اس نے کسی اجنبی سے نکاح کر لیا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں یعنی بچے کی نانی کو پرورش کا حق ہے، اگر نانی نہ ہو تو پرنانی، اور یہ بھی نہ ہوں تو دادی کو، پھر پردادی، پھر حقیقی بہن کو، پھر ماں شریک بہن کو، پھر باپ شریک بہن کو، پھر خالہ کو، پھر پھوپھی

کو پرورش کرنی ہوگی۔

☆ پرورش کی شرائط:

ان میں سے جس کی پرورش میں بچہ دیا جائے گا، انھیں شرائط کے ساتھ دیا جائیگا، جن کا ذکر اوپر ہوا، یعنی جس کے اخلاق اچھے ہوں گے، اسی کو پرورش کے لیے دیا جائیگا، مثلاً اگر بچے کی دو خالائیں ہوں یا دو پھوپھیاں ہوں تو جو خالہ یا پھوپھی زیادہ پرہیزگار ہوگی اسی کو پرورش کے لیے بچہ دیا جائیگا۔

☆ بچے کی پرورش کی مدت:

لڑکے کی پرورش کی مدت سات سال ہے، اور لڑکی کی پرورش کی مدت نو سال ہے، اور بعض کے نزدیک حیض آنے تک، اور اس مدت تک پرورش کی نگرانی ماں کے ذمہ ہوگی، اور ماں اور بچہ دونوں کا خرچ باپ کو برداشت کرنا ہوگا۔

☆ پرورش کے ساتھ تعلیم وتربیت کی اہمیت:

بچے کی پرورش کی ذمہ داری کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ماں باپ اس کی جسمانی پرورش اور نشوونما کا سامان فراہم کردیں، بلکہ اس کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح اور اس کی تعلیم و تربیت بھی ان کے اوپر واجب ہے، دونوں طرح کی تربیتوں کی شریعت میں تاکید آئی ہے، خاص طور پر ان کی دینی اصلاح اور تعلیم وتربیت پر قرآن پاک اور حدیث نبوی میں بہت زور دیا گیا ہے۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں:

وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد لما روي أن امرأة قالت: يارسول الله إن ابني هذا كان بطني له وعاء وحجري له حواء وثديي له سقاء وزعم أبوه أنه ينزعه مني فقال عليه السلام: " أنت أحق به مالم تتزوجي، ولأن الأم أشفق وأقدر على الحضانة فكان الدفع إليها أنظر وإليه أشار الصديق ريقها خير له من شهد وعسل عندك ياعمر، قال حين وقعت الفرقة بينه وبين امرأته والصحابة حاضرون متوافرون، والنفقة على الأب على ما

نذکره ولاتجبر الأم عليه لأنها عست تعجز عن الحضانة فإن لم تكن له أم فأم الأم أولیٰ من أم الأب وإن بعدت لأن هذه الولاية تستفاد من قبل الأمهات، فإن لم تكن أم الأم فأم الأب أولیٰ من الأخوات لأنها من الأمهات فإن لم تكن له جدة فالأخوات أولیٰ من العمات والخالات . (الهداية:۲/٤٣٤، باب حضانة الولد ومن احق به).

فتاویٰ شامی میں ہے:

الحضانة تربية الولد تثبت للأم النسبية بعد الفرقة إلا أن تكون مرتدة فحتى تسلم لأنها تحبس أوفاجرة فجوراً يضيع الولد به كزنا وغناء وسرقة ونياحة كما في البحر والنهر بحثاً. قال المصنفؒ : والذي يظهر العمل بإطلاقهم كما هو مذهب الشافعي أن الفاسقة بترك الصلاة لا حضانة لها ... أو غير مأمونة ذكره في المجتبىٰ بأن تخرج كل وقت وتترك الولد ضائعاً . وفي الشامي: قال الرملي: ويشترط في الحاضنة أن تكون حرة بالغة عاقلة أمينة قادرة، وأن تخلو من زوج أجنبي وكذا في الحاضن الذكر سوى الشرط الأخير ... والمراد بكونها أمينة أن لا يضيع الولد عندها باشتغالها عنه بالخروج من منزلها كل وقت ... قوله النسبية احترز به عن الأم الرضاعية فلا تثبت لها. (الدرالمختارمع فتاوى الشامي : ۳/٥٥٥، باب الحضانة،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحرالرائق:٤/١٦٧، باب الحضانة ، كوئته ـ والفتاوى الهندية:١/٥٤١،باب في الحضانة ـ وفتاوى رحيميه:٨/٤٥٢ ـ واسلامى فقه:٢/١٤٦). **واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

لڑکا سات سال کے بعد والد کے پاس رہیگا:

سوال: لڑکا سات سال تک والدہ کے پاس رہے گا، تو اس درمیان میں اگر والد ملنا چاہے تو مل سکتا ہے یا نہیں؟ نیز سات سال کے بعد کس کے پاس رہے گا، والد اس کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لڑکا سات سال تک والدہ کے پاس رہے گا، یہ والدہ کا حق ہے، اور اس درمیان والد اور

اس کے خاندان والے بچے سے مل سکتے ہیں، اور آسانی کے لئے دونوں خاندان والوں کو مل کر اوقات وایام آپس میں طے کرلینا چاہئے تاکہ اختلافی شکل رونما نہ ہو۔ اور سات سال کے بعد والد کا حق ثابت ہوجاتا ہے، ہاں والد کا رویہ ٹھیک نہ ہو اور پہلے سے لاپرواہی کرتا ہو، نیز دوسری شادی کرلی ہو اور اس کی بھی اولاد ہو تو پھر بظاہر دوسری بیوی سے اذیت کا اندیشہ ہوگا، اور اس بچے کی تربیت اور شفقت مشکوک ہوگی، اسوجہ سے والد بچہ کو چھین نہیں سکتا، لیکن اگر وہ بچے کی صحیح اسلامی تربیت کرنے پر راضی ہے اور وہ چاہتا بھی ہے تو پھر اس صورت میں سات سال کے بعد بچہ والد کو دیا جائے گا، اور لڑکی ہو تو نو سال کے بعد والد اس کو لے سکتا ہے۔ اور بعض علماء نے بلوغ تک والدہ کا حق بتلایا ہے۔

درمختار میں ہے:

والحاضنة أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع، وبه يفتى، لأنه الغالب. ولو اختلفا في سنه فإن أكل وشرب ولبس واستنجى وحده دفع إليه ولو جبراً وإلا لا. وفي الشامية: (قوله حتى يستغني عن النساء) بأن يأكل ويشرب ويستنجي وحده والمرد بالاستنجاء تمام الطهارة بأن يتطهر بالماء بلا معين. (قوله وقدر بسبع) هو قريب من الأول بل عينه، لأنه حينئذ يستنجي وحده، ألا ترى إلى ما يروى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: "مروا صبيانكم بالصلاة إذا بلغوا سبعا". (قوله ولو جبراً) أي بأن لم يأخذه بعد الاستغناء أجبر عليه كما في الملتقى. وفي الفتح: ويجبر الأب على أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم، لأن نفقته وصيانته عليه بالإجماع. وفي شرح المجمع: وإذا استغنى الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصي أو الولي على أخذه، لأنه أقدر على تأديبه وتعليمه. (الدر المختار مع الشامي ۳/۵٦٦، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

وبعد ما استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة أولى، يقدم الأقرب فالأقرب. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۵٤۲۔ وكذا في فتاوى الشامي:۳/۵٦٦،باب الحضانة، سعيد).

تبیین الحقائق میں ہے:

وإنما كان للأب أن يأخذه إذا بلغ هذا الحد، لأنه يحتاج إلى التأدب والتخلق بأخلاق الرجال وآدابهم، والأب أقدر على التأديب والتثقيف. (تبيين الحقائق:٣/٤٨، امداديه).

شامی میں ہے:

ينبغي للمفتي أن يكون ذا بصيرة ليراعي الأصلح للولد، فإنه قد يكون له قريب مبغض يتمنى موته ويكون زوج أمه مشفقاً عليه يعز عليه فراقه، فيريد قريبه أخذه منها ليؤذيه ويؤذيها أو ليأكل من نفقته أو نحو ذلك، وقد يكون له زوجة تؤذيه أضعاف ما يؤذيه زوج أمه الأجنبي، وقد يكون له أولاد يخشى على البنت منهم الفتنة لسكناها معهم، فإذا علم المفتي أو القاضي شيئاً من ذلك لا يحل له نزعه من أمه، لأن مدار أمر الحضانة على نفع الولد. (فتاوى الشامي: ٣/٥٦٥، باب الحضانة، سعيد۔ وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ١/٤٨٠۔ والبحر الرائق: ٤/١٦٧).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الحاوي: الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه وعن تعاهده. (الفتاوى التاتارخانية :٤/٩٠، حكم الولد عند افتراق الزوجين۔ و مثله في الفتاوى الهندية :١/٥٤٣، باب الحضانة).

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

پرورش کے زمانے میں باپ اگر اپنی اولاد سے ملنا چاہے تو ملنے کا موقع دینا چاہئے، اسی کی اولاد ہے، ملاقات کا موقع نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاوی رحیمیہ مرتب، ۸/۴۵۸ باب الحضانت)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

والد کے روزانہ ملاقات کرنے اور ملاقات کا موقع نہ دینے کا حکم:

سوال: زوجین کی تفریق کے بعد بچہ بحکمِ شرع والدہ کے پاس پرورش پاتا ہے، اس درمیان میں والد کو

دیکھنے کا اختیار ہے یا نہیں، اگر والدہ روکنا چاہے تو اس کو حق ہے یا نہیں، نیز روزانہ ملنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ پرورش کے دوران بچہ اگر چہ والدہ کے پاس ہو، والد صاحب کو دیکھنے اور ملاقات سے روکنا ظلم ہے، لہٰذا ملاقات کے لئے وقت دینا چاہئے، اور ایام واوقات آپس میں طے کرلیں۔ بلکہ والد اگر روزانہ ملنا چاہے تو روزانہ بھی مل سکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی عالمگیری میں ہے:

الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه وعن تعاهده كذا في التتارخانية ناقلاً عن الحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/۵٤۳ـ والفتاوى التاتارخانية ٤/۹۰، حكم الولد عند افتراق الزوجين).

فقیہ ابواللیثؒ "خزانة الفقه" میں فرماتے ہیں کہ جب باپ کے لئے ممکن ہو تو روزانہ اپنے بچے سے ملاقات کرسکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں "خزانة الفقه" میں ہے:

والمطلقة البائنة خرجت بولدها إلى موضع يقدر الزوج أن يزور ولده في يومه لها ذلک، وإن خرجت إلى موضع لم يقدر الزوج أن يزوره في يومه لم يجز. (خزانة الفقه، باب المقادير، ما زاد على يوم واحد، ص ۳۲٤، المكتبة الغفورية العاصمية۔ و البحر الرائق مع الحاشية: ٤/۱۷۳).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ باپ بچے سے روزانہ مل سکتا ہے، اور عرفاً کچھ وقت اس کے ساتھ گزار سکتا ہے۔

جامع احکام الصغار میں ہے:

إذا كان الغلام والجارية عند الأم فليس لها أن تمنع الأب من تعاهدهما، وإن صارا إلى الأب فليس له أن يمنع الأم من تعاهدهما والنظر إليهما. (جامع أحكام الصغار: ۱/۱۰۱).

آپ کے مسائل میں ہے:

باپ اپنے بچے سے جب بھی چاہے ملاقات کرسکتا ہے، اور اس سے نہ ملنے دینا ظلم ہے جبکہ ان کو یہ خطرہ نہ ہو کہ باپ بچے کو لے جائیگا اور ماں سے جدا کردیگا، اور اگر ایسا اندیشہ ہو تو اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ (آپ کے

مسائل اوران کا حل:۵/۴۲۳).

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

پرورش کے زمانے میں باپ اگر اپنی اولاد سے ملنا چاہے تو ملنے کا موقع دینا چاہیئے، اسی کی اولاد ہے، ملاقات کا موقع نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاوی رحیمیہ مرتب:۸/۴۵۸، باب الحضانت). واللہ تعالیٰ اعلم۔

سات سال کے بعد اختیار دینے کا حکم:

سوال: زوجین کی تفریق کے بعد جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو والد کے حوالہ کیا جاتا ہے، لیکن کیا بچے کو یہ حق حاصل ہے کہ از خود اختیار کرے کہ کس کے پاس رہنا ہے، یا ضروری ہے کہ والد کے پاس ہی رہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ سات سال کے بعد حقِ حضانت میں بچہ کو اختیار نہیں ہے، بلکہ والد صاحب اس کے زیادہ حقدار ہے تعلیم وتربیت کے لحاظ سے، ہاں اگر مفتی یا قاضی ماں کے پاس رکھنے میں کوئی مصلحت دیکھے تو ان کی صوابدید پر بچہ ماں کے پاس رہ سکتا ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

(ولا خيار للولد عندنا مطلقاً، ذكراً كان أو أنثى) أي إذا بلغ السن الذي ينزع من الأم يأخذه الأب، ولا خيار للصغير، لأنه لقصور عقله يختار من عنده اللعب، وقد صح أن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم لم يخيروا. وأما حديث أنه صلى الله عليه وسلم خير فلكونه قال: " اللّٰهم اهده ، فوفق لاختيار الأنظر بدعائه عليه الصلاة والسلام. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:٣/٥٦٧، باب الحضانة، سعيد).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (البحر الرائق :٤/١٧١، كوئٹہ۔ وفتح القدير: ٤/٣٧٣، باب الولد من أحق به، دارالفكر۔ وشرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير:٤/٣٧٣). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حق حضانت میں نانی پھوپھی پر مقدم ہے:

سوال: ایکسیڈنٹ میں میاں بیوی کا انتقال ہوگیا، ان کا ایک چھ سالہ لڑکا ہے اور دو لڑکیاں ہیں، ایک کی عمر نو سال ہے اور دوسری بہت چھوٹی ہے، اور اس شخص کی ماں اور بہن ہے لیکن ماں نے بچوں کی پرورش سے انکار کردیا، اور اس عورت کی ماں ہے، اب اس مرد کی بہن اور عورت کی ماں دونوں بچوں کی پرورش کی خواہاں ہیں، اور دونوں میں نانی زیادہ نیک اور عزت دار ہے، لہذا دونوں میں از روئے شرع بچوں کی پرورش کی حقدار کون ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بچوں کی نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہوگی، لہذا بحکمِ شرع اولاد کو نانی کی پرورش اور زیر تربیت دیا جائے گا، اور پھوپھی نانی کی موجودگی میں حقدار نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى من كل واحدة وإن علت. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۴۱، باب الحضانة).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

فإن ماتت الأم فأم الأم أولى بحضانة الولد وتعهده... وفي الخلاصة والخانية: وإذا بطل حق الأم كانت الحضانة للجدة من قبل الأم وإن علت. (الفتاوى التاتارخانية: ۴/۹۱، حكم الولد عند افتراق الزوجين۔ والدر المختار: ۳/۵۶۳، سعيد۔ والهداية: ۲/۴۳۶). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نانی کی موجودگی میں دادا، دادی حقدار نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

میری بیٹی بیوہ ہوئی، اس کے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے دونوں بچوں کو لے کر یہاں رہتی ہے، اب اگر یہ نکاحِ ثانی کرے تو کیا بچوں کے دادا، دادی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بچوں کو زبردستی اس کی ماں سے لے لے، جبکہ بچوں کے

نانا، نانی اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہیں۔اور اگر وہ نکاح نہ کرے تو بچے کب تک اپنی ماں کے پاس رہ سکتے ہیں، اور اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر یہ عورت نکاحِ ثانی بچے کے غیر محرم کے ساتھ کرلے تو ان بچوں کی تربیت کی مستحق ان کی نانی ہے، لہٰذا نانی کی موجودگی میں دادا، دادی کو حق پرورش حاصل نہیں۔

ملاحظہ ہو ''البحر الرائق'' میں ہے:

قوله ''أحق بالولد أمه قبل الفرقة وبعدها،، أي في التربية والإمساك لما قدمناه ... ولا (حضانة) للمتزوجة بغير محرم... قوله ''ثم أم الأم،، يعني بعد الأم الأحق أمها، وهو شامل لما إذا كانت الأم ميتة أو ليست أهلاً للحضانة، ففي كل منهما ينتقل الحق إلى أم الأم، لأن هذه الولاية مستفادة من قبل الأمهات، فكانت التي هي من قبلها أولى وإن علت، فالجدة من قبل الأم أولى من أم الأب ومن الخالة، وصححه الولوالجي. (البحر الرائق: ۱٦٧/٤، باب الحضانة، كوئته).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى من كل واحدة وإن علت. (الفتاوى الهندية: ۵٤١/۱، باب الحضانة).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بچہ کے غیر محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے ماں کا بچہ کی پرورش کا حق ساقط ہوجاتا ہے، اور یہ حق بچہ کی نانی وغیرہ کو علی الترتیب حاصل ہوجاتا ہے، اس کے بعد ماں زبردستی بچہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴۵۸/۸).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (امداد الاحکام ۸۷۴/۲، فتاویٰ حقانیہ ۴۲٦/۴). واللہ ﷻ اعلم۔

مدتِ حضانت کے بعد ماں کے پاس رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کی بیوی کو طلاق ہوئی اور اس کے بچے جو سات اور نو سال کے اوپر ہیں، مفتی یا قاضی ان کو ماں کے پاس رکھنا بہتر سمجھتا ہے، تو یہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ پرورش وتربیت کا مدار بچے کے نفع پر موقوف ہے۔ اگر والد میں صفات واخلاق اس درجہ کے نہ ہوں کہ بچہ کی صحیح تربیت کر سکے، نیز بچہ کے اخلاق خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو، اور مفتی اور قاضی ماں کے پاس رکھنا مصلحت سمجھے تو ماں کے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا جائے گا، اگر چہ لڑکے کے سات سال اور لڑکی کے نو سال بعد والد کا حق ثابت ہو چکا ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قلت: الأصوب التفصيل، وهو أن الحاضنة إذا كانت تأكل وحدها وابنها معها فلها حق، لأن الأجنبي لا سبيل له عليها ولا على ولدها، بخلاف ما إذا كانت في عيال ذلك الأجنبي أو كانت زوجة له، وأنت علمت أن سقوط الحضانة بذلك لدفع الضرر عن الصغير، فينبغي للمفتي أن يكون ذا بصيرة ليراعي الأصلح للولد، فإنه قد يكون له قريب مبغض له يتمنى موته، ويكون زوج أمه مشفقاً عليه يعز عليه فراقه، فيريد قريبه أخذه منها ليؤذيه ويؤذيها أو ليأكل من نفقته أو نحو ذلك، وقد يكون له زوجة تؤذيه أضعاف ما يؤذيه زوج أمه الأجنبي، وقد يكون له أولاد يخشى على البنت منهم الفتنة لسكناها معهم، فإذا علم المفتي أو القاضي شيئاً من ذلك لا يحل له نزعه من أمه، لأن مدار أمر الحضانة على نفع الولد ... وقدمنا في العدة عن الفتح عند قوله "إن المختلعة لا تخرج من بيتها في الأصح، أن الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع. (فتاوى الشامي ۳/۵٦۵، باب الحضانة، سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بچہ ماں کی پرورش میں ہو تو مناسب جگہ نکاح کرانے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی جو نابالغ ہے، اس کی ماں کو طلاق مل چکی ہے، بچی ماں کی پرورش میں ہے، ماں بچی کا کسی مناسب جگہ نکاح کرا سکتی ہے یا نہیں جبکہ بچی کا باپ بظاہر اس نکاح سے خوش نہیں ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نابالغ بچی کی پرورش کا حق اولاً ماں کو ہے، اور جب بچی نو سال کی ہو جائے تو از روئے شریعت باپ کا حق ثابت ہو جاتا ہے، اس لیے کہ باپ بچی کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کر سکتا ہے، نیز ولایتِ نکاح بھی باپ کو حاصل ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے باپ قابل اعتماد نہ رہا ہو، اور بالغ ہونے کے بعد بھی بچی ماں کی پرورش وزیر تعلیم و تربیت ہے، اور باپ کو ذمہ داری کا کوئی احساس نہیں ہے، اور باپ کے پاس رہنے سے ضائع ہونے یا اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو ماں اپنے پاس رکھ کر بالغ ہونے کے بعد کسی مناسب جگہ لڑکی کا عقدِ نکاح کر سکتی ہے۔

ملاحظہ ہو ''البحر الرائق'' میں ہے:

قوله "والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني، وقدر بسبع"، لأنه اذا استغنى يحتاج إلى تأديب والتخلق بآداب الرجال وأخلاقهم، والأب أقدر على التأديب والتثقيف... قوله "وبها حتى تحيض" أي الأم والجدة أحق بالصغيرة حتى تحيض، لأن بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة آداب النساء، والمرأة على ذلک أقدر، وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين والحفظ، والأب على ذلک أقوى وأهدى ... وأشار المصنف إلى أنها لو زوجت قبل أن تبلغ لا تسقط حضانتها. وقال في القنية: الصغيرة إذا لم تكن مشتهاة ولها زوج لا يسقط حق الأم في حضانتها ما دامت لا تصلح للرجال. (البحر الرائق: ٤/ ١٧٠، باب الحضانة، کوئٹہ).

عالمگیری میں ہے:

لا حق لغير المحرم في حضانة الجارية، ولا للعصبة الفاسق على الصغيرة. كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ١/ ٥٤٢).

ہدایہ میں ہے:

والترتیب فی العصبات في ولایة النکاح کالترتیب فی الإرث، والأبعد محجوب بالأقرب. (الهداية: ٢/٣١٦).

عالمگیری میں ہے:

وأجمعوا أن الأقرب إذا عضل تنتقل الولایة إلی الأبعد، کذا فی الخلاصة. غاب الولي أو عضل أو کان الأب أو الجد فاسقاً فللقاضي أن یزوجها من کفء. کذا فی الوجیز للکردري. (الفتاوی الهندیة: ١/٢٨٥).

فتاوی شامی میں ہے:

ینبغي للمفتي أن یکو ن ذا بصیرة لیراعي الأصلح للولد، فإنه قد یکون له قریب مبغض له یتمنی موته... فإذا علم المفتي أو القاضي شیئاً من ذلک لا یحل له نزعه من أمه، لأن مدار أمر الحضانة علی نفع الولد ... وقدمنا فی العدة عن الفتح عند قوله "إن المختلعة لا تخرج من بیتها فی الأصح، أن الحق أن علی المفتي أن ینظر في خصوص الوقائع. (فتاوی الشامي ٣/٥٦٥، باب الحضانة، سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

لڑکے کو فون کرنے اور چھٹی میں لے جانے کا حکم:

سوال: بچہ ماں کی پرورش میں ہے، اور سات سال تک ماں کا حق ہے، اس دوران بچہ کا باپ بچہ کے ساتھ فون پر بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب بچہ ماں کے پاس ہے، اور باپ ٹیلیفون کے ذریعہ بات چیت کرنا چاہے یا دیکھنا چاہے تو فون بھی کر سکتا ہے اور دیکھ بھی سکتا ہے، نیز شہر کے اندر لے جا سکتا ہے، لیکن شہر کے باہر لے جانے کی اجازت نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

لا يجبر أن يرسله، وكذا يقال في جانبها وقت حضانتها.

وفيه: كما يمنع الأب من إخراجه من بلد أمه بلا رضاها ما بقيت حضانتها. (فتاوى الشامي: ۵۷۱/۳، سعيد).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه. (الفتاوى الهندية: ۵۴۳/۱).

مزید ملاحظہ ہو: (جامع أحكام الصغار: ۱۰۱/۱. والفتاوى التاتارخانية: ۹۰/۴، حكم الولد عند افتراق الزوجين. والبحر الرائق مع الحاشية: ۱۷۳/۴. وفتاوى رحيميه مرتب: ۴۵۸/۸ باب الحضانة. وخزانة الفقه، باب المقادير، ما زاد على يوم واحد، ص ۳۲۴، المكتبة الغفورية العاصمية).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾

(سورة البقرة:۲۳۳).

وقال: ﴿لينفق ذو سعة من سعته، ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله، سيجعل الله بعد عسر يسراً﴾

(سورة الطلاق:٦).

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع:

"...ولهن عليكم نفقتهن وكسوتهن بالمعروف".

(مسند أبي عوانة و مسند أبي حنيفة).

باب ……﴿۱۵﴾

نفقہ اور سکنی کا بیان

مطلقہ بائنہ کے میکے میں عدت گزارنے پر نفقہ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی کو طلاقِ بائن یا مغلظ دی، مگر بیوی عدت میں شوہر کے گھر پر رہنے کے لئے تیار نہیں ہے، کیا وہ نفقۂ عدت کی مستحق ہے یا نہیں؟ نیز نفقہ کی وضاحت فرمادیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بلا کسی عذر شرعی کے شوہر کے گھر عدت نہ گزارنے سے ناشزہ شمار ہوگی، اور ناشزہ کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر شوہر بطورِ احسان کچھ خرچ کردے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وفی الدر المختار: لا نفقة لأحد عشر... وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود ، ولو بعد سفره . وفي الشامية : (قوله بغير حق) احتراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر. ولها الخروج في مواضع مرت في المهر. (قوله وهي الناشزة) أي بالمعنى الشرعي، أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۶/۳، باب النفقة، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو وجبت العدة على المرأة ، ثم حبست بحق عليها تسقط النفقة ، والمعتدة إذا

كانت لا تلزم بيت العدة ، بل تسكن زماناً وتبرز زماناً لا تستحق النفقة ، كذا في الظهيرية.
(الفتاوى الهندية: ۱/۵۵۸، فصل في نفقة المعتدة).

فتاوی بزازیہ میں ہے:

والناشزة التي لاتستحق النفقة هي الخارجة عن منزله بلا إذن بلا حق . (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٤/١٥٩ ، التاسع عشر في النفقات، وكذا في البحر الرائق: ٤/١٩٩، كوئته).

احسن الفتاوی میں ہے:

زینب پر واجب تھا کہ طلاق کے بعد فوراً زید کے مکان میں چلی جائے اور وہاں عدت گزارے، چونکہ وہ زوج کے مکان میں عدت نہیں گزار رہی، اس لئے اس کو نفقہ وسکنی کا حق نہیں رہا، نہ دینے سے زید گنہگار نہیں۔(احسن الفتاوی:۵/۴۶۴)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

اگر عورت بلا عذر اور بلا وجہ شرعی شوہر کی ناشزہ ہوکر، شوہر کی مرضی کے خلاف چلی جائے تو خرچ وغیرہ کی حقدار نہیں...فتاوی اسعدیہ میں ہے:

اعلم أن المرأة إذا طلقت فإنها تعتد في البيت الذي كانت فيه ساكنة من قبل، ويجب عليه النفقة والسكنى، وإن خرجت باختيارها فهي ناشزة لا تجب لها نفقة.(١/١١٥).

اور شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

آرے نان ونفقہ مقابل احتباس درخانہ است، اگر از خانہ برآید بلا اذنِ زوج نفقہ وکسوہ واجب نہ ماند۔ قاعدہ فقہ است کہ نفقہ جزائے احتباس است۔مجموعہ فتاوی عزیزی ۱/۱۳۔(فتاوی رحیمیہ:۸/۴۳۲).

نفقہ سے متعلق ضروری وضاحت:

نفقہ کی حقیقت:

شریعت نے کسی کی زندگی کے بقاء کے لیے جو خرچ ضروری قرار دیا ہے وہ نفقہ ہے، اور انسان کے لئے کھانے پینے کا سامان، کپڑا اور مکان نفقہ ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

فی الشرع: الادرار علی الشيء بما هو بقاءه. (فتح القدير ٣٧٨/٤، باب النفقة، ط: دارالفكر ـ وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ٣٧٨/٤، ط: دارالفكر).

وفي البحر الرائق: النفقة: هي في اللغة ما ينفق الإنسان على عياله ونحو ذلك ... وأما في الشريعة: فذكر في الخلاصة: قال هشام: سألت محمداً عن النفقة، قال: النفقة: هي الطعام والكسوة والسكنى. (البحر الرائق: ١٧٣/٤، باب النفقة، كوئته ـ وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ٧٦٥/٧، ط: دارالفكر).

وجوبِ نفقہ کے اسباب:

وجوبِ نفقہ کے اسباب تین ہیں: (۱) زوجیت۔ (۲) قرابت۔ (۳) ملک۔

یعنی بیوی کا نفقہ شوہر پر بیوی ہونے کی وجہ سے واجب ہے، اسی طرح ذی رحم اہل قرابت کا نفقہ اس کے متوقع وارثوں پر، نیز والدین کا نفقہ اولاد پر اور اولاد کا نفقہ والدین پر واجب ہے۔

اور ہر وہ شئی جو کسی کی ملک میں ہو چاہے وہ مکان ہو، سواری ہو، یا اور کوئی چیز، اس کو کارآمد رکھنے پر حسبِ موقع اس پر خرچ کرنا مالک پر واجب ہے۔

بیوی کا نفقہ نکاح کے نتیجہ میں واجب ہوجاتا ہے، چاہے بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، امیر ہو یا غریب، تندرست ہو یا بیمار، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔

نفقہ نکاحِ صحیح سے واجب ہوتا ہے، اس لئے نکاحِ فاسد کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

جو عورت عدت گزار رہی ہو وہ نفقہ پانے کی مستحق ہے، عدت کے بعد وہ اجنبیہ ہے، اس لئے عدت کے بعد سے طلاق دینے والے کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

ثم نفقة الغير تجب على الغير بأسباب: الزوجية، والقرابة، والملك. (فتح القدير: ٣٧٨/٤، ط: دارالفكر ـ وكذا في البحر الرائق: ١٧٣/٤، ط: كوئته).

وفـي الـدر الـمختـار: ونـفـقة الـغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة، ومـلک. وفـي الشـامية: (قـولـه وملک) شامل لنفقة المملوک من بني آدم والحيوانات والـعـقار كما في الدر المنتقى، لكن في الأخير لايجبر قضاءً وفي الثاني خلاف. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۲/۳، باب النفقة، ط: سعيد).

عالمگیری میں ہے:

تـجـب عـلـى الـرجـل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية، دخل بها أو لم يـدخـل، كبيرة كانت المرأة أو صغيرة يجامع مثلها، كذا في فتاوى قاضيخان. سواء كانت حـرة أو مكاتبة، كذا في الجوهرة النيرة ... كل من وطئت بشبهة فلا نفقة لها، كذا في الخلاصة. قال: ولا نفقة في النكاح الفاسد ولا في العدة منه. (الفتاوى الهندية: ۵۴۴/۱، ۵۴۷).

ہدایہ میں ہے:

وإذا طـلـق الـرجـل امـرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعياً كان أو بائناً ... لأن الـنـفـقة جـزاء احتبـاس عـلـى ما ذكرنا، والاحتباس قائم في حق حكم مقصود بالنكاح وهو الولد، إذا العدة واجبة لصيانة الولد فتجب النفقة، ولهذا كان لها السكنى بالإجماع، وصار كما إذا كانت حاملاً. وحديث فاطمة بنت قيس رده عمر رضي الله تعالىٰ عنه فإنه قال: "لا نـدع كتـاب ربـنـا وسـنة نبيـنـا بـقول امرأة لا ندري أصدقت أم كذبت، حفظت أم نسيت، سـمـعـت رسول الله صلّى الله عليه وسلم يقول: للمطلقة الثلاث النفقة والسكنى ما دامت فـي الـعـدة، ورده أيضاً زيد بن ثابت وأسامة بن زيد وجابر وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين. (الهداية: ۴۴۳/۲). **واللہ ﷻ اعلم۔**

چھ سالہ بچہ کا نفقہ والد پر واجب ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، دونوں کا ایک لڑکا ہے جس کی عمر چھ سال ہے، اور فی

الحال ماں کی پرورش میں ہے، تو بچہ کا نفقہ کس کے ذمہ واجب ہوگا؟ نیز نفقہ میں کیا چیزیں ضروری ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ چھ سالہ بچے کی پرورش وحضانت کی ماں ذمہ دار ہے، اور نفقہ وغیرہ والد کے ذمہ ہے۔ اور نفقہ میں کھانا، پینا، کپڑے، رہنا، سہنا، دوا، علاج ومعالجہ، اسکول کی فیس وغیرہ تمام ضروری اخراجات شامل ہیں۔

ملاحظہ ہوالبحر الرائق میں ہے:

(قوله ولطفله الفقير) أي تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير الفقير لقوله تعالى: ﴿وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾، فهي عبارة في إيجاب نفقة المنكوحات إشارة إلى أن نفقة الأولاد على الأب، وأن النسب له، وأنه لا يعاقب بسببه ... وأن الأب ينفرد بتحمل نفقة الولد ولا يشاركه فيها أحد، وأن الولد إذا كان غنياً والأب محتاجاً لم يشارك الولدَ أحد في نفقة الوالد، وقيد بالطفل وهو الصبي حين يسقط من البطن إلى أن يحتلم. (البحر الرائق: ٤/ ٢٠١، باب النفقة، ط: كوئته).

درمختار میں ہے:

(وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر. وفي الشامية: (قوله بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى، ولم أر من ذكر هنا أجرة الطبيب وثمن الأدوية، وإنما ذكروا عدم الوجوب للزوجة، نعم صرّحوا بأن الأب إذا كان مريضاً أو به زمانة يحتاج إلى الخدمة فعلى ابنه خادمه وكذلك الإبن. (الدر المختار مع الشامي ٣/ ٦١٢، باب النفقة، سعيد).

وفي الطحطاوي على الدر: (قوله بأنواعها) الثلاثة، الملبوس، والمأكول، والسكنى، لكن في إيجاب السكنى نظر، فإن الطفل لا يحتاج إليها، اللهم إلا أن يقال: إن وجوبها إذا كان محضوناً وطلبت الحاضنة السكنى. (حاشية الطحطاوي على الدر: ٢/ ٢٧٢، باب النفقة، ط: كوئته).

وفي "الفقه الحنفي في ثوبه الجديد":

النفقة: وهي ما ينفقه الإنسان على عياله، وتشمل الطعام والكسوة والسكنى وغيرها من ضروريات الحياة. (الفقه الحنفي في ثوبه الجديد:٢/٢٣٦، باب النفقة، دمشق۔وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ٧/٧٩٤،ط: دار الفكر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مطلقہ حاملہ ناشزہ کے نفقہ وسکنی کا حکم:

سوال: ایک حاملہ عورت اپنے گھر سے مئی سے بھاگ گئی، اگست میں شوہر نے ایک طلاق دیدی، اب مئی سے اگست تک اور اگست سے وضعِ حمل تک نفقہ، سکنی کی مستحق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت بلا وجہ شوہر کے گھر سے بھاگنے کی وجہ سے ناشزہ کہلائیگی، اور ناشزہ نفقہ کی مستحق نہیں رہتی، لہذا اس عورت کا نفقہ مئی سے وضعِ حمل تک یعنی شوہر کے گھر سے نکلتے ہی ساقط ہوگیا۔ ہاں اگست میں عدت شروع ہوئی تو ایامِ عدت میں صرف سکنی کی مستحق ہوگی، یعنی اگست سے وضعِ حمل تک سکنی کی مستحق ہوگی۔

درمختار میں ہے:

لا نفقة لأحد عشر ... وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود ...

فتاوی شامی میں ہے:

(قوله بغير حق) ذكر محترزه بقوله بخلاف ما لو خرجت الخ، وكذا هو احتراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر. ولها الخروج في مواضع مرت في المهر. (قوله وهي الناشزة) أي بالمعنى الشرعي، أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له. (فتاوى الشامي: ٣/٥٧٦، باب النفقة، ط: سعيد).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله، والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها، المانعة نفسها منه، بخلاف ما لو امتنعت عن التمكن في بيت الزوج، لأن الاحتباس

قائم. (الفتاوى الهندية: ١/٥٤٥، فصل في نفقة الزوجة).

شامی میں ہے:

(قوله وتجب لمطلقة الرجعي والبائن) كان عليه إبدال المطلقة بالمعتدة، لأن النفقة تابعة للعدة ... وفي المجتبى: نفقة العدة كنفقة النكاح. وفي الذخيرة: وتسقط بالنشوز وتعود بالعود، وأطلق فشمل الحامل وغيرها، والبائن بثلاث أو أقل، كما في الخانية ... قال في البحر: فالحاصل أن الفرقة إما من قبله أو من قبلها، فلو من قبله فلها النفقة مطلقاً، سواء كانت بمعصية أو لا، طلاقاً أو فسخاً، وإن كانت من قبلها فإن كانت بمعصية فلا نفقة لها، ولها السكنى في جميع الصور. (رد المحتار: ٣/٦٠٩، باب النفقة، ط: سعيد).

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

الأصل أن الفرقة متى كانت من جهة الزوج فلها النفقة، وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق لها النفقة، وإن كانت بمعصية لا نفقة لها. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ٢/٢٧١، ط: كوئته).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

شوہر کے مکان میں عدت گزارنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، پھر بھی عورت اپنے باپ کے یہاں عدت گزارنا چاہتی ہے تو عدت کے خرچہ کا مطالبہ نہیں کرسکتی، لیکن شوہر تبرعاً دیدے تو بہتر ہوگا۔ (فتاوی رحیمیہ: ۸/۴۳۴).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۵/۴۶۴، ۴۶۵۔ وامداد الاحکام: ۲/۸۸۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

میڈیکل وغیرہ شوہر کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: کیا عورت کے میڈیکل اخراجات شوہر پر لازم ہیں یا نہیں؟ نیز اگر حاملہ ہے تو ہسپتال کے

اخراجات کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دوا وغیرہ کا خرچہ، نیز علاج ومعالجہ کے اخراجات وغیرہ دیانۃً شوہر کے ذمہ لازم اور واجب ہیں، اگرچہ قضاءً واجب نہیں۔ نیز اس میں عرف کا اعتبار ہے، اور عام طور پر عرف میں بخوشی شوہر اس قسم کے اخراجات برداشت کرتا ہے، لہذا میڈیکل وغیرہ اخراجات بھی دینا چاہئے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يجب الدواء للمرض، ولا أجرة الطبيب، ولا الفصد، ولا الحجامة، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ١/٥٤٩، فصل في نفقة الزوجة).

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے مجتبیٰ کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے کہ نفقہ میں عرف وعادت کا بڑا دخل ہے، یعنی عرف پر اس کا مدار ہے، عرفاً جو چیزیں دی جاتی ہیں، ان چیزوں کا دینا ضروری اور لازم ہے۔ اور علاج ومعالجہ عرف میں شوہر برداشت کرتا ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفي المجتبى: أن ذلک يختلف باختلاف الأماكن والعادات، فيجب على القاضي اعتبار الكفاية بالمعروف في كل وقت ومكان. (البحر الرائق: ٤/١٧٧، باب النفقة۔ط: کوئٹہ).

اسلامی فقہ میں ہے:

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دوا، علاج کا خرچ شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہے، بلکہ اس کے اوپر صرف نان ونفقہ واجب ہے، اگر وہ دوا علاج کرتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے۔ اس مسئلہ میں راقم کی رائے یہ ہے کہ دوا علاج وغیرہ خاص طور پر اس زمانے میں انسان کی اس سے کم بنیادی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ تیل، کنگھی اور صابن وغیرہ ہے۔ جب عورت کے جسم کی صحت وصفائی کے لئے ان چیزوں کے فراہم کرنے کو فقہاء نے واجب لکھا ہے، تو پھر دوا علاج کیوں نہ واجب ہو؟ پھر فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالغ لڑکوں کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بالغ لڑکا بیمار پڑ جائے تو اس کا نان نفقہ باپ پر ضروری ہو جاتا ہے، اور پھر یہ تو لڑکا ہے۔ فقہاء نے مضارب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کو علاج کا خرچ بھی ملیگا، کیونکہ بغیر اس کے مضارب کا کام وہ نہیں کرسکتا، تو عورت

سے جو فوائد متعلق ہیں، ان کا لحاظ کرکے اس کے دوا علاج کا خرچ مرد پر ضروری کیوں نہ قرار دیا جائے۔اگر عورت اس کا بار خود شوہر پر نہ ڈالے تو یہ عورت کا احسان کیوں نہ سمجھا جائے۔اس کے علاوہ مرض کی اور اس کے دوا علاج کی اہمیت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے معلوم ہوتی ہے، اس کی روشنی میں بھی یہ عورت کا ضروری حق قرار دیا جانا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویجب لها ما تنظف به وتزيل الوسخ كالمشط والدهن، وما تغسل به الرأس من السدر والخطمي، وماتزيل به الدرن كالأشنان والصابون على عادة أهل البلد. (الفتاوى الهندية: ٥٤٩/١).

ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانة أو مرض، ومن يقدر على العمل لكنه لا يحسن العمل فإنه بمنزلة العاجز. كذا في فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية: ٥٦٣/١، فصل في نفقة الأولاد).

اسی طرح بچہ جننے کے وقت دائی وغیرہ کی فیس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کو وہ برداشت کریگا جو اس کو بلائے گا، یعنی بیوی خود بلائے گی تو وہی برداشت کرے گی، اور اگر شوہر بلائے گا تو وہی برداشت کرے گا۔راقم کے ناقص خیال میں وہ بھی ہر حال میں مرد ہی کی ذمہ داری ہونی چاہئے، کیونکہ جب بچہ اس کا ہے، جب اسی پر اس کے دودھ پلوانے کی اجرت اور اس کا نفقہ واجب ہے، تو پھر ولادت کے وقت کے تمام اخراجات اس پر کیوں نہ واجب ہوں، جبکہ یہ ایسا نازک موقع ہوتا ہے کہ اس وقت کی ذرا سی بے احتیاطی سے زچہ اور بچہ دونوں کی جان خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، درمختار کے اس جزئیہ پر ابن عابدین نے جو لکھا ہے، اوپر لکھی گئی تمام صورتوں پر اس کا اطلاق کرنا چاہئے۔ "**ويظهر لي ترجيح الأول، لأن نفع القابلة معظمه يعود إلى الولد، فيكون على أبيه**". (رد المحتار: ٣/٨٩٣ـط: سعيد).

اس لئے کہ بیوی کے دوا علاج کا سارا فائدہ شوہر کو پہونچے گا۔

پھر یہ کتنی تکلیف دہ بات ہوگی کہ ہم اس کی صحت کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھائیں، اور دوا علاج کے

لئے اسے بے سہارا چھوڑ دیں، یا اس کے والدین کے سر ذمہ داری ڈال دیں۔ فقہاء نے جس زمانے میں یہ رائے دی تھی، اس زمانے میں نہ تو اتنے پیچیدہ امراض پیدا ہوئے تھے، اور نہ دوا علاج ضروریاتِ زندگی میں داخل ہوا تھا، اس لئے شرعی مسئلہ کا تعلق عرف وحالات سے ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت حالات بدل چکے ہیں۔ (اسلامی فقہ: ۲/ ۱۱۸، ۱۱۹).

وفی الدر المختار: وفيه أجرة القابلة على من استأجرها من زوجة وزوج. ولو جائت بلا استئجار قيل: عليه، وقيل: عليها. وفي الشامية: (قوله: قيل عليه) عبارة البحر عن الخلاصة: فلقائل أن يقول: عليه لأنه مؤنة الجماع... ويظهر لي ترجيح الأول، لأن نفع القابلة معظمه يعود إلى الولد، فيكون على أبيه. تأمل. (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۵۷۹، باب النفقة، ط: سعيد).

قال الدكتور وهبة الزحيلي في كتابه "الفقه الإسلامي وأدلته": ويظهر لدي أن المداواة لم تكن في الماضي حاجة أساسية، فلا يحتاج الإنسان غالباً إلى العلاج، لأنه يلتزم قواعد الصحة والوقاية، فاجتهاد الفقهاء مبني على عرف قائم في عصرهم. أما الآن فقد أصبحت الحاجة إلى العلاج كالحاجة إلى الطعام والغذاء، بل أهم، لأن المريض يفضل غالباً ما يتداوي به على كل شيء، وهل يمكنه تناول الطعام وهو يشكو ويتوجع من الآلام والأوجاع التي تبرح به وتجهده وتهدده بالموت؟ لذا فإنا نرى وجوب نفقة الدواء على الزوج كغيرها من النفقات الضرورية، وكما تجب على الوالد نفقة الدواء اللازم للولد بالإجماع، وهل من حسن العشرة أن يستمتع الزوج بزوجته حال الصحة، ثم يردها إلى أهلها لمعالجتها حال المرض؟! (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۷۹٤، نفقات العلاج، ط: دار الفكر). واللہ ﷻ اعلم۔

تفریق کے بعد چھ سات سالہ بچہ کا حکم:

سوال: زوجین کے درمیان میں تفریق ہوگئی، اور بچہ سات سال سے کم ہے، اور باپ کے بچہ کے

ساتھ تعلقات نہیں رکھے، تو کیا والد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ سات سال سے کم کے بچہ کا نفقہ ہر صورت میں والد پر لازم ہے، چاہے تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

(وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر. وفي الشامية: (قوله بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى...(قوله لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم. (قوله الفقير) أي إن لم يبلغ حد الكسب... (الدر المختار مع رد المحتار:۳/۶۱۲، باب النفقة،ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد، كذا في الجوهرة النيرة ... وبعد الفطام يفرض القاضي نفقة الصغار على قدر طاقة الأب، وتدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد، فإن لم تكن الأم ثقة تدفع إلى غيرها لينفق على الولد... (الفتاوى الهندية:۱/۵۶۱).

واللہ ﷻ اعلم۔

بچہ ملنے کا امکان نہ ہو تو نفقہ کا حکم:

سوال: اگر والدہ کا خاندان والد کو بچے کے دیکھنے کی اجازت بھی نہیں دیتا، اور سات سال پورے ہونے کے بعد ایک فیصد بھی والد کو بچے کے ملنے کا امکان نہیں، تو کیا پھر بھی اس کا نفقہ باپ پر لازم ہوگا، مثلاً والد مطالبہ کرتا ہے کہ بچہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہمارے گھر رہیگا، اور وہ لوگ اجازت نہیں دیتے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بچہ کھانے، پینے اور استنجاء کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہاں تک یعنی سات سال ماں کا حق حضانت ہے، اور اس درمیان نفقہ والد کے ذمہ ہے، ہاں سات سال کے بعد بچہ خود کھانے پینے

اور استنجاء کی قدرت رکھتا ہے تو ماں کا حق ختم ہو چکا، اب بچہ والد کے پاس رہیگا۔ اگر والدہ اور اس کے گھر والے بلا کسی شرعی وجہ کے بچہ باپ کو سپرد نہ کریں تو بچہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، یعنی باپ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا، نیز مدتِ حضانت کے درمیان والد کو ملاقات کی اجازت دینا چاہیئے، ملاقات اور دیکھنے کی اجازت نہ دینا ظلم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

والأم و الجدة أحق بالغلام حتى يستغني ، وقدر بسبع ، لأنه اذا استغنى يحتاج إلى تأديب و التخلق بآداب الرجال وأخلاقهم، و الأب أقدر على التأديب و التثقيف. وما ذكره المصنف من التقدير بسبع قول الخصاف اعتباراً للغالب، لأن الظاهر أن الصغير إذا بلغ السبع يهتدي بنفسه إلى الأكل و الشرب و اللبس و الاستنجاء وحده، فلا حاجة إلى الحضانة ... لأن الأب مأمور أن يأمره بالصلاة إذا بلغها، وإنما يكون ذلک إذا كان الولد عنده. (البحر الرائق: ٤/١٦٩،ط: كوئته).

درمختار میں ہے:

(وتجب) النفقة بأنواعها على الحر(لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر. وفي الشامية: (قوله بأنواعها) من الطعام و الكسوة و السكنى ... (قوله لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم. (قوله الفقير) أي إن لم يبلغ حد الكسب ... (الدر المختار مع رد المحتار: ٦١٢/٣، باب النفقة، سعيد).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الحاوي: الولد إذا كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر وعن تعاهده.

(الفتاوى التاتارخانية ٤/ ٩٠، حكم الولد عند افتراق الزوجين).

''خزانة الفقه''میں ہے:

والمطلقة البائنة خرجت بولدها إلى موضع يقدر الزوج أن يزور ولده في يومه لها ذلک، وإن خرجت إلى موضع لم يقدر الزوج أن يزوره في يومه لم يجز. (خزانة الفقه، باب

المقادير، ما زاد على يوم واحد، ص ٣٢٤، المكتبة الغفورية العاصمية).

جامع احکام الصغار میں ہے:

إذا كان الغلام والجارية عند الأم فليس لها أن تمنع الأب من تعاهدهما، وإن صارا إلى الأب فليس له أن يمنع الأم من تعاهدهما والنظر إليهما. (جامع أحكام الصغار: ١/١٠١۔ وكذا في البحر الرائق مع الحاشية: ٤/١٧٣). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بالغہ لڑکی ماں کے ساتھ رہنے پر مصر ہو تو نفقہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور اس کی بالغہ لڑکی ہو، اور وہ اپنی والدہ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، والد کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو کیا اس کا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا جبکہ لڑکی ازخود نفقہ کا انتظام نہیں کرسکتی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بالغہ لڑکی کا نفقہ والد کے ذمہ ہے، کیونکہ لڑکیوں کا نفقہ شادی ہونے تک مطلقاً والد کے ذمہ ہوتا ہے، ہاں اگر لڑکی کے پاس مال ہو تو اپنے مال میں سے اپنے اوپر خرچ کرے گی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ونفقة الإناث واجبة على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ١/٥٦٣).

فتح القدیر میں ہے:

والأولاد إما صغار وإما كبار، فالأقسام أربعة: الأول أن يكون الأب غنياً والأولاد كباراً، فإما إناث أو ذكور، فالإناث عليه نفقتهن إلى أن يتزوجن إذا لم يكن لهن مال، وليس له أن يؤاجرهن في عمل ولا خدمة وإن كان لهن قدرة، وإذا طلقت وانقضت عدتها عادت نفقتها على الأب. (فتح القدير: ٤/٤١٠، فصل في نفقة الأولاد الصغار۔ وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ٤/٢٤٠، نفقة ذوي الأرحام).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ونفقة البنت البالغة في ظاهر الرواية تكون على الأب خاصة. (فتاوى قاضي خان:١/٤٤٧).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

لڑکی کا نفقہ شادی تک والد پر ہے، البتہ اگر لڑکی خود مالدار ہو، یا کوئی ذریعہ معاش رکھتی ہو تو اس کا نفقہ والد پر نہیں۔ بالغ لڑکے کا نفقہ والد پر نہیں، البتہ وہ اگر کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو، یا طالبِ علم ہو اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے۔ (احسن الفتاوی:۵/۴۶۳). **واللہ ﷻ اعلم۔**

لڑکے کی شادی کے بعد گھر دینے کا حکم:

سوال: لڑکے کی شادی کے اخراجات اور شادی کے بعد گھر کا انتظام والد کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بالغ لڑکے کا نفقہ وغیرہ باپ پر لازم نہیں ہے، ہاں اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر لازم ہے۔ اور نفقہ میں کھانا کپڑا وغیرہ لازم ہے، لیکن شادی کے بعد الگ مکان باپ کے ذمہ لازم نہیں ہے، نیز شادی کے اخراجات مثلاً مہر، زوجہ کا نفقہ وغیرہ باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے، ہاں اگر والد صاحبِ استطاعت ہے تو بیٹے کے لئے مکان کا انتظام کرنا کارِ خیر اور باعثِ ثواب ہے، اگرچہ واجب اور لازم نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولا يجب عليه نفقة الذكور الكبار إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانة أو مرض، فتكون نفقته على والده. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٤٤٥، فصل في نفقة الأولاد).

فتح القدیر میں ہے:

أما الكبار فعلى الظاهر وإن لم يكونوا عاجزين لا نفقة لهم. (فتح القدير:٤/٤١٠، دار الفكر).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بالغ لڑکے کا نفقہ والد پر نہیں، البتہ اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو، یا طالبِ علمِ دین ہو،

اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے۔ اولاد کی شادی کے مصارف والد پر نہیں، لڑکی کی شادی پر تو کوئی خرچ ہے ہی نہیں، اس پر شادی کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مصارف بھی شوہر کے ذمہ ہو جاتے ہیں، البتہ لڑکے کی شادی کے مصارف ہیں، جن میں سے مہر اور بیوی کا نفقہ واجب ہے، اور ولیمہ سنت ہے، ان میں سے کوئی خرچ بھی والد کے ذمہ نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۴۶۴/۵). واللہ ﷻ اعلم۔

بیوی کی تمام ضروریات پورا کرنے کا حکم:

سوال: کیا مرد کے لئے اپنی بیوی کی تمام ضروریات پورا کرنا لازم ہے؟ اور نفقہ کا کیا معیار ہے؟

الجواب: اگر مرد مالدار ہو یا اس کی آمدنی اچھی خاصی ہو، اور عورت بھی مالدار گھرانے کی ہو تو مرد کو اس کی حیثیت اور اس کے معیارِ زندگی کے بارے میں خیال کر کے نفقہ یعنی کھانا، کپڑا اور مکان دینا پڑے گا۔ اگر مرد خوش حال ہو، یا اس کی آمدنی خوش حال جیسی ہو، مگر عورت غریب گھرانے کی ہو تو مرد کو عورت کی حیثیت کے مطابق نہیں، اپنی حیثیت کے مطابق نان و نفقہ دینا چاہئے۔

ہاں اگر مرد غریب اور تنگ حال ہے، اور عورت بھی غریب گھر کی ہے، تو پھر مرد کو اپنی حیثیت کے مطابق ہی روٹی کپڑا دینا چاہئے۔ اور اگر کوئی مرد غریب ہو مگر عورت مالدار اور خوش حال گھرانے کی ہو تو مرد کو اپنی حیثیت کے ساتھ اس کی حیثیت کا لحاظ کر کے نفقہ دینا چاہئے، مگر خود عورت کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ مرد سے اس کی حیثیت سے زیادہ نفقہ طلب نہ کرے۔

آرائش و زیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کی صحت و صفائی کے لئے ضروری ہے، وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں، اور ان کا فراہم کرنا بھی مرد کے لئے ضروری ہے، مثلاً تیل، کنگھی، صابون، غسل اور وضو کا پانی وغیرہ، البتہ جو چیزیں محض آرائش و زیبائش کی ہوں اور ان سے کوئی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، مثلاً پان، تمباکو، کریم، پاؤڈر، لپسٹک وغیرہ، ان کا فراہم کرنا مرد پر ضروری نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ: ۱۱۵/۲).

گھر کیسا ہونا چاہئے؟ اس کی تفصیل فقہاء نے اس طرح بیان کی ہے:

بیوی کو حتی الامکان شوہر کے گھر کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہئے، تا کہ خواہ مخواہ مرد کو اس کی وجہ

سے درد سر نہ مول لینا پڑے، مگر اس کے باوجود مناسب یہ ہے کہ شوہر خود یا اس کے گھر والے عورت کے لئے گھر کا ایک گوشہ یا ایک کمرہ مخصوص کردیں، تاکہ وہ اپنی چیزیں ایک جگہ حفاظت سے رکھ سکے، اور میاں بیوی وہاں بے تکلفی سے رہ سکے، اور گھر کے دوسرے لوگوں سے اس سلسلہ میں کوئی اختلاف کی نوبت نہ آئے۔

اگر عورت سب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے اور اپنے لئے ایک علاحدہ گھر کا مطالبہ کرتی ہے تو مرد کے لئے اس کو ایک علاحدہ کمرہ یا کم سے کم گھر کا کوئی گوشہ اس کے لئے مخصوص کردینا ضروری ہے، جس کو وہ بند کرسکے۔ جو جگہ یا کمرہ اس نے اس کے لئے مخصوص کردیا ہے، اس میں عورت جسے چاہے آنے دے اور جسے چاہے نہ آنے دے۔ اس کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء اور باورچی خانہ الگ دینا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ اس صورت کا حکم ہے جب شوہر معمولی حیثیت کا ہو، لیکن اگر شوہر مالدار ہے تو اس کو ایسا گھر دینا چاہئے جس میں اس کی ضرورت کی تمام چیزیں ہوں، مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ: ۱۲۱/۲).

درحقیقت نفقہ، سکنی کا مدار عرف پر ہے، اگر کسی ملک میں بیوی کو الگ مکان دینے کا عرف ورواج ہو تو شوہر بیوی کو الگ مکان دیدے۔ ہمارے خیال میں جنوبی افریقہ میں الگ مکان دینے کا رواج ہے، لہٰذا اس ملک میں بیوی کے مطالبہ پر شوہر کو الگ مکان دینا چاہئے، جس میں ضروری چیزیں ہوں، مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وينبغي اعتماده في زماننا هذا، فقد مر أن الطعام والكسوة يختلفان باختلاف الزمان والمكان. وأهل بلادنا الشامية لا يسكنون في بيت من دار مشتملة على أجانب، وهذا في أوساطهم فضلاً عن أشرافهم إلا أن تكون داراً موروثة بين إخوة مثلاً، فيسكن كل منهم في جهة منها مع الاشتراک في مرافقها، فإذا تضررت زوجة أحدهم من أحمائها أو ضرتها، وأراد زوجها إسكانها في بيت منفرد من دار لجماعة أجانب وفي البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلک من أعظم العار عليهم، فينبغي الإفتاء بلزوم دار من بابها. نعم ينبغي أن لا يلزمه

إسكانها في دار واسعة كدار أبيها أو كداره التي هو ساكن فيها، لأن كثيراً من الأوساط والأشراف يسكنون الدار الصغيرة . وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتباراً في السكنى بالمعروف، إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان، فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده، إذ بدون ذلک لا يحصل المعاشرة بالمعروف. وقد قال الله تعالى: ﴿ ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن﴾. (فتاوى الشامي:۳/ ۶۰۱-۶۰۲،ط: سعيد).

وفي البحر الرائق: واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين، وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين، وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسراً والآخر معسراً ... أما على المفتى به فتجب نفقة االوسط في المسئلتين، وهي فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة . (البحر الرائق :۴/ ۱۷۵).

وفي المجتبى أن ذلک يختلف باختلاف الأماكن والعادات فيجب على القاضي اعتبار الكفاية بالمعروف في كل وقت ومكان. (البحر الرائق :۴/ ۱۷۷).

احسن الفتاوی میں ہے:

اگر بیوی مالدار ہوتو اسے الگ مکان دیناواجب ہے،متوسط درجہ کی ہوتو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ،غسلخانہ،اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے۔مسکین ہوتو صرف ایک کمرہ کافی ہے۔باورچی خانہ،غسلخانہ،اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں۔(احسن الفتاوی:۵/ ۵۷۶).

لیکن جھگڑے کی صورت میں،یا شوہر کے رشتہ داروں کے ہر وقت آنے کی صورت میں بیوی الگ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

متاع البیت کا حکم:

سوال: جس گھر میں میاں بیوی رہتے تھے بعد الطلاق اس گھر کے سامان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شوہر بیوی میں سے کون زیادہ حقدار ہے؟ مثلاً گھڑی، بیڈشیٹ وغیرہ کیا بیوی رکھے گی یا شوہر کو واپس کردے گی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جن اشیاء کے متعلق معلوم ہے کہ شوہر کی ملکیت ہے، وہ شوہر کی ہیں، اور جن اشیاء کے متعلق معلوم ہے کہ بیوی کی ملکیت ہے، وہ بیوی کی ہیں، مثلاً بیوی کو والدین کی جانب سے ملی ہوئی چیزیں بیوی کی ہیں، یا بیوی کے رشتہ داروں نے شادی کے وقت بیوی کے نام سے دی ہیں، وہ سب بیوی کی ہیں، نیز جو سامان بیوی نے اپنی رقم سے خریدا وہ بھی بیوی کا ہے، یا شوہر نے کوئی چیز ہبہ کی ہے، وہ بھی بیوی کی ہیں، اور جس سامان کے متعلق معلوم نہ ہو یا اس کے بارے میں اختلاف ہو اور کسی کے پاس گواہ نہ ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو سامان مرد کے استعمال کے قبیل سے ہے تو وہ سامان قسم کے ساتھ مرد کو ملے گا، اور جو عورتوں کے استعمال کی چیزیں ہیں وہ قسم کے ساتھ بیوی کو ملیں گی، اور جو دونوں کے استعمال کی چیز ہے وہ قسم کے ساتھ شوہر لیگا، جب گھڑی وغیرہ کے بارے میں معلوم ہے کہ شوہر کے ہیں تو شوہر کو دینا لازم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

قوله "وله فيما يصلح لهما" أي القول له في متاع يصلح للرجل وللمرأة، لأن المرأة وما في يدها في يد الزوج، والقول في الدعاوى لصاحب اليد، بخلاف ما يختص بها لأنه يعارضه ظاهر أقوى منه، ولا فرق بين ما إذا كان الاختلاف حال قيام النكاح أوبعد ما وقعت الفرقة، وما يصلح لهما: الفرش والأمتعة والأواني والرقيق والمنزل والعقار والمواشي والنقود كما في الكافي، وبه علم أن البيت للزوج إلا أن يكون لها بينة، وعزاه في خزانة الأكمل إلى الإمام الأعظم، وفي الخانية: ولو أقاما البينة يقضي ببينتها، لأنها خارجة معنى.

(البحر الرائق: ۷/۲۲۶، باب التحالف، کوئٹہ).

وفيه أيضاً: (وإن اختلف الزوجان في متاع البيت فالقول لكل واحد منهما فيما يصلح له) لأن الظاهر شاهد له، والمتاع لغةً: كل ما ينتفع به كالطعام والبر وأثاث البيت، وأصله ما ينتفع به من الزاد ... قالوا: والصالح له العمامة والقباء والقلنسوة والطيلسان والسلاح والمنطقة والكتب والفرس والدرع الحديد، فالقول في ذلك له مع يمينه، وما يصلح لها: الخمار والدرع والأساورة وخواتم النساء والحلي والخلخال ونحوها، فالقول

لها فيها مع اليمين، قالوا: إلا إذا كان الزوج يبيع ما يصلح لها فالقول له لتعارض الظاهرين، وكذا إذا كانت تبيع ما يصلح له لا يقبل قوله لما ذكرنا. (البحر الرائق: ۷/۲۲٥، باب التحالف)

(وكذا في الدر المختار: ۸/۲۹۔ و فتح القدير: ۸/۲۳٦، دار الفكر۔ ومجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ۲/۲٦۸). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عصری تعلیم کے لئے مفقود کے مال سے نفقہ کا حکم:

سوال: زید مفقود الخبر ہے، اس کی ایک بیوی اور بچے ہیں، بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں، خاندان من ابناء الکرام ہیں، ایک بچہ جو کہ بالغ ہے باپ کے مال سے انگریزی تعلیم کا خرچہ ادا کرنا چاہتا ہے، کیا وہ بالغ بچہ انگریزی تعلیم کا خرچ باپ کے مال سے ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مفقود غائب کی طرح ہے، اور غائب کے بالغ بچوں کو نفقہ دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کمانے سے عاجز ہوں، یا کمانے سے عار لاحق ہوتی ہو، یا طلبِ علمِ دین میں مصروف ہوں اور کمانے کی فرصت نہیں۔ لیکن عصری اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مفقود کے مال سے نہیں دیا جائے گا۔ اولاً اس لئے کہ طلبِ علم سے دین کا علم مراد ہے۔ ثانیاً اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ہمارے بچوں کی اس طرح تعلیم پوری ہوجائیگی یا ان کی تمنائیں پوری کی جائیں گی۔ ثالثاً تعلیم حاصل کرنے والا اس زمانہ میں بآسانی اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنے رشتہ داروں یا دوست واحباب سے قرض وغیرہ لے سکتا ہے، لہذا ایسی تعلیم پر مفقود کا مال خرچ نہ کیا جائے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وكذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثى مطلقاً، وزمن، ومن يلحقه العار بالتكسب، وطالب علم لا يتفرغ لذلک، كذا في الزيلعي والعيني. وأفتى أبو حامد بعدمها لطلبة زماننا كما بسطه في القنية. وفي الشامية: (قوله ومن يلحقه العار بالتكسب) كذا في البحر والزيلعي ... الأولى ما في المنح عن الخلاصة: إذا كان من أبناء الكرام ولا يستأجره الناس فهو عاجز. ومثله في الفتح ... (قوله كمابسطه في القنية) حاصله أن السلف قالوا

بوجوب نفقته على الأب، لكن أفتى أبو حامد بعدمه لفساد أحوال أكثرهم، ومن كان بخلافهم نادر في هذا الزمان، فلا يفرد بالحكم دفعاً لحرج التمييز بين المصلح والمفسد. قال صاحب القنية: لكن بعد الفتنة العامة يعني فتنة التاتار التي ذهب بها أكثر العلماء والمتعلمين نرى المشتغلين بالفقه والأدب اللذين هما قواعد الدين وأصول كلام العرب، يمنعهم الاشتغال بالكسب عن التحصيل، ويؤدى إلى ضياع العلم والتعطيل، فكان المختار الآن قول السلف، وهفوات البعض لا تمنع الوجوب كالأولاد والأقارب. ملخصاً. وأقره في البحر. وقال ح : وأقول: الحق الذي تقبله الطباع المستقيمة ولا تنفر منه الأذواق السليمة: القول بوجوبها لذى الرشد لا غيره، ولا حرج في التمييز بين المصلح والمفسد لظهور مسالك الاستقامة وتمييزه عن غيره. وبالله التوفيق. (الدر المختار مع الشامي:٣/٦١٤، باب النفقة،ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وقال الإمام الحلواني: إذا كان الابن من أبناء الكرام ولا يستأجره الناس فهو عاجز، وكذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية، لا بالخلافيات الركيكة وهذيان الفلاسفة ولهم رشد، وإلا لا تجب، كذا في الوجيز للكردري. (الفتاوى الهندية:١/٥٦٣، باب النفقة).

(وكذا في الفتاوى البزازية:٤/١٦٤، التاسع عشر في النفقات). واللہ ﷻ اعلم۔

بوڑھے محتاج والد کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص بوڑھا محتاج ہے، اس کا ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی ہے، اور دونوں صاحبِ حیثیت مالدار ہیں، تو اس بوڑھے شخص کا نفقہ اور خدمت دونوں پر برابر ہے یا صرف بیٹے پر ہے؟ اور اگر یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک خود محتاج ہے تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اولاد کے مالدار اور صاحبِ حیثیت ہونے کی وجہ سے بوڑھے والد کا نفقہ اور خدمت دونوں پر یکساں ہیں، ہاں اولاد خود محتاج ہوں تو ان پر نفقہ لازم نہیں ہے، اور مالدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نصاب کا مالک ہو جس سے صدقہ لینا حرام ہوتا ہے، نیز اگر دونوں کے درمیان مالداری کا تفاوت فاحش ہو تو پھر تفاوت کے موافق نفقہ لازم ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:

قال: ويجبر الولد الموسر على نفقة الوالدين المعسرين، مسلمين كانا أو ذميين قدرا على الكسب أو لم يقدرا ... اليسار مقدر بالنصاب فيما روي عن أبي يوسف رحمه الله تعالى، وعليه الفتوى. والنصاب نصاب حرمان الصدقة، هكذا في الهداية. وإذا اختلطت الذكور والإناث فنفقة الأبوين عليهما على السوية في ظاهر الرواية، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وبه يفتي. كذا في الوجيز للكردري ... قال الشيخ الإمام شمس الأئمة: قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: إنما تكون النفقة عليهما على السواء إذا تفاوتا في اليسار تفاوتاً يسيراً، وأما إذا تفاوتا تفاوتاً فاحشاً فيجب أن يتفاوتا في قدر النفقة، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ١/٥٦٤،٥٦٥، فصل في نفقة ذوي الأرحام).

وفي فتاوى الشامية: (قوله يسار الفطرة على الأرجح) أي بأن يملك ما يحرم به أخذ الزكاة، وهو نصاب ولو غير نام، فاضل عن حوائجه الأصلية، وهذا قول أبي يوسف. وفي الهداية: وعليه الفتوى. صححه في الذخيرة، ومشى عليه في متن الملتقى، وفي البحر: أنه الأرجح، وفي الخلاصة: أنه نصاب الزكاة، وبه يفتي. واختاره الولوالجي ... ثم اعلم أن ما ذكره المصنف من اشتراط اليسار في نفقة الأصول صرح به في كافي الحاكم والدرر والنقاية والفتح والملتقى والمواهب والبحر والنهر. وفي كافي الحاكم أيضاً: ولا يجبر المعسر على نفقة أحد إلا على نفقة الزوجة والولد. ومثله في الاختيار، ونحوه في الهداية. وفي الخانية: لا يجب على الابن الفقير نفقة والده الفقيرحكماً إلا أن كان والده

زمناً لا يقدر على العمل وللابن عيال فعليه أن يضمه إلى عياله وينفق على الكل. وفي الذخيرة أنه ظاهر الرواية عن أصحابنا. (فتاوى الشامي:٣/٦٢١، باب النفقة).

الفقه الاسلامی وادلتہ میں ہے:

تجب النفقة على الموسر لقريبه، واليسار عند الحنفية على الأرجح المفتى به: هو يسار الفطرة: وهو أن يملك ما يحرم عليه به أخذ الزكاة وهو نصاب ولو غير نام، فاضل عن حوائجه الأصلية. (الفقه الاسلامي وادلته:٧/٧٧٢، حد اليسار).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وإذا اختلط الذكور والإناث فنفقة الأبوين عليهما على السواء في ظاهر الرواية، وبه أخذ الفقيه ابو الليث، وبه يفتى. (الفتاوى البزازية: ٤/١٦٤). **واللہ ﷻ اعلم۔**

معذور فقیر بھائی کا نفقہ بہنوں کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص فقیر ومعذور ہے، اسکی والدہ ہے اور ایک حقیقی بہن، ایک ماں شریک بہن اور ایک باپ شریک بہن ہے، تو اس شخص کا نفقہ کس کے ذمہ ہوگا؟ جب کہ یہ سب اغنیاء اور مالدار ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ معذور فقیر شخص کا نفقہ مذکورہ بالا تمام حضرات پر بقدرِ میراث لازم ہوگا۔ یعنی اس شخص کے انتقال پر مذکورہ ورثاء میں سے ہر ایک کو جتنا حصہ شرعی طور پر مل سکتا ہے، اسی حصہ کے بقدر نفقہ لازم ہوگا۔ ﴿**وعلى الوارث مثل ذلك**﴾ اور "**الغرم بالغنم**" کے قاعدہ کے تحت۔

شرعی میراث کے حصے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) والدہ: ١٦.٦٧۔

(۲) حقیقی بہن: ۵۰۔

(۳) ماں شریک بہن: ١٦.٦٧۔

(۴) باپ شریک بہن: ١٦.٦٧۔

الغرض مذکورہ بالا حصوں کے مطابق ہر ایک پر نفقہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتجب أيضاً لكل ذي رحم محرم صغير أو أنثى مطلقاً ولو كانت الأنثى بالغة صحيحة، أو كان الذكر بالغاً لكن عاجزاً عن الكسب بنحو زمانة كعمى وعته وفلج. زاد في الملتقى والمختار: أو لا يحسن الكسب لحرفة أو لكونه من ذوى البيوتات أو طالب علم فقيراً، حال من المجموع بحيث تحل له الصدقة، ولو له منزل وخادم على الصواب، بدائع. بقدر الإرث لقوله تعالى: ﴿وعلى الوارث مثل ذلك﴾، ولذا يجبر عليه. وفي الشامية: (قوله بقدر الإرث) أي تجب نفقة المحرم الفقير على من يرثونه إذا مات بقدر إرثهم منه. (قوله وعلى الوارث مثل ذلك) أي مثل الرزق والكسوة التي وجبت على المولود له، فأناط الله تعالى النفقة باسم الوارث، فوجب التقدير بالإرث. (الدرالمختار مع الشامي: ۳/۶۲۷، ۶۲۹، باب النفقة، ط: سعيد).

وكذا في (فتح القدير: ۴/۴۲۰ مع الهداية، وشرح العناية على هامش فتح القدير: ۴/۴۲۰).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيراً فقيراً أو كانت امرأة بالغة فقيرة، أو كان ذكراً فقيراً زمناً أو أعمى، ويجب ذلك على قدر الميراث، ويجبر عليه كذا في الهداية. وتعتبر أهلية الإرث، لا حقيقته كذا في النقاية.** (الفتاوى الهندية: ۱/۵۶۵، فصل في نفقة ذوى الأرحام۔ وكذا في البحر الرائق: ۴/۲۰۹، كوئته). **واللہ ﷻ اعلم۔**

والد اور اولاد کی موجودگی میں نفقہ کا حکم:

سوال: ایک آدمی کمزور اور بیمار ہے، اس کا بیٹا اور بیٹی اور والد موجود ہیں، تو اس کا نفقہ کس پر لازم ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کمزور اور ناتواں شخص کا نفقہ اس کے بیٹے اور بیٹی پر برابر لازم ہوگا، اور والد

پر کچھ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ ولد اقرب ہے، اور اصول وفروع کے اجتماع کے وقت جزئیت اور اقرب کا اعتبار ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

النفقة لأصوله ولو أب أمه، ذخيرة. الفقراء ولو قادرين على الكسب... بالسوية بين الإبن والبنت، وقيل: كالإرث ... والمعتبر فيه القرب والجزئية . وفي الشامية: (قوله بالسوية بين الإبن والبنت) هو ظاهر الرواية، وهو الصحيح، هداية. وبه يفتى، خلاصة. وهو الحق، فتح. وكذا لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصاباً فهي عليهما سوية، خانية. وعزاه في الذخيرة إلى مبسوط محمد، ثم نقل عن الحلواني: قال مشايخنا: هذا لو تفاوتا في اليسار تفاوتاً يسيراً، فلو فاحشاً يجب التفاوت فيها، بحر.

(قوله والمعتبر فيه القرب والجزئية لا الإرث) أي الأصل في نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية دون الميراث، كذا في الفتح. أي تعتبر أولاً الجزئية: أى جهة الوِلاد أصولاً أوفروعاً، وتقدم على غيرها من الرحم، ثم يقدم فيها الأقرب فالأقرب، ولا ينظر إلى الإرث... إلى قوله: القسم الثالث: الفروع مع الأصول، والمعتبر فيه الأقرب جزئية، فإن لم يوجد اعتبر الترجيح، فإن لم يوجد اعتبر الإرث، ففي أب وابن تجب على الإبن لترجيحه بـ "أنت ومالك لأبيك" ذخيرة وبدائع. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:٣/٦٢٣،٦٢٤، باب النفقة، ط:سعيد۔ وكذا في فتح القدير مع الهداية: ٤/٤١٧، دارالفكر).

وفي الهندية: وإذا اختلطت الذكور والإناث فنفقة الأبوين عليهما على السوية في ظاهر الرواية، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وبه يفتى. كذا في الوجيز للكردري. (الفتاوى الهندية: ١/٥٦٤، فصل في نفقة ذوى الأرحام).

البحرالرائق میں ہے:

وإن الولد إذا كان غنياً والأب محتاجاً لم يشارك الولدَ أحد في نفقة الوالد، ذكره

المصنف في شرح المنار. (البحر الرائق: ٤/٢٠١، باب النفقة، ط: کوئٹہ). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بالغ اولاد کا نفقہ والد کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: اگر بالغ اولاد معذور ہو اور ان کے والدین دونوں متمول اور مالدار ہوں تو اس کا نفقہ دونوں پر ہے یا صرف والد پر؟ اگر دونوں پر ہو تو کس حساب سے ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ظاہر الروایہ کے مطابق معذور اولاد کا نفقہ صرف والد صاحب پر لازم ہے والدہ پر کچھ لازم نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

قال (الإمام القدوری): وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على أبويه أثلاثاً على الأب الثلثان وعلى الأم الثلث ...قال العبد الضعيف هذا الذی ذکره رواية الخصاف والحسن وفي ظاهر الرواية كل النفقة على الأب. (الهداية:٢/٤٤٧).

علامہ سرخسیؒ نے ظاہر الروایہ کو ترجیح دی ہے ملاحظہ ہو:

وإن كانوا ذكوراً بالغين لم يجبر الأب على الإنفاق عليهم لقدرتهم على الكسب إلا من كان منهم زمناً أو أعمى أومقعداً أوشل اليدين ...فحينئذٍ تجب النفقة على الوالد. (المبسوط للسرخسیؒ: ٥/٢٢٢).

درمختار میں ہے:

وكذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثى مطلقاً وزمن ...لا يشاركه أی الأب ولو فقيراً أحد في ذلك ...به يفتى مالم يكن معسراً قال الشامي: قوله وبه يفتى راجع إلى مسألة الفروع ومقابله ماروي عن الإمام أن نفقة الولد على الأب والأم أثلاثاً يعنى الكبير أما الصغير فعلى أبيه خاصة بلاخلاف...وصرح العلامة قاسم بأن عدم الفرق بينهما هو ظاهر الرواية وبأن عليه الفتوىٰ فلذا تبعه الشارع. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٣/٦١٥).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندية: ١/٥٦٣، وكنز الدقائق، ص ١٥٥، ومنحة الخالق: ٤/٢٠٨، واحسن الفتاوی: ٥/٤٦٣). واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم والدین کے نفقہ کا حکم:

سوال: اگر کسی کے والدین غیر مسلم ہیں تو ان کا نفقہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ غیر مسلم والدین کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب اور لازم ہے، بشرطیکہ والدین حربی نہ ہوں۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء وإن خالفوه في دينه. أما الأبوان فلقوله تعالى: ﴿وصاحبهما في الدنيا معروفا﴾ نزلت في الأبوين الكافرين، وليس من المعروف أن يعيش في نعم الله تعالى ويتركهما يموتان جوعاً... ولا تجب النفقة مع اختلاف الدين إلا للزوجة والأبوين والأجداد والجدات والولد وولد الولد ... إلا أنهم إذا كانوا حربيين لا تجب نفقتهم على المسلم وإن كانوا مستأمنين، لأنا نهينا عن البر في حق من يقاتلنا في الدين.

وفي فتح القدير: فأما الآباء الحربيون فإن كانوا مستأمنين في دارنا لا يجبر الابن على النفقة عليهم لقوله تعالى: ﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم (إلى قوله) إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين﴾. (الهداية مع فتح القدير: ٤/٤١٥، باب النفقة، ط: دار الفكر).

وفي شرح العناية: فقد فسر النبي صلى الله عليه وسلم حسن المصاحبة بأن يطعمهما إذا جاعا، ويكسوهما إذا عريا، وكلامه واضح. (شرح العناية: ٤/٤١٦، دار الفكر).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاوى الشامي: ٣/٦٣١۔ والفتاوى الهندية: ١/٥٦٤۔ والبحر الرائق: ٤/٢٠٥). واللہ ﷻ اعلم۔

والدین کا مرتد لڑکے سے نفقہ قبول کرنے کا حکم:

سوال: مسلمان والدین مرتد لڑکے سے نفقہ قبول کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کے علاوہ ان کے لیے اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب: مرتد اگر اسلام میں واپس نہ آئے تو اس کی سزا شرعاً قتل ہے، لیکن غیر مسلم ممالک میں سزا کا قانون نہیں ہے اس لیے مرتد کافر کے حکم میں ہوگا اور کافر سے تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، لیکن مرتد کے ساتھ بائیکاٹ کرنا چاہئے، اور اس سے نفقہ قبول نہیں کرنا چاہئے، اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کے والدین کے لیے نفقہ کا انتظام کرلیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

قوله مع الاختلاف ديناً أى كالكفر والإسلام، فلا يجب على أحدهما الإنفاق على الآخر، وفيه إشعار بأن نفقة السكنى على المسر الشيعي كما يشير إليه في التكميل قهستاني، والمراد الشيعي المفضل، بخلاف الساب القاذف فإنه مرتد يقتل إن ثبت عليه ذلك، فإن لم يقتل تساهلاً في إقامة الحدود فالظاهر عدم الوجوب، لأن مدار نفقة الرحم المحرم على أهلية الإرث، ولاتوارث بين مسلم ومرتد، نعم لوكان يجحد ذلك ولا بينة يعامل بالظاهر وإن اشتهر حاله بخلافه، والله سبحانه أعلم. (فتاوى الشامي:٣/٦٣١).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ فرماتے ہیں:

غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے مگر مرتد کے ساتھ جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱/۶۹)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ناپاک نہ ہو۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱/۶۷)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿والوالدات یرضعن أولادهن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعة﴾

(سورۃ البقرۃ: الآیۃ:۲۳۳)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

"یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"

(رواہ البخاری)

باب الرضاع

رضاعت کا بیان

مطلق رضاعت سے حرمت کا ثبوت اور خمس رضاعات کی تحقیق:

سوال: بعض آزاد خیال لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت پانچ رضاعات یعنی پانچ دفعہ دودھ پلانے کی تلاوت ہوتی رہی، حالانکہ قرآن کریم میں پانچ رضاعات کا نام ونشان نہیں۔

مسلم شریف کی روایت حسبِ ذیل ہے:

کان فیما أنزل من القرآن عشر رضاعات معلومات یحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفي رسول الله صلی الله علیه وسلم وهي فیما یقرء من القرآن. (رواہ مسلم: ۱/۴٦۹)

اس روایت سے بظاہر قرآن پر زد پڑتی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد پانچ رضاعات کہاں گئے، حالانکہ قرآن کریم قطعاً محفوظ ہے۔

قال الله تعالی: ﴿ **إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون** ﴾.(سورۃ الحجر:۹).

وقال: ﴿ **لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه، تنزیل من حکیم حمید** ﴾.(فصلت:۴۲).

وقال: ﴿ **بل هو آیات بینات في صدور الذین أوتوا العلم** ﴾. (العنکبوت:۴۹).

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

الجواب:(۱) اس اشکال کا مختصر حل یہ ہے کہ اس میں یہ الفاظ کہ ''دس رضاعات پانچ رضاعات سے منسوخ ہوئیں'' سب روایات میں موجود ہیں، اور یہ الفاظ '' فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي فيما يقرأ من القرآن'' عمرہ کے شاگردوں میں سے صرف عبداللہ بن ابی بکر بیان کرتے ہیں۔ عمرہ کے دوسرے شاگرد یحیی بن سعید انصاری جن کی روایت مسلم شریف (۱/٤٦٩) میں اور قاسم بن محمد جن کی روایت '' المعتصر من المختصر'' (۱/۳۲۱) میں موجود ہے، ان دونوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحیح اور راجح روایت صرف یہ ہے: کہ دس رضعات کو پانچ رضعات نے منسوخ کردیا۔ باقی یہ الفاظ ''رسول اللہ صلی اللہ کی وفات کے بعد یہ الفاظ پڑھے جاتے تھے'' شاذ ہیں، کیونکہ محمد بن قاسم اور یحیی بن سعید قطان کا مرتبہ عبداللہ بن ابی بکر سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ یہ الفاظ بیان نہیں کرتے۔

(۲) ممکن ہے کہ پانچ رضاعت والی آیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں منسوخ ہوئی ہو اور بعض صحابہ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو، اور وہ تلاوت کرتے رہے ہوں، ورنہ یہ آیت اگر منسوخ نہ ہوتی تو قرآن کریم میں شامل ہوتی، حالانکہ قرآن میں اس کا وجود نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں:

حدثنا يونس بن عبد الأعلى قال انا ابن وهب أن مالكاً حدثه عن عبد الله بن أبي بكر عن عمرة ابنة عبد الرحمن عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها أنها قالت: كان فيما أنزل من القرآن ''عشر رضاعاتٍ معلوماتٍ يحرمن'' ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو فيما يقرأ من القرآن.

قال أبو جعفر: وهذا ممن لا نعلم أحداً رواه كما ذكرنا غير عبد الله بن أبي بكر، وهو عندنا وهم منه، أعني ما فيه مما حكاه عن عائشة رضي الله عنها ''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي وهو فيما يقرأ من القرآن'' لأن ذلك لو كان كذلك لكان كسائر القرآن ولجاز أن يقرأ به في الصلوات، وحاشا لله أن يكون كذلك، أو يكون قد بقي من

القرآن ما ليس في المصاحف التي قامت بها الحجة علينا، وكان من كفر بحرف مما فيها كافراً، ولكان لو بقي من القرآن غير ما فيها لجاز أن يكون ما فيها منسوخاً لا يجب العمل به، وما ليس فيها ناسخ يجب العمل به، وفي ذلك ارتفاع وجوب العمل بما في أيدينا مما هو القرآن عندنا، ونعوذ بالله من هذا القول وممن يقوله.

ولكن حقيقة هذا الحديث عندنا ـ والله أعلم ـ ما قد رواه من أهل العلم عن عمرة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها من مقداره في العلم وضبطه له فوق مقدار عبد الله بن أبي بكر، وهو القاسم بن محمد بن أبي بكر الصديق رضي الله عنه. كما حدثنا محمد بن خزيمة قال ثنا حجاج بن منهال قال ثنا حماد بن سلمة عن عبد الرحمن بن القاسم عن القاسم بن محمد عن عمرة عن عائشة رضي الله عنها قالت : كان مما نزل من القرآن ثم سقط أن " لا يحرم من الرّضاع إلاّ عشر رضعاتٍ " ثم نزل بعد " أوخمس رضعاتٍ". فهذا الحديث أولىٰ من الحديث الذي ذكرناه قبله، وفيه أنه أنزل من القرآن ثم سقط، فدل ذلك أنه مما أخرج من القرآن نسخاً له منه، كما أخرج من سواه من القرآن مما تقدم ذكرنا له وأعيد إلى السنة.

وقد تابع القاسم بن محمد على إسقاط ما في حديث عبد الله بن أبي بكر "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي وأن ذلك مما يقرأ من القرآن" إمام من أئمة زمنه وهو يحيى بن سعيد الأنصاري كما قد حدثنا محمد بن خزيمة قال ثنا حجاج بن منهال قال ثنا حماد بن سلمة عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضي الله عنها قالت: نزل من القرآن " لا يحرم إلاّ عشر رضعاتٍ" ثم نزل بعد " أوخمس رضاعاتٍ". وكما حدثنا روح بن الفرج قال ثنا يحيى بن عبد الله بن بكير قال ثني الليث بن سعيد عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضي الله عنها قالت : أنزل في القرآن " لا يحرم إلاّ عشر رضاعاتٍ معلوماتٍ" ثم أنزل "خمس رضاعاتٍ".

قال أبو جعفر: فهذا أولىٰ مما رواه عبد الله بن أبي بكر، لأن محالاً أن تكون عائشة

تعلم أنه قد بقي من القرآن شيء لم يكتب فی المصاحف، ثم لا تنبه علی ذلک من أغفله. لكن حقيقة الأمر كان في ذلك ـ والله أعلم ـ أن ذلک كان مما قد كان نزل قرآناً، ثم نسخ فأخرج من القرآن وأعيد سنة، كما سواه من هذا الجنس مما تقدم ذكرنا له في كتابنا هذا. ومما يدل على فساد ما قد زاده عبد الله بن أبي بكر على القاسم بن محمد ويحيى بن سعيد في هذا الحديث أنا لا نعلم أن أحداً من أئمة أهل العلم روى هذا الحديث عن عبد الله بن أبي بكر غير مالک بن أنس، ثم تركه مالک فلم يقل به وقال بضده وذهب إلى أن قليل الرضاع وكثيره يحرّم. ولو كان ما فی هذا الحديث صحيحاً أن ذلک في كتاب الله عزوجل لكان مما لا يخالفه ولا يقول بغيره. والله عزوجل نسأله التوفيق. (شرح مشکل الآثار للإمام الطحاوي بتحقيق شعيب الأرنؤوط،٥/٣١١-٣١٥، ط:مؤسسة الرسالة، بيروت۔وكذا فی تحفة الأخيار بترتيب مشكل الآثار:٤/ ١٠٦-١٠٨).

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تکملۃ فتح الملہم میں امام طحاویؒ کی مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ ذکر فرمانے کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں:

قال العبد الضعيف: وممن حكم على هذه الزيادة بالوهم: القاضي أبوبكر بن العربي في عارضة الأحوذي(٥/٩٢) حيث يقول: "وقد قيل: إن هذه وهم منه، وإن الحديث الصحيح ما رواه القاسم دون ذكر هذا، فيكون مما نزل ثم نسخ" ومما يؤيده أن عبد الرزاق أخرج عن عائشة ما يدل على نسخ تلاوة خمس رضاعات أيضاً، فقال: أنا ابن جريج قال: سمعت نافعاً يحدث أن سالم بن عبد الله حدثه أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أرسلت به إلى أختها أم كلثوم ابنة أبي بكر لترضعه عشر رضاعات ليلج عليها إذا كبر، فأرضعته ثلاث مرات، ثم مرضت، فلم يكن سالم يلج عليها. قال: زعموا أن عائشة رضي الله عنها قالت: لقد كان في كتاب الله عزّوجلّ عشر رضاعات ثم ردّ ذلک إلى خمس، ولكن من كتاب الله ما قبض مع النبي صلى الله عليه وسلم. (أی قبل وفاته بقليل).

(مصنف عبد الرزاق:۷/ ۴۷۰) .

فهذه الرواية من عائشة رضي الله تعالىٰ عنها تكاد تكون صريحة في أن خمس رضعات قد نسخ تلاوتها قبل أن يقبض النبي صلى الله عليه وسلم. (تكملة فتح الملهم:۱/ ۴۵-۴۶).

علامہ نوویؒ کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

" وهن فيما يقرء من القرآن "ومعناه أن النسخ بخمس رضاعات تأخر إنزاله جداً، حتى أن النبي صلى الله عليه وسلم توفي وبعض الناس يقرء "خمس رضاعات" ويجعله قرآناً متلواً لكونه لم يبلغه النسخ لقرب عهده ، فلما بلغه النسخ بعد ذلک رجعوا عن ذلک ، واجمعوا على أن هذا لايتلىٰ. (شرح الامام النوویؒ علی مسلم:۱/ ۴۶۸).

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ صرف الفاظ منسوخ ہیں حکم باقی ہے لہٰذا پانچ رضاعات موجب حرمت ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: ابن ماجہ شریف کی روایت میں دس رضاعات کے ساتھ پانچ کے منسوخ ہونے کی صراحت ہے، نیز مذکورہ بالا مصنف عبدالرزاق کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دس کے ساتھ پانچ بھی منسوخ ہیں۔

ابن ماجہ شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان فيما أنزل الله من القرآن ثم سقط "لايحرم إلا عشر رضعات أوخمس معلومات". (رواہ ابن ماجة:۱/ ۱۳۹).

اس روایت میں اگر " أو" " بــل" کے معنی میں ہوتو پھر روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ دس بلکہ پانچ رضعات کی تحریم دونوں ساقط یعنی منسوخ ہیں۔

نیز قرآن کریم سے بلاکسی قید کے مطلق حرمت ثابت ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وأمهاتكم التيٓ أرضعنكم﴾. (سورة النساء:۲۳).

حدیث شریف میں صراحت ہے کہ قلیل کثیر سب حرام ہے، ملاحظہ ہو جامع المسانید میں ہے:

أبوحنيفةؒ عن الحكم بن عتيبة عن القاسم بن مخيمرة عن شريح بن هانئ عن علي بن

أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: "يحرم من الرضاع مايحرم من النسب، قليله وكثيره. (جامع المسانيدللامام محمدبن محمودالخوارزمی،۲/ ۹۷،دارالباز،مكة المكرمة).

آثار سے بھی قلیل وکثیر سے حرمت کا ثبوت ملتا ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) كتبنا إلى إبراهيم بن يزيد النخعي نسأله عن الرضاع، فكتب أن شريحاً حدثنا أن علياً رضي اللّٰه تعالىٰ عنه وابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه كانا يقولان: "يحرم من الرضاع قليله وكثيره". (سنن النسائی:۲/ ۸۲۔وكذا فی السنن الكبری للبيهقی:۷/ ٤٥٨۔والمعجم الكبيرللطبرانی:۹/ ۳٤۱/ ۹٦۹۸۔ومصنف عبدالرزاق:۷/ ٤٦۹).

(۲) أناجريج، قال عطاء: "يحرم منها ما قل وما كثر" قال: وقال ابن عمررضي اللّٰه تعالىٰ عنه لما بلغه عن ابن الزبير أنه يأثر عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها في الرضاع أنها قالت: " لايحرم منها دون سبع رضعات " قال: اللّٰه خيرمن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها، قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وأخواتكم من الرضاعة﴾ ولم يقل رضعة ولارضعتين. (مصنف عبدالرزاق:۷/ ٤٦٦).

(۳) عبد الرزاق عن الثوري وابن عيينة عن عبد الكريم أبي أمية عن طاؤوس قال: "يحرم من الرضاعة المرة الواحدة". (مصنف عبدالرزاق:۷/ ٤٦۷۔وكذا فی مصنف ابن ابی شيبة:۹/ ۲۹۰،المجلس العلمی).

(۴) نا ابن فضيل عن ليث، عن مجاهد، قال ابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: "يحرم قليل الرضاع كما يحرم كثيره". وقال مجاهد: قول ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أحب إليّ. (مصنف ابن ابی شيبة:۹/ ۲۸۹).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (مصنف عبدالرزاق:٤/ ٤٦٦۔٤۷۱۔ومصنف ابن ابی شيبة:۹/ ۲۸۸۔۲۹۰۔والسنن الكبری للبيهقی:۷/ ٤٥٨).

صحیح بخاری شریف کی ایک روایت سے بھی مطلق رضاعت ثابت ہوتی ہے،ملاحظہ ہو:

عن ابن أبي مليكة عن عقبة بن الحارث أنه تزوج أم يحيى بنت أبي اهاب ، قال : فجاء ت أمة سوداء ، فقالت: قد أرضعتكما، فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فأعرض عني، قال: فتنحيت ، فذكرت ذلك له، قال: وكيف وقد زعمت أن قد أرضعتكما، فنهاه عنه. (رواه البخاري:١/٣٦٣، شهادة المرضعة).

مزید دلائل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تكملة فتح الملهم :١/٣٥-٤١-والمبسوط للامام السرخسیؒ: ١٢١/٥، دارالفکر-وبدائع الصنائع:٤/٧-٨، سعید-وفتح القدیر:٣/٤٣٩-٤٤١،دارالفکر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نانی کا دودھ پینے سے خالہ کی لڑکی سے ثبوتِ رضاعت کا حکم:

سوال: ایک بچہ نے اپنی نانی کا دودھ پیا، اب وہ اپنی خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ خالہ کی لڑکی سے نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ نانی اس کی رضاعی ماں بن گئی، اور خالہ اس کی رضاعی بہن بن گئی، اور خالہ کی لڑکی اس کی رضاعی بھانجی بن گئی۔

حدیث شریف میں ہے:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: " يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب". (رواه البخاري).

ان اصول کے لئے ایک شعر مشہور ہے :

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند ☆ واز جانب شیر خوار زوجان وفروع

یعنی دودھ پلانے والی کی طرف سے سب رشتہ دار اور محارم بن گئے، یعنی مرضعہ ماں بن گئی، اس کا شوہر باپ بن گیا، مرضعہ کی بہن خالہ بن گئی، مرضعہ کے بیٹے بیٹیاں بھائی بہن بن گئے۔ اور دودھ پینے والے کی طرف سے قرابت زوجین اور اولاد تک محدود ہوگی یعنی اگر بچہ مذکر ہے تو اس کی بیوی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے، اور اگر دودھ پینے والی بچی ہے تو اس کا شوہر مرضعہ پر حرام ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قبل النکاح دودھ پلانے سے ثبوتِ رضاعت کا حکم:

سوال: ایک عورت نے جس کا شوہر نہیں ہے، کسی اور کی بچی کو دودھ پلایا، پھر اس نے کسی مرد سے شادی کر لی تو یہ مرد اس بچی کا رضاعی باپ بنا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس مرد نے بیوی کے ساتھ جماع یا خلوتِ صحیحہ کی ہو تو بچی ربیبہ ہونے کی وجہ سے محرم ہے اور نکاح ناجائز ہے۔ اور اگر دخول یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہوگئی ہو تو پھر اس کے لئے اس بچی سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

بكر لم تتزوج قط نزل بها لبن فأرضعت صبياً صارت أماً للصبي وثبت جميع أحكام الرضاع بينهما حتى لو تزوجت البكر رجلاً ثم طلقها قبل الدخول بها كان لهذا الزوج أن يتزوج الصبية، وإن طلقها بعد الدخول لا يكون له أن يتزوجها، لأنها صارت من الربائب التي دخل بأمها. (فتاوى قاضي خان: ۱/۴۱۷).

شامی میں ہے:

قوله ''ولبن بكر'' المراد بها التي لم تجامع قط... والحرمة لا تتعدى إلى زوجها، حتى لو طلقها قبل الدخول له التزوج برضيعتها، لأن اللبن ليس منه، قهستاني. أما لو طلقها بعد الدخول فليس له التزوج بالرضيعة، لأنها صارت من الربائب التي دخل بأمها. (فتاوى الشامي: ۳/۲۱۸، باب الرضاع، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۳۴۴). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

رضاعی بیٹے کی بہن سے جوازِ نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص کی بیوی نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا، اور اس لڑکے کی باپ شریک دوسری بڑی بہن

ہے، اب بیوی کے انتقال کے بعد یہ شخص اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ رضاعی بیٹے کی بڑی بہن سے جو کہ اس کی بیوی کی بیٹی نہیں ہے، نکاح جائز ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

لا يحل للرضيع إلا أم أخته من الرضاع وأخت ابنه من الرضاع فإنه يجوز له أن يتزوجها. (خزانة الفقه، ص:۱۳۹).

ہدایہ میں ہے:

ويجوز تزويج أخت ابنه من الرضاع ولا يجوز ذلك من النسب، لأنه لما وطئ أمها حرمت عليه، ولم يوجد هذا المعنى في الرضاع. (الهداية :۲/ ۳۵۱، كتاب الرضاع).

وهذا مما استثني من "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب". واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو سال سہ ماہ بعد شیر خوردنی سے ثبوتِ نسب کا حکم:

سوال: ایک بچے کی عمر ۲ سال ۳ ماہ تھی، اس نے ایک عورت آمنہ کا دودھ پیا، اب اس کی شادی اس عورت کی لڑکی سے طے ہونے والی تھی کہ اختلاف ہوا، بعض کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ مدت رضاعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نکاح ہوسکتا ہے، کیونکہ صاحبین کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا فتویٰ درکار ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ نکاح جائز اور درست ہے، اس لئے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قال الله تعالى: ﴿والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة﴾. (سورة البقرة:۲۳۳).

وقال ابن عباس رضي اللّٰه تعالیٰ عنهما:" لا رضاع بعد الحولين". (رواه الدارقطني: ٤/١٧٤، وقال: لم يسنده عن ابن عيينة غير الهيثم بن جميل، وهو ثقة، حافظ).

ملاحظہ فرمائیں"البحر الرائق" میں ہے:

والأصح أن العبرة لقوة الدليل، ولا يخفى قوة دليلهما، فإن قوله تعالى: ﴿ والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة ﴾ يدل على أنه لا رضاع بعد التمام . وأما قوله تعالى:﴿ فإن أرادا فصالاً عن تراضٍ منهما وتشاورٍ فلا جناح عليهما﴾ فإنما هو قبل الحولين بدليل تقييده بالتراضي والتشاور، وبعدهما لا يحتاج إليهما، وبه يضعف ما في معراج الدراية معزياً إلى المبسوط والمحيط من " أنه بعد الحولين فيكون دليلاً له" لما علمت من ضياع القيدين حينئذ .

وأما استدلال صاحب الهداية للإمام بقوله تعالى:﴿ وحمله وفصٰله ثلثون شهراً ﴾ بناء على أن المدة لكل منهما، وقد قام المنقص فى الحمل فبقي الفصال على حاله. فقد رجع إلى الحق في باب ثبوت النسب من أن الثلاثين لهما، للحمل ستة أشهر والعامان للفصال. (البحر الرائق:٣/٢٢٣، كوئٹه).

محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں تحریر فرماتے ہیں:

فكان الأصح قولهما، وهومختار الطحاويؒ. (فتح القدير:٣/٤٤٤، دارالفكر).

مجمع الانہر میں ہے:

وعندهما حولان، وهو قول الشافعيؒ، وعليه الفتوىٰ كما فى المواهب، وبه أخذ الطحاويؒ. (مجمع الانهر: ١/٣٧٥).

علامہ قاسم بن قطلو بغا " التصحيح والترجيح " میں فرماتے ہیں:

وقال فى العون على الدراية :" وبقولهما نأخذ فى الفتوىٰ " وهذا أولىٰ ، لأنه أجيب في شرح الهداية عما يستدل له به على الزيادة على سنتين ، وبعد الجواب قال: فكان

الأصح قولهما وهو مختار الطحاويؒ، وقد روي فيه عن ابن عباس رضي اللّٰه تعالیٰ عنهما "لا رضاع بعد الحولين" وعن ابن مسعود رضي اللّٰه تعالیٰ عنه :" لا رضاع بعد الحولين" وروي رجوع أبي موسی الأشعري رضي اللّٰه تعالیٰ عنه إلی قول ابن مسعود رضي اللّٰه تعالیٰ عنه، وعن سعيد بن المسيبؒ:" لا رضاع بعد الحولين" وغير ذلک. (التصحيح والترجيح علی مختصر القدوری:۳۳۵، کتاب الرضاع، ط:بیروت).

لیکن چونکہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ڈھائی سال کا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں:﴿ وحمله وفصله ثلثون شهراً ﴾.(سورۃ الاحقاف:۱۵). اور حمل سے مراد بچے کو اٹھا کر پھرنا ہے۔

ملاحظہ ہو مدارک التنزیل میں ہے:

قال أبوحنيفةؒ: والمراد به الحمل بالأكف. (مدارک التنزیل:۴/۱۴۳).

اور بچے کو اٹھا کر چلنا کبھی کبھار ڈھائی سال تک ہوتا ہے، اور دودھ چھڑانے کے لیے ڈھائی سال فرمایا گیا یعنی دو سال کے بعد دودھ چھڑالے، اور چھ ماہ میں کھانے کا عادی بن جائیگا، مگر رضاعت بھی ضرورۃً جاری رہ سکتی ہے، اس لیے احتیاط نکاح نہ کرنے میں ہے۔

تاہم فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، اور یہ واضح اور بے غبار ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں فرمایا:

اکثر کا فتویٰ اس پر ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔(بیان القرآن:۱/۱۳۹). واللہ ﷻ اعلم۔

رضاعی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا کوئی شخص اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ رضاعی بیٹے کی طلاق کے بعد نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اپنے رضاعی بیٹے کی مطلقہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز اور درست نہیں۔

ملاحظہ ہو مفتی بغداد علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

"وحلائل ابنائکم الذین من أصلابکم"... وذکر لإسقاط حلیلة المتبنی. وعن عطاء: أنها نزلت حین تزوج النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم امرأة زید بن ثابت رضي اللّٰہ عنه فقال المشرکون في ذلک. ولیس المقصود من ذلک إسقاط حلیلة الابن من الرضاع، فإنها حرام أیضاً کحلیلة الابن من النسب. (تفسیر روح المعاني: ٤/٢٦٠).

وفي تفسیر النسفي: "﴿الذین من أصلابکم﴾ دون من تبنیتم، فقد تزوج النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم زینب حین فارقها زید... ولیس هذا لنفي حلیلة الابن من الرضاع. (تفسیر النسفي: ١/٢١٨).

وفی التفسیر المظهري: وأما الابن بالرضاع وفروعه فإنهم وإن خرجوا بهذا القید، لکن حرمة حلائلهم تثبت بنص الحدیث، أعني قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" وعلیه انعقدالاجماع. (التفسیرالمظهري: ٢/٦٢).

مبسوط میں ہے:

وکما تحرم حلیلة الابن نسباً، فکذلک حلیلة الابن من الرضاع عندنا... ولکنا نستدل بقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب". (المبسوط ٤/١٨٥، دار الفکر).

شامی میں ہے:

قوله تعالی: ﴿وحلائل أبنائکم الذین من أصلابکم﴾ والحلیلة: الزوجة... وذکر الأصلاب لإسقاط حلیلة الابن المتبنی، لا لإحلال حلیلة الابن رضاعاً، فإنها تحرم کالنسب. بحر وغیره. (فتاوی الشامي: ٣/٣١، فصل فی المحرمات، ط: سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوجہ کا دودھ چوسنے سے ثبوتِ رضاعت کا حکم:

سوال: اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کے پستان کو چوس کر دودھ پی لیا تو کیا حرمتِ رضاعت ثابت

ہوجائے گی یا نہیں؟اوراگر ثابت نہیں ہوگی تو کیوں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ میاں بیوی کے درمیان رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ ثبوتِ رضاعت کے لئے مدتِ رضاعت میں دودھ پینا ضروری ہے،اور مدتِ رضاعت مفتی بہ قول کے مطابق دوسال ہیں،اورعام طور پر شوہر دوسال کی عمر سے متجاوز ہوتا ہے،لہذا دوسال کے بعد پینے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر کسی کا شوہر دوسال کے اندر اس کا دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہوجائیگی اور بیوی اس پر حرام ہوجائیگی، بایں ہمہ شوہر کے لئے اپنی بیوی کے پستانوں سے دودھ پینا ناجائز ہے،اس سے قطعاً اجتناب کرنا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين﴾ اس آیتِ کریمہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں،مفتی بغداد علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

واستدل بالآية على أن أقصى مدة الإرضاع حولان، ولا يعتد به بعدهما فلا يعطى حكمه. (روح المعاني:۲/۱۴٦).

فتح القدیر میں ہے:

وما في الترمذي من حديث أم سلمة أنه صلى الله عليه وسلم قال "لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء في الثدي وكان قبل الفطام" وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وفي سنن أبي داؤد من حديث ابن مسعود يرفعه "لا يحرم من الرضاع إلا ما أنبت اللحم وأنشر العظم" وماذكره المصنف رحمه الله تعالى من قوله عليه الصلاة والسلام "لا رضاع بعد الفصال" والمراد نفي الحكم...وفي المؤطا وسنن أبي داؤد عن يحيى بن سعيد أن رجلا سأل أبا موسى الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه فقال: إني مصصت عن امرأتي من ثديها لبناً فذهب في بطني، فقال أبو موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه: لا أراها إلا قد حرمت عليك، فقال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: أنظر ما تفتي به الرجل، فقال أبو موسىٰ: ما تقول أنت؟ فقال عبد الله: لا رضاعة إلا ما كان في الحولين. فقال أبوموسى: لا تسألوني عن شيء ما دام هذا الحبر بين أظهركم. وفي المؤطا عن ابن عمر: جاء رجل إلى عمر بن

الخطاب رضي اللّٰه عنه فقال: كانت لي وليدة فكنت أصيبها، فعمدت امرأتي إليها فأرضعتها فدخلت عليها فقالت: "دونک واللّٰه قد أرضعتها، قال عمر: أوجعها وأت جاريتک، فإنما الرضاعة رضاعة الصغير. (فتح القدير ٣/٤٤٥، دار الفكر).

وفي شرح العناية: قال: وقد اتفقت الصحابة على هذا. (شرح العناية على هامش فتح القدير ٣/٤٤٦).

وفي الهداية: قال: وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم، لقوله عليه الصلاة والسلام "لا رضاع بعد الفصال" ولأن الحرمة باعتبار النشو، وذلک في المدة إذ الكبير لا يتربى به. (الهداية: ٢/٣٥٠، كتاب الرضاع).

وفي الدر المختار: مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. وفي رد المحتار: "مص رجل" قيد به احترازا عما إذا كان الزوج صغيراً في مدة الرضاع فإنها تحرم عليه. (الدر المختار مع رد المحتار: ٣/٢٢٥، باب الرضاع، ط: سعيد).

فتاوی قاضی خان میں ہے:

وإذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم عليه امرأته لما قلنا أنه لا رضاع بعد الفصال. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ١/٤١٧، باب الرضاع). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

بانجھ پن میں دودھ اترنے سے ثبوتِ رضاعت کا حکم:

سوال: ایک شخص کی بیوی بانجھ ہے، سالہا سال سے ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہے، اس عورت نے ایک بچی کو تربیت کے لئے لیا، اور اس کے منہ میں اپنے پستان دیتی رہی، کچھ دنوں کے بعد اس عورت کے سینے میں دودھ پیدا ہوگیا، اب اس عورت کا شوہر اس لڑکی کا رضاعی باپ بن گیا یا نہیں؟ اور اگر عورت کے شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو اس کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس عورت کے شوہر سے اس لڑکی کا نکاح جائز نہیں، کیونکہ وہ اس کی ربیبہ

کہلاتی ہے، اور ربیبہ کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔﴿ وربائبكم التي في حجوركم﴾ کے تحت نکاح حرام ہے۔ الا یہ کہ ربیبہ کی ماں سے خلوت اور جماع ہی نہیں ہوا ہو تو پھر نکاح جائز ہے۔

اور اس کے لڑکے کے نکاح کا مسئلہ: تو اس میں کوئی وجہ حرمت نہیں، کیونکہ یہ لڑکا ربیبہ کی ماں سے نہیں بلکہ اگلی عورت کا ہے، اور ربیبہ کی ماں کو شوہر کی وجہ سے دودھ نہیں اترا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله "طلق ذات لبن" أي منه بأن ولدت منه، لأنه لو تزوج امرأة ولم تلد منه قط ونزل لها لبن وأرضعت ولداً لا يكون الزوج أباً للولد، لأن نسبته إليه بسبب الولادة منه، وإذا انتفت انتفت النسبة فكان كلبن البكر، ولهذا لو ولدت للزوج فنزل لها لبن فأرضعت به ثم جف لبنها ثم درّ فأرضعته صبية فإن لابن زوج المرضعة التزوج بهذه الصبية، ولو كان صبياً كان له التزوج بأولاد هذا الرجل من غير المرضعة. بحر عن الخانية. (فتاوى الشامي: ٣/ ٢٢١، باب الرضاع، ط: سعيد).

فتح القدیر میں ہے:

وبخلاف ما لو ولدت للزوج فنزل لها لبن فأرضعت به، ثم جف لبنها ثم درّ لها فأرضعت به صبية، فإن لولد زوج المرضعة من غيرها التزوج بهذه الصبية، لأن هذا ليس لبن الفحل ليكون هو أباها كما لو لم تلد من الزوج أصلاً ونزل بها لبن فإنه لا يثبت بإرضاعها تحريم بين ابن زوجها ومن أرضعته، لأنها ليست بنته، لأن نسبته إليه بسبب الولادة منه، وإذا انتفت انتفت النسبة فكان كلبن البكر. (فتح القدير: ٣/ ٤٤٩، ط: دار الفكر۔ وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/ ٤١٧، باب الرضاع). **واللہ ﷻ اعلم۔**

دوا اور انجکشن کے ذریعہ دودھ پیدا ہو تو ثبوتِ رضاعت کا حکم:

سوال: ایک عورت چھوٹی بچی کی پرورش کر رہی ہے، اس کو دودھ نہیں اترتا، لیکن اگر دوا یا انجکشن کے

ذریعہ دودھ آنے لگے اور بچی کو پلادے تو رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ نیز اس عورت کا شوہر بچی کا رضاعی باپ بنے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر دوا اور انجکشن کے ذریعہ دودھ اترے اور بچی کو پلادے تو بچی سے رضاعت ثابت ہوجائیگی، یعنی دودھ پلانے والی عورت بچی کی رضاعی ماں کہلائے گی، لیکن اس کا شوہر بچی کا رضاعی باپ نہیں بنے گا، کیونکہ وہ دودھ اترنے کا سبب نہیں بنا، ہاں وہ عورت اس کی مدخولہ ہو تو وہ بچی اس کی ربیبہ بننے کی وجہ سے نکاح اس بچی کے ساتھ حرام ہوگا، لیکن اگر قبل الدخول وخلوۃِ صحیحہ طلاق واقع ہوگئی ہو تو پھر اس بچی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی عالمگیری میں ہے:

بكر لم تتزوج لو نزل لها لبن فأرضعت صبياً صار أما للصبي وتثبت جميع أحكام الرضاع بينهما، حتى لو تزوجت البكر رجلا ثم طلقها قبل الدخول بها كان لهذا الزوج أن يتزوج الصبية، وإن طلقها بعد الدخول لا يكون له أن يتزوجها. كذا في خزانة المفتين.

(الفتاوى الهندية: ١/٣٤٤ـ وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٤١٧، باب الرضاع).

درمختار میں ہے:

و يثبت أبوة زوج مرضعة إذا كان لبنها منه وإلا لا . و في الشامي : قوله " وأبوة زوج مرضعة لبنها منه " المراد به اللبن الذي نزل منها بسبب ولادتها من رجل زوج. (الدرالمختار مع الشامي: ٣/٢١٣، سعيد).

وفي الشامية : قوله "ولبن بكر" المراد بها التي لم تجامع قط بنكاح أو سفاح... والحرمة لا تتعدى إلى زوجها، حتى لو طلقها قبل الدخول له التزوج برضيعتها، لأن اللبن ليس منه. قهستاني. أما لو طلقها بعد الدخول فليس له التزوج بالرضيعة لأنها صارت من الربائب التي دخل بأمها. (فتاوى الشامي: ٣/٢١٨، سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مخلوط دودھ سے ثبوتِ رضاعت کا حکم:

سوال: ایک عورت نے اپنا دودھ پانی میں ملا کر ڈیڑھ سال کے بچے کو پلایا، کیا اس سے رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دودھ پانی کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے غالب کا اعتبار ہوگا، اگر پانی دودھ پر غالب ہے اور دودھ مغلوب ہے تو رضاعت ثابت نہ ہوگی، لیکن اگر دودھ غالب ہے اور پانی مغلوب ہے یا دونوں برابر ہیں تو دونوں صورتوں میں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔
اور مائعات میں غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ دو وصفوں میں سے ایک یعنی رنگ یا ذائقہ بدل جائے یا ظاہر ہو جائے۔
ہاں اگر عورت کے دودھ کو کھانے میں ملا دیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

واذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحريم، وإن غلب الماء لم يتعلق به التحريم ... ونحن نقول: المغلوب غير موجود حكماً حتى لا يظهر بمقابلة الغالب.
(الهداية: ۲/۳۵۲، كتاب الرضاع).

الاختیار میں ہے:

وإذا اختلط اللبن بخلاف جنسه كالماء والدهن والنبيذ والدواء ولبن البهائم فالحكم للغالب. (الاختيار لتعليل المختار: ۳/۱۳٤، بيروت).

البحر الرائق میں ہے:

"ويعتبر الغالب لو بماء" ... أي لو اختلط اللبن بما ذكر يعتبر الغالب، فإن كان الغالب الماء لا يثبت التحريم كما إذا حلف لا يشرب لبناً لا يحنث بشرب الماء الذي فيه أجزاء اللبن. (البحر الرائق: ۳/۲۲۸، كوئته).

وكذا في "بدائع الصنائع: ٤/٩. سعيد. وخزانة الفقه ص ١٤٠، المكتبة الغفورية. والفقه الإسلامي

وأدلته: ۷/۷۰۷۔ وشرح النقاية: ۱/۶۰۵ ۔والبناية للعيني: ۴/۷۰، مكتبة رشيدية ''.

درمختار میں ہے:

ومخلوط بماء أو دواء أولبن أخرى أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة، وكذا إذا استويا إجماعاً لعدم الأولوية. وفي الشامية: قوله ''إذا غلب لبن المرأة'' أى على أحد المذكورات، وفسر الغلبة في أيمان الخانية من حيث الأجزاء. وقال هنا: فسرها محمد فى الدواء بأن يغيره عن كونه لبناً، وقال الثاني: إن غير الطعم واللون، لا إن غير أحدهما، نهر. ونحوه فى البحر. ووفق فى الدر المنتقى فقال: تعتبر الغلبة بالأجزاء فى الجنس، وفي غيره بتغير طعم أو لون أو ريح كما روي عن أبي يوسف إلا أنه اعتبر التغير في غير الجنس بوصف واحد، والمذكور آنفاً أنه لا يعتبر إلا إذا غير الطعم واللون، نعم يوافقه ما فى الهندية من اعتبار أحد الأوصاف إلا أنه لم يعزه لأبي يوسف. (الدر المختار مع الشامي :۳/۲۱۸، باب الرضاع).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو خلط بالماء ... فالعبرة للغالب كذا فى الظهيرية ... ولو استويا وجب ثبوت الحرمة، لأنه غير مغلوب، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۴۴۔وكذا فى الخانية على هامش الهندية: ۱/۴۱۸).

نورالایضاح میں ہے:

والغلبة فى المائعات بظهور وصف واحد من مائع له وصفان فقط، كاللبن لها اللون والطعم ولا رائحة له. (نور الايضاح، ص: ۲۴، ط: مير محمد كتب خانه).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

الأولىٰ أن نقول إن الحرمة لا تتعلق بصورة الإرضاع ووجود اللبن كما فى الكبير بالإجماع، بل يتعلق باعتبار إنشاز العظم وإنبات اللحم، والمغلوب لا يحصل الإنشاز والإنبات، لأنه لا يحصل التغذي به. (البناية: ۴/۸۲۱۔وبدائع الصنائع: ۴/۹، سعيد۔ درر الحكام فى شرح

غررالاحکام: ۱/۳۵۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

خون دینے سے حرمتِ رضاعت کا حکم:

سوال: بہت سی مرتبہ علاج ومعالجہ کے طور پر ایک شخص کا خون دوسرے آدمی کے جسم میں چڑھایا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں ایک دوسرے کے نسب اور حرمت پر کچھ فرق پڑے گا یا نہیں؟ جب کہ فقہاء دودھ کی وجہ سے حرمت اور ثبوتِ نسب کے قائل ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علاج ومعالجہ کے طور پر خون چڑھانے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، اس لیے کہ دودھ کی وجہ سے حرمت کا پیدا ہوجانا خلاف قیاس نص سے ثابت ہے، اس لیے اس پر دوسری چیزوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، نیز شیر خوار بچے کو دودھ دینا بطورِ غذا اور نشو ونما کے ہے نہ کہ بطورِ دوا وعلاج کے، جب کہ خون چڑھانا دوا وعلاج کے طور پر ہے، اسی وجہ سے مدت رضاعت یعنی دوسال گزرنے کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور مدتِ رضاعت کے بعد اگر دوا کے طور پر عورت کا دودھ استعمال کرے تب بھی حرمت پیدا نہیں ہوتی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة أنه صلى الله عليه وسلم قال "لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء في الثدي وكان قبل الفطام" وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وفي سنن أبي داؤد من حديث ابن مسعود يرفعه "لا يحرم من الرضاع إلا ما أنبت اللحم وأنشر العظم" يروى بالراء المهملة: أي أحياه ، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿ثم إذا شاء أنشره﴾. (فتح القدير: ۳/۴۴۵، کتاب الرضاع، دار الفکر).

وفي الدر المختار: ويثبت التحريم في المدة فقط. وفي الشامية: أما بعدها فإنه لا يوجب التحريم ، بحر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۱۱، سعید).

علامہ عینیؒ بنایہ میں فرماتے ہیں:

إن الحرمة لاتتعلق بصورة الإرضاع ووجود اللبن كما في الكبير بالإجماع بل يتعلق

باعتبار إنشاز العظم وإنبات اللحم. (البنيابة فى شرح الهداية: ٤/ ٨٢١).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی فریدیہ: ۵/ ۱۳۸، وجدید فقہی مسائل، جلد اول: ۱۵۱)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

غیر فطری طریقہ پر دودھ دینے سے ثبوتِ حرمت کا حکم:

سوال: فطری طریقہ یہ ہے کہ بچہ ماں کے پستان سے دودھ پیئے لیکن اگر کسی وجہ سے دودھ نکال کر بچہ کے منہ میں ڈالا جائے یا ناک کے ذریعہ چڑھایا جائے یا کوئی اور غیر فطری طریقہ اختیار کرے تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ماں کا دودھ نکال کر غیر فطری طریقہ سے بچہ کو مدت کے اندر پلایا یا چڑھایا جائے تب بھی حرمت ثابت ہوجائیگی یہاں تک کہ امام محمدؒ کے نزدیک حقنہ کے ذریعہ بھی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی عالمگیری میں ہے:

كما يحصل الرضاع بالمص من الثدي يحصل بالصب والسعوط والوجور...وعند محمدؒ يثبت بالحقنة كما في التهذيب. (الفتاوى الهندية: ١/ ٣٤٤، كتاب الرضاع۔ وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/ ٤١٧، باب الرضاع).

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل، جلد اول: ۱۵۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ:

﴿الرجال قوامون علی النساء﴾. (سورۃ النساء: الآیۃ:۳٤).

وقال تعالیٰ:

﴿ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف، وللرجال علیھن درجۃ﴾

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸).

﴿وعاشروھن بالمعروف﴾. (سورۃ النساء، آیت ۱۹)۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

"وإن لزوجک علیک حقاً".

(صحیح بخاری، کتاب النکاح).

باب حقوق الزوجین

"وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

استوصوا بالنساء خیراً".

(صحیح بخاری، کتاب النکاح).

وعن معاویۃ القشیری "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سألہ رجل ما حق المرأۃ علی الزوج؟ قال: تطعمھا إذا طعمت، وتکسوھا إذا اکتسیت، ولا تضرب الوجہ، ولا تقبح، ولا تجھر إلا فی البیت.

(رواہ أحمد وابو دائود، وابن ماجہ)

باب حقوق الزوجین

زوجین کے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی تفصیل:

سوال: زوجین کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟ کیا عورت محکومہ باندی کی طرح ہے؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے جس طرح رشتۂ نکاح کو قائم کرنے کی قانونی اور اخلاقی ہدایات بیان کی ہیں، اسی طرح رشتۂ نکاح کو خوشگوار و استوار رکھنے کے لئے بھی اصولی طور پر شوہر، بیوی دونوں کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کردی ہے، بایں ہمہ شوہر کو قوام یعنی محافظ، نگران اور خبر گیری کرنے والا قرار دیا ہے، اور ایک درجہ عورت پر تفوق دیا ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کردیا ہے کہ مرد کی حیثیت آقا اور عورت کی حیثیت لونڈی کی نہیں، بلکہ بنیادی حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ ﴿ **ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة** ﴾. (سورة البقرة، الآية: ۲۲۸).

چنانچہ جو حقوق عورتوں کے ہیں وہی مردوں کے فرائض ہیں اور جو حقوق مردوں کے ہیں وہی عورتوں کے فرائض ہیں:

مختصراً مردوں کے حقوق حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مہر ادا کرنا۔ (۲) نفقہ، سکنی فراہم کرنا۔ (نفقہ، سکنی کی تفصیلات باب النفقات میں گزر چکی)۔ (۳) حسن سلوک کرنا۔ (۴) ظلم و زیادتی اور ایذا رسانی سے بچنا۔ (۵) دینی کاموں کی وجہ سے بھی عورت کی حق تلفی نہ کرنا۔

(۶) ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل ومساوات سے کام لینا۔ (۷) بیوی بچوں کی علمی ودینی تربیت کرنا۔ (۸) غیرت میں اعتدال کرنا یعنی نہ بدگمانی کرے اور نہ بالکل غافل رہے۔ (۹) نہ خرچ میں تنگی کرے اور نہ ہی فضول خرچی کی اجازت دے۔ (۱۰) بدون ضرورت طلاق نہ دینا۔ (۱۱) اس کے محارم واقارب سے ملنے کی اجازت دینا۔

عورتوں کے حقوق مختصراً حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) عصمت وعفت کی حفاظت کرنا۔ (۲) شوہر کے مال کی حفاظت کرنا۔ (۳) ہر نیک کام اور حق بات میں شوہر کی اطاعت کرنا۔ (۴) ضروریاتِ زندگی کی طلب میں اعتدال برتنا۔ (۵) ہمیشہ شوہر کی احسان شناس ہونا۔ (۶) بچوں کو دودھ پلانا۔ (۷) بدونِ شوہر کی اجازت کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔ (۸) بلا اجازت گھر سے نہ نکلنا۔ (۹) بلا اجازت اس کے مال میں سے کسی کو نہ دینا۔ (۱۰) خاوند کو بوجہ افلاس یا بدصورتی کے حقیر نہ سمجھنا۔ (۱۱) خلافِ شرع کوئی امر خاوند سے دیکھے تو ادب سے منع کرنا۔ (۱۲) شوہر کا نام لے کر نہ پکارنا۔ (۱۳) کسی کے سامنے خاوند کی شکایت نہ کرنا۔ (۱۴) زبان درازی نہ کرنا۔ (۱۵) شوہر کے اقارب سے تکرار نہ کرنا۔

دونوں کے درمیان مشترکہ حقوق ملاحظہ ہوں:

(۱) حسن اخلاق کا مظاہرہ۔ (۲) جانبین سے ایذا رسانی اعتدال کے ساتھ برداشت کرنا۔ (۳) ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ (۴) محض خواہش نفسانی کی تکمیل مقصد نہ ہو بلکہ رشتۂ نکاح محبت والفت کی ایک مضبوط بنیاد ثابت ہو، جس کے ذریعہ دونوں کو سکون وراحت میسر ہو۔ (۵) حدود اللہ کے قیام کو مقصد بنانا۔ (۶) نیک صالح اولاد کی خواہش ہونا۔ (۷) بچوں کی پرورش میں دونوں کامل کر حصہ لینا۔ (۸) بچوں کی جسمانی پرورش کے ساتھ دینی تعلیم وتربیت میں دونوں کامل کر حصہ لینا۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں:

قال اللّٰہ سبحانه و تعالیٰ: ﴿الرجال قوامون على النساء﴾. (سورة النساء، الآية: ٣٤).

وقال: ﴿ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف، وللرجال عليهن درجة﴾. (سورة البقرة، الآية: ٢٢٨).

وقال: ﴿وعاشروهن بالمعروف﴾. (سورة النساء، الآية: ١٩).

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: " وإن لزوجک علیک حقاً ". (صحیح بخاری: ۷۸۳/۲، باب لزوجك عليك حق، كتاب النكاح ، قديمي).

وعن معاوية القشيرى: أن النبي صلى الله عليه وسلم سأله رجل ما حق المرأة على الزوج ؟ قال:" تطعمها إذا طعمت، وتكسوها إذا اكتسيت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح، ولا تجهر إلا في البيت. (رواه أحمد:٤٤٧/٤: ٢٠٠٢٧،ط:القاهرة۔وابو دائود:٢١٠/٢: ١٢٤٤، ط:بيروت).

ترجمہ: حضرت معاویہ القشیر ی بیان کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عورت کا شوہر پر کیا حق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا تم جب کھاؤ تو اس کو کھلاؤ جب پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور چہرے پر پٹائی مت کرو، اور برا بھلا مت کہو اور علیحدہ مت رہو مگر گھر میں یعنی اس کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں منتقل مت ہو جاؤ، ہاں گھر میں بستر الگ کر سکتے ہیں۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" ألا واستوصوا بالنساء خيراً، فإنما هن عندكم عوان ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلک، إلا أن يأتين بفاحشة مبينة، فإن فعلن فاهجروهن في المضاجع، واضربوهن ضرباً غير مبرح، فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً ألا وإن لكم على نسائكم حقاً، ولنسائكم عليكم حقاً، فأما حقكم على نسائكم، فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ، ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون ، ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن ". (رواه الترمذی:١/ ٢٢٠،باب ماجاء فى حق المرأة على زوجها۔وابن ماجة: ص: ١٣٣، باب حق المرأة على الزوج) .

و قال عليه الصلاة والسلام: " خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي". (رواه الترمذی : ٢٢٨/٢، باب فضل ازواج النبى صلى الله عليه وسلم) .

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن المرأة خلقت من ضلع لن تستقيم لک على طريقة فإن استمتعت بها استمتعت بها وبها عوج ، وإن ذهبت تقيمها كسرتها وكسرها طلاقها". (رواه مسلم:١/ ٤٧٥، باب الوصية بالنساء) .

وقال عليه الصلاة والسلام :" لا يجلد أحدكم امرأته جلد العبد ثم يجامعها في آخر

الیوم". (رواہ البخاری:۲/۷۸۴، باب مایکرہ من ضرب النساء) .

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : " لوکنت آمراً أحداً أن یسجد لأحد، لأمرت المرأۃ أن تسجد لزوجھا ". (رواہ الترمذی: ۱/۲۱۹، باب ماجاء فی حق الزوج ـ وابن ماجۃ :۱۳۳).

درمختار میں ہے:

وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به، وله منعها من الغزل، ومن أكل ما يتأذى من رائحته، بل ومن الحناء والنقش إن تأذى برائحته، نهر. وفي الشامي: قوله في كل مباح، ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجباً عليها كأمر السلطان الرعية به، قوله ومن أكل ما يتأذى به أي برائحته كثوم وبصل، يؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهور له منعها من شربه. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی: ۳/۲۰۸، باب القسم ،ط: سعید).

وفي البحر الرائق: وذكر البقاعي في المناسبات حديثاً لا يسأل الرجل فيم ضرب زوجته وحديثاً آخر أنه نهى المرأة أن تشكو زوجها . (البحرالرائق:۳/۲۲۰،تتمۃ فی حقوق الزوجین).

بدائع الصنائع میں ہے:

أما النكاح الصحيح فله أحكام... منها حل الوطى إلا في حالة الحيض والنفاس والإحرام... ومنها حل النظر والمس من رأسها إلى قدميها في حالة الحياة، ومنها ملك المتعة وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً ... ومنها ملك الحبس والقيد وهو صيرورتها ممنوعة عن الخروج والبروز...ومنها وجوب المهر على الزوج ... ومنها ثبوت النسب... ومنها وجوب النفقة والسكنى... ومنها حرمة المصاهرة ... ومنها الإرث من الجانبين جميعاً ... ومنها وجوب العدل بين النساء في حقوقهن... ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة... ومنها ولاية التأديب للزوج إذا لم تطعه فيما يلزم طاعته بأن كانت ناشزة فله أن يؤدبها لكن على الترتيب فيعظها أولاً على الرفق واللين ... ومنها المعاشرة بالمعروف وإنه مندوب إليه و مستحب ، قال الله تعالى : ﴿وعاشروهن

بالمعروف﴾ قیل ھي المعاشرۃ بالفضل و الإحسان قولاً و فعلاً وخلقاً ... وکذلک من جانبھا ھي مندوبۃ إلی المعاشرۃ الجمیلۃ مع زوجھا بالإحسان باللسان واللطف فی الکلام والقول المعروف الذي یطیب بہ نفس الزوج . (بدائع الصنائع :۲/۳۳۱-۳۳۴، أحکام النکاح، ط: سعید۔وکذا فی البحر الرائق :۳/ ۲۲۰، تتمۃ في حقوق الزوجین ،کوئٹہ).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۷/۳۲۷-۳۴۲، حقوق الزواج وواجباتہ، دار الفکر۔ واسلامی فقہ: ۲/ ۱۰۷-۱۵۵۔ و امداد الفتاوی: ۲/ ۱۸۵) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

عورت کے ذمہ گھریلو کام کاج کا حکم:

سوال: کیا عورت کے ذمہ گھر کا کام کاج لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس میں گھر کا کام کاج عورتیں خود نہیں کرتی ہیں یا کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے گھر کا کام کاج کرنا مشکل ہے تو عورت پر کام کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے، لیکن اگر خاندان کی عورتیں گھر کا کام کرتی ہیں یا شوہر کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ملازم رکھے تو عورت پر گھریلو کام کاج دیانۃً لازم ہے، ہمارے معاشرے (جنوبی افریقہ) میں عورتیں صفائی کے علاوہ عموماً گھر کا کام کاج کھانا وغیرہ پکاتی ہیں، لہذا یہاں کی عورتوں پر شرعاً شوہر اور بچوں کی خدمت اور کھانا وغیرہ پکانا لازم ہے، اِلا یہ کہ آپس کی رضامندی سے نہ پکائے۔

ملاحظہ فرمائیں اسلامی فقہ میں ہے:

اگر عورت ایسے گھر کی ہے جہاں لوگ اپنے ہاتھ سے کام کاج نہیں کرتے بلکہ نوکر چاکر کرتے ہیں، یا عورت اتنی کمزور یا مریض ہے جس کی وجہ سے اس سے گھر کا کام کاج نہیں ہوتا تو شوہر ایسی عورت کو کام کاج پر مجبور نہیں کرسکتا، بلکہ اس کو بغیر کام کئے ہوئے بٹھا کر روٹی کپڑا دینا پڑے گا، اگر ایسی عورت اپنے ذاتی کام کے لئے یا گھر کے کام کاج کے لئے ملازم کا مطالبہ کرے تو شوہر اگر خوش حال ہے تو اس کو ملازم رکھنا پڑے گا، اور ایک ملازم کا خرچ اس کو دینا پڑے گا، لیکن اگر شوہر کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ملازم رکھ سکے، یا وہ عورت جو

اپنے میکے میں اپنے ہاتھ سے کام کاج کرتی تھی تو پھر عورت کوشوہر کے گھر کے اندر بھی کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کرنا پڑے گا، اور مرد کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ باہر کا کام خود کرے۔ مثلاً سودا سلف، جنس، لکڑی، اور پانی وغیرہ گھر میں لادے، اگر مرد یہ چیزیں فراہم نہیں کرے تو عورت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

بعض علمائے فقہ نے لکھا ہے کہ کپڑے کی دھلائی مرد کے اوپر واجب نہیں ہے بلکہ اس کو صرف پانی اور صابون فراہم کردینا ضروری ہے، عورت اپنے ہاتھ سے اپنا کپڑا دھولے اگر مرد دھلائی دیتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے، یعنی یہ عورت کا قانونی حق نہیں ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ عورت اپنے گھر اس کی عادی ہو یا مرد صاحب استطاعت نہ ہونے کے باوجود دیتا ہو، ورنہ جب مرد میں استطاعت ہو یا عورت اس کام کی عادی نہ ہو تو کپڑے کی دھلائی بطور حق ملنا چاہئے، جب خادم مل سکتا ہے تو صحت وصفائی کی دوسری چیزیں بطور استحقاق کیوں نہیں مل سکتیں۔

البتہ اگر عورت اس کا بار مرد پر نہ ڈالے تو یہ اس کا احسان ہے، اور اس تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے صرف قانونی تعلق نہ رکھیں، بلکہ اخلاقی تعلق بھی رکھیں یعنی ایک دوسرے کی تکلیف وآرام کا خیال رکھیں۔ (اسلامی فقہ: ۲/ ۱۱۷).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن قالت: لا أطبخ ولا أخبز قال في الكتاب لا تجبر على الطبخ والخبز وعلى الزوج أن يأتيها بطعام مهيأ أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز، قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: إن امتنعت المرأة عن الطبخ والخبز إنما يجب على الزوج أن يأتيها بطعام مهيأ إذا كانت من بنات الأشراف لا تخدم بنفسها في أهلها أو لم تكن من بنات الأشراف لكن بها علة تمنعها من الطبخ والخبز، أما إذا لم تكن كذلك فلا يجب على الزوج أن يأتيها بطعام مهيأ كذا في الظهيرية . قالوا إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة وإن كانت لا يجبرها القاضي كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ١/ ٥٤٨، باب النفقة).

درمختار میں ہے:

أنه عليه الصلاة و السلام قسم الأعمال بين علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه وفاطمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها، فجعل أعمال الخارج على عليّ رضي اللّٰه تعالىٰ عنه و الداخل على فاطمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها مع أنها سيدة نساء العالمين بحر. (الدر المختار: ۵۷۹/۳، باب النفقة ،ط:سعيد).

وفي الطحطاوي: قوله قسم الأعمال أي أعمال المعيشة، قوله فجعل أعمال الخارج أي خارج البيت كاتيان الحطب و الماء وتحصيل النفقة ، قوله الداخل على فاطمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أي داخل البيت كالطحن و الخبز و العجن . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲/۲۵۵، كوئته، نفقه ـو كذا في البحر الرائق: ۱۸۳/۴، باب النفقة ،كوئته) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

وضع حمل کے اخراجات شوہر کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: فقہاء نے لکھا ہے کہ بیوی کا علاج شوہر کے ذمہ نہیں ہے، لیکن وضع حمل کے وقت کے اخراجات جو عورت کا صرف ذاتی فعل نہیں ہے بلکہ شوہر بھی اس میں شریک ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورت مسئولہ یہ بات محقق نہیں ہے کہ بیوی کا علاج شوہر کے ذمہ نہیں ہے، فقہاء نے اپنے عرف وعادت کی بنا پر تحریر فرمایا تھا، چونکہ ان کے زمانہ میں یہ اساسی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن موجودہ حالات وعرف کو دیکھتے ہوئے علاج ومعالجہ اساسی ضرورت بن چکا ہے، لہذا شوہر کے ذمہ ہونا چاہئے جس کی کچھ تفصیل ''باب النفقات'' کے تحت گزر چکی ہے۔

رہی یہ بات کہ حمل اور وضع حمل کے اخراجات تو اس کے بارے میں بھی فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر شوہر دایہ کو بلائے تو شوہر برداشت کرے، اور عورت بلائے تو عورت برداشت کرے، اور اگر دایہ از خود آئی ہو تو بعض کے نزدیک شوہر، اور بعض کے نزدیک عورت برداشت کرے، لیکن علامہ شامیؒ نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ شوہر ہی برداشت کرے، کیونکہ اکثر فائدہ بچہ کا ہے اور بچہ کا نفقہ وغیرہ باپ کے ذمہ ہے۔

لیکن اس زمانہ میں وضع حمل کے اخرجات بھی اساسی ضرورت بن گئے ہیں، لہذا بہر صورت یہ تمام

اخراجات شوہر برداشت کرے گا، بایں ہمہ عورت کو شوہر کی حالت پر نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا چاہئے، ہاں اگر شوہر کی مالی حالت زیادہ خوشحال نہ ہو اور عورت خوشحال گھرانہ کی ہو اور اس کے والدین بخوشی برداشت کرلیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ قابل صد ستائش ہے۔

درمختار میں ہے:

و فيه أجرة القابلة على من استأجرها من زوجة وزوج ولو جاءت بلا استئجار قيل عليه وقيل عليها . وفي الشامي : قوله قيل عليه عبارة البحر من الخلاصة : فلقائل أن يقول عليه لأنه مؤنة الجماع ولقائل أن يقول عليها كأجرة الطبيب وكذا ذكر غيره ومقتضاه أنه قياس ذو وجهين لم يجزم أحد من المشايخ بأحدهما خلاف ما يفهمه كلام الشارح ويظهر لي ترجيح الأول لأن نفع القابلة معظمة يعود إلى الولد فيكون على أبيه تأمل. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۳/ ۵۸۰، باب النفقات۔ وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۱۷۷، وفتح القدير: ۴/ ۳۸۷،ط: دار الفكر).

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ: ۲/ ۱۱۹) . واللہ ﷻ اعلم۔

بیوی کی مرضی کے بغیر دوسری جگہ قیام کرنے کا حکم:

سوال: بیوی کی مرضی کے بغیر شوہر اس کو دوسری جگہ ٹھہرنے پر مجبور کرسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً جوہانسبرگ سے ڈربن منتقل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ اگر شہر ہی میں اپنے مکان پر لیجانا چاہتا ہے اور مہر بھی ادا کردیا ہے تو لے جانے کا حق ہے عورت انکار نہیں کرسکتی، ہاں اگر مہر ادا نہیں کیا تو انکار کرنے کا حق ہے، لیکن اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک لے جانا چاہتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے تو شوہر عورت کو سفر کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، چونکہ فساد زمانہ کی وجہ سے بکثرت واقعات رونما ہوئے ہیں کہ شوہر بیوی کو دوسرے شہر یا دوسرے ملک لے جاتا ہے پھر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور عورت کا کوئی قریبی رشتہ دار اور پرسان حال نہیں ہوتا، بنابریں فقہاء نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ عورت اپنے آپ کو سفر سے روکنے میں حق بجانب ہوگی۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في البحر عن شرح المجمع: وأفتى بعضهم بأنه إذا أوفاها المعجل والمؤجل وكان مأموناً سافر بها وإلا لا، لأن التأجيل إنما يثبت بحكم العرف، فلعلها إنما رضيت بالتأجيل لأجل إمساكها في بلدها، أما إذا أخرجها إلى دار الغربة فلا، قوله لكن في النهر الخ ومثله في البحر حيث ذكر أولاً أنه إذا أوفاها المعجل فالفتوى على أنه يسافر بها كما في جامع الفصولين، وفي الخانية والولوالجية أنه ظاهر الرواية، ثم ذكر عن الفقيهين أبي القاسم الصفار وأبي الليث أنه ليس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لأنها لا تأمن على نفسها في منزلها فكيف إذا خرجت وأنه صرح في المختار بأن عليه الفتوى. وفي المحيط أنه المختار، وفي الولوالجية أن جواب ظاهر الرواية كان في زمانهم، أما في زماننا فلا، وقال: فجعله من باب اختلاف الحكم باختلاف العصر والزمان. (فتاوى الشامي: ٣/ ١٤٦، باب المهر- وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ٢/ ٦٤، باب المهر- وكذا في البحر الرائق: ٣/ ١٧٩، باب المهر، كويته).

وفي البحر أيضاً: فقد اختلف الإفتاء والأحسن الإفتاء بقول الفقيهين من غير تفصيل واختاره كثير من المشايخ كما في الكافي وعليه الفتوى وعليه عمل القضاة في زماننا كما في أنفع الوسائل. (البحر الرائق: ٢/ ١٨٠، كوئته).

(كذا في منحة الخالق على البحر الرائق: ٣/ ١٨٠- وكذا في الفتاوى الهندية: ١/ ٣١٧، باب المهر).

قاضی خان فقیہ ابواللیث کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وله أن يخرجها من المصر إلى القرية ومن القرية إلى المصر ومن القرية إلى القرية لأن النقل إلى ما دون السفر لا يعد غربة ويكون ذلك بمنزلة النقل من محلة إلى محلة.

(فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ١/ ٣٨٦، باب المهر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بیوی کا والدین کی زیارت کے لئے جانے کا حکم:

سوال: عورت والدین کی زیارت وملاقات کے لئے کتنے دن کے بعد جاسکتی ہے؟

الجواب: بصورت مسئولہ والدین کی زیارت کی تعیین کا مدار عرف پر ہے، تاہم ہمارے عرف و معاشرے کے مطابق اگر والدین قریب رہتے ہوں تو ہر ہفتہ ملاقات کرسکتی ہے اور اگر دور رہتے ہوں تو مہینہ میں ایک مرتبہ، لیکن اگر بہت زیادہ دور رہوں تو سال میں دو تین دفعہ ملاقات کی اجازت ملنی چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها على ما اختاره في الاختيار. وفي الشامية: الذي رأيته في الاختيار شرح المختار: هكذا قيل لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين... وعن أبي يوسفؒ في النوادر تقييد خروجها بأن لا يقدرا على إتيانها فإن قدرا لا تذهب وهوحسن، وقد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج إليهما والحق الأخذ بقول أبي يوسف إذا كانت الأبوان بالصفة التي ذكرت، وإلا ينبغي أن يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف، أما في كل جمعة فهو بعيد، فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً إذا كانت شابة والزوج من ذوى الهيئات، بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر، وهذا ترجيح منه لخلاف ما ذكر في البحر أنه الصحيح المفتى به من أنها تخرج للوالدين في كل جمعة بإذنه وبدونه. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:۳/۶۰۲، ط: سعيد).

وفي تقريرات الرافعي: ما ذكره في البحر عزاه إلى الخانية ونصه قالوا الصحيح أنه لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين ولا يمنعهما من الدخول عليها في كل جمعة ...وعليه الفتوىٰ كما في الخانية. (تقريرات الرافعي:۳/۲۵۲،ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وقيل: لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة مرة وعليه الفتوى . (الفتاوى الهندية: ١/٥٥٧، باب النفقات ، فصل في السكنى).

وفي فتاوى قاضي خان قالوا ليس للمرأة أن تخرج بغير إذن الزوج إلا بأسباب معدودة و منها الخروج إلى زيارة الوالدين وتعزيتهما وعيادتهما وزيارة المحارم. (قاضي خان على الهندية: ١/٤٤٣، فصل في حقوق الزوجية) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر مسلم والدین کی زیارت کے لئے نکلنے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور مسلمان مرد سے شادی کر لی، اب اگر اس کے غیر مسلم والدین بیمار ہو جائیں تو زیارت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر محارم میں سے کوئی انتقال کر جائے تو جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ والدین چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم زیارت کے لئے جانے کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وصاحبهما في الدنيا معروفا**﴾. (سورة لقمان: الآية:١٥) .

بخاری شریف میں روایت ہے:

وعن أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: قدمت علي أمي وهي مشركة في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاستفتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، قلت: وهي راغبة أفأصل أمي ؟ قال: نعم، صلي أمك . (رواه البخاري: ١/٣٥٧،باب الهدية للمشركين).

نیز دیگر محارم جو کہ غیر مسلم ہوں ان کی عیادت کے لئے جانا جائز ہے، اسی طرح ان میں سے کوئی مر جائے تو تعزیت کے لئے بھی جا سکتی ہے، لیکن جنازہ وغیرہ میں شرکت نہ کرے۔

درمختار میں ہے:

ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها... ولو

کافراً وإن أبی الزوج ، فتح. وفی الشامیة : قوله ولو کافراً لأن ذلک من المصاحبة بالمعروف المأمور بها. قوله وإن أبی الزوج لرجحان حق الوالد . (الدرالمختار مع الشامی: ۶۰۳/۳، باب النفقة ،ط: سعید).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا کان لرجل أو لامرأة والدان کافران علیه نفقتهما وبرهما وخدمتهما وزیارتهما فإن خاف أن یجلباه إلی الکفر إن زار هما جاز له أن لا یزورهما، کذا فی الخلاصة ... وإذا مات الکافر قال لوالده أو قریبه في تعزیته: أخلف اللّٰه علیک خیراً منه وأصلحک أي أصلحک بالإسلام ورزقک ولداً مسلماً لأن الخیریة به تظهر کذا فی التبیین . (الفتاوی الهندیة:۵/۳۴۸، باب اهل الذمة) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

محارم کی زیارت کے لئے جانے کا حکم:

سوال: عورت والدین کےعلاوہ دیگر محارم کی زیارت کے لئے جاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ والدین کےعلاوہ دیگر محارم کی زیارت کے لئے سال میں ایک دفعہ جانے کی اجازت دینی چاہئے ،ہاں آپس کی رضامندی سے سال میں کئی دفعہ جانا بھی جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو شامی میں مذکور ہے:

وللمحارم في کل سنة مرة هو المختار . (فتاوی الشامی: ۶۰۲/۳ ، باب النفقة،ط: سعید).

البحر الرائق میں ہے:

قالوا الصحیح أنه لا یمنعها من الخروج إلی الوالدین ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفي غیرهما من المحارم في کل سنة ... وفی الخلاصة معزیاً إلی مجموع النوازل یجوز للرجل أن یأذن لها بالخروج إلی سبعة مواضع زیارة الأبوین وعیادتهما وتعزیتهما أو أحدهما وزیارة المحارم . (البحرالرائق:۱۹۵/۴، باب النفقة،ط: کوئته).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وهل يمنع غير الأبوين من الزيارة قال بعضهم: لا يمنع المحرم من الزيارة في كل شهر وقال مشايخ بلخ: في كل سنة وعليه الفتوى، وكذا لو أرادت المرأة أن تخرج لزيادة المحارم كالخالة والعمة والأخت فهو على هذه الأقاويل كذا في فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية: ١/ ٥٥٧، باب النفقة، الفصل الثاني في السكنى). **واللہ ﷻ اعلم۔**

میاں بیوی کے لئے الگ بستر کا حکم:

سوال: آنحصور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں شوہر اور بیوی کے لئے الگ الگ چار پائی ہوتی تھی یا پوری رات ایک بستر پر لیٹتے تھے؟ اور فقہاء کے کلام سے کیا معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: احادیث اور عبارات فقہیہ سے عمومی احوال میں میاں بیوی کا ایک بستر پر سونا معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض احادیث اور بعض عبارات فقہیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایام ماہواری میں الگ بستر پر سونا چاہئے، خصوصاً نوجوان طبقے کے لئے جو صبر نہیں کر سکتے ہیں، اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو، نیز یہ مسئلہ عرف وعادات کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتا ہے، مثلاً بعض جگہوں کا دستور ہے کہ اولاد ہونے کے بعد یا اولاد کے باشعور ہونے کے بعد میاں بیوی علاحدہ بستر پر رات کا اکثر حصہ گزارتے ہیں، بایں ہمہ اس ملک میں چونکہ ہر ایک کا کمرہ علیحدہ ہوتا ہے اور میاں بیوی کا بھی مخصوص کمرہ ہوتا ہے اور پوری زندگی ایک بستر پر سوتے ہیں، لہذا ایام مخصوص وغیرہ میں صبر سے کام لیں تو ایک بستر میں سونے کی بھی گنجائش ہوگی۔

احادیث درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) روى الشيخان عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها واللفظ لمسلم أنها قالت: بينما أنا مضطجعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخميلة إذ حضت فانسللت، الخ. (مسلم شريف: ١/ ١٤٢، الاضطجاع مع الحائض۔ و بخاري شريف: ١/ ٤٦، النوم مع الحائض).

(۲) وروى البيهقي بسنده عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كنت مع رسول

الله صلى الله عليه وسلم في لحاف واحد فانسللت فقال: ما شانک . (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۱۱/۱، مباشرة الحائض).

(۳) وروى ابن أبي شيبة بسند صحيح عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة من الفراش فالتمسته فوقعت يدي .

(المصنف لابن أبي شيبة: ۱۵/ ۷۶/ ۲۹۷۵، المجلس العلمي).

(۴) وفى السنن الكبرى للبيهقى : عن أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان معي على فراشي فوجدته ساجداً .

(بيهقى سنن كبرى:۱۱۶/۲، ابواب السجود،باب ضم العقبين).

(۵) وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : طلبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة في فراشي فلم أصبه. . . (السنن الكبرى للنسائى:۴۶۸/۴، والمستدرك للحاكم:۳۴۹/۲).

(۶) وذكر الإمام البخاري في بداية كتاب الصلاة عن عروة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي وعائشة متعرضة بينه وبين القبلة على الفراش الذي كانا ينامان عليه . (بخارى شريف : ۵۶/۱، باب الصلاة على الفراش).

(۷) روى البخاري عن كريب مولى ابن عباس أن عبد الله بن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أنه بات ليلة عند ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم وهي خالته فاضطجعت في عرض الوسادة واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأهله في طولها فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم . (رواه البخارى : ۱۸۳/۳۰/۱، باب قرائة القرآن).

(۸) وفي مناقب المستدرک للحاكم في بيان وفاة أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها. . . وحمل على سرير النبي صلى الله عليه وسلم وهو سرير عائشة رضي الله تعالىٰ عنها الذي كانت تنام عليه.(المستدرك للحاكم:۳/۶۶/۴۴۰۹).

(۹) وأخرج البخاري فى النفقات والدعوات قصة فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها، وفيها: فلما جاء أخبرت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قال: فجاء نا وقد أخذنا مضاجعنا

فـذهبـنـا نقوم فقال: على مكانكما فقعد بيني وبينها ... فقال: ... إذا أخذتما مضاجعكما أو أويتـمـا إلـى فراشكما فسبحا ۳۳، واحمدا ۳۳، وكبرا ۳۴. (رواه البخاری: ۸۰۷/۲، باب عمل المرأة فی بیتها).

(۱۰) وقـال ابـن رجـب الـحـنـبـلـي فـي شرح البخاري: عن ابن سيرين قال: سألت عبيدة: ما للرجل من امرأته إذا كانت حائضاً؟ قال: الفراش واحد واللحاف شتىٰ ... وقد روى أن الـنـبـي صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم كان ينام مع الحائض حيث لم يكن لهم سوى فراش واحد فلما وسع عليهم اعتزل نسائه في حال الحيض. (فتح الباری لابن رجب، باب مباشرة الحائض: ۴۱۷/۱).

وقـال الـمـنـاويؒ: إن السنة أن يبيت الرجل مع أهله في فراش واحد ولا يجري على سـنـن الأعـاجـم مـن كـونهـم لا يـضـاجـعون نسائهم بل لكل واحد من الزوجين فراش فإذا احتاجها يأتيها أو تأتيه. (فیض القدیر: ۳۰۹/۱).

وفيه أيضاً: أن الأحب أن يبيت الرجل مع زوجته في فراش واحد. (فیض القدیر: ۳۴۳/۱).

وأخـرج مسـلـم وأبـو داود والـنـسـائـي عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسـول الـلّٰـه صـلـى اللّٰه عليه وسلم قال له: فراش للرجل وفراش لامرأته والثالث للضيف، والـرابع للشيطان. (مسـلـم شـريـف: ۴۹۱/۲، الـلـبـاس، کراهة ما زاد على الحاجة۔ وابو داود شریف: ۲۱۵/۲، اللباس، باب فی الفراش۔ وسنن النسائی: ۲۹/۲، باب الفراش).

وقال الإمام النووي في شرح هذا الحديث:

وأما تحديد الفراش للزوج والزوجة فلا بأس به؛ لأنه قد يحتاج كل واحد منهما إلى فـراش عـنـد الـمـرض ونحوه وغير ذلک، واستدل بعضهم بهذا على أنه لا يلزمه النوم مع امـرأتـه وإن لـه الانفراد عنها بفراش، والاستدلال به في هذا ضعيف؛ لأن المراد بهذا وقت الـحـاجة كـالـمـرض وغيـره كما ذكرنا، وإن كان النوم مع الزوجة ليس واجباً لكنه بدليل آخـر والصواب في النوم مع الزوجة إذا لم يكن لواحد منهما عذر في الانفراد فاجتماعهما

في فراش واحد أفضل ، وهو ظاهر فعل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على قيام الليل فينام معها فإذا أراد القيام لوظيفته قام وتركها فيجمع بين وظيفته وقضاء حقها المندوب، وعشرتها بالمعروف لا سيما إن عرف من حالها حرصها على هذا ثم أنه لا يلزم من النوم معها الجماع . (شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۲/۱۹٤).

وقال المناوي : قيل أنه لا يلزمه المبيت مع زوجته بفراش ورد بأن النوم معها وإن لم يجب لكن علم من أدلة أخرى أنه أولىٰ حيث لا عذر لمواظبة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (فيض القدير ٤/٤٢٤).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

محیط برہانی میں ہے:

ولا ينبغي أن يعتزل فراشها؛ فإن ذلك تشبه باليهود ، وقد نهينا عن التشبه بهم ، روي أن أبن عباس رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما فعل ذلك فبلغ ميمونة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها فأنكرت عليه وقالت: أترغب عن سنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تضاجعنا في فراش واحد في حالة الحيض. (المحيط البرهاني:كتاب الاستحسان والكراهية ، الفصل التاسع ، مباشرة الحائض).

شامی میں ہے:

حاصله أنه لو وجد الزوجان في فراشهما منيا ولم يذكرا احتلاماً ... (فتاوى الشامي:١/١٦٤).

بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دوبستر ہونے چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

وينبغي أن يكون لها فراش على حدة ولا يكتفي بفراش واحد لأنها قد تنفرد فی الحيض والمرض، وفی الأثر: فراش لک وفراش لأهلک وفراش للضيف ، والرابع للشيطان. (فتح القدير: ٤/٣٨٨، باب النفقة ، دار الفكر).

البحرالرائق میں ہے:

قال شمس الأئمة في شرح كتاب النفقات : ذكر لها فراشاً على حدة ولم يكتف بفراش واحد لأنها ربما تعتزل عنه في أيام الحيض أو في زمان مرضها. (البحر الرائق:۴/۱۷۷، باب النفقة۔و فتاوى الشامي: ۳/۵۸۴۔و المحيط :۴/۱۷۹، نفقة الزوجات).

فقہ مالکی کی التاج والاکلیل میں ہے:

ابن شاس: من له زوجة واحدة لا يجب مبيته معها، ابن عرفة: الأظهر وجوبه أو تبييته معها، امرأة ترضى لأن تركها وحدها ضرر... وفي صحيح مسلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فراش لرجل وفراش ... وفي نوازل ابن الحاج : قد يستدل من هذا الحديث أنه ليس على الرجل أن ينام مع امرأته في فراش واحد وإنما حقها عليه في الوطء خاصة. (التاج والاكليل:۵/۴۹۱، كتاب القسم ـومواهب الجليل: ۵/۵۵۱، باب في النفقة).

فقہ شافعی کی کتاب نہایۃ المحتاج میں ہے:

ويندب أن لا يخلي الزوجة في كل أربع ليال... وأن يناما في فراش واحد كما في الجواهر حيث لا عذر في الانفراد . (نهاية المحتاج: ۶/۳۸۰) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

شوہر کے سامنے برہنہ ہونے کا حکم:

سوال: عورت کے لئے اپنے شوہر کے سامنے برہنہ ہونا اور کپڑے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کا پورا بدن دیکھنا جائز ہے، البتہ مخصوص عضو کو دیکھنا خلاف اولیٰ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن بهزبن حكيم عن أبيه عن جده قال: قلت: يارسول الله ! عوراتنا مانأتي منها وما ندر، قال: احفظ عورتک إلا من زوجتک أو ما ملكت يمينک. (رواه ابن ماجة:۱۳۸).

وعن عائشة رضی اللّٰہ تعالی عنها قالت: ما رأيت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا رأى مني مع طول صحبتي إياه. (أخرجه ابن ماجة في النكاح، باب التستر عند الجماع).

محیط برہانی میں ہے:

أما نظر الرجل إلى زوجته ومملوكته: فهو حلال من فرقها إلى قدمهاعن شهوة وبغير شهوة، وهذا ظاهر، إلا أن الأولىٰ أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه، قالت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها: ما رأيت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا رأى مني مع طول صحبتي إياه، وقال عليه السلام: إذا أتى أحدم أهله فليستتر ما استطاع، ولا يتجردان تجرد البعير، وكان ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما يقول: الأولىٰ أن ينظر الرجل إلى فرج امرأته وقت الوقاع ليكون أبلغ في تحصيل معنى اللذة، وعن أبي يوسف في الأمالي قال: سألت أبا حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ عن الرجل يمس فرج امرأته، أو تمس هي فرجه ليتحرك عليها، هل ترى بذلک بأساً؟ قال: أرجو أن يعظم الأجر. (المحيط البرهاني ٦/٦٤، كتاب الاستحسان و الكراهية، الفصل التاسع، مكتبة رشيدية).

وكذا في البحر الرائق:...، والعناية في شرح الهداية:...، والفتاوى الهندية: ٥/٣٢٧، الباب الثامن، وفتاوى الشامي: ٦/٣٦٦، فصل في النظر والمس۔ومعارف القرآن: ٦/٤٠٣).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

فأما نظره إلى زوجته ومملوكه فهو حلال من قرنها إلى قدمها عن شهوة أو عن غير شهوة لحديث أبي هريرة رضي اللّٰه تعالى عنه قال غض بصرک إلا عن زوجتک وأمتک وقالت عائشة رضی اللّٰه عنها: كنت أغتسل أنا ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من إناء واحد وكنت أقول: بق لي وهو يقول: بقي لي ولو لم يكن النظر مباحاً ما تجرد كل واحد منهما بين يدي صاحبه ولأن ما فوق النظر وهو المس والغشيان حلال بينهما قال تعالى: والذين هم لفروجهم حافظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم. الآية. إلا أن مع هذا

الأولىٰ أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه لحديث عائشة كما تقدم ذكره.

(المبسوط للسرخسي ١٠/١٤٨، كتاب الاستحسان، دار الفكر) . **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

میاں بیوی کا آپس میں مخصوص عضو کو دیکھنے کا حکم:

سوال: کیا زوجین کے لئے جائز ہے کہ ایک دوسرے کے خاص عضو کو دیکھے، اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ زوجہ کے مخصوص عضو کو دیکھنے سے بچے ناقص الخلقت پیدا ہوتے ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے، تو مخصوص عضو کو بھی دیکھنا جائز ہوگا، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی بناپر ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو مخصوص کو دیکھنے سے اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوگی، تو یہ آثار محدثین کے نزدیک صحیح نہیں، بلکہ ابن جوزی وغیرہ نے موضوع کہہ کر رد کردیا ہے۔ علاوہ ازیں عمومی طور پر عضو مخصوص چاہے خود اپنا ہو یا زوجہ کا اس کا دیکھنا اچھا نہیں طبی اعتبار سے اس کے نقصانات ہیں مثلاً اس سے نسیان طاری ہوتا ہے، وغیرہ۔ لہٰذا اس سے بچنا افضل اور بہتر ہے، تاہم ناجائز یا مکروہ نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما نظرت أو رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم قط. وفي رواية له عن عتبة بن عبد السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا أتى أحدكم أهله فلتستتر ولا يتجرد تجرد البعيرين ". (رواهما ابن ماجة: ١/١٣٨، باب التستر، عند الجماع).

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں:

قوله روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: " النظر في الفرج يورث الطمس " رواه ابن حبان في الضعفاء من طريق بقية عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس بلفظ " إذا جامع الرجل زوجته فلا ينظر إلى فرجها فإن ذلك يورث العشا " قال: وهذا يمكن أن يكون بقية

سمعه من بعض شيوخه الضعفاء عن ابن جريج فدلسه . وقال ابن أبي حاتم في العلل سألت أبي عنه فقال: موضوع وبقية مدلس. وذكر ابن قطان في كتاب أحكام النظر أن بقي بن مخلد رواه عن هشام بن خالد عن بقية قال نا ابن جريج وكذلک رواه ابن عدي عن ابن قتيبة عن هشام فما بقي فيه إلا التسوية ، وقدذكره ابن الجوزي في الموضوعات وخالف ابن الصلاح فقال: إنه جيد الإسناد كذا قال وفيه نظر. (التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير: ۳/۳۱٦/۱٤۸۹، ط:دارالكتب العلمية) .

ابن جوزی موضوعات میں فرماتے ہیں:

عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا جامع أحدكم زوجته أوجاريته فلا ينظر إلى فرجها ، فإن ذلک يورث العمى". قال أبوحاتم ابن حبان :كان بقية يروي عن كذابين وثقاة ويدلس ، وكان له أصحاب يسقطون الضعفاء من حديثه ويسوونه فيشبه أن يكون سمع هذا من بعض الضعفاء عن ابن جرين ثم يدلس عنه، والتزق به، وهذا موضوع. (الموضوعات لابن الجوزی:۲/۲۷۱).

وكذا في نصب الراية لأحاديث الهداية مع حاشيته بغية الالمعى في تخريج الزيلعي: ۴/۲۴۸. وجامع الاحاديث للامام السيوطي : ۳/۳۵/۱۷۴. وفي " احاديث لاتصح" لسليمان بن صالح الخراشي: ۱/۳).

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

(شرح الطريقة المحمدية ،جلد دوم: ۴۱۹. الصنف الرابع من الاصناف التسعة في بيان آفات العين الباصرة. ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، كتاب الكراهية في بيان أحكام النظر) . واللہ ﷻ اعلم۔

وظیفہ زوجیت ادا کرتے وقت بات چیت کرنے کا حکم:

سوال: بوقتِ جماع بات کرنے کا کیا حکم ہے؟ مکروہ ہے یا جائز؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بوقت صحبت میاں بیوی کا آپس میں بات چیت کرنا مکروہ نہیں ہے، ہاں

کسی دوسرے کے ساتھ بات کرنا مکروہ ہے۔
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ''امداد المفتین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

حالت جماع میں کلام کرنا مکروہ ہے، **كما في الدر المختار : ويكره الكلام في المسجد وخلف الجنازة وفي الخلاء وفي حالة الجماع**، لیکن یہ جب ہے کہ کسی دوسرے سے کلام کرے اور خود زوجہ سے کلام کرنے میں مضائقہ نہیں۔ (امداد المفتین جلد دوم:۱۰۳۲، کتاب الحظر والاباحۃ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عضو تناسل کو منہ میں لینے کا حکم:

سوال: کیا بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کا عضو تناسل کو منہ میں لے لے، یا شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے منہ میں دیدے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس فعل سے اجتناب کرنا چاہئے، منہ کھانے پینے، مباحات اور ذکر اللہ کے لئے ہے، آلہ تناسل کی جگہ نہیں ہے، نیز منہ میں لینے کے وقت مذی نکلنے کا قوی احتمال ہے جو نجس اور ناپاک ہے، لہٰذا یہ کام خلافِ فطرت اور مکروہ ہے۔
ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

في النوازل: إذا أدخل الرجل ذكره في فم امرأته قد قيل يكره وقد قيل بخلافه كذا في الذخيرة . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٧٢).

احسن الفتاوی میں فتاوی ہندیہ کی عبارت کے بعد مرقوم ہے:

أقول: المبيح مجهول منكر ، وقوله مردود شرعاً وعقلاً. (احسن الفتاوی:۸/۴۵).

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

بے شک شرمگاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک چیز کو منہ لگایا جائے اور منہ میں لیا جائے اس کو چوما جائے اور چاٹا جائے، ناک کی رطوبت پاک ہے تو کیا ناک کے اندرونی حصہ کو زبان لگانا، اس کی رطوبت کو منہ میں لینا پسندیدہ چیز (خصلت) ہو سکتی ہے؟ اور اس کی اجازت ہو سکتی ہے؟ مقعد (پاخانہ کا

مقام) کا ظاہری حصہ بھی ناپاک نہیں، پاک ہے تو کیا اس کو چومنے کی اجازت ہوگی؟ نہیں ہرگز نہیں، اسی طرح عورت کی شرمگاہ کو چومنے اور زبان لگانے کی اجازت نہیں، سخت مکروہ اور گناہ ہے، کتوں، بکروں وغیرہ حیوانات کی خصلت کے مشابہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۶/۲۷۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملاعبت میں انگشت استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا شوہر بیوی سے ملاعبت کے وقت انگشت استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بیوی سے ملاعبت کے وقت انگشت کا استعمال دبانے اور مس کی حد تک درست ہے، لیکن انگلی کو شرمگاہ میں داخل کرنے کی اجازت نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وما حل النظر إليه حل مسه ونظره وغمزه. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۸).

وفي الشامية: والأصبع ليس آلة للجماع. (فتاوى الشامي: ۱/۱۶۶، ط: سعيد).

شرح العنایۃ میں ہے:

روي عن أبي يوسفؒ في الأمالي قال: سألت أبا حنيفة عن الرجل يمس فرج امرأته أو تمس هي فرجه ليتحرك عليها هل ترى بذلك بأساً؟ قال: لا، أرجو أن يعظم الأجر.

(شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ....۳۱).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۸، كتاب الكراهية. والمحيط البرهاني: ۶/۲۵، كتاب الاستحسان).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورت سے استمناء بالید کرانے کا حکم:

سوال: اگر عورت حیض میں ہے تو کیا مرد عورت سے استمناء بالید کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بیوی کے ہاتھ سے استمناء کی گنجائش اس وقت ہے جب کہ حالت حیض میں جماع کا خطرہ ہو، عام حالات میں اجازت نہیں، نیز عادت پڑ جانے کا خطرہ ہے، اس لیے جو آدمی اپنے اوپر قابو نہیں پا سکتا ہے وہ حیض میں بیوی سے دور رہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

ویجوز أن یستمني بید زوجته وخادمته... ویدل أیضاً علی ما قلنا ما فی الزیلعي حیث استدل علی عدم حله بالکف بقوله تعالی: ﴿والذین هم لفروجهم حافظون﴾. الآیة. وقال: فلم یبح الاستمتاع إلا بهما أي بالزوجة والأمة، فأفاد عدم حل الاستمتاع أي قضاء الشهوة بغیرهما هذا ما ظهر لي، والله أعلم. (فتاوی الشامی:۲/۳۹۹، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

اپنی زوجہ کے ہاتھ سے انزال کرنا اگر بضرورت ہو تو بلا کراہت جائز ہے، مثلاً حیض ونفاس وغیرہ کے عذر سے جماع نہیں کر سکتا اور غلبۂ شہوت کی وجہ سے صبر مشکل ہے، وغیر ذلک، اور اگر بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے۔ (امداد المفتین: ۷/۲۴۸).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی ۸/۳۶۴) . واللہ ﷻ اعلم۔

شوہر کی خوشنودی کے لئے پستان کو بڑا کرنا:

سوال: کیا عورت اپنے شوہر کی خوشنودی کے لئے اپنے پستانوں کو بڑا کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: پستانوں کو بڑا کرنا اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کرنا ہے، اور حدیث میں آتا ہے: ''لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق''۔ لہذا شوہر کی رضامندی کے لئے پستانوں کو بڑا کرنا درست نہیں ہے۔

جدید فقہی مسائل میں مولانا خالد سیف اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے، جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خود ساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر بال لگانے، خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز، قابل لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا، جیسا کہ آج کل ناک، پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات والمتنمصات".(رواه البخاري:۲/۸۷۹، كتاب اللباس)

"أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حرم الوشر. (نسائي:۲/۲۸۱، باب تحريم الوشر).

"ولعن المتفلجات للحسن المغيرات خلق اللّٰه.(مسلم:۲/۲۰۵،باب تحريم فعل الواصلة).

ہاں اگر عام فطرت کے خلاف کوئی عضو زیادہ ہوگیا مثلاً پانچ کی بجائے چھ انگلیاں ہوگئیں تو آپریشن کے ذریعہ ان کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدةً أو شيئاً آخر ... إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٦٠). (جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۲).

بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم عن علقمة قال: "لعن عبد اللّٰه الواشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق اللّٰه فقالت أم يعقوب ما هذا؟ قال عبد اللّٰه: وما لي لا ألعن من لعن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وفي كتاب اللّٰه؟ قالت: واللّٰه لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدته قال: واللّٰه لئن قرأتيه وجدتيه:﴿ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾.

(رواه البخاري:۲/۷۹، باب المتنمصات) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا:

سوال: میرے شوہر نہایت ہی بخیل قسم کے آدمی ہیں، تقریباً بیس سال سے ہم شادی شدہ ہیں لیکن کوئی بھی پرانے کپڑے یا جوتے وغیرہ اگر چہ پھٹ جائے کسی کو نہیں دیتے نئی چیزیں خریدتے ہیں، لیکن پرانی چیزیں نہیں دیتے، لہذا ایک مرتبہ میں نے اپنے شوہر کے کچھ پرانے جوتے اور کپڑے وغیرہ ان کے علم کے بغیر فقراء کو دیدئے، بعد میں معلوم ہوا کہ ان کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ وہ چیزیں میری نہیں تھیں، اب اگر شوہر کو بتاؤں گی تو بہت غصہ ہوں گے کیونکہ ان کا مزاج بہت سخت ہے، میں جاننا چاہتی ہوں کہ میں کس طرح اس کی تلافی کروں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ معمولی چیز کا صدقہ کرنا بلا اجازتِ شوہر شوہر کے مال میں سے جائز ہے اور اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عام طور پر عرف میں شوہر کی اجازت کے بغیر معمولی چیزوں کا صدقہ کرتے ہیں اور شوہر ناراض نہیں ہوتا تو جائز ہے، لہذا شوہر کو بتلانے کی ضرورت نہیں ورنہ لڑائی جھگڑے پیدا ہوں گے، اگر احتیاط پر عمل کرنا ہو تو ان پرانے کپڑوں کی قیمت لگا کر اتنی رقم یا کوئی اور چیز اپنی ملکیت سے شوہر کو دیدے، لیکن آئندہ اس بات کا خیال رکھے کہ اگر فتنہ ولڑائی کا اندیشہ ہو تو صدقہ نہ کرے بلکہ شوہر کو ترغیب دے کہ شوہر خود صدقہ کرلے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا بأس للمرأة أن تتصدق من بيت سيدها أو زوجها باليسير كرغيف ونحوه ملتقى ولو علم منه عدم الرضا لم يجز، وفي الشامية: قوله كرغيف لأن ذلك غير ممنوع عنه في العادة، هدايه، بقي لو كان في بيته من في مقام المرأة كحاجبه وغلامه نقل ابن الشحنة عن ابن وهبان أنه لم يره في كلامهم وأنه ينبغي أن يجوز قياساً عليها ثم نقل عنه أنه لو كانت الزوجة ممنوعة من التصرف في بيته تأكل معه بالفرض ولا يمكنها من طعامه والتصرف في شيء من ماله ينبغي أن لا يجوز لها الصدقة، واعترضه بأنه جرى العرف بالتصدق بذلك مطلقاً تأمل. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:٦/١٦٢، ط: سعيد).

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

قلت: الذي ينبغي تحكيم العرف والعادة في ذلك وقد جرى العرف بالتصدق بذلك مطلقاً سواء كانت تأكل بالفرض أولا . (شرح منظومة ابن وهبان: ۲/۹۳فصل من كتاب المأذون ، ط:الوقف المدني ديوبند) .

وأيضاً في شرح منظومة ابن وهبان:

قال: والزوجة وفتاة البيت و هي الأمة إذا تصدقت بالطعام لا بأس بذلك إذا كان على الرسم للعرف وإن لم يكن بإذن الزوج والمولى، وقدره في الهداية بالرغيف ونحوه. (شرح منظومة ابن وهبان:۲/۹۲، فصل من كتاب المأذون ، ط:الوقف المدني ديوبند۔وكذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/۹۲،ط: كوئته).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و لا بأس للمرأة أن تتصدق من بيت زوجها بشيء يسير كرغيف و نحوه بدون استطلاع رأي الزوج كذا في الكافي . قال رضى الله عنه وفي عرفنا المرأة والأمة لا تكون مأذونة بالتصدق بالنقد كذا في فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية :۵/۷۳) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

دو بیویوں کے درمیان برابری کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کے لئے روزانہ عصر کے بعد پھلوں کا ہدیہ لے کر آتا ہے، اور دوسری بیوی کے لئے نہیں لاتا یا کم لاتا ہے، اس کا یہ عمل درست ہے یا قابل اصلاح ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نفس ہدیہ وتحفہ میں مساوات ضروری ہے اگر چہ مقدار اور نوعیت میں کچھ فرق ہو۔ نیز اگر ایک بیوی خوش حال اور مالدار گھرانہ کی ہے، اور دوسری بیوی تنگ دست اور فقر وفاقہ والے گھرانہ سے ہو تو دونوں کے درمیان نفقہ میں برابری ضروری نہیں ہے، دونوں کے درمیان نوعیت ومقدار میں کمی بیشی جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

قوله وفي الملبوس والمأكول ... قال في البحر : قال في البدائع : يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة، وهكذا ذكر الولوالجي، والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده في النفقة وأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما فلا ، فإن إحداهما قد تكون غنية والأخرى فقيرة ، فلا يلزم التسوية بينهما مطلقاً في النفقة. (فتاوى الشامي:۳/۲۰۲، باب القسم).

وفي الطحطاوي على الدر المختار : ان النفقة يعتبر فيها حالهما فحينئذ قد تكون إحداهما غنية والأخرى فقيرة فلا يلزم التسوية بينهما في النفقة. (حاشية الطحطاوى:۲/۸۸۔ وكذا في البحر الرائق:۳/۲۱۸).

عمدۃ القاری میں ہے:

وتمام العدل أيضاً بينهن تسويتهن في النفقة والكسوة والهبة ونحوها. (عمدة القارى:۱۴/۱۸۷، باب العدل بين النساء، دارالحديث ، ملتان) .

بذل المجہود میں ہے:

باب في القسم أي العدل بين النساء المبيت والطعام والكسوة والإعطاء. (بذل المجهود:۱۰/۱۶۹) .

امدادالاحکام میں ہے:

عدل کے معنی جور کے مقابل ہیں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اورحق واجب کے موافق برتاؤ کرنا پس اگر زوجین یسار اور اعسار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے، تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیتوتہ وصلات زائدہ میں واجب ہے جب کہ سب حرائر ہوں بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے۔(امدادالاحکام:۲/۳۷۷)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کا شرعی حجاب سے مانع بننے کا حکم:

سوال: ایک عورت ماشاءاللہ شریعت کے احکام پر عمل کرتے ہوئے پورے چہرے کا پردہ کرنا چاہتی ہے، لیکن شوہر نہیں چاہتا اور منع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس کے ساتھ بغیر حجاب کے باہر جائے تو عورت کیا کرے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کا حجاب از روئے شریعت مطلوب ومرغوب ہے اور شوہر کا منع کرنا خلافِ شریعت حکم کرنا ہے، شریعتِ مطہرہ جس کی اجازت نہیں دیتی، " لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" لہذا عورت شرعی قانون کو پس پشت نہ ڈالے بلکہ شریعت پر عمل کرتے ہوئے، شوہر کو سمجھانے کی کوشش کرے، ترغیب دلائے، لیکن اس کے ساتھ ضد، بغاوت وغیرہ نہ کرے اور بدسلوکی سے پیش نہ آئے، شوہر کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی بھی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ شوہر کے دل کو نرم کردے گا اور شرعی حجاب کے لئے آمادہ ہوجائیگا۔ اس زمانہ میں بہتر صورت یہ ہے کہ شوہر کو تبلیغ سے آشنا کرا کر کچھ وقت کے لئے جماعت میں بھیج دے، واپسی پر ان شاءاللہ خود پردہ کا حکم کریگا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: " وإذا سألتموهن متاعاً فاسألوهن من وراء حجاب ". (سورة الأحزاب: الآية: ۵۳).

مذکورہ آیت کریمہ میں اگر چہرہ کا پردہ نہ ہوتا تو پھر " من وراء حجاب" کی کیا ضرورت ہے، پھر سامنے آنے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بیوی کو چھوڑ کر سال میں جانے کا حکم:

سوال: عام طور پر فارغ ہونے کی بعد تبلیغ میں سال لگاتے ہیں، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اگر شادی شدہ ہے تو بیوی بچوں کو چھوڑ کر سال لگانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کی رضا وعدم رضا سے کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ چار ماہ لگانا، یا سال لگانا، میاں بیوی کی رضامندی پر موقوف ہے، اکثر صورت حال یہ ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے ہی جانبین سے طے کرلیا جاتا ہے کہ لڑکا شادی کے بعد فوراً سال میں جائے گا، اسی وجہ سے نکاح ہو جاتا ہے، رخصتی سال کے بعد ہوتی ہے۔

ہاں اگر رخصتی ہو چکی ہے اور دونوں ساتھ رہنے لگے ہیں تو سال میں جانے کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ لہذا بیوی راضی ہو اور فتنہ وغیرہ کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو تو سال لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ جانا بے حد مفید ہے۔

علامہ حصکفیؒ نے فرمایا کہ گاہے گاہے دیانۃً صحبت واجب ہے اور ایلاء کی مدت یعنی چار ماہ تک بغیر وطی وصحبت کے نہ گزارے مگر بیوی کی رضامندی سے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

يجب ديانة أحياناً ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها.(الدر المختار:۳/۲۰۳، باب القسم).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر عورت کو تحمل ہے اور اس کی اجازت سے شوہر سال بھر میں ایک دفعہ گھر جاتا ہے تو ان شاء اللہ آثم نہیں ہوگا، ورنہ عدم ادائے حق کا مرتکب ہوگا، چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ كذا في رد المحتار. (فتاوی محمودیہ: ۱۸/۵۹۲، مبوب ومرتب).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

اگر عورت جوان ہو تو اس کو چار ماہ سے زائد چھوڑنا نہیں چاہئے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، اگر صبر کرسکتی ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہیں تو سال بھر میں بھی مضائقہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۸/۵۹۲، مبوب ومرتب).

نیز مرقوم ہے:

بیوی کا حق نان ونفقہ کے علاوہ کچھ اور بھی ہے اس کا کیا انتظام کیا؟ اگر وہ جوان ہے اور جذبات پر قابو نہ پاسکی تو اس کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر اس کو قابو ہے اور اس نے بخوشی اتنی طویل مدت کی اجازت دیدی اور کسی معصیت کا خطرہ نہیں تو اجازت ہے، ورنہ چار ماہ میں ایک دفعہ اس کے پاس آجایا کرے۔ ويجب ديانة أحياناً، ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها. (فتاوی محمودیہ: ۱۸/۵۹۴، مبوب ومرتب).

علاوہ ازیں اس کی نظیر فقہاء کی عبارات سے ہم یہ پیش کر سکتے ہیں کہ عنین کی زوجہ کو فقہاء ایک سال کی مہلت دیتے ہیں، اور مفقود کی زوجہ کو چار سال کی، حالانکہ اس طویل مدت میں بھی تو فتنہ کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔

واللہ ﷻ اعلم۔

جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے مصنوعی آلات کے استعمال کا حکم:

سوال: ایک عورت کا خاوند جو اپنی اہلیہ کے ساتھ صحبت ہی نہیں کرتا ہے اور اس وجہ سے عورت اپنے خاوند سے ناراض ہے وہ خاوند تندرست وصحت مند بھی ہے تو کیا اس کی اہلیہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کسی مصنوعی قسم کے آلات کو استعمال کر سکتی ہے؟ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں شریعتِ مطہرہ نے جنسی خواہشات کی تکمیل کی اجازت دی ہے وہیں اس کا فطری طریقہ بھی انسانیت کی رہنمائی کے لئے بتلا دیا ہے، تاکہ فطری خواہش کی تکمیل کے ساتھ توالد وتناسل کا سلسلہ بھی چلتا رہے، اس فطری طریقہ کے خلاف جو بھی طریقہ خواہشات کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جائے گا، وہ نہ صرف یہ کہ شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہوگا، بلکہ خلافِ فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی پستی کا بھی باعث بنے گا، چنانچہ شریعتِ مطہرہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جب تک کسی کو تکمیل خواہش کے لئے یہ فطری طریقہ میسر نہ آسکے تو وہ بالکلیہ اپنی عفت اور پاکدامنی کو برقرار رکھنے کے لئے غیر فطری طریقوں سے بچیں۔

چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عالم شباب میں نکاح پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں سوال کیا کہ ہم کیا کریں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کثرت سے روزے رکھنے کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جب تک فطری طریقہ سے قضائے شہوت ممکن نہ ہو تو غیر فطری طریقہ کی اجازت نہیں ہے، بلکہ عفت و پاکدامنی کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں خاتون کو شرعاً اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ کسی بھی غیر فطری طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے کسی بھی قسم کے مصنوعی آلات کو استعمال کریں، اس کے بجائے وہ کسی بھی طریقہ سے اپنے خاوند کو حقوق کی ادائیگی پر رضامند کرنے کی کوشش کریں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

متعدد شوہر والی خاتون جنت میں کس کو ملے گی؟

سوال: اگر کسی عورت کے متعدد شوہر ہوں یکے بعد دیگرے تو جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کے دوقول ہیں: (۱) آخری شوہر کو ملے گی۔ (۲) اس عورت کو اختیار دیا جائے گا جس کو چاہے اختیار کرلے۔

دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دونوں شوہر اخلاق میں برابر ہوں تو آخری شوہر کو ملے گی، اور اگر اخلاق میں تفاوت ہو تو اچھے اخلاق والے کو اختیار کرے گی۔

ملاحظہ فرمائیں روایت میں ہے:

(۱) عن عطية بن قيس الكلاعي قال: خطب معاوية بن أبي سفيان رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أم الدرداء رضي اللّٰه تعالىٰ عنها بعد وفاة أبي الدرداء رضي اللّٰه تعالىٰ عنه،فأتت وقالت: سمعت أبا الدرداء رضي اللّٰه تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: "أيما امرأة توفي عنهازوجها فتزوجت بعده فهي لآخر أزواجها وماكنت لأختارعلى أبي الدرداء رضي اللّٰه تعالىٰ عنه فكتب إليها معاوية رضي اللّٰه تعالىٰ عنه فعليك بالصوم فإنها محسمة . (رواه الطبراني في الكبير والاوسط، وفيه ابوبكربن ابى مريم وقداختلط)۔(مجمع الزوائد: ۲۷۰/۴،باب في المرأة تدخل الجنة ولها أزواج،ط: دارالفكر. وكذا في بستان فقيه ابى الليث السمرقندي:ص ۱۵۱).

(۲) وعن أنس رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قالت أم حبيبة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها يارسول اللّٰه! المرأة يكون لها زوجان ثم تموت فتدخل الجنة هي وزوجها ، لأيهما تكون للأول أوللآخر قال: تخير فتختار أحسنهما خلقاً كان معها في الدنيا يكون زوجها في الجنة يا أم حبيبة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة .رواه الطبراني والبزار، وفيه عبيد بن إسحاق وهو متروك ۔ (مجمع الزوائد: ۲۴/۸،باب ماجاء في حسن الخلق،ط: دارالفكر).

پہلی روایت یعنی آخری شوہر والی قوی روایت ہے، اور اس کے شواہد بھی موجود ہیں۔
ملاحظہ ہو شیخ البانی فرماتے ہیں:

قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات معروفون غير العباس بن صالح هذا، ورواه أبو الشيخ في" التاريخ " (صـ ٢٧٠) : ثنا أحمد بن إسحاق الجوهري ثنا إسماعيل بن زرارة قال: ثنا أبو المليح الرقي به مقتصراً على المرفوع فقط، وهذا إسناد صحيح . رجاله ثقات معروفون غير الجوهري، قال أبو الشيخ: ثقة ،حسن الحديث، فمن حسان حديثه ... ثم ساق له أحاديث هذا أحدها...

وبالجملة فالحديث بمجموع الطرقين قوي ، والمرفوع منه صحيح، وله طرق أخرى مرفوعاً وموقوفاً عند ابن عساكر (١٩/٢٨١/٢) عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه وله شاهدان موقوفان .

الأول: عن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه ، يرويه ابن عساكر (١٩/١٩٣/١) من طريق كثير بن هشام عن عبد الكريم عن عكرمة .

" أن أسماء بنت أبي بكررضي الله تعالىٰ عنها كانت تحت الزبيربن العوام رضي الله تعالىٰ عنه ، وكان شديداً عليها، فأتت أباها فشكت ذلك إليه ، فقال : يابنية اصبري فإن المرأة إذا كان لها زوج صالح ، ثم مات عنها ، فلم تزوج بعده جمع بينهما في الجنة " و رجاله ثقات إلا أن فيه إرسالاً لأن عكرمة لم يدرك أبابكررضي الله تعالىٰ عنه إلا أن يكون تلقاه عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه . والله أعلم .

والآخر: عن عيسى بن عبد الرحمن السلمي عن أبي إسحاق عن صلة عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال لامرأته:" إن شئت أن تكوني زوجتي في الجنة ، فلا تزوجي بعدي، فإن المرأة في الجنة لآخر أزواجها في الدنيا، فلذلك حرم الله على أزواج النبي صلى الله عليه وسلم أن ينكحن بعده، لأنهن أزواجه في الجنة ". أخرجه البيهقي في

"السنن" (٧/٦٩/٧).

ورجالـه ثقات ، لولا عنعنة أبي إسحاق ــ وهو السبيعي ــ واختلاطه. (سلسلة الاحاديث الصحيحة للشيخ الالباني:٣/٢٧٥/١٢٨١).

فیض القدیر کے حاشیہ میں مذکور ہے:

ويمكن الجمع بين الأحاديث الثلاثة بأنها تكون لآخر أزواجها إذا تساووا فى الخلق، و إلا فتختار أحسنهم خلقاً، والله أعلم . (حاشية فيض القدير لأحمد عبدالسلام: ٢٩٨٣/١٩٥/٣، دارالكتب العلمية بيروت).

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (مجموعۃ الفتاوی للعلامۃ عبدالحي اللکنوي:٢٩٦/٣،متفرقات،و١١٥/١،کتاب القرآن،باب الجنۃ۔وفتاوی محمودیہ:٦٩١/١،مبوب ومرتب).واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوجین کا ایک دوسرے کو نام سے پکارنے کا حکم:

سوال: کیا میاں، بیوی ایک دوسرے کو نام سے پکار سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس ملک میں بکثرت سننے میں آتا ہے کہ عورتیں اپنے شوہروں کو نام سے پکارتی ہیں، کیا اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: بیوی کا شوہر کو اس کے نام سے پکارنا تعظیم وادب کے خلاف اور مکروہ ہے،شوہر کی عزت و احترام کو برقرار رکھتے ہوئے تعظیمی الفاظ سے پکارنا چاہئے،اسی طرح کنیت سے یعنی ابوفلان،ابوفلانہ کہہ کر پکارنا بھی درست ہے۔

ہاں شوہر بیوی کو نام لے کر پکار سکتا ہے چنانچہ بکثرت روایات موجود ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو ان کے ناموں سے پکارتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا جو عظمت واحترام کا ترجمان ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أم عطية قالت: بعث إليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة من الصدقة فبعثت

إلى عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها منها بشيء فلما جاء رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قال : هل عندكم شيء قالت : لا ، إلا أن نسيبة بعثت إلينا من الشاة التي بعثتم بها إليها قال : إنها قد بلغت محلها . (رواه مسلم: ۱/۳۴۵، باب اباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم ، فيصل پبلشرز) .

فتاوی عالمگیری میں ہے:

يكره أن يدعو الرجل أباه والمرأة زوجها باسمه كذا في السراجية . (الفتاوى الهندية : ۳۶۲/۵، باب تسمية الاولاد) .

" الموسوعة الفقهية الكويتية "میں ہے:

ذكر الحنفية أنه يكره أن يدعو الرجل أباه وأن تدعو المرأة زوجها باسمه بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم لمزيد حقها على الولد والزوجة ، وليس هذا من التزكية لأنها راجعة إلى المدعو بأن يصف نفسه بما يفيدها، لا إلى الداعي المطلوب منه التأدب مع من هو فوقه .
(الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۳۷/۱۱،احكام التسمية، نداء الزوج والاب ونحوهما بالاسم المجرد، ط: وزارة الاوقاف والشئون الاسلامية ، الكويت) .

کتاب الفتاوی میں ہے:

نام لے کر مخاطب کرنا خلاف ادب ہے،اس لیے بیٹا اپنے باپ کو اور بیوی اپنے شوہر کو نام سے نہ پکارے فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے،اگر غائبانہ نام سے ذکر کیا جائے تو حرج نہیں،شوہر بیوی کو نام لے کر پکار سکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو نام لے کر مخاطب فرمایا ہے،البتہ بتقاضۂ حیاء لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے بال بچوں کی نسبت سے مخاطب کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ۔(کتاب الفتاوی:۴۱۰/۴) ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:
﴿لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم
ولٰکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم﴾
(سورة البقرة، الآیة:۲۲۵).

کتاب الأیمان والنذور

باب (۱)

ایمان کا بیان

وقال تعالیٰ:
﴿لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم
ولٰکن یؤاخذکم بما عقدتم الأیمان﴾
(سورة المائدة، الآیة:۸۹).

باب......﴿۱﴾

ایمان سے متعلق احکام

غیراللہ کی قسم کھانے کا حکم اور " أفلح و أبيه" کا جواب:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیراللہ اوراپنے باپ کی قسم کھانے سے منع فرمایا، مختلف احادیث اس پر دال ہیں، مثلاً بخاری شریف میں ہے:" **قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تحلفوا بآبائكم**". (رواه البخاري:۲/۹۸۳/۶۶۲۸).

دوسری جگہ مذکور ہے:" **ألا إن اللّٰه ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف باللّٰه أو ليصمت**". (صحيح بخاری شريف: ۲/۹۸۳/۶۶۴۶).

لیکن دوسری طرف صحیح مسلم شریف کی روایت میں " **أفلح و أبيه**" وارد ہوا ہے۔ان دونوں میں کیا تطبیق ہے؟ اور " **أفلح و أبيه**" (کامیاب ہوا اس کے باپ کی قسم) کا کیا جواب ہے؟

الجواب: واضح ہو کہ قسم کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) کسی کی تعظیم کرتے ہوئے اس کو متصرف سمجھ کر قسم کھانا۔ (۲) صرف استشہاد کے لئے قسم کھانا۔جیسے:﴿**والتين و الزيتون**﴾.

متنبّی کہتے ہیں:

فومن أحب لأعصينک في الھوی ☆ قسماً بہ وبحسنہ وبھائہ

عربی اور اردو شاعری اس قسم سے بھری ہوئی ہے۔مثلاً شاعر کہتا ہے:

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احسان ☆ سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

وغیرہ وغیرہ۔

فارسی میں ہے: قسم بلب میگون تو وزلف شبگون تو کہ تو محبوب دلربائی۔

(۳) دعا برکت کے لئے قسم کھانا، جیسے قرآن میں ہے: ﴿لعمرک إنھم لفي سکرتھم یعمھون﴾.
اور" أفلح و أبیہ" میں یہی قسم مراد ہے۔یعنی آپ کے باپ کی نسل میں اللہ تعالیٰ برکت دنیوی اور اخروی رکھ دے۔

الغرض غیر اللہ کی قسم تعظیم کے لئے اور اس کو متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ممنوع ہے، اور جہاں وارد ہے وہاں دعائے برکت کے لئے ہے، وہ ممنوع قسم میں شامل نہیں ہے۔

دونوں روایتوں میں تطبیق:

شراحِ حدیث نے ان روایات کے مابین مختلف طریقوں سے تطبیق دی ہے، اکثر علماء کی توجیہات حسبِ ذیل دس تطبیق سے خارج نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

(۱) لفظ" و أبیہ" بخاری شریف کی روایت میں موجود نہیں، اور بخاری کتب حدیث پر مقدم ہے۔

(۲) درحقیقت قسم مقصود نہیں تھی بلکہ لفظ" و أبیہ" عرب کی زبانوں پر عادۃً جاری تھا۔

(۳) منسوخ ہے، یعنی ابتداء اسلام کے واقعات ہیں بعد میں نسخ ہوا۔

(۴) غیر اللہ کی قسم سبقتِ لسانی سے صادر ہوئی۔

(۵) یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی۔

(۶) بعض روایتوں میں تصحیف واقع ہوئی ہے۔

(۷) لفظ ”و أبیه“ غیر محفوظ ہے، صحیح روایت میں واللہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

(۸) ”و أبیه“ سے قبل رب مقدر ہے یعنی ”ورب أبیه“ مراد ہے۔

(۹) یہ قسم بطورِ تعجب مستعمل ہوئی ہے۔

(۱۰) محض تاکید کے لئے مستعمل ہوئی، پس پشت حقیقت مقصود نہیں تھی۔

مذکورہ بالا توجیہات حسبِ ذیل کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

(عمدة القاری : ۱/۳۹٦، دار الحدیث ملتان۔ و شرح النووی علی صحیح مسلم : ۲/٤٦، فیصل۔ و إعلاء السنن: ۱۱/۳۵۰، ادارة القرآن۔ و أوجز المسالك : ۹/٦٧٦، دار القلم دمشق۔ و تکملة فتح الملهم : ۲/۱۷۵، مکتبه دار العلوم کراچی۔ و تحفة الأخیار:٦/٥٣۔ و إکمال المعلم: ٥/٤٠٠، دار الوفاء ۔ وفتح الباری:۱/۱۰۷، دار نشر کتب الإسلامیة لاهور۔ وسبل السلام :٤/۱۹۷،دار الکتاب العربی۔ والتعلیق الممجد علی مؤطا محمد : ص۳۲۸، قدیم۔ وفیض البخاری : ۱/۱۳۹، القاهرة ۔ وبذل المجهود :۳/۱٤۸، امدادیه۔ وکشف الباري :۲/٥۱۲، مکتبة فاروقیه ۔ وانوار الباری:۲/۱٤۷۔ وفضل الباری : ص٥٠٧۔ وتحفة الأحوذی : ٥/۱۳٥، دار الفکر۔ وعارضة الأحوذی :۷/۲۱، دار الکتاب العربی).

جن روایات میں غیر اللہ کی قسم کھائی گئی ہے ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مسلم شریف میں ہے:

جاء رجل إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس ... فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:” أفلح وأبیه“ إن صدق أو دخل الجنة وأبیه إن صدق“.

(مسلم شریف: ۱/۳۰، فیصل).

(۲) مسلم شریف میں ہے:

قال رجل یا رسول اللّٰه من أحق الناس بحسن الصحبة ، فقال: نعم وأبیک لتنبأن، قال: أمک ثم أمک ثم أباک ثم أدناک أدناک. (مسلم شریف:۲/۳۱۲، فیصل).

(۳) **جاء رجل إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یا رسول اللّٰه أي الصدقة أعظم أجراً فقال أما وأبیک لتنبأنه أن تصدق وأنت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل البقاء ولا**

تمهل. (صحیح مسلم شریف: ۱/ ۳۳۲، فیصل).

(۴) سنن کبریٰ میں ہے:

عن أبی العشراء الدارمي عن أبیه أنه قال یا رسول اللّٰه أما تکون الزکاة إلا فی الحلق واللبة ؟ وأبیه لو طعنت في فخذها لأجزأ عنک . (السنن الکبری للبیهقی ۹/ ۲٤٦، دار المعرفة).

سنن دارمی کی روایت میں "وأبیه" کالفظ نہیں ہے، ملاحظہ ہو سنن دارمی: (۲/ ۱۱۳/ ۱۹۷۲، باب فی ذبیحة المتردی فی البئر).

وعلی هامشه قال: وفیه أبوالعشراء ،مجهول ، وقال البخاري: في حدیثه واسمه وسماعه من أبیه نظر. (حاشیة سنن الدارمی: ۲/ ۱۱۳/ ۱۹۷۲، باب فی ذبیحة المتردی فی البئر).

الغرض "أبو العشراء عن أبیه" کی روایت ضعیف ہے، ملاحظہ ہو فتح المنان میں ہے:

وقال الخطابی : وضعفوا هذا الحدیث لأنه من روایة مجهول وأبو العشراء الدارمی لا یدری من أبوه. ولم یرو عنه غیر حماد بن سلمة . (فتح المنان شرح وتحقیق کتاب الدارمی: ۸/ ۵۹، باب فی ذبیحة المتردی فی البئر).

(۵) مسند احمد میں ہے:

أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أتی بطعام من خبز ولحم فقال: ناولنی الذراع ... فقال: وأبیک لو سکت ما زلت أناول منها ذراعاً ما دعوت به. وقال شعیب الأرنائووط فی تحقیق هذا الحدیث : قصة الذراع وإسنادها ضعیف. (مسند أحمد: ۱٦/ ٤۱۲).

(٦) حیاۃ الصحابہ میں ہے:

وأخرج ابن جریر عن ابن عباس ﷺ قال: لما مرض أبو طالب دخل علیه رهط من قریش فیهم أبو جهل ... وتکلم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال:" یاعم ! إني أریدهم علی کلمة واحدة یقولونها تدین لهم بها العرب وتؤدی إلیهم بها العجم الجزیة" ففزعوا لکلمته ولقوله، فقال القوم: کلمة واحدة ، نعم وأبیک عشراً . الحدیث . وهکذا رواه

الإمام أحمد والنسائي وابن أبي حاتم وابن جرير كلهم في تفاسيرهم، ورواه الترمذي وقال: حسن كذا في التفسير لابن كثير، وأخرج البيهقي أيضاً والحاكم بمعناه، وقال: حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي صحيح .(حياة الصحابة: ۱/۴۰، باب الدعوة الى الله، المكتبة التجارية) .

(۷) سنن ابی داود میں ہے:

حدثنا عقبة بن وهب بن عقبة العامري قال: سمعت أبي يحدث عن الفجيع العامري أنه أتى رسو ل الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما تحل لنا الميتة قال: ما طعامكم؟ قلنا نغتبق ونصطبح قال ابن نعيم فسره لي عقبة قدح غدوة وقدح عشية، قال ذلك وأبي الجوع، فأحل لهم الميتة على هذه الحال. (سنن أبي داود:۲/۱۷۸، سعيد).

قال المنذري: في إسناده عقبة بن وهب قال ابن معين : صالح ، وقال ابن المديني : قلت لسفيان بن عيينة فقال: ما كان ذلك فندري ما هذا الأمر ولا ما كان من شأنه يعني الحديث. (عون المعبود: ۱۰/۲۹۷).

الغرض کثیر تعداد میں روایتیں موجود ہیں جن میں "أبيک" کا لفظ آیا ہے، جو کتبِ حدیث سے شغف رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے، بطور "مشتے نمونہ از خروارے" چند سپردِ قرطاس کر دی گئیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قسم دینے سے قسم منعقد ہونے کا حکم:

سوال: زید میرے پاس آیا اور میں نے اس سے کھانا کھانے کے لئے کہا، زید نے انکار کیا میں نے کہا تم کو اللہ کی قسم ابھی کھانا کھاؤ اس نے پھر بھی کھانا نہیں کھایا اس صورت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ زید پر کفارہ ہے یا میرے اوپر یا کسی پر نہیں؟

الجواب: اگر کسی نے کہا واللہ تم یہ کام کرو گے اور کوئی نیت نہیں تھی یا خود قسم کھانے کی نیت تھی تو مخاطب کے نہ کرنے کی صورت میں متکلم حانث ہوگا، اور اگر یہ مقصد تھا کہ تم قسم کھاؤ کہ یہ کام کروں گا، (یعنی قسم کا مطالبہ

مقصود تھا) اور مخاطب نے قسم نہیں کھائی اور وہ کام کیا تو دونوں حانث نہیں ہوں گے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں قسم کا مطالبہ مقصود تھا اس لیے دونوں حانث نہیں ہوئے، اور کفارہ بھی لازم نہیں ہوا۔

اعلاء السنن میں ہے:

فيه دليل على أن من أقسم غيره وقال والله لتفعلن كذا ولم ينو شيئاً أو نوى أنه يفعل ذلك ولا بد فهو حالف فإن لم يفعل المخاطب حنث وإن أراد به الاستحلاف فهو استحلاف ولا شيء على أحد منهما إذا لم يفعل كذا في فتح القدير (٤/٤٢٢). قلت: ودليل عدم الحنث في الاستحلاف ما مر في قصة أبي بكر في تعبير الرؤيا وقوله أقسمت عليك يا رسول الله بأبي أنت لتحدثني ما الذي أخطأت، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تقسم" وفي لفظ أبي داود: "ولم يخبره" أخرجه البخاري ومسلم والأربعة(عون المعبود: ٣/٢٤٤) **فلم يأمره بالكفارة ولم يخبره بما أقسم عليه.** (إعلاء السنن: ١١/٤٢٧، مسألة الاستحلاف، ادارة القرآن).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الخانية: رجل قال لآخر: عليك لتفعلن كذا ولا نية له فهذا استحلاف فلا شيء على واحد منهما إلا أن ينوي فيكون يميناً وكذا لو قال: بالله فإذا لم يفعل ذلك حنث المبتدي ... (الفتاوى التاتارخانية: ٤/٤١٧).

فتاوی قاضیخان میں ہے: **رجل قال لآخر والله لتفعلن كذا وكذا ولم ينو استحلاف المخاطب ولا مباشرة اليمين على نفسه فلا شيء على واحد منهما إذا لم يفعل المخاطب ذلك وإن نوى القائل الحلف بذلك يكون حالفاً وكذا لو قال: بالله لتفعلن كذا وكذا ولو قال: والله لتفعلن كذا وكذا ولم ينو شيئاً فهو الحالف وإن أراد الاستحلاف فهو استحلاف ولا شيء على واحد منهما...**(فتاوى قاضى خان على هامش الهندية: ٢/٨، فصل فى عقداليمين على فعل الغير۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ٢/٦٠).

درمختار میں ہے:

(فروع) قال لغيره: والله لتفعلن كذا فهو حالف، فإن لم يفعله المخاطب حنث ما لم ينو الاستحلاف. وفي الشامية: قوله فإن لم يفعله المخاطب حنث كذا أطلقه في الخانية والفتح والنهر، وظاهر أنه يحنث سواء أمره بالفعل أولا وهو كذلک، لأن أمره لا يتحقق الفعل من المحلوف عليه وشرط بره هو الفعل وشرط حنثه عدمه. (قوله مالم ينو الاستحلاف فإن نوى الاستحلاف فلا شيء على واحد منهما... (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ٣/ ٨٤٨، سعيد). **والله ﷻ اعلم۔**

ترکِ فعلِ بد پر قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو استمناء بالید کی بری عادت تھی، ایک دن وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو اس نے قسم کھا کر کہا ''اگر یہ مصیبت دور ہو جائے تو واللہ میں یہ فعلِ بد کبھی نہیں کروں گا۔ مصیبت دور ہوگئی مگر بعد میں اس نے کئی مرتبہ یہ فعل کیا۔ اسی طرح ایک آدمی نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کبھی ٹی وی نہیں دیکھوں گا، لیکن پھر کئی مرتبہ دیکھی۔ اسی طرح ایک لڑکا نماز نہ پڑھتے ہوئے پکڑا گیا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ میں اب سے کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا، مگر بعد میں بہت سی نمازیں چھوڑیں۔ تو اب ان لوگوں پر کیا لازم ہے اور شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ انہوں نے ترکِ فعل پر قسم کھائی لیکن بعد میں انہوں نے وہ کام کئے، لہذا اپنی قسم میں حانث ہو گئے، اور شرعاً قسم توڑنے پر قسم کا کفارہ لازم ہوتا ہے، لہذا ان لوگوں پر شرعاً قسم توڑنے کی وجہ سے کفارۂ یمین لازم آئے گا۔ اور ہر شخص پر صرف ایک کفارہ لازم ہوگا، جس کی مزید وضاحت ''باب سوم، تداخل کفارہ'' کے تحت ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اور کفارہ کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) دس مسکینوں کو صبح شام دو وقت شکم سیر کھانا کھلانا۔

(۲) یا دس مسکینوں کو کپڑا دینا۔

(۳)اگر ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کی قدرت واستطاعت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھنا۔
البحر الرائق میں ہے:

(قوله: وعلى آت منعقدة، وفيها كفارة فقط) أى حلفه على آت تسمى منعقدة نفياً كان أو إثباتاً. وحكمها وجوب الكفارة إذا حنث لقوله تعالى:﴿ ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته﴾ الآية. والمراد منها اليمين فى المستقبل بدليل قوله تعالى: ﴿ واحفظوا أيمانكم﴾ ، ولا يتصور الحفظ عن الحنث والهتك إلا فى المستقبل ... وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين كما فى الظهار أو كسوتهم بما يستر عامة البدن ... والأصل في ذلک قوله تعالى: ﴿ فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة ﴾ ... ويجوز فى الإطعام التمليک والإباحة، فإن ملک أعطى نصف صاع من بر أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير لكل مسكين، وإن أباح غداهم وعشاهم ... وإن عجز عن أحدها صام ثلاثة أيام متتابعة، أى إن لم يقدر على الإعتاق والإطعام و الكسوة كفر بالصوم لقوله تعالى: ﴿ فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام ﴾ وشرطنا التتابع عملاً بقراء ة ابن مسعود ﷺ "متتابعات" وقراء ته كروايته، وهي مشهورة جاز الزيادة بها على القطعي المطلق. (البحر الرائق :۴/ ۲۸۰،۲۸۹، ۲۹۰، کوئٹہ).

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع :۵/۹۶-۱۱۱ ۔ وتبيين الحقائق:۳/۱۱۲۔ والمبسوط :۸/۱۲۸ ۔ والفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۴۹۰ ۔ وفتاوى الشامي :۳/۴۷۹۔ و آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۲۸۷) .

واللہ ﷻ اعلم۔

قرآنِ کریم کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ قرآن کی قسم میں آپ سے بات نہیں کروں گا، پھر بات کرلی تو کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟ اور کیا قرآن کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور قرآن کی قسم حلف بغیر اللہ میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: کتبِ احادیث کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے۔لیکن متأخرین فقہاء نے عرف کی وجہ سے قرآنِ کریم کی قسم کھانے کو صحیح قرار دیا ہے،لہٰذا صورتِ مسئولہ میں قسم منعقد ہوگئی اور قسم توڑنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ لازم ہوگیا۔نیز قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

لا يقسم بغير اللّٰه كالنبي والقرآن والكعبة قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يميناً وأما الحلف بكلام اللّٰه فيدور مع العرف وقال العينيؒ: وعندي أن المصحف يمين لا سيما في زماننا، وعند الثلاثة: المصحف،والقرآن، وكلام اللّٰه يمين. وفي الشامي: قوله وقال العيني:عبارته: وعندي لوحلف بالمصحف أووضع يده عليه وقال: وحق هذا فهو يمين، ولا سيما في هذا الزمان الذي كثرت فيه الأيمان الفاجرة ورغبة العوام في الحلف بالمصحف. (الدرالمختارمع فتاوى الشامي:۳/۷۱۲،۷۱۳ مطلب في القرآن، سعيد۔ وكذا في فتح القدير: ۴/۳۵۶،دارالفكر).

عالمگیری میں ہے:

قال محمدؒ في الأصل: لو قال والقرآن لايكون يميناً ذكره مطلقاً ...وقد قيل هذا في زمانهم أما في زماننا فيكون يميناً وبه نأخذ ونأمر. (الفتاوى الهندية:۲/۵۳۔وكذا في البحرالرائق:۴/۲۸۶، كوئته).

حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ امدادالاحکام میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآن شریف کی قسم کھا کر اگر خلاف کرے تو کفارہ لازم ہے۔(امدادالاحکام:۲/۴۳).

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قاموس الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جہاں تک قرآن مجید کی قسم کھانے کی بات ہے،تو فقہائے حنفیہ کی اصل رائے تو یہی ہے کہ اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی،لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے،ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے قرآن کی قسم غیر درست ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اس طرح قسم کھانا متعارف نہیں،لیکن

ہمارے زمانے میں قرآن مجید سے قسم کھانا مروج ومعروف ہے، اس لیے قرآن کی قسم منعقد ہوگی۔(قاموس الفقہ:۳۵۶/۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۱۴/ ۳۸۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۳۸/۸) . واللہ ﷻ اعلم۔

یمین فور کا حکم:

سوال: زید نے عمر کو چائے کے لیے بلایا اس وقت عمر کو زید پر سخت غصہ آیا تھا،عمر نے کہا:''واللہ میں نہیں پیوں گا'' پھر دوسرے دن رضامندی ہوئی اور عمر نے زید کے گھر آکر کھانا کھایا،کیا عمر پر کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا فقہاء کی اصطلاح میں یمین فور سے موسوم کیا جاتا ہے،اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت قسم کھائی بس اسی وقت کے لیے اس شخص پر وہ کام حرام ہے، پھر کچھ وقفہ کے بعد اس فعل کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں،اور صورتِ مسئولہ دوسرے دن کام کیا گیا اس وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوا۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الموقت دلالة فهو المسمىٰ يمين الفور...وهو أن يكون اليمين مطلقاً عن الوقت نصاً ، ودلالة الحال تدل على تقييد الشرط بالفور بأن خرج جواباً لكلام أوبناء على أمر نحو أن يقول لآخر: تعال تغد معي، فقال: والله لا أتغدى ، فلم يتغد معه ثم رجع إلى منزله فتغدى ...لايحنث. (بدائع الصنائع: ۱۳/۳،سعيد).

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

يمين الفور...وهوما تكون اليمين مؤقتة دلالة أومعنى، ومؤيدة لفظاً وحكمها: أنه لايحنث في يمينه استحساناً . (الفقه الاسلامي وادلته: ۳۷۳/۳،دارالفكر).

مزید ملاحظہ ہو: (الدرالمختارمع فتاوى الشامي: ۷۶۲/۳، سعيد۔وقاموس الفقه:۳۵۸/۵) . واللہ ﷻ اعلم۔

تحریم الحلال سے قسم کا حکم:

سوال: خالد نے عبداللہ کو گھر بلایا مذہبی بات چیت ہوتی رہی، مذہبی مباحثہ میں بات آگے بڑھ گئی اور عبداللہ نے کہا ''مجھ پر تیرے گھر کا کھانا حرام ہے'' اب اس جملہ سے یمین منعقد ہوئی یا نہیں؟ اور کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: تحریم حلال سے یمین منعقد ہو جاتی ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں یمین منعقد ہوگئی پس اگر عبداللہ نے خالد کے گھر کھانا کھالیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن حرم على نفسه شيئاً كقوله مال فلان علي حرام فيمين مالم يرد الإخبار ثم فعله بأكل أونفقة، كفر ليمينه، لما تقرر أن تحريم الحلال يمين . وفي الشامي: ودليل كون التحريم يميناً مبسوط في الفتح وغيره. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:۳/ ۷۳۰، مطلب في تحريم الحلال، سعيد۔ وكذا في قاموس الفقه: ۳۶۱/۵) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

کافر یا یہودی ہونے کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں کافر یا یہودی ہوں گا، پھر وہ کام کرلیا تو یمین منعقد ہوئی یا نہیں؟ اور اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ قسم منعقد ہوگئی اور قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہوگیا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإن قال فعلت كذا فهو يهودي أو نصراني أو كافر يكون يميناً لأنه كما جعل الشرط علماً على الكفر فقد اعتقده واجب الامتناع وقد أمكن القول بوجوبه لغيره بجعله يميناً.

(الهداية:۲/ ۴۸۱).

فتح القدیر میں ہے:

فإذا فعله لزمه كفارة يمين قياساً على تحريم المباح فإنه يمين بالنص وذلك أنه صلى الله عليه وسلم حرم مارية على نفسه فأنزل الله تعالىٰ ﴿يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك﴾ ثم قال: ﴿قد فرض الله لكم تحلة أيمانكم﴾ووجه الإلحاق أنه لماجعل الشرط وهو فعل كذا علماً على كفره ومعتقده حرمة كفره فقد اعتقده أى الشرط واجب الامتناع فكأنه قال: حرمت على نفسي فعل كذا كدخول الدار. (فتح القدير:۵/۷۷،دار الفکر).

قاموس الفقہ میں ہے:

اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام نہ کروں تو یہودی ہوں گا تو کیا یہ قسم متصور ہوگی؟

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے یمین منعقد ہو جائے گی، اور اگر اس نے قسم پوری نہیں کی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک اس سے یمین منعقد نہیں ہوگی۔ (قاموس الفقہ: ۵/۳۵۷). واللہ ﷻ اعلم۔

بطورِ تکیہ کلام واللہ باللہ تاللہ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی عادت ہے کہ جب اسے کھانا کھانے یا چائے پینے کے لیے کہا جاتا ہے تو بے خیالی میں کہتا ہے واللہ میں نہیں پیوں گا، واللہ میں نہیں کھاؤں گا، پھر آ کر کھالیتا ہے اور پی لیتا ہے، اپنی قسم کا خیال بھی نہیں رہتا، اس صورت میں اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یمین لغو ہے اس میں کفارہ نہیں، حضرت تھانویؒ سورۂ بقرہ کی اس آیت ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

لغو قسم کے دو معنی ہیں: ایک تو یہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر اس کو اپنے گمان میں راست سمجھتا ہے... یا آئندہ بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور اور بے ارادہ منہ سے قسم نکل گئی اس میں گناہ نہیں ہوتا...اور لغو بالمعنی المذکور میں بدرجہ اولیٰ کفارہ نہیں...الخ.

بیان القرآن کے حاشیہ میں ''الفقہ'' کے تحت مذکور ہے:

اختلف الشافعيؒ في معنى اللغو ودليله ما روي عن عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنها مرفوعاً أنه قول الرجل كلا والله وبلى والله ...ومعنى الحديث المرفوع (عندالحنفيه) حمله على الخاطر الذي سبق على لسانه من غيرقصد كما في فتح القدير...الخ. (بیان القرآن: ۱/۱۳۰،تاج پبلشرز دہلی)۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جویمین بطورِتکیہ کلام بلاقصدوارادہ کے مستقبل کے بارے میں زبان سے نکلے وہ یمین منعقدہ ہے،لہٰذا قسم ٹوٹنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں الاختیار میں ہے:

منعقدة : وهي الحلف على أمر في المستقبل ليفعله أوليتركه فإذا حنث فيها فعليه **الكفارة**. (الاختيارلتعليل المختار:٤/٥٠،وكذا في الهندية: ٢/٤٧٨).

حضرت شیخؒ ''اوجز المسالک'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما المفسرون "للغو" فذكروا وجوهاً:ــ الأول :ــ قول الشافعيؒ إنه قول العرب لاوالله ، بلى والله مما يوكدون به كلامهم ولايخطر ببالهم الحلف...الخ .

والثاني:ــ قول أبي حنيفةؒ إن اللغو أن يحلف على شيء يعتقد أنه كذلك ثم بان أنه لم يكن كذا، فهذا هواللغو، وفائدة الخلاف أن الشافعيؒ لايوجب الكفارة في الأول ويوجبها في الثاني، وأبوحنيفةؒ يحكم بضد ذلك .(اوجزالمسالك:٩/٥٩٤،دارالقلم).

اورفقہاء احناف میں سے جن حضرات نے بلاارادہ قسم کھانے کو لغو میں شمار کیا ہے ان کے قول کا مدار امام محمدؒ کی روایت ہے جو کتاب الآثار میں مذکور ہے۔ملاحظہ ہو:

أخبرنا أبوحنيفةؒ عن حماد عن إبراهيم عن عائشة أم المؤمنين رضى اللّٰہ تعالیٰ عنها في اللغو، قالت: هو كل شيء يصل به الرجل كلامه لايريد يميناً ، لاوالله وبلى والله ، ولايعقد عليه قلبه ، قال محمدؒ : وبه نأخذ ، ومن اللغو أيضاً الرجل يحلف على الشيء يرى أنه على ماحلف عليه فيكون على غير ذلك فهذا أيضاً من اللغو وهوقول أبي حنيفةؒ. (اعلاء

السنن:۱۱/ ۳۳۰،ادارۃ القرآن)۔

لیکن اکثر فقہاء احناف کا قول امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے،اورامام ابوحنیفہؒ کا قول اوپر بحوالہ اوجز مذکور ہوا۔

مزید ملاحظہ فرمائیں، بدائع الصنائع میں ہے:

وأما يمين اللغو فقد اختلف في تفسيرها قال أصحابنا: هي اليمين الكاذبة خطأً أوغلطاً في الماضي أو في الحال وهي أن يخبر عن الماضي أو عن الحال على الظن أن المخبر به كما أخبر وهو بخلافه في النفي أو في الإثبات نحو قوله والله ماكلمت زيداً وفي ظنه أنه لم يكلمه...وهكذا روى ابن رستم عن محمد أنه قال: اللغو أن يحلف الرجل على الشيء وهو يرى أنه حق وليس بحق وقال الشافعيؒ: هي اليمين التي لايقصدها الحالف وهو مايجري على ألسن الناس في كلامهم من غير قصد اليمين من قولهم لاوالله وبلى والله سواء كان في الماضي أوالحال أو المستقبل وأما عندنا فلا لغو في المستقبل بل اليمين على أمر في المستقبل يمين معقودة وفيها الكفارة إذا حنث قصد اليمين أولم يقصد وانما اللغو في الماضي والحال فقط وماذكرمحمدؒ على أثرحكايته عن أبي حنيفةؒ أن اللغو ما يجري بين الناس من قولهم: لا والله وبلى والله فذلك محمول عندناعلى الماضي أوالحال وعندنا ذلك لغو فيرجع حاصل الخلاف بيننا و بين الشافعيؒ في يمين لايقصدها الحالف في المستقبل عندنا ليس بلغو وفيها الكفارة وعنده هي لغو ولا كفارة فيها. (بدائع الصنائع:۳/۳-٤،كتاب الايمان، سعيد) .

امام محمدؒ کے قول کے بارے میں فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

اعلاء السنن میں ہے:

ولكن قال في البدائع: وماذكرمحمدؒ على أثرحكايته عن أبي حنيفةؒ أن اللغومايجري بين الناس من قولهم "لا والله وبلى والله" فذلك محمول عندنا على الماضي أوالحال ،

وعندنا ذلک لغوفیرجع حاصل الخلاف بیننا و بین الشافعيؒ في یمین لایقصدها الحالف فی المستقبل ، فعندنا لیست بلغو وفیها الکفارة ، وعنده هي لغوولا کفارة فیها، کذا في ردالمحتار (۷۲/۳) ویحتمل أن یکون محمدؒ قد وافق الشافعيؒ ، فعد من اللغوما یجري علی اللسان بلا قصد مطلقاً سواء کان لماضٍ أولآتٍ ، وقوله: وبه نأخذ راجع إلی نفسه وحده، وقوله وهو قول أبي حنیفةؒ راجع إلی التفسیر الثاني للغو،لا إلی الأول، بدلیل أن تفسیر اللغو بذلک هوالمذکور فی المتون والهدایة وشروحها، وهوالتفسیر المتفق علیه للغوالذي لاکفارة فیه لم یختلف فیه اثنان کما تقدم، وبه فسرمحمدؒ حدیث عائشه رضي اللّٰه تعالیٰ عنها هذا في موطاه، فقال: وبهذا نأخذ اللغو ما حلف علیه الرجل وهو یری أنه حق فاستبان له بعد أنه علی غیر ذلک، فهذا من اللغوعندنا، فهوالمذهب والحدیث المرفوع وقول عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها لایخالفانه، بل یمکن ارجاعهما إلیه کما ذکرناه. (اعلاء السنن: ۳۳۱/۱۱، باب تفسیر لغو الیمین، ادارة القرآن).

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے:

(وعندنا ذلک لغو) أنما نسبه لأنه قول الإمام محمد ولیس مراده أنه قول أئمتنا لماعلمت من أن قول أبي حنیفةؒ في اللغو هوماعزاه إلی أصحابنا والحاصل أن قول أبي حنیفةؒ الذي قاله أصحابنا إن الیمین اللغو هي ما یکون علی الماضي أو الحال علی ظن المخبر به کما قال وهو بخلافه وأن قول محمدؒ هي ما یجري بین الناس من قولهم لا واللّٰه وبلی واللّٰه کما قال الشافعيؒ إلا أن الشافعيؒ یقول: إنها تکون علی الاستقبال أیضاً ومحمد لایقول بذلک فی الاستقبال فصارحاصل الخلاف بیننا وبین الشافعيؒ بناء علی قول محمدؒ في یمین لایقصدها الحالف فی المستقبل فعند الشافعيؒ هي لغو وعندنا أی عند محمدؒ هي منعقدة ولها الکفارة هذا ماظهر لي في تقریر کلام البدائع علی وجه یندفع عنه التناقض. (منحة الخالق علی البحرالرائق: ۲۷۹/٤، کتاب الایمان، کوئٹه) . واللّٰہ ﷻ اعلم۔

واللہ میں فلاں عالم کی تقریر نہیں سنوں گا'' کہنے سے قسم کا حکم:

سوال: زید سے کسی نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب کی تقریر مت سنو، اس کی تقریر میں زہر بھرا ہوا ہے، زید نے کہا ''واللہ میں کبھی اس کی تقریر نہیں سنوں گا'' کچھ دنوں کے بعد زید نے اس مولوی صاحب کی تقریر کی کیسٹ ٹیپ رکارڈ سے سنی، کیا اس کی قسم ٹوٹ گئی یا نہیں؟ اور کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ عرف میں تقریر سننے کا اطلاق واسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح سننے پر ہوتا ہے، لہٰذا ٹیپ رکارڈ سے سنے یا مشافہۃً سنے دونوں طرح سننے سے زید حانث ہو جائے گا۔ اور کفارۂ یمین لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر میں ہے:

صرح الزيلعيؒ وغيره بأن الأيمان مبنية على العرف، لا على الحقائق اللغوية، وعليها فروع: منها:۔ لو حلف لايأكل الخبز حنث بما يعتاده أهل بلده. (الاشباہ والنظائر: ۱/۲۷۶).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الفتاوى الهندية: ۲/۸۳۔ وتبيين الحقائق: ۳/۱۱۶).

نیز جب زید نے قسم کھائی تو اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس تقریر کے زہر سے بچے، اور ٹیپ رکارڈ سے سنا تو اس کا مقصد فوت ہو گیا، بنابریں زید اپنی قسم میں حانث ہو گیا، اور کفارۂ یمین لازم ہو گیا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

''آپ کے گھر آیا تو خنزیر'' کہنے سے قسم کا حکم:

سوال: زید کا اپنے خسر اور ساس سے اختلاف چل رہا تھا، اسی درمیان میں اس نے قسم کھائی کہ اگر میں آپ کے گھر آیا تو میں خنزیر اور سور ہوں گا، اب اگر وہ ان کے گھر گیا تو قسم کا کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ قسم منعقد نہیں ہوئی لہٰذا خسر کے گھر جانے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

وكذا إن قال: إن فعلت كذا فهو زانٍ أو فاسق أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا، لايكون يميناً أما أولاً فلأن معنى اليمين أن يعلق ما يوجب امتناعه عن الفعل بسبب لزوم

وجوده عند الفعل ، وليس بمجرد وجود الفعل يصير زانياً أوسارقاً.(فتح القدير: ۷۸/۵،دار الفكر).

درمختار میں ہے:

وإن فعله فعليه غضب ...أو هو زانٍ أوسارق أوشارب خمر أوآكل ربا لايكون قسماً لعدم التعارف . (الدر المختار: ۷۲۷/۳،سعید).

بہشتی زیور میں ہے:

اگر میں فلاں کام کروں تو...کوڑھی ہوجاؤں ...ان باتوں سے قسم نہیں ہوتی ،اس کے خلاف کرنے سے کفارہ نہ دینا پڑے گا۔(بہشتی زیور:۲۶۷) . واللہ ﷻ اعلم۔

گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: جھگڑے میں زید نے فاروق سے کہاواللہ میں آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا،اور ساتھ میں اشارہ نہیں کیا،اور یہ گھر نہیں کہا،اگر اس کے دوسرے مکان میں گیا جس میں اس کی رہائش نہیں ہے،تو کیا حکم ہے؟نیز اگر گھر کو گرا کر نیا بنالیا تو اس میں داخل ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زید نے قسم کھاتے وقت مکان کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا،اس لیے فاروق کے دوسرے مکان داخل ہونے سے حانث ہوجائے گا،اگر چہ فاروق کی رہائش اس مکان میں نہیں ہے، نیز تجدید عمارت کی صورت میں بھی حانث ہوجائے گا۔

ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

إن الإشارة كما تفيد التعريف يحصل بها التخصيص أيضاً، وهذا لايحصل بالإضافة وحدها، فإنه لو قال عبد فلان انعقدت على كل عبدله . انتهىٰ. (فتح القدير:۱۵۳/۵،باب اليمين فى الكلام ، دار الفكر).

عالمگیری میں ہے:

و لو حلف لايدخل دار فلان ولم ينو شيئاً ... وإن دخل داراً مملوكة لفلان وفلان

لایسکنهاحنث أیضاً . (الفتاوی الهندية:۲/ ۷۰، الباب الثالث فی اليمين علی الدخول).

البحرالرائق میں ہے:

قوله لایأکل طعام زید أولایدخل داره...وإن لم یشرلایحنث بعد الزوال (أی الملک) وحنث بالمتجدد ... والحاصل أنه إذا أضاف ولم یشر لایحنث بعد الزوال ... ویحنث فی المتجدد بعد الیمین. (البحرالرائق:٤/٣٣٧) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

کسی شئ کی طرف اشارہ کرکے قسم کھانے کا حکم:

سوال: بکر کا اپنے چچازاد بھائی سے جھگڑا ہوا، جھگڑے میں بکر کہنے لگا خدا کی قسم میں آپ کے اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گا، زید نے گھر کو گرا کر نیا بنالیا یا بالفرض فروخت کردیا تو اب زید کے اس گھر میں جانے سے حانث ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ گھر گرانے یا فروخت کرنے یا نیا بنانے کی صورت میں بکر حانث نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

و إن جعلت (الدار) بعد الانهدام بستاناً أومسجداً أوحماماً أوبیتاً أوغلب علیها الماء فصارت نهراً لایحنث وإن بنیت بعد ذلک .کهذا البیت وکذا بیتاً بالأولیٰ فهدم أو بنی بیتاً آخر ولو بنقض الأول لزوال اسم البیت. وفی الشامیة: قوله وإن بنیت بعد ذلک لأنه عاد اسم الداربسبب جدید فنزل منزلة اسم آخر. (الدرالمختارمع فتاوی الشامی: ٣/٧٤٦، سعید).

فتاوی شامی میں ہے:

قال فی البحر: فصار الحاصل : أن البیت لافرق فیه بین أن یکون منکراً أو معرفاً فإذا دخله وهو صحراء لایحنث لزوال الاسم بزوال البناء ...قوله لزوال اسم البیت أی بالانهدام لزوال مسماه وهوالبناء الذي یبات فیه. (فتاوی الشامی: ٣/٧٤٦،سعید).

بحر میں ہے:

لو حلف لایدخل هذا البیت فدخله بعد ما انهدم فإنه لایحنث لزوال اسم البیت فإنه لایبات فیه. (البحرالرائق:٤/ ٣٠٠۔وکذا فی فتح القدیر:٥/ ١٠٠، باب الیمین فی الدخول ، دارالفکر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

خانۂ کعبہ کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: خانۂ کعبہ کی قسم کھانے سے قسم ہوجاتی ہے یانہیں؟اور خانۂ کعبہ کی قسم کھانا درست ہے یانہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے غیراللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے،اور خانۂ کعبہ کی قسم کھانا غیراللہ کی قسم کھانے کے مترادف ہے،لہٰذا قسم منعقد نہیں ہوگی،اوراس قسم سے بچنا ضروری ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

و من حلف بغیر اللّٰه لم یکن حالفاً کالنبي صلی اللّٰه علیه و سلم و الکعبة لقوله علیه السلام من کان منکم حالفاً فلیحلف باللّٰه أو لیذر...الخ. (الهدایة:٢/ ٤٧٩).

اوجزالمسالک میں ہے:

وقال الطبری في حدیث الباب أن الیمین لا تنعقد إلا باللّٰه ، وان من حلف بالکعبة أو آدم أوجبرئیل أونحوذلک لم تنعقد یمینه ولزمه الاستغفار لإقدامه علی ما نهی عنه ولا کفارة في ذلک. (اوجزالمسالك:٩/ ٦٧٩).

مزید ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامی وادلته : ٣٨٧/٣۔وفتح الباری: ١١/ ٥٣٤۔والفتاوی الهندیة:٢/ ٥٣۔وقاموس الفقه:٥/ ٣٥٦). **واللہ ﷻ اعلم۔**

”لا إله إلا اللّٰه“ سے قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے ایک عالم دین سے کہا کہ ربیع الثانی کی دوسری تاریخ کواتوار کی شب

ہمارے یہاں جلسہ ہے آپ ہمیشہ ہماری بات کوٹالتے ہیں، اس مرتبہ آنے کا وعدہ کیجئے، اس عالم صاحب نے کہا: ”لا إله إلا الله، میں ضرور آؤں گا“ قسم ہوئی یا نہیں؟ اور نہ آنے کی صورت میں کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس علاقہ میں اگر اس کلمہ سے قسم کھانا معروف ومشہور ہو تو قسم منعقد ہوگئی، اور اگر معروف نہیں ہے تو پھر کہنے والے کی نیت قسم کی تھی تو قسم ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

فإن الأيمان مبنية على العرف، فما تعورف الحلف به فيمين و ما لا فلا. (الدرالمختار: ۷۱۲/۳، سعید).

وفي الشامية: لأن المتكلم إنما يتكلم بالكلام العرفي أعني الألفاظ التي يراد بها معانيها التي وضعت لها في العرف كما أن العربي حال كونه بين أهل اللغة إنما يتكلم بالحقائق اللغوية، فوجب صرف ألفاظ المتكلم إلى ما عهد أنه المراد بها، فتح. (فتاوى الشامي: ۷۴۳/۳، مطلب الايمان مبنية على العرف، سعيد).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

الأيمان مبنية على العرف والعادة فما تعارف الناس به يكون يميناً ومالم يتعارف الحلف به لايكون يميناً... الخ. (كتاب المبسوط: ۱۳۳/۸).

(وكذا في درر الحكام: ۴۰/۲۔ والاختيار لتعليل المختار: ۵۴۔ والبحر الرائق: ۲۹۷/۴).

احسن الفتاوی میں ہے:

حاش للہ بمعنی سبحان اللہ ہے اس سے قسم کا عرف ہو تو بلانیت بھی قسم ہو جائے گی، قسم متعارف نہ ہو تو بنیت قسم کہنے سے قسم ہوگی ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا یہی حکم ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴۸۸/۵). واللہ ﷻ اعلم۔

کعبہ پر غلاف چڑھانے کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قسم کھائی کہ واللہ میں خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھاؤں گا تو یہ قسم صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی قسم صحیح اور درست ہے اس لیے کہ یہ کام ممکن ہے کہ آدمی غلاف چڑھانے والوں کے ساتھ شریک ہوجائے۔ لہذا یہ کام لازم ہوگیا، پس اگر زندگی کے آخری لمحات تک اس کام کو انجام نہیں دیا تو حانث ہوجائے گا، اور کفارہ کی وصیت لازم ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

حلف ليأتينه فهو أن يأتي منزله أوحانوته لقيه أم لا، فلو لم يأته حتى مات أحدهما حنث في آخر حياته، وكذا كل يمين مطلقة . وفي الشامية: وكذا كل يمين مطلقة أي لاخصوصية للإتيان ، بل كل فعل حلف أن يفعله في المستقبل ولم يقيده بوقت لم يحنث حتى يقع اليأس عن البر مثل ليضربن زيداً أوليعطين فلانة أوليطلقن زوجة وتحقق اليأس عن البر يكون بفوت أحدهما. (فتاوى الشامي: ۳/۷۵۷، سعيد).

وفي تبيين الحقائق: لو حلف ليأتين زيداً أو البصرة أونحو ذلک فلم يأته حتى مات ، حنث في آخر جزء من أجزاء حياته ، لأن شرط الحنث فوت الإتيان وهو لا يتحقق إلا بما ذكرنا لأن البر مرجو ما دام حياً. (تبيين الحقائق: ۳/۱۲۲، امداديه ، ملتان).

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۲ـ والفتاوى الهندية: ۲/۱۱۰). **واللہ ﷻ اعلم۔**

" اليمين على نية المستحلف" کا مطلب:

سوال: فقہاء کے ہاں قاعدہ ہے "اليمين على نية المستحلف" یمین میں قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہے، اس قاعدہ کی کیا مثال ہے اور کیا مطلب ہے؟ اور اس میں ظالم اور مظلوم کا فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالف یعنی قسم کھانے والا ظالم ہو یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعہ ظلماً مدعی کے حق کو دبانا چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی بے حرمتی کرنا چاہتا ہے، تو قسم کھانے والا جو بھی نیت کرے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، بلکہ مستحلف یعنی قسم لینے والے کی نیت ہی معتبر

ہوگی۔

اس کی مثال صاحبِ محیط برہانی نے بایں الفاظ ذکر فرمائی ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

إذا ادعى عيناً في يدي رجل اني اشتريت منك هذا العين بكذا وأنكر الذي في يده الشراء، فأراد المدعي أن يحلف المدعى عليه بالله ما وجب عليك تسليم هذا العين إلى هذا المدعي فيحلف المدعى عليه على هذا الوجه ويعني التسليم إلى هذا المدعي بالهبة والصدقة لا بالبيع، وهذا إن كان صادقاً فيماحلف فلم يكن بما حلف يمين غموس حقيقة لأنه نوى ما يحتمله لفظه فهو يمين غموس معنى، لأنه قطع بهذا اليمين حق امرئ مسلم فلاتعتبر نيته. (المحيط البرهاني:٤/٤٢٨، نوع في تحليف الغير، المكتبة الرشيدية).

قاعدۂ مذکورہ بالا کی تفصیل:۔

فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قاعدہ "اليمين على نية المستحلف" مطلق نہیں ہے، بلکہ قدرے تفصیل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اس قاعدہ کا تعلق ماضی میں کسی امر پر قسم کھانے کے ساتھ ہے۔

قال في تهذيب القلانسي: اليمين على نية الحالف إن كان مظلوماً وإن كان ظالماً، فعلى نية المستحلف، وهذا على أمر في الماضي. (شرح الاشباه والنظائر:١/٩٧).

(۲) جب کہ حالف مستحلف کی مراد کے خلاف نیت کرے۔

قال في الظهيرية: رجل حلف رجلاً فحلف، ونوى غيرما أراد المستحلف، إن كان اليمين بالطلاق ...وإن كان اليمين بالله عزوجل، فإن كان الحالف مظلوماً تعتبر نيته. (شرح الاشباه والنظائر:١/٩٧).

(۳) حلف اللہ کے مبارک نام سے متعلق ہو، طلاق، عتاق وغیرہ سے متعلق نہ ہو۔

قال الشيخ الإمام الزاهد شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده: وهذا الذي ذكرنا في اليمين بالله، فأما إذا الستحلف بالطلاق والعتاق...الخ. (المحيط البرهاني: ٤/٤٢٨، المكتبة

الرشیدیۃ).

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

وإن كانت اليمين بالله تعالیٰ فإن كان الحالف مظلوماً كانت النية فيه إلى الحالف.

(منحة الخالق على البحر الرائق: ٤/٣٢٨، كوئته).

علامہ حمویؒ فرماتے ہیں:

فظهر بما نقلناه أن إطلاق المصنف مقيد بما ذكرنا إذا كان الحلف بالله تعالیٰ.

(حاشية الحموی علی الاشباه: ١/٩٧).

(۴) حالف ظالم ہو اور مستحلف مظلوم ہو۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان أن اليمين بالله عزوجل على نية الحالف أو المستحلف فقد روى عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن حمادؒ عن إبراهيمؒ أنه قال: اليمين على نية الحالف إذا كان مظلوماً وإن كان ظالماً فعلى نية المستحلف وذكر الكرخيؒ أن هذا قول أصحابنا جميعاً.

(بدائع الصنائع: ٣/٢٠، سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

قسم میں تعیینِ زمانہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں کل روزہ رکھوں گا، اور کل نہیں رکھا تو دوسرے دن رکھنے سے قسم پوری ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دوسرے دن روزہ رکھنے سے قسم پوری نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس شخص نے کل روزہ رکھنے کی قسم کھائی تھی، اور کل گزرنے پر وہ شخص حانث ہوگیا، کیونکہ کل سے مطلق مستقبل مراد نہیں لیا جاسکتا، اس لیے کہ قسم کا مدار عرف پر ہے اور عرف میں کل کے لفظ سے مستقبل مراد نہیں لیتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

قوله وإن حلف ليأتين البصرة ...فأما يطلقها أو يوقتها بوقت مثل لأفعلن غداً أو فيما بيني وبين يوم الجمعة...وفي المقيدة تتعلق بآخر الوقت ، فلومات قبل مضي الوقت ولم يفعل لم يحنث. (فتح القدير:۳/ ۱۱۰).

تبيين الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

قال الاتقاني : وأما التوقيت في الإتيان كقوله والله لأكلن هذا الرغيف اليوم فإنه لايحنث ما دام الحالف والمحلوف عليه قائمين واليوم باقٍ، أما إذا مضى اليوم يحنث وإن كانا قائمين لفوات البر ولفوات الوقت المعين...(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق:۲/ ۱۶۰).

قاموس الفقہ میں ہے:

اگر وقت وزمانہ کی قید کے ساتھ قسم کھائی گئی ہو، جیسے کہے کہ میں آج یہ روٹی کھا کر رہوں گا، تو جب تک حالف اور محلوف علیہ دونوں ہوں اور مقررہ وقت باقی ہو حانث نہیں ہوگا، اگر وقت گزر جائے اور یہ دونوں باقی ہوں تو بالاتفاق وہ حانث ہوجائیگا۔ (قاموس الفقہ:۳۵۸/۵). واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿ولیوفوا نذورهم...﴾

(سورة الحج، الآية:۲۹).

وقال تعالیٰ:

﴿یوفون بالنذر...﴾

(سورة الدهر: الآية: ٦).

باب......(۲)

نذر کا بیان

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"من نذر أن يطيع الله فليطعه

ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه"

(موطا إمام محمدؒ).

باب ...... ﴿۲﴾
نذر سے متعلق احکام

نذر منعقد ہونے کے لئے تلفظ ضروری ہے:

سوال: کیا نذر منعقد ہونے کے لئے زبان سے تلفظ ضروری ہے یا صرف دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ زبان سے تلفظ ضروری ہے، صرف دل کے ارادہ سے نذر منعقد نہیں ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

أقول: والنذر لا يكون إلا باللسان ولو نذر بقلبه لايلزمه بخلاف النية لأن النذر عمل اللسان والنية عمل القلب والنية المشروعة انبعاث القلب على شان أن يكون لله تعالىٰ كذا في البزازية. (حاشية درر الحكام في شرح غرر الاحكام: ۱/۲۱۲، باب الاعتكاف).

(وكذا في البزازية على هامش الهندية: ۴/۱۰۵، السادس في العتكاف).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في شرح الملتقى: والنذر عمل اللسان ... ولو نذر صوم الأيام المنهية أو صوم هذه السنة صح مطلقاً وسواء قصد ما تلفظ به أو لا ، ولهذا قال في الولوالجية : رجل أراد

أن يقول لله علي صوم فجرى على لسانه صوم لشهر كان عليه صوم شهر بحر . وكذا لو أراد أن يقول كلاماً فجرى على لسانه النذر لزمه لأن هزل النذر كالجد كالطلاق. فتح .
(فتاوى الشامي: ۲/۴۳۳، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم۔وكذا: ۳/۷۳۵، مطلب في احكام النذر).

آپ کے مسائل میں ہے:

صرف کسی بات کا خیال آنے سے منت نہیں ہوتی بلکہ زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل ۴/۴۱۹۔وکذا فی فتاوی حقانیہ ۵/۴۵)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

کسی معین شئی کی نذر میں اس کے خلاف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے بکری کی نذر مان لی تو اس کی جگہ بکرا یا دنبہ کی جگہ دنبی ذبح کرسکتا ہے یا نہیں؟اسی طرح بھینس کی جگہ گائے اور گائے کی جگہ بھینس اور جمعرات کی منت میں جمعہ کو ذبح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بکری کی جگہ بکرا یا دنبہ کی جگہ دنبی یا بھینس کی جگہ گائے وغیرہ ذبح کرسکتا ہے،لیکن اگر قیمت میں زیادہ تفاوت ہوتو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔اور جمعرات کو ذبح کرنے کی نذر میں جمعہ کے دن بھی ذبح کرسکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. وفي الشامي: وإنما لم يختص في النذر بزمان ونحوه خلافاً لزفر لأن لزوم ما التزمه باعتبار ما هو قربة لا باعتبارات أخر لا دخل لها في صيرورته قربة...نذر التصدق بهذه المائة يوم كذا على زيد فتصدق بمائة أخرى قبله جاز... (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۳/۷۴۱، احكام النذر، سعيد).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: **ولو قال لله علي أن أتصدق بدرهم يوم الخميس، فتصدق يوم الأربعاء جاز.** (الفتاوى التاتار خانية: ۲/۴۰۱).

احسن الفتاوی میں ہے:

نذر میں کسی زمان یا مکان یا فقیر کی تعیین کی تو یہ تعیین ناذر پر لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت میں یا دوسرے مکان میں یا دوسرے فقیر کو دینے سے بھی نذر ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر نذر میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہٖ یہی چیز دینا لازم نہیں، بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔قال في العلائية : والنذر لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدراهم على فلان فخالف جاز. رد المحتار:۲/ ۱۳۷ . (احسن الفتاوی:۵/۴۸۰).

امدادالفتاوی میں ہے:

(اونٹ کی منت میں سات بکریاں ذبح کرنا) اس صورت میں اختیار ہے خواہ سات بکریاں ذبح کر کے مساکین کو خیرات کر دیجئے یا متوسط درجہ کے اونٹ کی قیمت مساکین کو تقسیم کر دیجئے۔درمختار میں ہے : ولو قال لله علي أن أذبح جزوراً وتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز. وفي نذر أن يتصدق بعشرة دراهم فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. (امدادالفتاوی:۲/۵۵۲).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (امدادالاحکام:۳/۳۶-۳۷۔وفتاوی رحیمیہ:۹/۲۵،مبوب) . واللہ ﷻ اعلم۔

نذرِ ذبح منعقد ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میں اس بیماری سے صحت یاب ہو گیا تو بکرا ذبح کرونگا، تو یہ نذر منعقد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ذبح کی منت صحیح اور درست ہے۔لہٰذا صحت یاب ہونے پر بکرا ذبح کر کے اس کو صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

لو نذر بقتل شاة لا يلزمه ولو نذر بذبحها لزمه. (بدائع الصنائع : ۸۵/۵، سعيد).

فتاوی شامی میں ہے:

في الخانية: قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء إلا أن يقول: فللّٰه علي أن أذبح شاة. وهي عبارة متن الدرر، وعلّلها في شرحه بقوله: لأن اللزوم لا يكون إلا بالنذر والدال عليه الثاني، لا الأول ... ولكن في البزازية أيضاً: إن عوفيت صمت كذا، لم يجب مالم يقل: للّٰه علي، وفي الاستحسان يجب، ولو قال: إن فعلت كذا فأنا أحج، ففعل يجب عليه الحج. فعلم أن تعليل الدرر مبني على القياس، والاستحسان خلافه، وينافيه أيضا قول المصنف: علي شاة أذبحها، أو عبارة الفتح: فعلي بالفاء في جواب الشرط، إذ لا شك أن هذا ليس وعداً. ولا يقال: إنما لم يلزمه شيء لعدم قوله: للّٰه علي، لأن المصرح به صحة النذر بقوله: للّٰه علي حجة ... وحمل ما في الخانية والدرر من صحة قوله: للّٰه علي أن أذبح شاة على القول بأنه يكفي أن يكون من جنسه واجب. (فتاوى الشامي: ٣/ ٧٤٠، احكام النذر، سعيد).

امدادالفتاویٰ میں ہے:

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ذبح کرنا غیر ایام اضحیہ میں قربتِ مقصودہ نہیں اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ منذور بہ کا قربتِ مقصودہ ہونا چاہئے، پس اگر نذر بالذبح میں صرف ذبح سے پوری ہو جائے تو لازم آتا ہے کہ منذور بہ غیر قربتِ مقصودہ ہو، وہو باطل، اس سے معلوم ہوا کہ تصدق کو لازم کیا جائے گا تا کہ اس کے انضمام سے وہ قربت مقصودہ ہو جائے اس قاعدہ سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ تصدق واجب ہوگا، نیز ناذر کا قصد اس نذر ذبح سے یقیناً تصدق کا ہوتا ہے، پس عرفاً نذر بالذبح کا لفظ مستعمل نذر مجموع الذبح والتصدق میں ہے اور اس مجموع کے نذر میں فقہاء نے انعقاد نذر کی تصریح کی ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۲/ ۵۵۷) . واللہ ﷻ اعلم۔

دوگانہ نفل کی منت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کام کے ہونے پر روزانہ دو رکعت نفل کی منت مانی وہ کام ہو گیا، لیکن کچھ دنوں سے دو رکعت کی پابندی نہ ہوئی اب قضا کرے یا کفارہ دے دے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نماز کی قضا لازم ہے اس لئے کہ شرط معلق موجود ہے، اور یہ مسئلہ فوت شدہ نماز کی طرح ہے یعنی جب نماز فوت ہو جائے تو قضا ضروری ہے، کیونکہ صرف وقت فوت ہوا وجوب تو باقی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (رواه البخاري:۲/۹۹۱، باب النذر فی المعصیة).

درمختار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط ... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث: "من نذر وسمّى فعليه الوفاء بما سمّى" كصوم وصلاة ... الخ. (الدرالمختار مع فتاوی الشامي: ۳/۷۳۵، سعید).

تنویرالابصار مع الدرالمختار میں ہے:

ولو نذرت عبادة كصوم وصلاة في غد فحاضت فيه يلزمها قضاؤها لأنه يمنع الأداء لا الوجوب ولو نذرتها يوم حيضها لا، لأنه نذر بمعصية. (تنویرالابصار مع الدرالمختار: ۲/۴۳).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اس قسم کی نذر لازم ہو جاتی اور پورا کرنا اس کا لازم ہے، جو دوگانہ وقت پر ادا نہیں ہوا اس کی قضا لازم ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۱۲/۱۰۸، مدلل ومکمل) . واللہ ﷻ اعلم۔

روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ میں روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھوں گا، تو یہ نذر منعقد ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نذر پوری نہ کر سکے تو اس کا متبادل کیا ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ روزانہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی نذر صحیح ہے اور منعقد ہے، لہذا پورا

کرنا یعنی روزانہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا ضروری اور لازم ہے۔ اور اگر نہیں پڑھا تو اس کا بدل کفارۂ یمین ہے، یعنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولو نذر أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم كذا لزمه وقيل لا، قوله لزمه لأن من جنسه فرضاً وهو الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم مرة واحدة في العمر وتجب كلما ذكر وإنما هي فرض عملي ... (الدرالمختارمع فتاوی الشامی: ۷۳۸/۳، سعید).

البحرالرائق میں ہے:

لأن المذكور في ظاهر الرواية لزوم الوفاء بالمنذور عيناً منجزاً كان أو معلقاً وفي رواية النوادر هو مخيراً فيهما بين الوفاء وبين كفارة اليمين قال في الخلاصة: وبه يفتى فتحصل أن الفتوى على التخيير مطلقاً... (البحر الرائق: ۲۹۵/۴، کوئٹہ).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

ألزم على نفسه الحج إن فعل كذا لزمه الحج، ولا يجوز به كفارة اليمين. وعن القاضي المروزي أنه بالخيار إن شاء كفر، وعن الإمام أنه رجع وقال: تجب الكفارة، وعليه الفتوى لكثرة البلوى. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۲۷۱/۴، الثالث في النذر).

مزید ملاحظہ ہو: (الهداية مع فتح القدير: ۹۳/۵ـ والدر المختار: ۷۳۸/۳ـ وامداد الفتاوى: ۵۶۲/۲، انعقاد نذر درود شریف). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نذر بالمعصیۃ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گناہ کی نذر مان لی کہ اگر میرا کام ہوگیا تو میں ناچ گانا کراؤں گا، یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے لئے بکرا ذبح کروں گا، یا قبر پر غلاف چڑھاؤں گا، یا قبر پر گنبد بناؤں گا، یا عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھوں گا، طلوع یا غروب شمس کے وقت نماز پڑھوں گا، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: معصیت اور گناہ دو قسم کے ہیں: (۱) معصیت لذاتہ جیسے صورتِ مسئولہ میں ناچ گانا، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر بکرا ذبح کرنا، قبر پر غلاف، چادریں ڈالنا اور چراغ روشن کرنا، یا گنبد بنانا، یہ تمام چیزیں معصیت لذاتہا ہیں یعنی صرف گناہ ہی گناہ ہیں، ان میں طاعت یا عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے، لہذا نذر منعقد نہیں ہوگی، اور کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا، مگر یمین کی نیت کرے یعنی قسم کا پہلو بھی ساتھ شامل ہو تو کفارۂ یمین لازم ہوگا۔

(۲) معصیت لغیرہ: یعنی اصلاً تو مشروع ہو، لیکن خارجی شی ممنوع کی مجاورت کی وجہ سے ممنوع ہوگئی ہو مثلاً صورتِ مسئولہ میں عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا یا طلوع یا غروب شمس کے وقت نماز پڑھنا، تو روزہ اور نماز اصل کے اعتبار سے عبادت ہیں، لیکن ممنوع اوقات کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ممنوع ہوگئے، لہذا نذر منعقد ہوجائے گی، البتہ ان اوقات میں روزہ نماز سے روکا جائے گا، اور ان کا توڑنا واجب ہوگا، اور توڑنے کی بنا پر کفارہ لازم ہوگا، لیکن اگر کسی دوسرے دن روزہ رکھ لیا یا دوسرے اوقات میں نماز پڑھ لی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه. قال محمد رحمه الله وبهذا نأخذ من نذر نذرا في معصية ولم يسم فليطع الله وليكفر عن يمينه وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

وبهامش المؤطا: إن ظاهر الحديث أن مراده صلى الله عليه وسلم الإطلاق سميٰ أو لم يسم. (المؤطا للإمام محمد مع الحاشية: ص۳۲۷، باب من حلف أو نذر في معصية، قديمی).

درمختار میں ہے:

وفي البحر الرائق شرائطه خمس فزاد أن لا يكون معصية لذاته فصح نذر صوم يوم النحر لأنه لغيره، وفي الشامي: قال في الفتح: وأما كون المنذور معصية يمنع انعقاد النذر فيجب أن يكون معناه إذا كان حراماً لعينه أو ليس فيه جهة قربة. فإن المذهب أن نذر صوم

یوم العید ینعقد ویجب الوفاء بصوم یوم غیرہ ولو صامہ خرج عن العھدۃ ثم قال بعد ذلک قال الطحاوي: إذا أضاف النذر إلی المعاصي کللّٰہ علي أن أقتل فلاناً کان یمیناً ولزمتہ الکفارۃ بالحنث. (الدر المختار مع فتاوی الشامی:۳/۷۳۶، سعید).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ذکر الطحاوي رحمہ اللّٰہ أنہ لو أضاف النذر إلی ما ھو معصیۃ وعنی بہ الیمین بأن قال للّٰہ تعالی علی أن أقتل فلاناً کان یمیناً ویلزمہ الکفارۃ بالحنث لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام النذر یمین وکفارتہ کفارۃ الیمین. (المبسوط للإمام السرخسی: ۸/۱۳۹).

لیکن امام طحاوی اور امام محمدؒ کی عبارات سے یہ وہم ہوتا ہے کہ معصیت چاہے لعینہ ہو یا لغیرہ ہو بہر صورت کفارہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں موطا امام محمد میں ہے:

قال محمد : وبقول ابن عباس ﷺ نأخذ وھذا مما وصفت لک أنہ من حلف أو نذر نذراً في معصیۃ فلا یعصین ، ولیکفرن عن یمینہ . (المؤطا للإمام محمد مع الحاشیۃ : ص۳۲۸، باب من حلف أو نذرفی معصیۃ ، قدیمی).

اور امام طحاویؒ کی عبارت محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں نقل فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

قال الطحاوي: إذا أضاف النذر إلی سائر المعاصي کللّٰہ علي أن أقتل فلاناً کان یمیناً ولزمتہ الکفارۃ بالحنث. (فتح القدیر ۵/۹۲، فصل فی االکفارۃ، دار الفکر).

اس کا بہترین جواب حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے تکملہ فتح الملہم میں دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

تفصیلی کلام فرمانے کے بعد بطور خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:

فالحاصل : أنہ لا کفارۃ عند الحنفیۃ إذا نذر الرجل فعلاً ھو معصیۃ بعینہ، وأما إذا

كـان معصية لغيره، كصوم يوم النحر ، فإنه تلزمه الكفارة إذا لم يقض صوماً آخر مكانه، وأما إذا أراد بـالـنذر يميناً ، فيلزمه الحنث والكفارة في الصوم كلها، فاغتنم هذا التحرير ، والله الموفق . (تكملة فتح الملهم :٢/ ١٦٥، تحقيق مذهب الحنفية في وجوب الكفارة في النذر بالمعصية ـ وكذا في الفقه الحنفي وادلته: ٢ /٣١٨، بيروت).

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی عورت نے یہ منت مانی کہ فلاں کام اگر ہو جائے تو مولود پڑھواؤں گی، یا فلانے مزار پر چادر چڑھاؤں گی، یا بڑے پیر کی گیارہویں کروں گی، تو یہ منت صحیح نہیں ہے، اس کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوا۔ (دین کی باتیں: ص ۳۱۷، منت ماننے کا بیان)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص نے اس طرح نذر مانی ''اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا، تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا مزار پر بکرا ذبح کرنا جائز ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امر معصیت ہے، اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوئی اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: '' **وأن لا يكون معصية لذاته** ''.

حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجتِ من خدا بر آرد بمزارِ فلان ولی ایں قدر از نقد وجنس طعام پختہ برسانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر لازم می شود والا لازم نیست ...الی قولہ... چہارم آنکہ منذور فی نفسہ گناہ نباشد اگر گناہ خواہد شد اصلاً در نذر کردن بر و لازم نخواہد شد چنانچہ در فتاوی عالمگیری مرقوم است: **الأصـل أن الـنـذر لا يـصـح إلا بشـروط ...إلى قولـه... والرابع: أن لا يكون المنذور معصية باعتبار نفسه، انتهى.** (فتاوی رحیمیہ: ۹/ ۲۳، مبوب).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

انعقادِ نذر کے لئے منذور بہ کا قربتِ مقصود ہونا ضروری ہے اور مجلس میلاد قربت مقصود نہیں ہے، پس

صورتِ مسئولہ میں نذر منعقد نہیں ہوئی، لہٰذا ایفاء بھی واجب نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۴/۶۱ مبوب ومرتب)۔

خلاصہ یہ ہے کہ معصیت لعینہٖ کی نذر مانی تو اصل مذہب یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ نذر ہی منعقد نہیں ہوئی، لیکن اگر نذر سے یمین مراد لی تو کفارہ یمین واجب ہوگا، اور اگر معصیت لغیرہ کی نذر مانی مثلاً یوم النحر کے دن روزہ رکھنے کی اور کسی دوسرے دن روزہ نہیں رکھا تو کفارہ واجب ہوگا۔

ایک اشکال اور جواب:

لیکن اور ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک عورت آئی اور مسئلہ دریافت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے نذر مانی کہ میں اپنے بیٹے کی قربانی کروں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا بیٹے کی قربانی مت کر، اور قسم کا کفارہ ادا کردے۔ ملاحظہ ہو موطا امام محمدؒ میں ہے:

أخبرنا مالک، أخبرني يحيى بن سعيد قال: سمعت القاسم بن محمد يقول: أتت امرأة إلى ابن عباس ﷺ فقالت: إني نذرت أن أنحر ابني، فقال: لا تنحري ابنک، وكفري عن يمينک. (المؤطا للإمام محمد: ص۳۲۷، باب من حلف أو نذرفي معصية، قديمي).

وقال العلامة اللكنوي في تعليقه: وفي رواية عن ابن عباسؓ: ينحر مائة من الإبل مقدار دية النفس، وروي عنه أيضاً: ينحر كبشاً أخذاً من فداء إسماعيل على نبينا وعليه الصلاة والسلام. (التعليق الممجد على موطا محمد: ۱۷۲/۳، باب من حلف أو نذر في معصية).

علامہ شامیؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ولأبي حنيفة أن وجوب الشاة عليها خلاف القياس عرفناه استدلالاً بقصة الخليل.

(فتاوى الشامي: ۷۴۰/۳، سعيد۔و كذا في الفقه الحنفي وادلته:۳۱۸/۲،باب النذر، دمشق بيروت).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

و أما وجوب الشاة فيما إذا نذر بذبح ولده فإنه خلاف القياس، وإنما صار إليه أبو حنيفة رحمه الله استحساناً لأثر ابن عباس رضي الله عنهما، وإلا فالقياس أن لا يجب فيه

شيء لأنه معصية لعينه، كما صرح به السرخسي في المبسوط: (۱۳۹/۸)، **وراجعه للتفصيل، والله أعلم** . (تكملة فتح الملهم: ۱٦٦/۲).

خلاصہ یہ ہے کہ قیاس کے اعتبار سے کوئی چیز لازم نہیں ہونی چاہئے تھی اس لئے کہ معصیت لعینہا ہے، لیکن خلاف قیاس استحساناً امام ابوحنیفہؒ نے اس کو ترجیح دی۔ چونکہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لختِ جگر نورِ نظر حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ آسمانی مینڈھا ذبح فرمایا تھا جو کہ خلافِ قیاس من جانب اللہ حکم تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر بالمعصیۃ لعینہٖ پر ایک شبہ کا ازالہ:

سوال: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ نے قاموس الفقہ (۱۸۳/۵) میں تحریر فرمایا ہے کہ معصیت کی نذر میں معصیت کو ترک کرنا واجب ہے اور نذر کا پورا کرنا حرام ہے، البتہ کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہے، جبکہ فقہاء اور اکابر کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ کفارہ بھی لازم نہیں ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: بظاہر حضرت مولانا کی عبارت محل نظر ہے اور فقہاء کی تصریحات کی رو سے صحیح معلوم نہیں ہوتی، غالباً حضرت مولانا کا ذہن نذرِ معصیت کی تقسیم کی طرف نہیں گیا ہوگا۔

مولانا کی عبارت ملاحظہ ہو قاموس الفقہ میں ہے:

جس چیز کی نذر مانی گئی ہو وہ معصیت ہو، جیسے شراب پینے کی نذر ایسی نذر کو پورا کرنا حرام اور ترک کرنا واجب ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، البتہ جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوا اس صورت میں کفارہ قسم ادا کرنا واجب ہوتا ہے، آج کل میلاد منعقد کرنے کی نذر مانتے ہیں یہ سب اس حکم میں ہے اور اس کو پورا کرنا جائز نہیں بلکہ کفارہ قسم ادا کر دینا چاہئے اور آئندہ ایسی نذر سے توبہ کرنا چاہئے۔ (قاموس الفقہ: ۱۸۳/۵).

مذکورہ بالا عبارت میں مولانا نے معصیت لعینہٖ کی مثال پیش کی ہے، وبعدازاں وجوبِ کفارہ کا حکم تحریر فرمایا ہے، جب کہ فقہاء کی عبارات کے پیش نظر مسئلہ برعکس معلوم ہوتا ہے، لہٰذا صحیح اور راجح یہی ہے کہ معصیت

لعینہٖ کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

نذر میں اغنیاء اور فقراء کو شامل کرنے سے نذر کا حکم:

سوال: کسی طالب علم نے منت مانی کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوا تو مدرسہ کے سارے طلباء کو اللہ کے لئے کھلاؤں گا، اس سے نذر متحقق ہوئی یا نہیں؟ اور نذر میں اللہ کا کلمہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بقدر اغنیاء کے نذر منعقد نہیں ہوئی اور بقدر فقراء منعقد ہوگئی، لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ نذر صحیح اور لازم نہیں ہوئی، بظاہر حضرت تھانوی اور حضرت مفتی کفایت اللہ کے فتاویٰ میں تعارض ہے، تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ اگر ناذر کی نیت میں صرف فقراء ہوں تو پھر نذر منعقد ہوگئی، اور اگر مالدار اور فقراء سب کی نیت ہو تو پھر نذر منعقد نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں امدادالفتاوی میں ہے:

ایک سائل نے سوال کیا کہ "اگر میرا فلاں مقصود حاصل ہو تو ایک گائے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر کے محلّہ والوں کو کھلاؤنگا"، لیکن محلّہ میں مالدار اور غریب دونوں رہتے ہیں، ایفائے نذر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار: نذر التصدق علی الأغنیاء لم یصح مالم ینو أبناء السبیل.

وفیه: ولو قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة أو علي شاة أذبحها ...الخ.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بقدر اغنیاء کے نذر منعقد نہیں ہوئی اور بقدرِ فقراء منعقد ہوگئی، اور فقراء کو کھلانا ضروری ہوگا، اور اغنیاء نے اگر کھایا تو دیکھنا چاہئے کہ اس نے بقدر حصہ فقراء پکوایا ہے یا زیادہ، پہلی صورت میں اغنیاء کو کھانا درست نہیں، دوسری صورت میں درست ہے۔ (امدادالفتاوی:۲/۵۶۰۔ وامدادالاحکام:۳/۳۳).

کفایت المفتی میں ہے:

ایک شخص مسمی زید نے مرض میں گرفتار ہونے کی وجہ سے نذر مانی کہ اگر شافی مطلق نے مجھے کامل صحت مرحمت فرمائی تو میں مقابل مسجد یا فلاں مسجد کے مصلیوں کو کھانا کھلاؤں گا، اب وہ شی منذورہ زید نے صحت پا کر

یا قبل صحت تمام نمازیوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے، سوال یہ ہے کہ امراء واغنیاء جو نماز میں شامل ہوتے ہیں، وہ اس نذر کی شیرینی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب): فلاں مسجد کے تمام نمازیوں کو کھانا یا شیرینی کھلانا اگر بطورِ ہبہ یا اباحت مقصود تھا تو یہ قربت مقصودہ نہیں ہے، اور اگر بطورِ صدقہ مراد تھا تو چونکہ نمازیوں میں غنی اور محتاج دونوں شامل ہوتے ہیں، اور تصدق علے الغنی صحیح نہیں ہوتا، لہذا یہ نذر صحیح یعنی لازم نہیں ہوئی، اب اگر وہ کھانا یا شیرینی کھلائے تو تبرع ہوگا، اور اس تبرع میں نیت تصدق نہ ہو تو اغنیاء وفقراء دونوں کو کھانا جائز ہے۔

نذر التصدق على الأغنياء لم يصح ما لم ينو أبناء السبيل. (درمختار).

قلت: ولعل وجه عدم الصحة في الأول عدم كونها قربة، الخ. (رد المحتار).

ولو قال: إن فعلت كذا فلله علي أن أضيف جماعة قرابتي فحنث لا يلزمه شيء.
الفتاوى الهندية: ٢/٦٦. (کفایت المفتی: ۲/۲۴۶).

احسن الفتاوی میں ہے:

بقدر حصۂ اغنیاء نذر منعقد نہیں ہوئی اس لیے اس کا ایفاء واجب نہیں... بقدر حصۂ فقراء نذر صحیح ہے، اس کا ایفاء واجب ہے، اس سے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی: ۵/۴۹۰) . واللہ ﷻ اعلم۔

نذر میں لفظ اللہ ذکر کرنے کا حکم:

''انعقادِ نذر کے لئے لفظِ اللہ کا کلمہ ضروری نہیں ہے'' فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذرِ معلق منعقد ہونے کے لئے اللہ کا کلمہ کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ الفاظِ لزوم کی وجہ سے بھی نذر منعقد ہو جاتی ہے، ہاں الفاظ کا تلفظ ضروری ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

في الخانية: قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء إلا أن يقول: فلله علي أن أذبح شاة. وهي عبارة متن الدرر، وعللها في شرحه بقوله: لأن اللزوم لا

يكون إلا بالنذر والدال عليه الثاني، لا الأول، فأفاد أن عدم الصحة لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر، أى لأن قوله: ذبحت شاةً، وعد لا نذر، ويؤيده ما فى البزازية: إن سلِم ولدي أصوم ما عشت، فهذا وعد. لكن فى البزازية أيضاً: إن عوفيت صمت كذا، لم يجب مالم يقل: للّٰه علي، وفى الاستحسان يجب، ولو قال: إن فعلت كذا فأناْ أحج، ففعل يجب عليه الحج. فعلم أن تعليل الدرر مبني على القياس، والاستحسان خلافه، وينافيه أيضاً قول المصنف: علي شاة أذبحها، أو عبارة الفتح: فعلي بالفاء في جواب الشرط، إذ لا شک أن هذا ليس وعداً. ولا يقال: إنما لم يلزمه شيء لعدم قوله: للّٰه علي، لأن المصرح به صحة النذر بقوله: للّٰه علي حجة، أو علي حجة. (فتاوى الشامي: ۳/ ۷٤٠، كتاب الأيمان).

بدائع الصنائع میں ہے:

ركن النذر هو الصيغة الدالة عليه وهو قوله للّٰه عز شانه علي كذا أوعلي كذا أوهذا هدي أوصدقة أومالي صدقة أوما أملک صدقة ونحو ذلک. (بدائع الصنائع:۵/ ۸۱، كتاب النذر،سعيد).

علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

أما الصيغة فللّٰه، وعلي، ونذرت للّٰه، وأنا أفعل، إن كان معلقاً كأن أحج إن دخلت الدار، بخلاف أنا أحج، منجزاً. (البحر الرائق :ص ١٠٤ ط:مصر).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

الجواب: فى الدر المختار: الأيمان مبنية على العرف، فما تعورف الحلف فيه فيمين وما لا فلا.

اور نذر حکم یمین ہے، چنانچہ ”علي“ نذر کو صیغہ ایمان سے درمختار میں لکھا ہے، اس بناپر جو صیغے عرفاً اس میں مستعمل نہیں ہیں، ان سے نذر نہ ہوگی، اس لئے ”ہمارا ارادہ ہے“ نذر نہیں ہے، اور ”ہم پر ہر مہینے“ نذر ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۲).

مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں تحریر فرمایا ہے کہ جو الفاظ عرفاً نذر کے لئے مستعمل ہیں، ان سے بھی نذر منعقد ہوجاتی ہے۔(احسن الفتاوی ۴۸۵/۵) . واللہ ﷻ اعلم۔

حج کرانے یا چلہ میں بھیجنے کی نذر کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کہا ''اگر مجھے اللہ تعالی نے ایک سال میں بیٹا دیا تو میں زید کو حج کراؤنگا'' یا چلہ کے لئے بھیجوں گا، نذر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نذر لازم نہیں ہے، اس لیے کہ نذر اپنے فعل کی منعقد ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کے فعل کی، اور نذر عبادتِ مقصودہ کی منعقد ہوتی، جبکہ چلہ لگانا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ومن نذر نذرا مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب ... وهو عبادة مقصودة ... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث ''من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى''. وفي الشامي: (قوله : وهو عبادة مقصودة) ... وفى البدائع: ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة، فلا يصح النذر بعيادة المريض، وتشييع الجنازة، والوضوء، والاغتسال، ودخول المسجد، ومس المصحف، والأذان ...(قوله: لزم الناذر) أى لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها. (الدر المختار مع الشامي: ۷۳۵/۳،سعيد).

امداد الفتاوی میں ہے:

(سوال) کسی شخص نے اس شرط پر منت کی تھی کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ پسر عنایت فرمادے تو بارہ برس کے بعد کعبہ شریف میں بھیجوں گا، لیکن بوقتِ نذر تو انگر تھا، اب غریبی آ گئی، اب کیا کیا جائے ادائے منت اس پر واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) نذر اپنے فعل کی منعقد ہوتی ہے، نہ کہ دوسرے کے فعل کی، لہذا یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوئی۔
(امداد الفتاوی:۵۶۱/۲).

کفایت المفتی میں ہے:

(سوال) زید نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں کسی کو حج کراؤں گا، زید کا کام ہوگیا تو اب زید کے لئے واجب ہے کہ نذر کرائے؟

الجواب: یہ منت اس طرح لازم ہو جاتی ہے کہ میں خود حج کروں گا، لیکن کسی کو حج کراؤں گا اس طریق پر لازم نہیں ہوئی۔ (کفایت المفتی: ۲/۲۵۲).

احسن الفتاوی میں ہے:

زید نے نذر مانی کہ میرا ہاتھ صحیح ہوگیا تو چالیس دن تبلیغ یعنی جماعت میں جاؤں گا، تو یہ نذر صحیح ہوئی یا نہیں۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو جائز بھی ہے یا نہیں؟

(الجواب) صحتِ نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور عبادتِ مقصودہ ہو، تبلیغ عبادتِ مقصودہ نہیں، اس لئے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے۔ (احسن الفتاوی: ۵/۴۹۱) . واللہ ﷻ اعلم۔

نذرِ معین غیر معلق میں تعیین کا حکم:

سوال: ایک شخص نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی، پھر اس کو جمعہ کے دن سفر کرنا تھا، اس لئے جمعرات کو نذر کی نیت سے روزہ رکھا۔ کیا نذر پوری ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جمعرات کے دن روزہ رکھنے سے نذر پوری ہوگئی، دوبارہ روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ نذر معین غیر معلق کسی زمان ومکان کے ساتھ خاص نہیں ہوتی، اور قبل از وقت بھی اس کا ادا کرنا صحیح اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أو غيرها غير المعلق ولو معيناً لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير، فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز. وكذا لو عجل قبله، فلو عين شهرا للاعتكاف أو صوم فعجل قبله عنه صح.

(الدر المختار: ۲/ ۴۳۶، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم، سعید).

مراقی الفلاح میں ہے:

وألغينا تعيين الزمان وتعيين المكان وتعيين الدرهم والفقير، لأن النذر إيجاب الفعل بالذمة من حيث هو قربة لا باعتبار وقوعه في زمان ومكان وفقير، وتعيينه للتقدير به أو التأجيل إليه. وفي الطحطاوي: فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز. وكذا لو عجل قبله، فلو عين شهراً للاعتكاف أو للصوم فعجل قبله عنه صح.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص ۶۹۶، باب مایلزم الوفاء به، قدیمی) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

نذر معین معلق میں تعیین کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اس طرح نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امتحان میں پاس کر دیا تو میں جمعرات کو روزہ رکھوں گا، اب وہ شخص جمعرات کے علاوہ روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نذرِ معلق میں تقدیم جائز نہیں ہے، یعنی شرط پوری ہونے کے بعد روزہ رکھنا لازم ہوگا، اس سے پہلے رکھدیا تو دوبارہ رکھنا واجب ہے۔ پھر جمعرات کی کوئی تخصیص نہیں، شرط پوری ہونے کے بعد کسی بھی دن روزہ رکھ سکتا ہے۔ علامہ شامیؒ کی عبارت سے یہی مترشح ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی شامی میں ہے:

بخلاف النذر المعلق، فإنه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط. قلت: وقدمنا هناك الفرق وهو أن المعلق على شرط لا ينعقد سبباً للحال كما تقرر في الأصول، بل عند وجود شرطه، فلو جاز تعجيله لزم وقوعه قبل سببه فلا يصح. ويظهر من هذا أن المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر إلى التعجيل، أما تأخيره فالظاهر أنه جائز إذ لا محذور فيه. وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير، لأن التعليق إنما أثر في إنعقاد السببية فقط، فلذا امتنع فيه التعجيل وتعين فيه الوقت. أما المكان والدرهم والفقير فهي باقية على الأصل من

عدم التعيين، ولذا اقتصر الشارح في بيان المخالفة على التعجيل فقط حيث قال: فإنه لا يجوز تعجيله، فتدبر. (فتاوى الشامي:۷٤۱/۳، مطلب النذر الغير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير، سعيد) .

بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كان معلقاً نحو أن يقول: إن شفا الله مريضي ... فلله علي أن أصوم شهراً أو أصلي ... فوقته وقت الشرط، فما لم يوجد الشرط لا يجب بالإجماع، ولو فعل ذلک قبل وجود الشرط يكون نفلاً. (بدائع الصنائع: ۹۳/۵، سعيد۔ و كذا في فتح القدير :۳۸٦/۲، دار الفكر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

صوم الدہر کی نذر کی تحقیق:

سوال: ایک آدمی نے نذر مانی کہ جب تک میں زندہ رہوں گا روزہ رکھوں گا یا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، پھر بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے تو دشواری ہے، نہیں رکھتا ہے تو نذر کی خلاف ورزی ہے، اب کیا کرے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ روزہ رکھنے پر قدرت وطاقت نہ ہوتو فدیہ دیتا رہے، اور اگر فدیہ کی بھی وسعت نہ ہوتو استغفار کرتا رہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو أخر القضاء حتى صار شيخاً فانياً أو كان النذر بصيام الأبد فعجز لذلک أو باشتغاله بالمعيشة لكون صناعته شاقة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً ... وإن لم يقدر على ذلک لعسرته يستغفر الله أنه هو الغفور الرحيم. (الفتاوى الهندية:۲۰۹/۱).

درمختار میں ہے:

نذر ... صوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعيشة أفطر وكفر كما مرّ. وفي الشامية: وكذا ما في البحر: لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم

ويفطر، لأنه استيقن أنه لا يقدر على القضاء. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۲/ ٤۲۷،سعيد).

وقال العلامة الرافعي: هو ملحق بالشيخ الفاني. (تقريرات الرافعي على الشامي:۲/ ۱۵۲).

قال الشيخ محمد علي الصابوني في تفسير قوله تعالى: وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين. أى وعلى الذين يستطيعون صيامه مع المشقة لشيخوخته أو ضعف إذا أفطروا عليهم فدية بقدر طعام مسكين لكل يوم. (صفوة التفاسير :۱/ ۱۲۱).

وقال: معنى الآية: يطيقونه بجهد شديد ... والطاقة اسم لمن كان قادراً على الشيء مع الشدة والمشقة. (صفوة التفاسير: ۱/ ۱۲۳).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ میں مرتے دم تک ہمیشہ روزہ رکھوں گا، اب یہ شخص مرض اور کبرسنی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فدیہ دیتا رہے، فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے...الخ۔ (احسن الفتاوی:۵/ ۴۷۷).

واللہ ﷻ اعلم۔

نذرِ اطعام میں قیمت صدقہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرمائے تو میں دو دیگ بریانی کھلاؤں گا، تو بیٹا ملنے پر دو دیگ بریانی کی قیمت دے سکتا ہے یا کھلانا ہی ضروری ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بیٹا ملنے پر اس کو اختیار ہے چاہے تو دو دیگ بریانی پکوا کر فقراء کو کھلا دے یا اس کی قیمت تقسیم کردے، بہرصورت نذر پوری ہوجائے گی اور بری الذمۃ ہوجائے گا، اس لئے کہ نذر میں اپنی طرف سے جو قیودات لگائی جاتی ہیں ان کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

بخلاف النذر المعلق، فإنه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط. قلت: وقدمنا هناك

الفرق وهو أن المعلق على شرط لا ينعقد سبباً للحال كما تقرر في الأصول، بل عند وجود شرطه، فلو جاز تعجيله لزم وقوعه قبل سببه فلا يصح. ويظهر من هذا أن المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر إلى التعجيل، أما تأخيره فالظاهر أنه جائز إذ لا محذور فيه، وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير، لأن التعليق إنما أثر في إنعقاد السببية فقط، فلذا امتنع فيه التعجيل وتعين فيه الوقت. أما المكان والدرهم والفقير فهي باقية على الأصل من عدم التعيين، ولذا اقتصر الشارح في بيان المخالفة على التعجيل فقط حيث قال: فإنه لا يجوز تعجيله، فتدبر. (فتاوى الشامي:٣/٧٤١، كتاب الأيمان، سعيد).

وفي الطحطاوي على الدر المختار: (قوله: لزم الناذر) أي وجوباً كما في الهداية. وأراد بلزومه لزوم أصل القربة التي التزمها، لا بكل وصف التزمه، لأنه لو عين درهماً أو فقيراً أو مكاناً للتصدق أو للصلاة فإن التعيين ليس بلازم. بحر...(قوله: لا يختص بشيء) أي من الفقير والدرهم والزمان والمكان، وذلک لأن المقصود التقرب إلى الله تعالىٰ بدفع حاجة الفقير، فلا مدخل لخصوص المكان. قال الفقيه: وهو قول علمائنا الثلاثة خلافاً لزفرؒ. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ٢/٣٤٠، كتاب الأيمان).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر نذر میں کوئی چیز متعین کردی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہ یہی چیز دینا لازم نہیں، بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔(احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۰) . واللہ ﷻ اعلم۔

تجارت میں ترقی کی نذر کا حکم:

سوال: میں نے نذر مانی ہے کہ ۱۹۸۷ء میں میرے بزنس کی آمدنی جس مہینہ ۳۰۰۰۰ تیس ہزار رینڈ سے زائد ہوئی تو میں ایک روزہ رکھوں گا، پھر جون ۱۹۸۷ء میں میرے والدصاحب اور اکتوبر ۱۹۸۹ء میں میرا بھائی میرے ساتھ کاروبار میں شریک ہوگئے، والدصاحب کا کہنا ہے کہ اب جب بزنس میں شرکت ہوگئی ہے، اس لئے

مجھ پر روزہ رکھنا ضروری نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر آپ کی نیت ترقی تجارت پر روزہ رکھنے کی تھی، یعنی اگر اللہ تعالیٰ میری تجارت میں برکت دے اور ترقی حاصل ہو اور کل آمدنی ۳۰۰۰۰ سے زائد ہو تو روزہ رکھوں گا، اگر یہ نیت تھی تو جس ماہ میں ۳۰۰۰۰ رینڈ سے زائد آمدنی حاصل ہو، آپ پر روزہ رکھنا لازم ہے، تجارت میں شرکت اس کے منافی نہیں۔ ہاں اگر آپ کی نیت یہ تھی کہ جس ماہ میرے حصے میں ۳۰۰۰۰ کا نفع حاصل ہوگا تو اس ماہ روزہ رکھوں گا، تو شرکت کے بعد کل آمدنی ۳۰۰۰۰ ہونے پر روزہ لازم نہیں ہوگا، بلکہ جب آپ کے حصے میں ۳۰۰۰۰ حاصل ہوں گے تب آپ پر روزہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه. (المؤطا للإمام محمد: ص۳۲۷، باب من حلف أو نذرفي معصية، قديمي).

وفي التعليق الممجد: (قوله: فليطعه) أي وجوباً، فإن المباح يصير واجباً بالنذر لقوله تعالى: ﴿وليوفوا نذورهم﴾. (التعليق الممجد على مؤطا امام محمد :۳/۱۷۰).

درمختار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب أي فرض، كما سيصرح به تبعاً للبحر والدرر، وهو عبادة مقصودة... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث "من نذر وسمّى فعليه الوفاء بما سمى" كصوم وصلاة وصدقة. وفي الشامي: (قوله: لزم الناذر) أي لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها، لا بكل وصف التزمه. (قوله: لحديث) قال في الفتح: هو حديث غريب إلا أنه مستغنى عنه، ففي لزوم المنذور الكتاب والسنة والإجماع. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:۳/۷۳۵، مطلب في أحكام النذر).

واللہ ﷻ اعلم۔

اولاد کی نذر میں ولد الزنا کا حکم:

سوال: ایک عورت شادی شدہ ہے اور اس نے منت مانی تھی کہ اگر اس کو اولاد ہوئی تو میں اس بچہ کو لے کر عمرہ کروں گی، مگر ڈاکٹروں کی تحقیق یہ تھی کہ اس کے شوہر سے اس کو اولاد نہیں ہوسکتی، پھر اس نے زنا کیا اور اس زنا کے نتیجے میں اس کو بچہ پیدا ہوا ہے، اب کیا اس عورت پر عمرہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت پر عمرہ کر کے اپنی نذر کا ایفاء کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ اس نے اولاد کی منت مانی، اور بچہ پیدا ہوا اور بچہ ثابت النسب بھی ہے۔حدیث میں آتا ہے:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر"

لہٰذا شرط معلق پوری ہونے پر ایفائے نذر لازم ہوجاتا ہے، ہاں عورت اس فعل قبیح کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوئی، اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ثم إن المعلق فيه تفصيل، فإن علقه بشرط يريده كإن قدم غائبي أو شفي مريضي، يوفي وجوبا إن وجد الشرط. وفي الشامي: (قوله: إن المعلق) إعلم أن المذكور في كتب ظاهر الرواية أن المعلق يجب الوفاء به مطلقاً: أي سواء كان الشرط مما يريد كونه أى يطلب حصوله كإن شفى الله مريضي أو لا كإن كلمت زيداً. (الدرالمختار مع فتاوى الشامي: ۷۳۸/۳ أحكام النذر، سعيد) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

نذرِ ذبح مع تقسیمِ لحم کی منت میں تصدق بالقیمۃ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بکری ذبح کر کے تقسیم کرنے کی منت مانی، پھر اس نے سوچا کہ اس میں رشتہ داروں کی ناراضگی کا خطرہ ہے، کیونکہ صرف فقراء کو دیا جاسکتا ہے تو باقی رشتہ دار ناراض ہوجائیں گے، اس لئے

بکری کی قیمت چپکے سے فقراء کو دینا چاہئے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاوی کی طرف رجوع کیا تو بظاہر تعارض ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے ''امدادالاحکام'' میں ناجائز فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت ادا پر صدقہ کرنے سے نذر ہو گی یا نہیں اور بہتر جانور دینا ہے یا اس کی قیمت؟

الجواب: اگر نذر ذبح حیوان کی تھی تو ذبح ہی واجب ہے، تصدق قیمت کافی نہیں، اور اگر ذبح کی نیت نہ تھی تو تصدق قیمت بھی کافی ہے۔ (امدادالاحکام ۳/۴۲).

اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے جائز فرمایا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

اضحیہ کے سوا نذرِ ذبح سے نذرِ تصدق لحم مقصود ہے، ورنہ نفس ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ اضحیہ کے سوا ذبح حیوان عبادتِ مقصودہ نہیں... جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدق لحم مقصود ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبح حیوان واجب نہیں، بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکرا ذبح کر کے گوشت صدقہ کرے، یا بکرا زندہ صدقہ کر دے، یا اس کی قیمت صدقہ کر دے، یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز۔

قال في شرح التنوير: نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. (رد المحتار ۳/۷۲). (احسن الفتاوی:۵/۴۸۳).

اب یہ شخص حیران ہے اور سوچ رہا ہے کہ بکری کی جگہ اس کی قیمت دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: فتاوی بزازیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بکری کو ذبح کرنا چاہئے، اس لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے فتوے پر عمل ہونا چاہئے اور اس میں احتیاط بھی ہے۔ اور فراغ ذمہ یقینی ہے۔ نیز اراقتِ دم ایام قربانی کے علاوہ عبادت نہیں، لیکن اس کی جنس میں قربانی لازم ہے، اور جب اس کے ساتھ تصدقِ لحم مقصود ہو تو وہ عبادت بن گئی۔

فتاوی بزازیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة أو علي شاة أذبحها فصح لا يلزمه شيء

ولو قال:علي شاة أذبحها و أتصدق بلحمها لزمه. لله علي أن أذبح جزوراً و أتصدق بلحمه يذبح مكانه سبع شياه. لزمه إراقة شاتين وسطين فذبح شاة سمينة تعدل وسطين لا يجزئه، لأن المقصود الإراقة و التصدق باللحم، و السمينة و إن عادلتهما في اللحم لاتعادلهما في الإراقة. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٢٧١/٤) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

نذرِ ذبح میں مقصود اراقۃ الدم کی واضح نظیر:

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی منت مانی تو فقہاء نے فرمایا کہ بیٹے کے بدلے بکری ذبح کرے۔

ملاحظہ فرمائیں تاتارخانیہ میں ہے:

إذا نذر الرجل ذبح ولده لزمه شاة لكل واحد يذبحها بمكة. (الفتاوى التاتارخانية: ٤٣/٥۔ و كذا في الفقه الإسلامي و أدلته:٣١٨/٢ باب النذر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

توبہ توڑنے پر صدقہ کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص شراب کا عادی تھا، اس کو توبہ کی توفیق ہوئی، اس نے یہ کہا کہ اگر آئندہ میں نے شراب پی تو اللہ کے لیے فقیروں کو دس ہزار رینڈ صدقہ دوں گا، اتفاقاً اس نے شراب پی لی، اب اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ دس ہزار رینڈ صدقہ کرنا لازم ہے یا اس کی جگہ دوسری کسی چیز کی گنجائش ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور کو اختیار رہے چاہے دس ہزار رینڈ صدقہ کرے یا کفارۂ یمین ادا کرے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن علقه بمالم يرده كأن زنيت بفلانة مثلاً وفى بنذره أو كفرليمينه على المذهب لأنه نذر بظاهره يمين بمعناه فيتخير ضرورة. (الدرالمختار:٧٣٩/٣، ط: سعيد).

فتاوی شامی میں ہے:

ولـذا صـح الـنذر في قوله : إن زنيت بفلانة ، لكنه يتخير بينه وبين كفارة اليمين لأنه إذا كـان لا يريده يصير فيه معنى اليمين فيتخير... (فتاوى الشامی: ۷۳۹/۳، ط: سعيد۔و كذا فی حاشية الطحطاوى على الدر المختار:۲/ ۳٤٠،كوئته۔وفقه الحنفی وادلته:۲/ ۳۱۷،باب النذر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

مطلق صدقہ کی نذر کا حکم:

سوال: ایک آدمی کی بچی بیمار تھی، اس نے نذر میں یہ الفاظ کہے، کہ اگر میری بچی بیماری سے شفایاب ہوگئی تو میں کچھ صدقہ کروں گا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچی ٹھیک ہوگئی، اب اس آدمی پر کتنا صدقہ کرنا لازم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخصِ مذکور پر دس صدقۂ فطر کی مقدار قیمت یا اس کے برابر کوئی اور چیز صدقہ کرنا ضروری ہے، یعنی اگر گندم سے ادا کرے تو پانچ صاع یا اس کے برابر نقد یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے۔خواہ ایک مسکین کو دیدے یا زیادہ کو بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔

نوٹ: ۵ صاع کی مقدار جدید پیمانہ کے اعتبار سے تقریباً ۱۶ کیلوگرام ہوتی ہے۔

قـال فـي الدر المختار: ولونوى صياماً بلاعدد لزمه ثلا ثه أيام ولوصدقة فإطعام عشرة مسـاكيـن كـالـفطرة، قال ابن عابدين: قوله ولوصدقة، أي بلا عدد (قوله كالفطرة) أي لكل مسكين نصف صاع بر. (الدر المختار مع فتاوى الشامی:۳/ ۷٤۲،ط: سعيد).

قـال الـعـلامة الـرافـعيؒ : قول الشارح فإطعام عشرة مساكين : لأن أقل ما أوجبه الله تعالىٰ في كتابه من الصدقة عشرة مساكين ، سندى. (التحرير المختار:۳/ ۱٦،سعيد).

احسن الفتاوی میں ہے:

الفاظِ نذر میں صدقہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی...اس صورت میں اطعام عشرۃ مساکین واجب ہے، یعنی مقدار صدقۃ الفطر سے دس گناہ زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے، خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔(احسن الفتاوی: ۴۸۴/۵)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مدرسہ بنانے کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر میری بیوی کو اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے شفادی تو میں طلبہ علم دین کے لیے مدرسہ بناؤں گا، کیا یہ نذر درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مدرسہ بنانے کی نذر صحیح اور درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق نذر منعقد ہونے کے لیے اس کا عبادتِ مقصودہ ہونا ضروری ہے، اور مدرسہ بنانا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تنویر الابصار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أومعلقاً بشرط وكان من جنسه واجب وهوعبادة مقصودة ووجد الشرط لزم الناذر. وفي الشامية: قوله وهو عبادة مقصودة ... قال في الفتح مما هو طاعة مقصودة لنفسها و من جسها واجب ... و في البدائع : و من شروطه أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض و تشييع الجنازة و الوضوء والاغتسال ودخول المسجد... وبناء الرباطات والمساجد وغيرذلک وإن كانت قرباً إلا أنها غير مقصودة.

(تنویرالابصار مع فتاوی الشامی:۳/۷۳۵، مطلب فی احکام النذر،سعید).

احسن الفتاوی میں ہے:

تعمیر مسجد اگرچہ واجب ہے مگر عبادتِ مقصودہ نہیں لہذا یہ نذر واجب الاداء نہیں۔ (احسن الفتاوی:۵/۴۷۸).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (عزیز الفتاوی:ص۵۵۶۔ وکفایت المفتی:۵/۲۵۱).

الغرض جب مسجد بنانے کی منت صحیح نہیں تو مدرسہ کی بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہوگی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ذکر اللہ کی نذر کا حکم:

سوال: اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ اگر میں ڈاکٹری کے امتحان میں پاس ہوگیا تو ایک لاکھ مرتبہ اللہ تعالیٰ

کا ذکر کروں گا، کیا نذر ہوئی یا نہیں؟ اور ذکر اللہ کی جگہ سبحان اللہ والحمدللہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نذر منعقد ہونے کے لیے اس کا عبادتِ مقصودہ ہونا اور جنسِ واجب ہونا ضروری ہے، بصورتِ مسئولہ ذکر اللہ عبادتِ مقصودہ ہے اور اس کی جنس میں سے تکبیراتِ تشریق، احرام میں تلبیہ یا اس کے قائم مقام ذکر وغیرہ واجب ہے، لہٰذا ذکر اللہ کی منت صحیح اور درست ہے اور امتحان میں کامیاب ہونے پر ایک لاکھ مرتبہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا لازم ہوگا، ہاں ذکر اللہ میں سبحان اللہ والحمدللہ بھی شامل ہے اور اس سے بھی نذر پوری ہوجائے گی۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

والأصل في ذلک أن كل ما كان له أصل في الفروض لزم الناذر بنذره، وكل مالم يكن له أصل في الفروض لايلزم الناذر بنذره. (الفتاوى التاتارخانية:٥/٤٠، ادارة القرآن).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله ولو نذر التسبيحات)...تكبير التشريق واجب على المفتى به وكذا تكبيرة الإحرام، وتكبيرات العيدين فينبغي صحة النذر به بناء على أن المراد بالواجب هو المصطلح. (فتاوى الشامي: ٧٣٨/٣، سعيد).

الفتاوى الهندية میں ہے:

الباب الثالث في الإحرام...فالركن أن يوجد منه فعل من خصائص الحج وهو نوعان أحدهما قول بأن يقول : لبيك اللّٰهم لبيك ...الخ، وهي مرة شرط...ولو كان مكان التلبية تسبيح أوتحميد أوتهليل أو تمجيد أو ما أشبه ذلك من ذكر اللّٰه تعالىٰ ونوى به الإحرام صار محرماً... (الفتاوى الهندية:١/٢٢٢).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

أحب الكلام إلى اللّٰه أربع سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر... (مصنف ابن ابی شيبة:١٥/٤١٠).

بخاری شریف میں ہے:

کلمتان حبیبتان إلی الرحمن، خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، سبحان اللّٰہ وبحمدہ، سبحان اللّٰہ العظیم. (صحیح البخاری:۲/۱۱۲۹) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

خانۂ کعبہ کے لیے تیل لے جانے کی منت کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ میں مسجد یا خانۂ کعبہ کے لیے تیل لے جاؤں گا تو یہ نذر منعقد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ خانۂ کعبہ یا مسجد کے لیے تیل لے جانے کی نذر منعقد نہیں ہوئی اور اس کا پورا کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ خانۂ کعبہ یا مسجد کے لیے تیل لے جانا نہ عبادتِ مقصودہ ہے اور نہ جنس واجب ہے۔

قال في الدر المختار: ولم یلزم الناذر ما لیس من جنسہ فرض کعیادۃ مریض وتشییع جنازۃ ودخول مسجد ولو مسجد الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم أو الأقصی ، لأنہ لیس من جنسہا فرض مقصودۃ، وہذا ہو الضابط کما فی الدرر. (الدر المختار:۳/۷۳۶،سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق:٤/۲۹٦، کوئٹہ۔وفتح القدیر: ٥/۹۱، دار الفکر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

طلباء پر خرچ کرنے کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا: میں ہر ماہ اپنی تنخواہ میں سے ۱۰۰ رینڈ دارالعلوم کے طلباء پر خرچ کروں گا، کیا ان الفاظ سے نذر صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ جملہ میں کوئی صیغۂ التزام نہیں ہے اور نہ التزام پر دال ہے، لہٰذا ان الفاظ سے نذر منعقد نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

ركن النذر هو الصيغة الدالة عليه وهو قوله لله عز شانه علي كذا أوعلي كذا أوهدي أوصدقة أومالي صدقة. (بدائع الصنائع:٥/٨١،سعيد).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: ایک شخص نے بحالت بیکاری زبان سے حسب ذیل جملے ادا کیے اوران کلمات کی ادائیگی کے وقت نیت بھی پختہ تھی، وہ جملے یہ ہیں: میں اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ غرباء ومساکین کواور بیسواں حصہ مساجدو عیدگاہ کودیا کروں گا، اب وہ شخص کہتا ہے کہ آمدنی کا حساب کرنا پھراس کا چالیسواں اور بیسواں حصہ نکالنا اس وقت مجھے سخط دشوار ہے، اب میں کیا کروں، اس گناہ سے کس طرح بچوں؟

الجواب: اگر الفاظ وہی استعمال کیے تھے جوسوال میں مذکور ہیں ان کے ساتھ کوئی لفظ ایسانہیں کہا کہ میری ملازمت ہوگئی یا آمدنی ہوگئی تو میں ایسا کروں گا، نیز کوئی لفظ لزوم وجوب کا مثلاً اللہ کے لیے ایسا کروں گا یا میرے ذمہ ہے کہ ایسا کروں اس قسم کا کوئی لفظ الفاظ مذکورہ کے ساتھ نہیں کہا تو یہ الفاظ مذکورہ نہ یمین کے الفظ ہیں اور نہ نذر کے ان سے اس شخص کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوئی اسے اختیار ہے کہ جس وقت جتنا آسان سمجھے صدقہ وخیرات کرے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنے رسالہ "النذر بالتصدق" میں نذر کے صیغے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "أما الصيغة فـ لله وعلي ونذرت لله وأناْ أفعل إن كان معلقاً كأناْ أحج إن دخلت الدار بخلاف أناْ أحج منجزاً. (آخر الاشباه والنظائر:طبع مصر صفحة:١٠٤). اس عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ کہنے والے کی نیت اگر چہ نذر کی ہو مگر جب تک الفاظ لزوم وغیرہ نہ کہے محض نیت سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔ (امداد المفتین: ۲/۶۱۲، دارالاشاعت).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نذر کے لیے صیغہ التزام ضروری ہے... (فتاوی محمودیہ:۱۴/۵۹، مبوب ومرتب). واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:
﴿فکفارته إطعام عشرة مسٰكين
من أوسط ماتطعمون أهليكم
أو كسوتهم أو تحرير رقبة،
فمن لم يجد فصيام ثلٰثة أيام،
ذٰلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾
(سورة المائدة،الآية:۸۹)

باب ...... ﴿۳﴾

کفارۂ یمین کا بیان

باب……(۳)

کفارۂ یمین کا بیان

کفارۂ یمین میں روزے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی یمین سے وسعت وغنا کے وقت حانث ہوا، لیکن جب کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت محتاجگی شروع ہوگئی اور کفارہ کے لئے کوئی رقم یا کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ تو اب روزے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کفارہ میں وقتِ ادا کا اعتبار ہے، لہذا ادا کرتے وقت تنگ دست ہے تو کفارہ میں روزہ رکھنے کی گنجائش ہے۔ یعنی مسلسل تین روزے رکھے، اور اگر مالداری تک انتظار کرلے تب بھی بلا کراہت جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الثالث فهو كفارة اليمين، لأن الواجب فيها أحد الأشياء الثلاثة باختياره فعلاً غير عين، وخيار التعيين إلى الحالف يعين أحد الأشياء الثلاثة باختياره فعلاً … فإن لم يجد شيئاً من ذلك فعليه صيام ثلاثة أيام … إن الكفارات كلها تجب على التراخي، هو الصحيح من مذهب أصحابنا في الأمر المطلق عن الوقت حتى لا يأثم با لتأخير عن أول أوقات الإمكان

ویکون مؤدیاً لا قاضیاً ... (بدائع الصنائع:٥/٩٦، سعید).

(وکذا فی البحر الرائق:٤/٢٨٩۔ وتبیین الحقائق:٣/١١٢۔ والمبسوط:٨/١٢٨۔والفقه الإسلامي وأدلته: ٣/٤٩٠).

وفی الشامي: لا یجوز الصوم لمن یملک ما هومنصوص علیه فی الکفارة أو یملک بدله فوق الکفاف. (قوله: وقت الأداء) أی لا وقت الحنث فلو حنث موسراً ثم أعسر جاز له الصوم، وفي عکسه لا... (قوله: ولاء ... متتابعة لقراء ة ابن مسعود رضی اللہ عنہ وأبي رضی اللہ عنہ ... **فصیام ثلاثة أیام متتابعات.** (فتاوی الشامي: ٣/٧٢٧،سعید۔ وکذا فی البدائع: ٥/١٠٢۔١١١، سعید).

وفی البحر الرائق: ولا یجوز التکفیر بالصوم إلا لمن عجز عما سوی الصوم ... والاعتبار فی العجز وعدمه وقت الأداء لا وقت الحنث، فلو حنث وهو معسر ثم أیسر لا یجوز له الصوم، وفي عکسه یجوز. ویشترط استمرار العجز إلی وقت الفراغ من الصوم، فلو صام المعسر یومین ثم أیسر لا یجوز له الصوم. کذا فی الخانیة. (البحر الرائق:٤/٢٩٠۔وتبیین الحقائق:٣/١١٢۔ و فتاوی محمودیه: ١٤/٥٥، مبوب ومرتب) . **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

طعامِ کفارہ مدرسہ کے طلباء کوکھلانے کا حکم:

سوال: مدارس کے طلباء کو کفارہ کا کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مدارس کے مسکین وفقیر طلباء کو کفارہ کا کھانا کھلانا جائز ہے، مالدار طلباء کوکھلانا جائز نہیں۔

قال اللّٰہ تعالی:﴿ فإطعام عشرة مساکین من أوسط ما تطعمون أهلیکم﴾. (سورة المائدة:٨٩).

درمختار میں ہے: وکفارته ...إطعام عشرة مساکین. (الدر المختار: ٣/٧٢٥، سعید).

امدادالفتاوی میں مرقوم ہے:

فقراء کوکھلانا ضروری ہے...اغنیاء کوکھلانا درست نہیں۔(امدادالفتاوی ۲/۵۶۰) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مسکین کو متعدد فدیئے دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص پر کفارہ لازم ہے یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے، لیکن اس نے ساٹھ مسکینوں کے کھانے کی رقم ایک ہی فقیر کو دیدی اور بتلایا کہ آپ یہ ساٹھ دنوں تک استعمال کرو یا یہ ساٹھ دنوں کے لئے ہے، تو کفارہ ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایک ہی فقیر کو ایک ہی مرتبہ ۶۰ دنوں کے لئے دینا جائز نہیں ہے اور اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ہاں اگر کسی کو وکیل بنایا کہ آپ یہ رقم ساٹھ دنوں میں فقیر کو دیا کرو تو یہ درست ہے، لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ دیا تو اس کے جواز کے بارے میں صاحبِ ہدایہ نے اختلاف نقل کیا ہے۔ بعض اس کو جائز کہتے ہیں اور دیگر بعض ناجائز، علامہ شامیؒ نے عدم جواز کو صحیح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اصل مقصد فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ہے اور ہر دن حاجت بدلتی رہتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وإن أعطى مسكيناً واحداً ستين يوماً أجزأه، وإن أعطاه في يوم واحد لم يجزه إلا عن يومه، لأن المقصود سد خلة المحتاج، والحاجة تتجدد في كل يوم، فالدفع إليه فى اليوم الثاني كالدفع إلى غيره، وهذا في الإباحة من غير خلاف. وأما التمليك من مسكين واحدفي يوم واحد بدفعات فقد قيل: لا يجزئه، وقدقيل: يجزئه، لأن الحاجة إلى التمليك تتجدد في يوم واحد، بخلاف ما إذا دفع بدفعة واحدة، لأن التفريق واجب بالنص. (الهداية ٢/٤١٥ فصل في كفارة الظهار).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله "عشرة مساكين" أي تحقيقاً أو تقديراً، حتى لو أعطى مسكيناً واحداً في عشرة

أيام كل يوم نصف صاع يجوز، ولو أعطاه في يوم واحد بدفعات في عشر ساعات قيل: يجزى، وقيل: لا، وهو الصحيح، لأنه إنما جاز إعطاؤه فى اليوم الثاني تنزيلاً له منزلة مسكين آخر كتجدد الحاجة، من حاشية السيد أبى السعود. (فتاوى الشامي: ۳/۷۲۵، سيعد).

وفى الهداية: وإن أمر غيره أن يطعم عنه من ظهاره ففعل أجزأه، لأنه استقراض معنى، والفقير قابض له أولاً ثم لنفسه، فتحقق تملكه ثم تمليكه. (الهداية: /٤١٤، فصل في كفارة الظهار).

درمختار میں ہے:

وفى الأشباه: جاز التوكيل بكل ما يعقده الوكيل لنفسه... وفي تكملة ردالمحتار: وفى المجمع: وتجوز الوكالة بكل عقد يجوز للموكل مباشرته. وقال فى الهداية: كل عقد جاز أن يعقده الإنسان لنفسه جاز أن يوكل به غيره. (تكملة ردالمحتار مع الدرالمختار: ۷/۳٦۰، قبيل باب الوكالة بالخصومة والقبض، سعيد). واللہ ﷻ اعلم۔

تداخلِ کفارات کا حکم:

سوال: ایک شخص نے چند مرتبہ قسم کھائی اور کئی مرتبہ حانث ہوا، کتنے کفارے لازم ہیں؟ کیا ایک کافی ہے؟

الجواب: تعددِ یمین پر تعددِ کفارہ کے دو قول ہیں:

(۱) تداخل کا قول شامیؒ نے بغیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (۲) اور عدمِ تداخل کا قول ہندیہ، التحریر المختار للرافعی میں ہے، اور بحر نے خلاصہ وتجرید سے نقل کیا ہے۔

پہلا قول آسان اور دوسرا قول مبنی بر احتیاط ہے، ہاں ضرورت کے وقت تداخل پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وفي البحر عن الخلاصة والتجريد: وتتعدد الكفارة لتعدد اليمين. وفي الشامي: وفي البغية: كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد. قال صاحب الأصل: هو المختار عندي، مقدسي. ومثله في القهستاني عن المنية. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۳/۷۱٤، مطلب تتعدد الكفارة لتعدد اليمين).

وفي التحرير المختار للرافعي: (قوله: قال صاحب الأصل: هو المختار عندي) لا يخفى أن كلا من البغية والمنية للزاهدي، ومعلوم أن ما انفرد به لا يعول عليه، فلا يعتمد على القول بالتداخل، بل يعتمد على ما ذكره غيره من عدم التداخل حتى يوجد تصحيح لخلافه ممن يعتمد عليه في نقله، ومما يدل لتعددها ما ذكره في الفتح أول الحدود أن كفارة الإفطار المغلب فيها جهة العقوبة حتى تداخلت، وأن كفارة الأيمان المغلب فيها جهة العبادة. وفي الهندية: إذا قال الرجل: "والله والرحمن لا أفعل كذا" كانا يمينين حتى إذا حنث كان عليه كفارتان في ظاهر الرواية، فعلم أن تعدد الكفارة هو ظاهر الرواية.
(التحریرالمختار: ۱۳/۳، سعید).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تعددِ کفارہ کا تعدد وتوحد دونوں قول ہیں۔ثانی اوسع وایسر اور اول ارجح واشہر ہونے کے علاوہ احوط بھی ہے۔(احسن الفتاویٰ:۴۹۶/۵) . واللہ ﷻ اعلم۔

روزے کی نذر میں فدیہ دینے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے روزے کی نذر مانی تو باوجود قدرت کے فدیہ دے سکتا ہے یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ روزے کی منت میں باوجود روزے پر قدرت وتوانائی حاصل ہونے کے فدیہ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ روزہ رکھنا ضروری ہے،ہاں اگر ایسا شخص ہے جو روزہ پر قدرت نہیں رکھتا اس کے لئے

فدیہ دینا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر، ويفدي وجوباً ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسراً، وإلا فيستغفر اللّٰه، هذا إذا كان الصوم أصلاً بنفسه وخوطب بأدائه . وفى الشامية : (قوله وللشيخ الفاني) فى القهستاني عن الكرماني: المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض ، (قوله العاجز عن الصوم) أى عجزاً مستمراً ، أما لو لم يقدر عليه لشدة الحر كان له أن يفطر ويقضيه فى الشتاء ... (قوله: هذا إذا كان الصوم) أى وجوب الفدية على الشيخ الفاني ونحوه. (قوله: أصلاً بنفسه) كرمضان وقضاءه والنذر، كما مر فيمن نذر صوم الأبد، وكذا لو نذر صوماً معيناً فلم يصم حتى صار فانياً جازت له الفدية. (الدرالمختار مع فتاوى الشامي:٢/٤٢٧، فصل فى العوارض المبيحة...، سعيد).

وقال فى الفتاوى الهندية : وقد روي عن محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ قال: إن علق النذر بشرط يريد كونه كقوله: إن شفى اللّٰه مريضي أو رد غائبي لا يخرج عنه بالكفارة، كذا فى المبسوط. ويلزمه عين ما سمّى، كذا في فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية: ٢/٦٥).

امدادالمفتین میں ہے:

اگر فی الواقع ان روزوں کے ادا کرنے سے معذور ہے تو وہ اس کے ذمہ لازم رہیں گے، اور ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کے ذمہ ضروری ہوگا کہ بعد موت اس کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (امدادالمفتین: ۵/۵٦).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۰۸۔ وفتاوی رحیمیہ:٦/۷۰۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند کبیر:٦/۴۸۱۔ واحسن الفتاوی:۵/۴۷۷) . واللہ ﷻ اعلم۔

نذرِ صوم میں بوقتِ عجز فدیہ دینے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے ایک سال کے روزوں کی منت مان لی، لیکن اب بہت کمزور ہے، ۵ ماہ کے روزے رکھے، باقی ۷ ماہ کے روزے رکھنا مشکل ہے، اب وہ کیا کرے؟

الجواب: نذر منعقد ہو جانے پر اس کا پورا کرنا لازم اور ضروری ہے، لہذا سال بھر کے روزے رکھنا ضروری ہے، لیکن اگر کسی عذر یا بیماری وغیرہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو جائے، اور آئندہ صحت کی امید بھی نہیں ہے تو ہر روزہ کے بدلہ فدیہ دینا ضروری ہوگا، اور اگر بغیر روزہ رکھے وفات پا جائے تو فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہوگا، اور فدیہ میں ہر روزہ کے بدلے صدقۃ الفطر کی مقدار ادا کیا جائیگا۔

ملاحظہ فرمائیں حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

إذا نذر شيئاً من قربات لزمه الوفاء به، والإجماع على وجوب الإيفاء به. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۳۷۸).

درمختار میں ہے:

نذر صوم رجب فدخل وهو مريض أفطر وقضى كرمضان، أو صوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعيشة أفطر وكفر. وفي الشامية: (قوله وكفر) أي فدى. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی: ۲/۴۳۸، سعید).

وفي الشامي: (قوله فدى) أي لكل يوم نصف صاع من بر أو صاعاً من شعير، وإن لم يقدر استغفر الله. (فتاوی الشامی: ۳/۷۴۱، سعید).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولو نذر أن يصوم أبداً فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة قال: له أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع من الحنطة، لأنه استيقن أنه لا يقدر على قضائه، فإن لم يقدر على ذلك لعسرته يستغفر الله... وقد نص على هذا في باب الاعتكاف: إذا أوجب على نفسه

اعتكافاً فمات قبل أن يعتكف يلزمه أن يوصي بذلك، فيطعم عنه بعد موته عن نفسه كل يوم نصف صاع من الحنطة، وإذا ثبت هذا في الاعتكاف فكذلك في باب الصوم. (فتاوى قاضيخان: ١٠٦/١ على هامش الهندية). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تداخل کفارہ کی ایک صورت:

سوال: ایک شخص غفلت کے زمانے میں قسمیں کھاتا رہا اور توڑتا رہا، اب تبلیغ کی برکت سے کچھ ہوش آیا تو کتنے کفارے دینے چاہئے، ایک کفارہ کافی ہے یا نہیں؟ یہ بھی یاد نہیں کہ کتنی قسمیں توڑی ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ تمام کی طرف سے ایک کفارہ ادا کردینا کافی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں اعلاء السنن میں ہے:

وقال عطاء فيمن قال: والله لا أفعل كذا وكذا، الأمرين شتىٰ فعمهما باليمين قال: كفارة واحدة، أخرجه ابن حزم في المحلى: (٥٢/٨) **وسنده صحيح.**

روينا من طريق حماد بن سلمة عن أبان عن مجاهد قال: زوج ابن عمر ﷺ مملوكه من جارية له، فأراد المملوك سفراً، فقال له ابن عمر ﷺ: طلقها، فقال المملوك: والله لا طلقتها، فقال له ابن عمر ﷺ: والله لتطلقنها، كرر ذلك ثلاث مرات، قال مجاهد: فقلت لابن عمر ﷺ: كيف تصنع؟ قال: أكفر عن يميني، فقلت له: قدحلفت مراراً، قال: كفارة واحدة، أخرجه ابن حزم في المحلى(٥٣/٨) **وسنده صحيح.** (اعلاء السنن: ٤٢٦/١١).

فتاویٰ شامی میں ہے:

وفي البغية: كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمدؒ قال صاحب الأصل: هو المختار عندي مقدسي، مثله في القهستاني عن المنية. (فتاوى الشامي: ٧١٤/٣، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴۹۵/۵۔ وکفایت المفتی: ۲۴۵/۲) ۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الله تعالىٰ :

﴿والّٰتي يأتين الفاحشة من نسائكم
فاستشهدوا عليهن أربعة منكم،
فإن شهدوا فأمسكوهن فى البيوت
حتى يتوفاهن الموت أو يجعل الله لهن سبيلاً﴾.

(سورة النساء، الآية:١٥).

كتاب الحدود والقصاص

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :

" ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم
فإن كان له مخرج فخلوا سبيله
فإن الإمام أن يخطئ فى العفو
خير من أن يخطئ فى العقوبة ".

(رواه الترمذى)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب (۱)

حدود اور قصاص کا بیان

البراهين الرفيعة لإثبات الرجم فى الشريعة

" البراهين الرفيعة لإثبات الرجم في الشريعة "

رجم کا ثبوت اوراس پر ہونے والے اعتراضات کا جواب:

سوال: رجم کہاں سے ثابت ہے؟اوراکثر برائے نام روشن خیال لوگ رجم کی سزاپر معترض رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے ثابت نہیں ہے،اوراسلامی احکام کے خلاف ہے؟اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: شرعی مسائل کا ثبوت یاتو کتاب اللہ سے ہوتا ہے یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اجماعِ امت سے، اگرکوئی مسئلہ ان تینوں سے صراحۃً ثابت نہ ہوتو پھرفقہاء امت اورائمہ مجتہدین کے اجتہاد واستنباط کی طرف رجوع کیاجاتا ہے،لیکن مسئلہ رجم براہِ راست کتاب اللہ سے ثابت ہےاورسنتِ رسول اللہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہےاسی طرح امت کااجماع بھی رجم پر ہے،یعنی قرنِ اول دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکرآج تک امت کارجم پراجماع ہے۔

قرآنِ کریم سے رجم کا ثبوت:

قال الله تعالىٰ: ﴿واللتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم، فإن شهدوا فأمسكوهن في البيوت حتى يتوفاهن الموت أو يجعل الله لهن سبيلاً﴾. (سورة النساء، الآية:١٥).

اس آیتِ کریمہ میں زنا کی مرتکب ہونے والی عورتوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیاہے کہ ان کے جرم پر چارمسلمان مردوں کی گواہی قائم کی جائے ،اورشہادت سے ان کا جرم ثابت ہوجائے توان کوگھروں میں بند رکھاجائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہوجائے ،پھرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کےذریعہ ﴿لهن سبيلاً﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ زنا کا مرتکب اگرمحصن (شادی شدہ) ہوتواس کورجم کیاجائے اور جوغیرمحصن ہوتواس کوسوکوڑے لگائے جائیں۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن عبادة بن الصامت ﷺ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أنزل عليه الوحي كرب لذلك وتربد له وجهه، قال: فأنزل عليه ذات يوم فلقي كذلك فلما سري عنه قال: خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلاً: الثيب بالثيب والبكر بالبكر الثيب جلد مائة ثم رجم بالحجارة، والبكر جلد مائة ثم نفي سنة. (رواه مسلم:۲/۶۵، باب حدالزنا).

الغرض "سبیل" کی تشریح وتوضیح کسی انسانی عقل نے نہیں کی بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے بذاتِ خود بذریعہ وحی الٰہی کرائی، جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز کا حکم دیا، لیکن نماز سے کیا مراد ہے اس کی تشریح وتوضیح آپ نے فرمائی وہ بھی قرآن ہی سے ثابت سمجھی جائے گی، اور جو کوئی اس کی کمیت وکیفیت کے عدم ثبوت کا دعویٰ کرے وہ خارج از ملت سمجھا جائے گا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ جلد کا حکم قرآن مجید (سورۂ نور) میں موجود ہے اور رجم کا حکم بھی قرآن میں موجود تھا لیکن اس آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

"**الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما البتة نكالاً من الله والله عزيز حكيم.** (صحيح ابن حبان: ۱۰/۲۷۴/۴۴۲۹ ـ وسنن كبرى بيهقي: ۸/۲۱۱/۱۶۶۸۸ ـ ومسند بزار: ۱/۷۱ ـ ومسند احمد: رقم ۲۰۲۶۱).

چنانچہ اسی جواب کی تائید حضرت عمر ﷺ کے ایک خطبہ سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ رجم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا اور ہم نے اس کو پڑھا اور یاد کیا، اب اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد رجم کیا اور ابوبکر صدیق ﷺ نے رجم کیا اور میں نے بھی رجم کیا، اگر میں کتاب اللہ میں زیادتی یا اضافہ کو برا نہ جانتا تو میں اس آیت کو مصحف میں ضرور لکھدیتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ لوگ بعد میں ایسے پیدا ہوں گے جو رجم کا اس وجہ سے انکار کردیں گے، کہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں اور اس انکار پر یہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور کافر ہو جائیں گے۔

اشکال اور جواب:

اشکال: اس روایت پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ " شیخ "اور" شیخہ " شادی شدہ کے معنی میں معروف نہیں بلکہ بوڑھے اور بڑھیا کے معنی میں معروف ہیں اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے محاورہ میں مقام قباحت میں مقام ادنی کا ذکر کیا جاتا ہے اور مقام مدح میں اعلیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، مقام قباحت کی مثال حدیث شریف میں ہے:

" **لعن الله السارق يسرق البيضة فتقطع يده** ".(رواه ابن ماجة:ص١٨٥).

مقام قباحت میں ادنیٰ یعنی انڈے کا ذکر ہوا جس سے مراد تھوڑی شئی ہے نیز " أو يسرق الحبل فيقطع يده " بھی آیا ہے،(ابن ماجة:ص١٨٥)اور" اتقوا النار و لو بشق تمرة "اسی قبیل سے ہے،اسی طرح یہاں بھی شادی شدہ کا کم ترین درجہ مذکور ہوا کہ شادی شدہ بڑھاپے کی عمر میں بھی زنا نہیں چھوڑتا نیز بخاری شریف وغیرہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" **والله لو منعوني عناقاً كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم**". (رواه البخاري:١/١٨٨).

اگر یہ لوگ دنبہ کا بچہ بھی زکوٰۃ میں نہ دیں تو میں ان سے قتال کروں گا۔

اور مقام مدح میں اعلیٰ کا ذکر ہوتا ہے جیسے "وآتيتم أحداهن قنطاراً ".اس قانون کو شاہ عبدالغنی مجددی نے حاشیہ ابن ماجہ کتاب الحدود میں (١٨٣) پر نقل فرمایا ہے،اس کی آسان تعبیر یوں ہوسکتی ہے کہ مقام مبالغہ میں " شیخ " اور " شیخہ "کا ذکر ہوا ہے۔

رجم کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں ان کی تعداد اتنی ہے " كأنها المتواتر معنىً "گویا کہ معنیً متواتر ہیں، امت نے ان احادیث کو قبول کیا ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

احادیثِ مبارکہ سے رجم کا ثبوت:۔

(١) عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله عنه أن رجلاً من أسلم أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فحدثه أنه قد زنى فشهد على نفسه أربع شهادات فأمر به رسول الله صلى الله

عليه و سلم فرجم و كان قد أحصن. (رواه البخاری:۲/۱۰۰۶/۶۵۵۶،باب الرجم۔ومسلم:۲/۶۶).

(۲) عن أبي هريرة ﷺ وزيد بن خالد ﷺ قالا: كنا عند النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقام رجل فقال: أنشدك إلا قضيت بيننا بكتاب اللّٰه فقام خصمه وكان أفقه منه فقال: اقض بيننا بكتاب اللّٰه تعالىٰ وائذن لي قال: قل، قال: إن ابني كان عسيفاً على هذا فزنى بامرأته فافتديت منه بمائة شاة وخادم ثم سألت رجالاً من أهل العلم فأخبروني أن على ابني جلد مائة وتغريب عام وعلى امرأته الرجم، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: والذي نفسي بيده لأقضين بينكما بكتاب اللّٰه المائة الشاه والخادم ردعليك وعلى ابنك جلد مائة وتغريب عام واغد يا أنيس على امرأة هذا فإن اعترفت فارجمها فغدا عليها فاعترفت فرجمها .

(صحيح البخاری:۲/۱۰۰۸/۶۵۶۹۔ومسلم:۲/۶۹۔وترمذی:۱/۲۶۴۔وموطاامام مالك: ص۶۸۵).

(۳) عن ابن عباس ﷺ قال : قال عمرﷺ: لقد خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب اللّٰه فيضلوا بترك فريضة أنزلها اللّٰه ألا وأن الرجم حق على من زنى وقد أحصن إذا قامت البينة أوكان الحبل أو الاعتراف. (رواه البخاری: ۲/۱۰۰۸/۶۵۷۰).

وفي روايته قال: فجلس عمرﷺ على المنبر، فلما سكت المؤذنون قام فأثنى على اللّٰه بما هو أهله ثم قال : أما بعد فإني قائل لكم مقالة قد قدر لي أن أقولها لا أدري لعلها بين يدي أجلي فمن عقلها ووعاها فليحدث بها حيث انتهت به راحلته ومن خشي أن لايعقلها فلا أحل لأحد أن يكذب علي إن اللّٰه بعث محمداً صلى اللّٰه عليه وسلم بالحق وأنزل عليه الكتاب فكان مما أنزل اللّٰه آية الرجم فقرأ ناها وعقلناها ووعيناها رجم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ورجمنا بعده فأخشى إن طال بالناس زمان أن يقول قائل واللّٰه ما نجد آية الرجم في كتاب اللّٰه فيضلوا بترك فريضة أنزلها اللّٰه والرجم في كتاب اللّٰه حق على من زنى إذا أحصن من الرجال والنساء إذا قامت البينة أوكان الحبل أوالاعتراف...(رواه البخاری:۲/۱۰۰۹/۶۵۷۱،باب الاعتراف بالزنا۔ومسلم ۲/۶۵۔والترمذی:۱/۲۶۴۔وموطاامام مالك:۶۸۵).

نوٹ: اس روایت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

(۴) عن عبد اللّٰہ عمر رضی اللہ عنہ أنه قال: إن اليهود جاء وا إلى رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم فذكروا له أن رجلاً منهم وامرأة زنيا، فقال لهم رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: ما تجدون في التوراة في شأن الرجل فقالوا: نفضحهم ويجلدون قال عبد اللّٰہ بن سلام رضی اللہ عنہ: كذبتم إن فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فوضع أحدهم يده على آية الرجم فقرأ ما قبلها وما بعدها فقال له عبد اللّٰہ بن سلام رضی اللہ عنہ: ارفع يدک؟ فرفع يده فإذا فيها آية الرجم قالوا: صدق يا محمد! فيها آية الرجم فأمر بهما رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم فرجما فرأيت الرجل يجنأ على المرأة يقيها الحجارة. (رواه البخاری ۱۰۱۱/۶۵۷۹،باب احكام اهل الذمة۔والترمذی ۲۶۶/۱۔ وموطاامام مالك ص ۶۸۳۔مسلم ۲/ ۶۹).

(۵) عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: خذوا عني خذوا عني، قد جعل اللّٰہ لهن سبيلاً: الثيب بالثيب جلد مائة و رمي بالحجارة والبكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة. (رواه ابوداود: ۶۰۶/۲، باب فی الرجم۔ومسلم :۶۵/۲، باب حدالزنا).

(۶) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أنه أتى رجل من المسلمين رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم وهو في المسجد فناداه فقال: يارسول اللّٰہ! إني زنيت فأعرض عنه فتنحى تلقاء وجهه فقال له يارسول اللّٰہ إني زنيت فأعرض عنه حتى ثنى ذلک عليه أربع مراتٍ فلما شهد على نفسه أربع شهاداتٍ دعاه رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم فقال: أبک جنون؟ قال: لا،قال: فهل أحصنت؟ قال: نعم، فقال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: اذهبوا به فارجموه وفيه يقول جابر رضی اللہ عنہ فكنت فيمن رجمه فرجمناه بالمصلىٰ. (مسلم :۶۶/۲، باب حدالزنا).

(۷) عن عبد اللّٰہ بن بريدة عن أبيه ...قال: (فلما رجم ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ) فجاء ت الغامدية فقالت: يارسول اللّٰہ! إني قد زنيت فطهرني وانه ردها فلما كان الغد قالت يارسول اللّٰہ لم تردني لعلک أن تردني كما رددت ماعزاً فواللّٰہ إني لحبلىٰ قال: أما الآن فاذهبي

حتى تلدي قال: فلما ولدت أتته بالصبي في خرقة قالت: هذا قد ولدته، قال: اذهبي فارضعيه حتى تفطميه فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبز، فقالت: هذا يا نبي اللّٰه قد فطمته و قد أكل الطعام فدفع الصبي إلى رجل من المسلمين ثم أمر بها فحفر لها إلى صدرها، وأمر الناس فرجموها فيقبل خالد بن الوليد بحجر فرمى رأسها فتنضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سبه إياها فقال: مهلاً ياخالد فوالذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له ثم أمر بها فصلىٰ عليها و دفنت. (رواه مسلم:۲/۶۸، باب حد الزنا۔وابوداود:۲/۶۰۹).

(۸) عن عمران بن حصين رضي الله عنه أن امرأة من جهينة أتت نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهي حبلى من الزنا، فقالت: يا نبي اللّٰه أصبت حداً فأقمه علي فدعا نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وليها، فقال: أحسن إليها فإذا وضعت فأتني بها ففعل فأمر بها نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فشدت عليها ثيابها ثم أمر بها فرجمت ثم صلى عليها، فقال له عمر رضي الله عنه: تصلي عليها يا نبي اللّٰه وقد زنت قال: لقد تابت توبة لوقسمت بين سبعين من أهل المدينة لوسعتهم، و هل وجدت توبة أفضل من أن جاء ت بنفسها للّٰه تعالىٰ. (رواه مسلم: ۲/۶۹۔ وابوداود:۲/۶۰۹).

(۹) عن جابر رضي الله عنه أن رجلاً زنا بامرأة فأمربه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فجلد الحد ثم أخبر أنه محصن فأمر به فرجم. (ابوداود:۲/۶۰۹).

(۱۰) عن علي رضي الله عنه حين رجم المرأة يوم الجمعة قال: رجمتها لسنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (رواه البخاری:۲/۱۰۰۶/۶۵۵۴، باب رجم المحصن).

(۱۱) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لايحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأني رسول اللّٰه إلا بإحدى ثلاث الثيب الزاني والنفس بالنفس والتارک لدينه المفارق للجماعة. (رواه ابوداود:۲/۵۹۸۔والبخاری:۱۰۱۶۔ ومسلم: ۲/۵۹، باب مایباح به دم المسلم، فیصل).

(۱۲) **عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: رجم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ورجم أبوبکر رضی اللہ عنہ و رجمت ولولا أني أكره أن أزيد في كتاب اللّٰه لكتبته في المصحف فإني قد خشيت أن يجيء أقوام فلا يجدونه في كتاب اللّٰه فيكفرون به.** وفي الباب عن علي رضی اللہ عنہ حديث عمر رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح، وروى من غير وجه عن عمر رضی اللہ عنہ. (رواه الترمذي:۱/۲٦٤).

اجماعِ صحابہ اور اجماعِ امت سے رجم کا ثبوت:

(۱) حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

قال ابن بطال: أجمع الصحابة رضی اللہ عنہم وأئمة الأمصار على أن المحصن إذا زنى عامداً عالماً مختاراً فعليه الرجم... واحتج الجمهور بأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رجم وكذا الأئمة بعده. (فتح الباری: ۱۲/۱۱۸، باب رجم المحصن).

(۲) بدایۃ المجتہد میں ابن رشد مالکی فرماتے ہیں:

فأما الثيب الأحرار المحصنون فإن المسلمين أجمعوا على أن حدهم الرجم إلا فرقة من أهل الأهواء...عمدة الجمهور أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رجم ماعزاً ورجم امرأة من جهينة ورجم يهوديين وامرأة من عامر من الأزد، وكل ذلک مخرج في الصحاح.

(بداية المجتهد:۲/۳۲۵، الباب الثاني في اصناف الزناة).

(۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

قال ابن المنذر أقسم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في العسيف أنه يقضي بكتاب اللّٰه وخطب عمر رضی اللہ عنہ بذلک على رؤوس الناس وعمل بها الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم فلم ينكره أحد فكان إجماعاً. (بذل المجهود:۵/۱۳۹).

(۴) مرقات میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

الرجم عليه إجماع الصحابة رضی اللہ عنہم ومن تقدم من علماء المسلمين وإنكار الخوارج الرجم باطل لأنهم إن أنكروا حجية إجماع الصحابة رضی اللہ عنہم فجهل مركب بالدليل بل هو

إجماع قطعي وان أنكروا وقوعه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو متواتر المعنى والأحاد في تفاصيل صوره وخصوصياته وأما أصل الرجم فلا شك فيه... والحاصل أن إنكاره إنكار دليل قطعي بالاتفاق . (مرقات شرح مشکوٰۃ:۷/۱۲۴۔۱۲۵، کتاب الحدود، ملتان).

(۵) ابن حزم اندلسی حنبلی مراتب الاجماع میں فرماتے ہیں:

اتفقوا أنه إذا زنى كما ذكرنا وكان قد تزوج قبل ذلك وهو بالغ مسلم حر عاقل حرة مسلمة بالغة عاقلة نكاحاً صحيحاً ... أن عليه الرجم بالحجارة حتى يموت . (مراتب الاجماع:۱۲۹، کتاب الحدود، بیروت).

(۶) علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

قد أجمع الصحابة ﷺ ومن تقدم من السلف وعلماء الأمة وأئمة المسلمين على أن المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت... لأن ثبوت الرجم منه عليه السلام متواتر المعنى كشجاعة علي﷜ وجود حاتم. (روح المعانی:۱۸/۷۸، القاهرة).

(۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

وإذا كان الزاني والزانية محصنين يرجمان بإجماع الصحابة ﷺ ومن بعدهم من علماء النصيحة ... وبه قال علماء الفقه والحديث وقد جرى عمل الخلفاء الراشدين ﷺ بالرجم مبلغ حد التواتر . (التفسیر المظہری:۶/۴۲۲، بلوچستان).

(۸) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وإذا وجب الحد وكان الزاني محصناً رجمه بالحجارة حتى يموت لأنه عليه السلام رجم ماعزاً وقد أحصن وقال في الحديث المعروف وزنا بعد إحصان وعلى هذا إجماع الصحابة ﷺ . (الهداية: ۲/۵۰۹، فصل فی کیفیة الحد۔وفتح القدير:۵/۲۲۴۔ وتبیین الحقائق: کتاب الحدود۔ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر:۴/۱۴۱، باب حد الزنا).

(۹) مشہور فقیہ، علامہ ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں:

الرجم على الزاني المحصن رجلاً كان أو امرأة وهذا قول عامة أهل العلم من الصحابة ﷺ والتابعين ومن بعدهم من علماء الأمصار في جميع الأعصار ولانعلم فيه مخالفاً إلا الخوارج ... وقد ثبت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله وفعله في أخبار تشبه المتواتر وأجمع عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المغني لابن قدامة الحنبلي:۱۰/۱۲۰، وجوب الرجم على الزاني المحصن، بيروت).

(۱۰) علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

قوله فإن كان محصناً رجمه في فضاء حتى يموت لأنه عليه السلام رجم ماعزاً وقد كان أحصن وقال في الحديث المعروف وزنا بعد إحصان وعلى هذا إجماع الصحابة ﷺ وإنكار الخوارج الرجم باطل لأنهم إن أنكروا حجية إجماع الصحابة ﷺ فجهل مركب بالدليل بل هو إجماع قطعي وإن أنكروا وقوعه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس مما نحن فيه لأن ثبوت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم متواتر المعنى. (البحرالرائق:۵/۸،كتاب الحدود،كوئته).

(۱۱) التقریر والتحبیر میں علامہ ابن امیر الحاج الحلبیؒ فرماتے ہیں:

إن حكمه صلى الله عليه وسلم على الواحد حكمه على الجماعة (حتى حكموا على غير ماعز بما حكم به) النبي صلى الله عليه وسلم من الرجم (عليه) أى على ماعز ﷺ حتى قال عمر ﷺ خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله ألا وإن الرجم حق على من زنى ، وقد أحصن إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف . (رواه البخارى:...وحكوا على ذلك اجماع الصحابة ﷺ ومن بعدهم ممن يعتد باجماعه۔(التقريروالتحبير على التحرير فى اصول الفقه:۱/۲۷۹،مسألة خطاب الواحد).

(۱۲) امام ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں:

قال أبوبكر: لم يختلف السلف في أن حد الزانين في أول الإسلام ما قال الله تعالىٰ

﴿واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم﴾ إلى قوله ... ﴿واللذان يأتيانها منكم فآذوهما ﴾. فكان حد المرأة الحبس والأذى بالتعيير وكان حد الرجل التعيير ثم نسخ ذلك عن غير المحصن بقوله تعالىٰ: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ﴾ و نسخ عن المحصن بالرجم وذلك لأن في حديث عبادة بن الصامت رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلاً البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام والثيب بالثيب الجلد والرجم فكان ذلك عقيب الحبس والأذى المذكورين في قوله: ﴿اللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم ﴾ إلى قوله ﴿أو يجعل الله لهن سبيلا﴾. (احكام القرآن للجصاص: ۳/ ۲۵۵، سورة النور، سهيل اكيڈمی).

مذکورہ بالا نصوص اور دلائل سے حکم رجم روزِ روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو گیا جس کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، لہٰذا اگر کوئی فرد یا جماعت یا پنچایت انکار کرے تو یہ انتہائی سخت گمراہی ہے۔

رجم کا انکار موجبِ ضلال ہے:

(۱) ملاحظہ فرمائیں کشف الاسرار میں ہے:

إن المتواتر يوجب علم طمانية ويقين والقول بأن المتواتر يوجب علم طمانية لايقين قول باطل يودي إلى الكفر فإن وجود الأنبياء ومعجزاتهم لايثبت خصوصاً في زماننا إلا بالنقل فإذا لم يوجب المتواتر يقيناً لايثبت العلم لأحد في زماننا بنبوتهم وحقيتهم حقيقة وهذا كفر صريح . (كشف الاسرار:۲۶۳) .

(۲) علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

قوله عليه إجماع الصحابة رضي الله عنهم ومن تقدم من علماء المسلمين وإنكار الخوارج الرجم باطل لأنهم إن أنكروا حجية إجماع الصحابة رضي الله عنهم فجهل مركب بالدليل بل هو إجماع قطعي وإن أنكروا وقوعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس مما نحن فيه لأن ثبوت الرجم عن رسول الله صلى

الله عليه وسلم متواتر المعنى كشجاعة علي ﷺ وجود حاتم الحاصل أن إنكاره إنكار دليل قطعي بالاتفاق. (فتح القدير:٥/٢٢٤، فصل في كيفية إقامة الحس، دار الفكر).

(۳) حضرت شاہ صاحب ''اکفار الملحدین فی ضروریات الدین'' میں فرماتے ہیں:

وكذلك وقع الإجماع من علماء الدين على تكفير كل من دافع نص الكتاب أي منع و نازع فيما جاء صريحاً في القرآن... كتكفير الخوارج بإبطال الرجم للزاني والزانية محصنين. (اكفار الملحدين في ضروريات الدين:٥٧).

اشکالات کے جوابات:

اشکال (۱): منکرین رجم کہتے ہیں کہ رجم یہودیوں کا طریقہ تھا جس کو مسلمانوں نے اپنالیا ہے۔اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب (۱): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تورات کے حکم ہونے کی وجہ سے رجم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ قرآن کریم نے اس حکم کی تصدیق کی اور حکم اللہ قرار پایا، اور شرائع سابقہ کے مطابق کوئی حکم اللہ تعالیٰ نازل فرمادیں یا تصدیق فرمادیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرمادیں تو یہ ہماری شریعت بن جاتی ہے، لہٰذا یہ حکم صرف تورات کا نہیں رہا بلکہ ہماری شریعت کا حکم ہوگیا۔ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے متعلق دریافت فرمایا یہ اتمام حجت کی وجہ سے تھا۔

الجواب (۲): حکم رجم پر صرف عمل نہیں فرمایا، بلکہ قولاً تشریعی حکم بھی فرمایا جس کی وجہ سے قانون شرعی کی حیثیت بن گئی۔(قولی احادیث مذکور ہوئیں)۔

الجواب (۳): تورات میں مطلقاً رجم کا حکم تھا، شرائط وقیودات نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط وقیودات بیان فرمائے، مثلاً غیر محصن کے لیے رجم نہیں ہے، بلکہ ۱۰۰ کوڑے ہیں، وغیرہ، اور یہ تصرفات وحی الٰہی اور ہدایاتِ ربانی کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، بہرحال حکم رجم کو طریقہ یہود بتلانا صحیح نہیں ہے۔

اشکال (۲): مخالفین کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رجم کرنا ایک حیوانی عمل ہے اور حقوق انسانیت کے بالکل خلاف، اور چار گواہوں کا اس عمل کو دیکھنا بھی ناممکن ہے؟

الجواب: جتنے واقعات زمانہ نبوی میں مسلمانوں کے درمیان ظہور پذیر ہوئے وہ تمام مجرم کے خود اپنے اقرار سے نافذ کیے گئے تھے، کیونکہ بوقتِ جماع چار گواہوں کا وہاں حاضر ہونا اور " كالميل في المكحلة " والی کیفیت کا نظارہ کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن سا ہے، ہاں یہودیوں کا واقعہ شہادت سے ثابت ہوا ہے ملاحظہ ہو، حضرت شیخ فرماتے ہیں: أنه عليه الصلاة والسلام رجم يهوديين زنيا بشهادة أربعة منهم. (الأبواب والتراجم، ص ۱۸۹).

اسی لیے کہ مرد و عورت کو ساتھ لیٹے ہوئے دیکھنے سے حد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صرف تعزیر کے مستحق ہوں گے، نیز اقرار میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹال مٹول کرنا ثابت ہے، تاکہ رجوع کرلے، اور رجوع کرنے سے بھی حد ساقط ہوجاتی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے رجم کے سلسلہ میں مجرم کو کافی مہلت دی ہے اور گنجائش نکالی ہے۔

یہاں ایک لطیفہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ذہن کی بہت ساری گرہیں کھل جاتی ہیں۔

پاکستان میں جنرل ضیاء الحق صاحب کے دورِ حکومت میں حدود اور قصاص کا قانون نافذ کیا گیا اگرچہ حدود کے نفاذ پر آج تک عمل درآمد نہیں ہوا، اس زمانے میں اس پر بہت اشکالات و تنقیدات ہوئیں، اس زمانے میں عالم عرب و عجم کے بہت سارے محقق علماء کو اس قانون کی تحقیق کے لیے جمع کیا گیا اور بعض کی طرف سے اشکال کیا گیا کہ اس زمانے میں قانونِ رجم عالمی حالات کے مناسب نہیں، بلکہ اس کی جگہ اس کو گولی مار کر ہلاک کیا جائے، حضرت مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ بیماری کی وجہ سے اس وقت ہسپتال میں زیر علاج تھے، وفد کے کچھ حضرات ان کے پاس ان کی رائے لینے کے لیے ہسپتال پہونچ گئے، اور یہ رائے پیش کی کہ مقصود تو شادی شدہ کا قتل ہے تو اس کو گولی سے مار کر ہلاک کرنا ہی مناسب ہے، حضرت مفتی محمود صاحب نے فرمایا کیوں بھائی شریعت اس کو بچاتی ہے اور تم اس کو ہلاک کرتے ہو، حاضرین نے کہا وہ کیسے؟ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا دیکھئے تاریخ میں زنا کبھی شہادت سے ثابت نہیں ہوا کیونکہ مرد اور عورت کو " كالميل في المكحلة "، یعنی

جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہو دیکھنا اور اس کی شہادت دینا ناممکن جیسا ہے اس لیے زنا کے جتنے واقعات ثابت ہوئے وہ اقرار سے ہوئے، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ، حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور یہودیوں کے واقعات سب اقرار سے ثابت ہوئے، اور جب رجم کے درمیان زانی کو سنگسار کرنے پر تکلیف پہونچے اور وہ کہدے کہ میں نے کچھ نہیں کیا میں نے زنا نہیں کیا، تو فی الفور اس کو چھوڑ دو تو وہ قتل سے بچ جائے گا، اور گولیاں چلانے کے بعد وہ کیسے بچے گا؟ اس پر مہمانوں کا وفد خوش ہوا اور ان کو اطمنان ہوا۔ بندہ فقیر نے خود یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب سے سنا اور فتاویٰ مفتی محمود کے مقدمہ میں ص ۱۱۰۔۱۱۲، پر یہ واقعہ بھی مذکور ہے۔ (نوٹ: ملحوظ رہے کہ حضرت مفتی صاحب نے جو فرمایا: ''تاریخ میں زنا کبھی شہادت سے ثابت نہیں ہوا'' اس سے مراد مسلمان ہیں، ورنہ یہودی کا واقعہ شہادت سے ثابت ہوا تھا جیسا کہ مذکور ہوا)۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لما أتى ماعز بن مالك رضي الله عنه النبي صلى الله عليه و سلم قال له: لعلك قبلت أوغمزت أونظرت قال: لا يارسول الله! قال: أنكتها لايكني قال: نعم، فعند ذلك أمر برجمه. وفي رواية له عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أتى رسول الله صلى الله عليه و سلم رجل من الناس وهو في المسجد فناداه يارسول الله إني زنيت يريد نفسه فأعرض عنه فجاء لشق وجه النبي صلى الله عليه وسلم الذي أعرض عنه فلما شهد على نفسه أربع شهادات دعاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أبك جنون قال: لا يارسول الله، فقال: أحصنت قال: نعم يارسول الله، قال: اذهبوا به فارجموه. (رواهما البخاري: ۲/۱۰۰۸).

وفي رواية الترمذي: قال: فلما وجد مس الحجارة فر يشتد حتى مر برجل معه لحي جمل فضربه به وضربه الناس حتى مات فذكروا ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم ...فقال: هلا تركتموه. (رواه الترمذي: ۱/۲٦٤).

درمختار میں ہے:

ويخلى سبيله إن رجع عن إقراره قبل الحد أو في وسطه ولو رجوعه بالفعل كهروبه

... وندب تلقينه الرجوع بـ لعلك قبلت أولمست أووطئت بشبهة لحديث ماعز ﷺ... (الدرالمختار: ٤/١٠، كتاب الحدود، سعيد ـ والبحر الرائق: ٥/٧، كوئته).

عالمگیری میں ہے:

ولو هرب رجل ولم يرجع لم يتعرض له ولو ثبت على الزنا ورجع عن الإحصان قبل منه ولم يرجم وجلد ... (الفتاوى الهندية: ٢/١٤٤ ـ والبحر الرائق: ٥/٥، كوئته).

اشکال (۳): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت ماعز ﷺ اور حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدمعاش قسم کے لوگ تھے جو ہروقت زنا کے درپے رہتے تھے، اس لیے یہ سزا (رجم) بطورِ تعزیر تھی نہ کہ بطورِ حد، اور دلیل میں ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے:

" أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا كلما نفرنا في سبيل الله خلف أحدهم له نبيب كنبيب التيس يمنح أحدهم الكثبة أما والله ان يمكني من أحدهم لأنكلنه عنه. (رواه مسلم: ٢/٦٦).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں تو کوئی شخص بکرے کی طرح ممیاتا رہیگا، تھوڑا سا دودھ دیکر اپنا کام نکالیگا، اگر مجھے اس پر قدرت ہوئی تو میں اس کو عبرت ناک سزا دونگا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ماعز بھی اسی طرح کے آدمی تھے۔ (نعوذ باللہ)۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عام قانون بیان کرنا مقصود ہے، جیسا کہ مفتی تقی صاحب مدظلہ نے تکملہ فتح الملہم میں فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

و إنما ذكره بعد رجم ماعز ﷺ **ليعتبر هؤلاء المفسدون بعقوبة ماعز** ﷺ. (تكملة فتح الملهم: ٢/٤٤٣).

اس کی واضح نظیر قرآن کریم میں ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ **يا داود إنا جعلناك خليفة في**

الأرض ... ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللّٰہ إن الذین یضلون عن سبیل اللّٰہ لھم عذاب شدید ﴾ . (سورۃ صٓ، الآیۃ:۲٦).

اس آیتِ کریمہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہاں عام قانون بیان کرنا مقصود ہے، یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ حضرت داود علیہ السلام گمراہ ہوئے تھے۔

اسی طرح حدیث مذکورہ بالا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے بارے میں تنبیہ فرمارہے ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا کام نہ کرے۔اوراس کی دلیل یہ ہے کہ "یمنح" مضارع کا صیغہ ہے،اسی طرح بعض روایات میں "ینب" آیا ہے۔ہاں "نفرنا" اور "خلف" ماضی کے صیغے ہیں لیکن کلما کے بعد استمرار کا فائدہ دیتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں "أن یمکني من أحدھم" سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا بدمعاش شخص ابھی تک پکڑا نہیں گیا، جب کہ یہ بات حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے بعد فرمائی گئی۔لہٰذا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ مراد نہیں ہے۔

نیز بادشاہِ وقت یا حاکم تعزیر اس وقت دیتا ہے جب کہ وہ معلوم کرلیتا ہے کہ مجرم ضدی اور غیر نادم ہے، حالانکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت اچھے تھے،اور یہ جرم ان سے اتفاقاً صادر ہوا تھا، ان کے اچھے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں سے دریافت فرمایا تو انہوں کے جواب میں عرض کیا: "**ثم سأل قومه ، فقالوا:ما نعلم به بأساً إلا أنه أصاب شیئاً...**(مسلم شریف: ۲/٦۷، باب حدالزنا، فیصل).

دوسری روایت میں ہے: "**فأرسل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی قومه فقال: أتعلمون بعقله بأساً تنکرون منه شیئاً فقالوا: ما نعلمه إلا وفي العقل من صالحینا فیما نری....**(رواہ مسلم:۲/٦۸،فیصل).

اگر یہ اتنے بڑے بدمعاش تھے تو پھر کیوں خود آئے اور چار مرتبہ اقرار کیا؟

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: "**لقد تاب توبة لو قسمت بین أمة لوسعتھم**" (رواہ مسلم:۲/٦۸، باب حدالزنا، فیصل). یعنی انہوں نے ایسی توبہ کی کہ اگر پوری امت میں تقسیم کی جائے تو اس کے لیے کافی ہوجائے۔

اور حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا: "لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفرله" (رواه مسلم:۲/۶۸، باب حدالزنا، فيصل). یعنی اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر ظالمانہ ٹیکس لگانے والا ایسی توبہ کرلے تو اس کی مغفرت ہوجائے۔

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أنه أی ماعز ﷺ الآن لفي أنهار الجنة ينغمس فيها".
(ابوداودشریف:۶۰۸، باب فی الرجم).

یعنی حضرت ماعز ﷺ ابھی جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہے ہیں۔

کیا کسی بدمعاش کے بارے میں لسانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات نکل سکتی تھی، بلکہ بدمعاش کے بارے میں لوگ کہتے ہیں: "خس کم جہاں پاک"۔

اسی طرح حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ازخود اپنے آپ کو پیش کیا تھا پھر حاملہ ہونے کی وجہ سے آپ نے مہلت دی لیکن وضع حمل کے بعد پھر وہ خود آئیں۔ ملاحظہ ہو تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

"جاء ت بنفسها دون أن يطلبها أحد، على رغم أنها صارت أماً لولد رضيع وكم يكون خاطرها قد تعلق بهذا المولود؟ وكم تكون عواطف الإشفاق عليه قد عرضت في سبيلها". (تكملة فتح الملهم:۲/۴۳۲، الفرق بين الحدو التعزير).

اشکال (۴): بعض منکرین رجم کا یہ دعویٰ ہے کہ رجم کے تمام واقعات سورۂ نور کے نزول سے قبل کے ہیں پھر سورۂ نور کی آیتِ جلد نے حکم رجم کو منسوخ کردیا۔

اور اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے حسبِ ذیل دلیل پیش کرتے ہیں:

عن أبي إسحاق الشيباني سألت عبد الله بن أبي أوفى: هل رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم، قلت: قبل سورة النور أم بعده؟ قال: لا أدري. (رواه البخاري:۲/۱۰۰۶).

الجواب: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ سورۂ نور سے قبل کے واقعات ہیں بلکہ اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، اور قاعدہ ہے "اليقين لا يزول بالشک"، لہذا اس شک کی وجہ سے حکم رجم جو ثابت بالیقین ہے منسوخ نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں سورۂ نور واقعہ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق میں سے واپسی پر پیش آیا، اس غزوہ کے سنِ وقوع کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ۳ھ میں پیش آیا اور دیگر بعض کی رائے یہ ہے کہ ۵ھ یا ۶ھ میں پیش آیا، لیکن موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا قول یہ ہے کہ ۵ھ میں پیش آیا اور یہی راجح ہے، حافظ ابن حجرؒ اور حافظ عینیؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتح الملہم:۲/۴۲۵).

پھر سب سے پہلا واقعہ یہود کے رجم کا ہے اور یہود کے رجم کا واقعہ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں پیش آیا، اس لیے کہ مسند بزار اور طبرانی کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں: "فکنت فیمن رجمهما". (رواه البزار والطبراني كما في مجمع الزوائد:٦/٢٧١) اور حضرت عبداللہ بن حارث فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

نیز ابن جریر نے سورۂ مائدہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بایں الفاظ ذکر فرمائی ہے:

"كنت جالساً عند رسول الله صلى الله عليه وسلم إذ جاء رجل من اليهود...الخ". (سورة المائدة:٦/٣٥)

اور حضرت ابو ہریرہؓ ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

نیز یہ یہود فدک کے رہنے والے تھے، ملاحظہ ہو مسند حمیدی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله ﷺ قال: زني رجل من أهل فدک فكتب أهل فدک إلى أناس من اليهود بالمدينة أن سلوا محمداً عن ذلک...(مسندالحميدي:٢/٥٤١/١٢٩٤).

اور ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد یہودِ فدک سے مصالحت ہوئی۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ "سیرۃ مصطفیٰ" میں فرماتے ہیں:

جب اہل فدک کو اس کی اطلاع ہوئی کہ یہود خیبر نے ان شرائط پر صلح کی ہے، تو ان لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دیا جائے...آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور محیصہ ابن مسعودؓ کے واسطہ سے گفتگو ہوئی اور فدک بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا۔ (سیرۃ مصطفیٰ:۲/۵۰، مکتبہ عثمانیہ، بحوالہ سیرۃ ابن ہشام:۳/۴۰۸).

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہودِ مدینہ کے مشہور دو قبیلے تھے، ایک بنو نضیر جو ۴ھ میں جلاوطن کردیے

گئے اور (۲) بنوقریظہ ۵ھ میں مقتول ہوئے تو پھر مدینہ منورہ میں یہود کہاں سے آئے جب کہ مسند حمیدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رجم کے وقت مدینہ منورہ میں یہود موجود تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بنوقریظہ کے قتل کے بعد بالکلیہ یہود مدینہ منورہ سے ختم نہیں ہوگئے تھے بلکہ کچھ لوگ باقی تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی زرہ کسی یہودی کے پاس بطورِ رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری شریف)۔

نیز مستدرک حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے موقعہ پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے، اور حافظ ابن حجرؒ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ۹ھ میں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے، اس روایت سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ ۹ھ میں یا اس کے بعد پیش آیا۔ (حاکمؒ کی روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن بطورِ تائید پیش کی گئی ہے)۔

نیز حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ رجم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود تھے، جب کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۸ھ میں مشرف باسلام ہوکر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (مستفاد از تکملہ فتح الملہم: ۲/۴۲۵-۴۲۷، تاریخ واقعات الرجم)۔

لہٰذا ان قرائن اور شواہد سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ رجم کے تمام واقعات بعد از نزول سورۂ نور پیش آئے ہیں اور منسوخ نہیں ہیں۔

اشکال (۵): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رجم کی سزا میں اضطراب ہے کہ شادی شدہ کی سزا میں صرف رجم ہے یا رجم کے ساتھ کوڑے بھی ہیں۔

ملاحظہ ہو تکملہ میں ہے:

روى عامر الشعبي أن علياً جلد شراحة الهمدانية يوم الخميس ورجمها يوم الجمعة وقال: جلدتها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (اخرجه البخاري والنسائي والدارقطني كما في فتح الباري: ۱۲/۱۱۹۔ (تكملة فتح الملهم: ۲/۴۱۰).

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

خذوا عني ... الثيب بالثيب جلد مائة والرجم. (رواه مسلم: ۲/٦٥).

الجواب: اولاً تو یہ منکرین رجم کے لیے مفید نہیں ہے اس لیے کہ شادی شدہ کی سزا کوڑے ہوں یا نہ ہوں رجم تو یقینی ہے۔

ثانیاً: حافظ ابن حجرؒ اور علامہ نوویؒ وغیرہ حضرات نے فرمایا کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت منسوخ ہے، اور ناسخ " الشيخ و الشيخة " ہے یا واقعاتِ رجم ہیں جن میں صرف رجم کی سزا کا ذکر ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ ثیب کی دو قسم ہے: (۱) ثیب محصن (۲) ثیب غیر محصن جیسے کتابی۔

اس روایت میں دونوں کی سزا کا ذکر ہے ثیب محصن کے لیے رجم اور ثیب غیر محصن کے لیے ۱۰۰ کوڑے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ عورت کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ صفتِ احصان سے متصف تھی یا نہیں، اس لیے کوڑے لگائے بعد میں معلوم ہوا کہ محصنہ ہے تو رجم کا حکم دیا۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

عن جابر رضی اللہ عنہ أن رجلاً زنى بامرأة فأمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلد الحد ثم أخبر أنه محصن فأمر به فرجم. (رواه ابو داود: ٦٠٩).

لیکن اس توجیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض طرق میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوڑے لگانے سے پہلے دریافت کیا: " لعل زوجک من عدونا، قالت: لا " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے شادی شدہ ہونے اور مسلمان ہونے کا علم تھا۔

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا مذہب تھا اس لیے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہی مذہب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتح الباری: ۱۲/۱۱۹)۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

" الظاهر عندي أنه يجوز للإمام أن يجمع بين الرجم والجلد و يستحب له أن يقتصر

علی الرجم... والجلد زیادة عقوبة رخص في ترکها". (المسوی شرح الموطا:۲/۱۳۵).

مفتی تقی صاحب نے اس جواب کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وحاصله أن القرآن الکریم قدر للزاني مائة جلدة سواء کان محصناً أوغیره ثم جاء ت السنة برجم المحصن زیادة علی الجلد لا نسخاً له والأصل أن الجاني متی استوجب عقوبتین فإنه یجوز إدغام الأدنی فی الأعلی، ولا سیما إذا کانت إحداهما تأتي علی نفسه. (تکملة فتح الملهم:۲/۴۱۰).

اشکال (۶): حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ رجم چونکہ بہت مشہور ہے اس وجہ سے منکرین نے اس میں اضطراب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو کتنی مرتبہ واپس بھیجا؟

ایک روایت میں ہے کہ "**فأعرض عنه حتی ثنی ذلک علیه أربع مرات**".

سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ: "**أنه رده أربع مرات**".

بعض میں ہے: "**فرده مرتین**. اور بعض میں ہے: **فرده مرتین أوثلاثاً**".

ایک طریق میں ہے: "**فاعترف بالزنا ثلاث مرات**". (یہ روایات مسلم شریف میں: ۲/۶۶۔۶۷ پر موجود ہیں)۔

الجواب: مفتی تقی صاحب نے تکملہ میں اس کا جواب دیا ہے:

والظاهر أنه اختلاف الرواة الذي لایقدح في أصل الحدیث وتقدم مراراً أن الرواة ربما لایعتنون بتفاصیل القصة وحواشیها والصحیح أنه صلی اللّٰه علیه وسلم رده ثلاث مرات حتی إذا اعترف الرابعة سأله عن کیفیة الزنا فلما بینها رجمه. (تکملة فتح الملهم:۲/۴۴۴).

خلاصہ یہ ہے کہ روات کا اختلاف اصل حدیث میں نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ روات بہت سی مرتبہ اصل قصہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کی تفاصیل میں نہیں جاتے، اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ واپس کیا تھا اور چوتھی مرتبہ زنا کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا جب انہوں نے صحیح بیان کر دیا تو پھر رجم کا حکم فرمایا۔

اشکال (۷): بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اقرار کیا، جب کہ دوسری بعض میں ہے کہ وہ لائے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کے بعد اقرار کیا۔

روایات کی تفصیل ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أتى رجل من المسلمين رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فناداه فقال: يارسول الله! إني زنيت. وفي رواية إني أصبت فاحشة فأقمه علي. (رواهما مسلم:۲/٦٦).

وفي رواية لمسلم عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: رأيت ماعز بن مالك رضي الله عنه حين جيئ به إلى النبي صلى الله عليه وسلم. (رواه مسلم:۲/٦٦).

وفي رواية له عن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لماعز بن مالك: أحق ما بلغني عنك؟ قال: وما بلغك عني، قال: بلغني أنك وقعت بجارية آل فلان قال: نعم، قال: فشهد أربع شهادات ثم أمر به فرجم. (رواه مسلم: ۲/٦٧).

گویا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ رجم میں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا۔

الجواب: علامہ نووی رحمہ اللہ اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"قال العلماء: لا تناقض بين الروايات فيكون قد جيئ به إلى النبي صلى الله عليه وسلم من غير استدعاء من النبي صلى الله عليه وسلم، وقد جاء في غير مسلم أن قومه أرسلوه إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم للذي أرسله لو سترته بثوبك ياهزال لكان خيراً لك وكان ماعز عند هزال، فقال النبي صلى الله عليه وسلم لماعز بعد أن ذكر له الذين حضروا معه ماجرى له:" أحق ما بلغني عنك". (شرح مسلم:۲/٦٧).

یعنی علماء فرماتے ہیں کہ روایات میں تناقض نہیں کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور بھیجا

گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجنے والے سے کہا اے ہزال آپ اس پر پردہ ڈالتے تو بہتر تھا پھر آپ نے ماعز سے کہا کہ کیا وہ بات صحیح ہے جو مجھے پہونچی تو انہوں نے کہا کیا پہونچا، آپ نے زنا کا ذکر کیا پھر حضرت ماعز نے چار مرتبہ اقرار کیا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ "أحق ما بلغني" صرف حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات میں نہیں ہے، اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت بہت کم عمر تھے لہذا اہم اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کو ترجیح دیں گے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جو بخاری شریف میں (۱۰۰۸/۲) پر ہے اور ابوداود شریف میں (ص ۶۰۷) پر ہے وہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کے موافق ہے، لہذا "أحق ما بلغني" بعد والے راوی کا وہم ہے یا مؤول ہے۔

اس مقالہ میں حسبِ ذیل کتب سے بمع ترمیم واضافہ استفادہ کیا گیا ہے:

(۱) رجم کی شرعی حیثیت از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

(۲) تکملہ فتح الملہم از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔

(۳) جواہر الفتاوی از حضرت مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامیؒ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوڑوں کا متحمل نہ ہو تو حیلہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص زنا کرے اور کوڑوں کا متحمل نہ ہو تو اس کے لیے حیلہ کر کے جھاڑوں جیسی چیز سے مارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ضعیف اور کمزور شخص جو کوڑوں کو برداشت نہ کر سکے اس کے لیے حیلہ اور تدبیر کرنا اور جھاڑو جیسی چیز سے مارنا درست ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جھاڑو یا اس جیسی چیز جس سے مارے وہ پورے بدن پر پھیلی ہوئی ہو، تا کہ مطلوبہ عدد پورا ہو جائے۔

ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے:

عن سعيد بن سعد بن عبادة ﷺ قال: كان بين أبياتنا رجل مخدج ضعيف فلم يرع إلا وهو على أمة من إماء الدار يخبث بها فرفع شأنه سعد بن عبادةﷺ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اجلدوه ضرب مائة سوط، قالوا: يا نبي الله هو أضعف من ذلك لو ضربناه مائة سوط مات، قال: فخذوا له عثكالاً فيه مائة شمراخ فاضربوه ضربة واحدة. (رواه ابن ماجة:١٨٥).

قال الطيبيؒ: العثكال: الغصن الكبير الذي يكون عليه أغصان صغار ويسمىٰ كل واحد من تلك الأغصان شمراخاً. (المرقات:١٤٦/٧).

وفي المغرب: العثكال: عنقود النخل والشمراخ شعبة منه. (المغرب:٤٢/٢).

قال المحدث الفقيه الملا على القارى رحمه الله البارى في شرح هذا الحديث: ومن المعلوم أن المريض الشديد الذي لايرجى برؤه لوضرب ضرباً وجيعاً لمات ولم تؤمر بقتله ولايكلف الله نفساً إلا وسعها وما لم يدرك كله لايترك كله فهذا هو الحيلة مراعاة للجانبين كما قال سبحانه وتعالىٰ لأيوب عليه السلام وكان قدحلف أن يضرب امرأته مائة سوط لما توهم أنها تستحق الضرب فأمره الله تعالىٰ بقوله: ﴿وخذ بيدك ضغثاً﴾ وهو

ملء الکف من الشجر أو الحشیش فاضرب به ولاتحنث في یمینک فأخذ ضغثاً یشتمل علی مائة عود صغار فضربها به ضربة واحدة .(المرقات:۱٤۷/۷،کتاب الحدود، ملتان).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله إلا أن یقع الیأس من برئه فیقام علیه أی بأن یضرب ضرباً خفیفاً یحتمله ، وفی الفتح : ولوکان المریض لایرجی زواله کالسل أوکان ضعیف الخلقة فعندنا وعند الشافعي یضرب بعثکال فیه مائة شماخ دفعة ، وتقدم فی الأیمان أنه لا بد من وصول الکل إلی بدنه ، ولذا قیل: لابد أن تکون مبسوطة. (فتاوی الشامي: ٤/ ١٦، کتاب الحدود، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندیة: ۲/ ۱٤۷) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

قرائنِ محضہ سے ثبوتِ حد کا حکم:

سوال: ایک دوشیزہ لڑکی کو ولادت ہوئی لیکن زنا کا اقرار نہیں کرتی اور چار گواہ بھی موجود نہیں کہ ثابت کردے کہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہاں یہ بات معلوم ہے کہ اس عورت کے کسی اجنبی لڑکے کے ساتھ تعلقات تھے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا محض قرائن اور حالات کی تحقیق سے حدِ زنا ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شرعی حدِ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے، یا زانی خود چار مرتبہ مختلف مجلسوں میں زنا کا اقرار کرے، ان دوصورتوں کے علاوہ محض قرائن یا تحقیقِ حالات سے شرعی حد ثابت نہ ہوگی، بلکہ شریعت کا منشا تو یہ ہے کہ شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کردیا جائے، نہ کہ قرائن وشبہات سے لازم وجاری کیا جائے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ادرء وا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فإن کان له مخرج فخلوا سبیله فإن الإمام أن یخطئ فی العفو خیر من أن یخطئ فی العقوبة. (رواہ الترمذی: ۲٦۳/۱، باب ماجاء فی درء الحدود).

ہدایہ میں ہے:

ومن أقر أربع مرات في مجلس مختلفة أنه زنى بفلانة وقالت: هي تزوجني أو أقرت بالزنا وقال الرجل تزوجتها فلا حد عليه وعليه مهر المثل في ذلک لأن دعوى النكاح يحتمل الصدق وهو يقوم بالطرفين فأورث شبهة ، وإذا سقط الحد وجب المهر تعظيماً لحظر البضع. (الهداية:۲/۵۱۹، كتاب الحدود).

دررالحکام فی شرح غررالاحکام میں ہے:

و يثبت الزنا بشهادة أربعة من الرجال في مجلس واحد حتى لو شهدوا متفرقين لم تقبل ذكره الزيلعي . (دررالحكام فی شرح غررالاحكام:۲/۶۲، كتاب الحدود۔والشامی:۴/۷، باب الحدود).

البحرالرائق میں ہے:

و يثبت بشهادة أربعة بالزنا لا بالوطئ و الجماع... فسألهم الإمام عن ماهيته وكيفيته ومكانه وزمانه والمزنية... فإن بينوه وقالوا: رأيناه وطئها كالميل في المكحلة ، راجع إلى بيان الكيفية وهو زيادة بيان احتيالاً للدرء . (البحرالرائق مع الكنز:۵/۵، كتاب الحدود، كوئٹه) .

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ فریدیہ:۴/۵۰۳،). واللہ ﷻ اعلم۔

اخرس کی شہادت سے ثبوتِ زنا کا حکم:

سوال: آج کل اخرس کے اشارے مستقل ایک زبان کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی وہ اپنا مافی الضمیر بالکل واضح طور پر ادا کر سکتے ہیں، غلط معنی کی گنجائش نہیں رہتی، تو ایسی صورت میں اخرس کے اشارہ سے زنا ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شرائط شہادات میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شہادت میں تلفظ ہو بغیر نطق وتلفظ کے شہادت صحیح نہیں ہے، اور ثبوتِ زنا کے لیے شرائط اور زیادہ سخت ہیں، لہذا زنا میں اخرس کی شہادت بدرجہ اولیٰ

قابل قبول نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وشرائط الأداء سبعة عشر:عشرة عامة وسبعة خاصة،وفى الشامية: قوله عشرة عامة أى في جميع أنواع الشهادة ، أما العامة فهي الحرية والبصر والنطق والعدالة لكن هي شرط وجوب القبول على القاضي لا شرط جوازه ...الخ. (الدرالمختار مع فتاوى الشامي: ٥/٤٦٢،سعيد).

وأيضاً فيه : وبقي من الشروط أن لايكون ولده أو ولد ولده أو أخرس . وفي الشامية: قوله ، أخرس لأنه لا بد فيه من الدعوى ، وفي إشارة الأخرس احتمال يدرأ به الحد. (الدرالمختارمع فتاوى الشامي:٤/٤٦، باب حدالقذف، سعيد) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

اجارہ سے سقوط حد کا حکم:

سوال: احناف پر اعتراض ہے کہ اگر کسی نے عورت کو زنا کے لیے اجارہ پر لیا تو مذہب احناف کے مطابق اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، حالانکہ صریح زنا سے حد کیسے ساقط ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ حد زنا شبہہ فی المحل ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث ساقط ہوگئی، نیز اجرت کے ساتھ کسی عورت کو جماع کے لیے لینا متعہ ہے اور متعہ اگر چہ حرام ہے لیکن بعض صحابۂ کرام کی طرف منسوب جواز کی وجہ سے دافع حد ہے، ہاں تعزیراً سخت سزا دی جائے گی۔

احکام القرآن میں ہے:

﴿قوله فما استمتعم به منهن فأتوهن أجورهن﴾ فأوجب على الزوج كمال المهر، وقد سمى اللّٰه المهر أجراً في قوله: ﴿ فانكحوهن بإذن أهلهن وآتوهن أجورهن﴾ فسمى المهر أجراً وكذلك الأجور المذكورة في هذه الآية هي المهور وإنما سمى المهر أجراً لأنه بدل المنافع وليس ببدل عن الأعيان كما سمى بدل منافع الدار والدابة أجراً وفي تسمية اللّٰه المهر أجراً دليل على صحة قول أبي حنيفةؒ فيمن استأجر امرأة فزنا بها أنه لاحد

علیہ لأن اللّٰہ تعالیٰ قد سمی المهر أجراً فهو کمن قال: أمهرک کذا وقد روی نحوه عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ومثل هذا یکون نکاحاً فاسداً لأنه بغیر شهود. (احکام القرآن للجصاص:۲/۱٤٦).

فتح القدیر میں ہے:

ومن شبهة العقد ما إذا استأجرها لیزني بها ففعل لاحد علیه ویعزر وقال هما والشافعیؒ ومالکؒ وأحمدؒ: یحد لأن عقد الإجارة لایستباح به البضع فصار کما لو استأجرها للطبخ ونحوه من الأعمال ثم زنی بها فإنه یحد اتفاقاً، وله أن المستوفی بالزنا المنفعة وهي المعقود علیه في الإجارة لکنه في حکم العین، فبالنظر إلی الحقیقة تکون محلاً لعقد الإجارة فأورث شبهة، بخلاف الاستئجار للطبخ و نحوه لأن العقد لم یضف إلی المستوفی بالوطئ والعقد المضاف إلی محل یورث الشبهة فیه لا في محل آخر. (فتح القدیر: ٥/٢٦٢، دارالفکر۔ وکذا فی البحرالرائق: ٥/١٨، کوئٹه).

تبیین الحقائق میں ہے:

ولأبي حنیفةؒ ماروي أن امرأة طلبت من رجل مالاً فأبی أن یعطیها حتی تمکنه من نفسها فدرأ عمر رضی اللہ عنہ الحد عنهما وقال: هذا مهرها ولأن اللّٰه تعالیٰ سمی المهر أجرة بقوله تعالیٰ: ﴿فما استمتعم به منهن فآتوهن أجورهن فریضة﴾ فصار شبهة لأن الشبهة مایشبه الحقیقة لا الحقیقة ألا تری أنه لوقال: أمهرتک کذا لا زنی بک لم یجب الحد...ولأن المستوفی بالوطء منفعة حقیقة وإن کان في حکم العین شرعاً فاعتبار الحقیقة یقتضی أن یکون محلاً للإجارة فأورث شبهة. (تبیین الحقائق:٣/١٨٤، باب الوطء الذی، ملتان).

البتہ صاحبِ فتح القدیر علامہ ابن ہمامؒ صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حد لازم ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

والحق فی هذا کله وجوب الحد. (فتح القدیر: ٥/٢٦٢، دارالفکر).

نیز فتاوی بینات میں بھی صاحبین کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی بینات میں ہے:

اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس پر حد لازم ہے۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۴۸۰).

لیکن اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کے قول کی ترجیح صرف صاحبِ فتح القدیر نے نقل فرمائی ہے، ورنہ اصحابِ متون وشراح نے امام صاحبؒ کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔ اور علامہ سید احمد طحطاویؒ نے فرمایا کہ تعزیراً بہت سخت سزا دی جائے گی۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

قوله والحق وجوب الحد أي كما هو قولهما، وهذا بحث لصاحب الفتح، وسكت عليه في النهر والمتون والشروح على قول الإمام . (فتاوی الشامی:٤/٢٩،باب الوطء الذی یوجب الحد،سعید).

وفي الطحطاوي على الدر : وعلى قوله يعزران أشد التعزير، أبو السعود عن الحموي. (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار:٢/٣٩٨،کوئٹه).

عام طور پر شراح نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید میں دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کا فیصلہ۔

(۲) آیتِ کریمہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مہر کو اجرت سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے بارے میں فتاویٰ بینات میں مذکور ہے کہ یہ صحیح سند سے ثابت ہے، اور اور اجماع سکوتی کے درجہ میں ہے اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں یہ فیصلہ ہوا اور کسی نے انکار نہیں فرمایا۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ بینات میں ہے:

حضرت امامؒ شبہ کی بنا پر حد کو ساقط کرتے ہیں (اور تعزیر کا حکم دیتے ہیں) ان کا استدلال حضرت عمرؓ کے اثر سے ہے جس کو امام عبدالرزاق نے مصنف میں بایں الفاظ نقل کیا ہے:

أخبرنا ابن جريج ثني محمد بن الحارث بن سفيان عن أبي سلمة بن سفيان أن امرأة

جاء ت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقالت: یا أمیر المؤمنین ! أقبلت أسوق غنماً فلقیني رجل فحفن لي حفنة من تمر، ثم حفن لي حفنة من تمر ثم حفن لي حفنة من تمرثم أصابني، فقال عمر رضی اللہ عنہ : قلت ماذا ؟ فأعادت ، فقال عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ ویشیربیده: مهر، مهر، ویشیر بیده کلما قال: ثم ترکها. (المصنف لعبدالرزاق:۷/۴۰۷/۱۳۶۵۳،باب الحدفی الضرورة).

دوسری روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں، حافظ ابن حزم اندلسیؒ نے یہ دونوں روایتیں المحلی میں ذکر کر کے ان پر جرح نہیں کی بلکہ مالکیوں اور شافعیوں کے خلاف ان کو بطورِ حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وأما المالکیون والشافعیون فعهدنا بهم یشنعون خلاف الصاحب الذي لایعرف له مخالف... بل هم یعدون مثل هذا إجماعاً ویستدلون علی ذلک بسکوت من الصحابة رضی اللہ عنہم عن النکیر لذلک. (المحلی بالآثار،کتاب الحدود،حکم المستاجرة للزنی:۱۲/۱۹۶،بیروت).

جب ان حضرات کا یہ اصول ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا واقعہ کو کیوں حجت نہیں سمجھتے؟ باوجود یہ کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نکیر نہیں فرمائی؟۔(فتاوی بینات:۴/۴۷۷۔۴۷۹،کتاب الحظر والاباحۃ،مکتبہ بینات) . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پاگل عورت سے زنا پر حد اور ”لولا علی لهلک عمر“ کی مزید تحقیق:

سوال: ایک شخص نے ایک پاگل عورت کے ساتھ زنا کیا تو جہاں شرعی قانون نافذ ہو وہاں زانی اور زانیہ پر حد ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل زانیہ کے رجم کا حکم فرمایا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنبیہ پر اپنا فیصلہ واپس لے لیا اس روایت کا کیا درجہ ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۱/۳۵۷) پر اس کو بلا سند بتلایا ہے لیکن حضرت مولانا محمد یونس جونپوری سہارنپوری دام فضلہ نے اس کو الیواقیت الغالیہ (۲/۳۷۹) پر ثابت مان لیا ہے، فتاویٰ دارالعلوم زکریا اور الیواقیت الغالیہ دونوں میں استیعاب ابن عبدالبر کا حوالہ ہے اس تعارض کا کیا حل ہے؟

الجواب: عاقل بالغ زانی پر شرعی ثبوت کے بعد حد زنا ہے لیکن پاگل عورت پر حد نہیں، "رفع القلم عن ثلاثة" میں مجنون شامل ہے۔ عالمگیری میں ہے:

وإن زنى صحيح بمجنونة أو صغيرة يجامع مثلها حد الرجل خاصة، وهذا بالإجماع كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية:۲/۱۴۹).

اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے واقعہ کی تحقیق یہ ہے:

قال أحمد بن زهير، ثنا عبد الله بن عمر القواريري، ثنا مؤمل بن إسماعيل، ثنا سفيان الثوري عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن مسيب قال: كان عمر ﷺ يتعوذ بالله من معضلة ليس لها أبو الحسن، وقال في المجنونة التي أمر برجمها وفي التي وضعت لستة أشهر فأراد عمر ﷺ رجمها فقال له علي ﷺ: إن الله تعالىٰ يقول: ﴿وحمله وفصاله ثلاثون شهراً﴾ (الاحقاف۔۱۵)، **الحديث. فكان عمر ﷺ يقول: لولا علي لهلك عمر.** (الاستيعاب في معرفة الاصحاب لابن عبدالبر:۳/۱۱۰۲۔۱۱۰۳، بیروت).

حافظ ابن عبدالبرؒ نے سند کے ساتھ مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے اور الحدیث لکھ کر پھر یہ جملہ لکھا" فكان عمر يقول: لولا علی لهلك عمر" ہمارا خیال یہ ہے کہ الحدیث پر سابقہ کلام ختم ہوا اور "لولا علی لهلك عمر" ماقبل متن کے تحت داخل نہیں اور حضرت شیخ محمد یونس دام فضلہ کی رائے میں یہ جملہ سابق متن میں شامل ہے، اگر یہ جملہ ماقبل میں شامل ہو تب بھی اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے جو منکر الحدیث ہے اور ان کا متابع موجود نہیں اور جب ان کا متابع نہ ہو تو ان کی روایت قابل اعتماد نہیں ہوتی۔

نیز حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ زیادتی اس حدیث میں معروف نہیں ہے: "**إن هذه الزيادة ليست معروفة في هذا الحديث.** (منهاج السنة:۶/۴۵).

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ زیادتی اس حدیث کا جز نہیں۔

الدکتور بشار عواد تحریر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں:

مؤمل بن إسماعيل قال البخاري: منكر الحديث، واتفق أبوحاتم وابن سعد والنسائي

عمل اليوم والليلة (٨٥) **ويعقوب بن سفيان والدارقطني ومحمد بن نصر المروزي وغيرهم علـى أنه كثير الخطأ على الرغم من توثيقهم له في الجملة لكن من كثر خطؤه وجب مجانبة ما ينفرد به فيعتبر به في المتابعات والشواهد.** (تحرير تقريب التهذيب:٤٤٢/٣).

اس کے ساتھ ایک اور روایت بھی الاستیعاب میں موجود ہے: "**كان عمر يتعوذ من معضلة ليس لها أبو الحسن**"، یعنی عمر رضی اللہ عنہ اس مشکل واقعہ سے پناہ مانگتے تھے جس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہو، لیکن اس کی سند میں بھی مؤمل بن اسماعیل ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

بعد السرقہ مال ہبہ کرنے سے سقوط حد کا حکم:

سوال: ایک شخص پر چوری کی وجہ سے قطع ید لازم ہوا، قاضی نے فیصلہ کر دیا لیکن مالک نے سارق کو وہ مال ہبہ کر دیا تو قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: مالک کے ہبہ کر دینے سے قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی، اگرچہ قاضی نے قطع ید کا فیصلہ کر دیا ہو۔

چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وإذا قضى على رجلين بالقطع في سرقة فوهبت له لم يقطع. (الهداية:٥٥٠/٢، كتاب الحدود).

قدوری میں ہے:

فإن وهبها من السارق أو باعها منه أو نقصت قيمتها عن النصاب لم تقطع.

(مختصر المقدوري: ٢٧٢ ـ وكذا في البحر الرائق:٤٦/٥، كوئته ـ وفتح القدير: ٤٠٦/٥، دار الفكر) . **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

موجودہ دور میں شارب خمر کا حکم:

سوال: ہمارے زمانے میں شرابی کا کیا حکم ہے؟ اور اس قسم کے گناہ کے مرتکب کے لیے کونسی وعید آئی

ہے؟

الجواب: شارب خمر کا اصل حکم ”جب کہ اسلامی عدالت میں شرعی قانون کے مطابق ثابت ہوجائے“ یہ ہے کہ شارب خمر کو ۸۰ کوڑے لگائے جائیں۔لیکن صد افسوس کہ موجودہ دور میں اسلامی حکومت کے فقدان کی وجہ سے حد شرعی کا نفاذ ناممکن ہے،اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو نصیحت وغیرہ سے سمجھائے ، اور اس کے ساتھ ہر قسم کی مساعدت ومعاونت ترک کردی جائے ،اور مقاطعہ کرلے ، شاید کہ باز آجائے ، اور اگر مسلمانوں کا کوئی قاضی یا جمعیت ہو تو مناسب سزا بھی دینی چاہئے،اس لیے کہ کتاب وسنت میں شارب خمر کی خطرناک وعیدیں وارد ہوئی ہیں،بطورِ ”مشتے نمونہ“ ملاحظہ فرمائیں:۔

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون ، إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلاة فهل أنتم منتهون﴾

وقال ابن كثيرؒ : قال الزهري: حدثني أبو بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام أن أباه قال: سمعت عثمان بن عفان ﷺ يقول: اجتنبوا الخمر فإنها أم الخبائث، إنه كان رجل فيمن خلا قبلكم يتعبد ويعتزل الناس فعلقته امرأة غوية فأرسلت إليه جاريتها أن تدعوه لشهادة فدخل معها فطفقت كلما دخل باباً أغلقته دونه حتى أفضى إلى امرأة وضيئة عندها غلام وباطية خمر فقالت: إني والله ما دعوتک لشهادة ولكن دعوتک لتقع علي أوتقتل هذ الغلام أوتشرب هذا الخمر، فسقته كأساً فقال: زيدوني فلم يرم حتى وقع عليها وقتل النفس ، فاجتنبوا الخمر، فإنها لاتجتمع هي والإيمان أبداً إلا أوشک أحدهما أن يخرج صاحبه ، رواه البيهقي وهذا إسناد صحيح...وله شاهد في الصحيحين عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: لايزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ولا يسرق سرقة حين يسرقها وهومؤمن ولايشرب الخمرحين يشربها وهو مؤمن ...وعن أسماء بنت يزيد أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من شرب الخمر لم يرض الله عنه أربعين ليلة ، إن مات

مات كافراً ، وإن تاب تاب الله عليه ، وإن عاد كان حقاً على الله أن يسقيه من طينة الخبال ، قالت : قلت : يارسول الله ، وماطينة الخبال قال : صديد أهل النار . (تفسیر ابن کثیر:۲/۱۰۹-۱۱۰).

حضرت عثمان بن عفان ﷺ فرماتے ہیں کہ شراب سے بہت بچتے رہو، کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے، (ایک واقعہ سنو) تم سے پہلے کے زمانے میں ایک شخص بڑا ہی عابد تھا لوگوں کو چھوڑ کر بستی سے الگ ہو کر ایک عبادت خانہ میں عبادت کرتا رہتا تھا، ایک بدکار عورت کی اس پر نظر تھی، اس نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ گواہی کے بہانے سے اس کو بلا لائے، وہ بیچارہ آ گیا، جب وہ کسی دروازے سے داخل ہوتا تو باہر سے اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس بدکار عورت تک پہنچا، اس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کا مٹکا رکھا ہوا تھا، وہ اس شخص سے کہنے لگی کہ خدا کی قسم میں نے تجھ کو کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا ہے، بلکہ میں نے تجھے اس لیے بلایا تاکہ تو میرے ساتھ رات گزارے یا اس لڑکے کو قتل کردے یا یہ شراب پیئے، اس عابد نے یہ مناسب جانا کہ دونوں گناہوں کی بنسبت شراب پینا آسان گناہ ہے، چنانچہ اس نے شراب پی لی، اب وہ ایک جام کے بعد پے در پے اور جام مانگنے لگا، یہاں تک کہ شراب کے نشہ میں اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور اس عورت کے ساتھ بھی رات گزاری، اس لیے شراب سے بچو، وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے، شراب اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، اگر شراب ہے تو ایمان (کامل) نہیں ہے اور اگر ایمان ہے تو شراب نہیں،...صحیحین میں ہے کہ سرور کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، اور چور جب چوری کرتا ہے اس وقت مومن نہیں رہتا، اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ صلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے شراب پی، اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس سے ناخوش رہتے ہیں، اگر وہ مر جائے تو کافر مرے گا، اور اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیں گے، اور اگر پھر شراب کا عادی بن جائے تو بالیقین اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) دوزخیوں کا پیپ پلائیں گے، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! "طينة الخبال" کیا چیز ہے؟ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "دوزخیوں کا ریم اور پیپ ہے۔

وقال السيوطي في الدرالمنثور: أخرج وكيع والبخاري ومسلم عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: " من شرب الخمر في الدينا لم يشربها في الآخرة إلا أن يتوب "، وأخرج البيهقي في الشعب عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: " من شرب الخمر في الدنيا ولم يتب، لم يشربها في الآخرة وإن أدخل الجنة. وأخرج البيهقي عن ابن عمر رضي الله عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يقعد على مائدة يشرب عليها الخمر. (الدرالمنثور:۳/۱۷۶۱۷۴).

وقال الإمام السرخسيؒ في المبسوط: اعلم أن الخمر حرام بالكتاب والسنة: أما الكتاب فقوله تعالىٰ...والسنة: ماروي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال:" لعن اللّٰه في الخمر عشراً، الحديث. وذلک دليل نهاية التحريم، وقال عليه الصلاة والسلام: الخمر أم الخبائث، وقال عليه الصلاة والسلام: شارب الخمر كعابد الوثن، وقال عليه الصلاة والسلام: إذا وضع الرجل قدحاً فيه خمر على يده لعنته ملائكة السموات والأرض فإن شربها لم تقبل صلاة أربعين ليلة، وإن داوم عليها فهو كعابد الوثن، والأمة أجمعت على تحريمها، وكفى بالإجماع حجة هذه حرمة قوية باتة حتى يكفر مستحلها ويفسق شاربها. (المبسوط:كتاب الاشربة، ۲۷/۱۲۱).

وقال ملک العلماء أبوبكر مسعود بن أحمد الكاساني:

إن حد شرب الخمر وحد السكر مقدر بثمانين جلدة في الأحرار لإجماع الصحابة وقياسهم على حد القذف حتى قال سيدناعلى رضي الله عنه: إذا سكرهذى وإذا هذى افترى وحد المفترين ثمانون وبأربعين في العبيد لأن الرق منصف للحد كحد القذف والزنا. (بدائع الصنائع: ۵/۱۱۳، كتاب الاشربة، سعيد) . واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

زہر دیکر قتل کرنے پر قصاص کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو زہر دیکر قتل کر دیا، تو قصاص اور دیت واجب ہے نہیں؟

الجواب: زہر دیکر قتل کرنے میں تھوڑی سی تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے زبردستی کسی کے منہ میں زہر ڈالدیا یا اس کو دیدیا اور پھر پینے پر مجبور کیا یہاں تک کہ اس نے پی لیا تو ان دونوں صورتوں میں دینے والے پر قصاص تو نہیں ہے البتہ عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

اور اگر کسی شخص نے کسی کو صرف زہر دیدیا اور بغیر کسی اکراہ کے وہ خود پی گیا تو دینے والے پر قصاص یا دیت لازم نہیں، خواہ پینے والے کو اس کے زہر ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، ہاں معطی کو مناسب تعزیر دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

وإذا سقى رجلاً سماً فمات من ذلك فإن أوجره إيجاراً على كره منه أوناوله ثم أكرهه على شربه حتى شرب أو ناوله من غير إكراه عليه فإن أوجره أو ناوله أوأكرهه على شربه فلا قصاص عليه و على عاقلته الدية وإذا ناوله فشرب من غير أن أكرهه عليه لم يكن عليه قصاص ولا دية سواء علم الشارب بكونه سماً أولم يعلم، هكذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية:٦/٦).

درمختار میں ہے:

سقاه سماً حتى مات إن دفعه إليه حتى أكله ولم يعلم به فمات لا قصاص ولا دية لكنه يحبس و يعزر ولو أوجره السم إيجاراً تجب الدية على عاقلته وإن دفعه له في شربه فشربه ومات منه فكالأول لأنه شرب منه باختياره إلا أن الدفع خدعة فلا يلزم إلا التعزير والاستغفار. وفى الشامية: قوله لا قصاص ولا دية ويرث منه قوله حتى أكله باختياره قوله ولو أوجره أى صب في حلقه على كره، وكذا لو ناوله وأكرهه على شربه حتى شرب فلا قصاص وعلى عاقلته الدية، وفى الذخيرة: ذكرالمسألة فى الأصل مطلقاً بلاخلاف ولم

یفصل ولا یشکل علی قول أبي حنیفةؒ لأن القتل حصل بما لا یجرح فکان خطأ العمد علی مذهبه وأما علی قولهما فمنهم من قال عندهما التفصیل إن کان ما أوجر من السم مقداراً یقتل مثله غالباً فهو عمد وإلا فخطأ العمد. (الدرالمختارمع الشامی: ۶/۵۴۲، فیمایوجب القود).

دوسرا قول:

علامہ شامیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ قصاصاً قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ زہر نار یعنی آگ کے جلانے اور چھری کے کاٹنے کی طرح کام کرتا ہے، اور فی زمانہ حالات پر مدنظر رکھتے ہوئے اسی قول پر فتویٰ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شامی فرماتے ہیں:

وذکر السائحاني: أن شیخه أبا السعود ذکر في باب قطع الطریق لو قتل بالسم قیل یجب القصاص لأنه یعمل عمل النار والسکین ورجحه السمرقندي. (شامی:۶/۵۴۲).

وفی التحریر المختار: (قوله وذکر السائحاني) وقال السندي فی آخر السرقة نقلاً عن الحموی: من سقی رجلا سماً فمات قال في جنایات البدائع: یجب القصاص لأنه یعمل عمل النار والسکین قال السمرقندی فی شرحه: والعمل علی هذه الروایة في زماننا لأنه ساعٍ فی الأرض بالفساد فیقتل دفعاً لشره. (التحریرالمختار: ۶/۳۲۳، سعید).

نیز حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک قتل عمد ہے اور شافعیہ کے نزدیک اس وقت قتل عمد ہوگا جب کہ غیر ممیز بچہ یا پاگل کو کھلائے یا عاقل بالغ کو جبراً کھلائے اگر عاقل بالغ کو زبردستی نہیں کھلایا تو پھر شبہ عمد ہوگا۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

والخلاصة أن التسمیم قتل عمد عند المالکیة والحنابلة وعمد عند الشافعیة في حالة الإکراه وإعطائه غیر الممیز أو المجنون. (الفقه الاسلامی وادلته: ۶/۲۴۴). **واللہ ﷻ اعلم۔**

سحر کے ذریعہ قتل کرنے پر قصاص کا حکم:

سوال: ساحر اگر اپنے سحر کے ذریعہ کسی کو قتل کردے تو قاتل ساحر کا کیا حکم ہے، اور اس کی کیا سزا ہے؟

الجواب: ساحر اگر اپنے سحر کے ذریعہ کسی کو قتل کر دے تو عندالحنفیہ قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی دیت لازم ہوگی، البتہ مفسد فی الارض ہونے کی وجہ سے قاضی تعزیراً قتل کرسکتا ہے۔

احکام القرآن میں ہے:

وعلى أي وجه كان معنى السحر عند السلف فإنه لم يحک عن أحد إيجاب قتل الساحر من طريق الجناية على النفوس بل إيجاب قتله باعتقاده عمل الساحر من غير اعتبار منهم بجناية على غيره . (احکام القرآن للجصاص: ۵۲/۱).

مدارک التنزیل میں ہے:

إن السحر الذي هو كفر يقتل عليه الذكور لا الأناث وماليس بكفر وفيه إهلاک النفس ففيه حكم قطاع الطريق و يستوي فيه المذكر والمؤنث وتقبل توبته إذا تاب .

(التفسیر النسفی: ۶۶/۱ ـ و کذا فی تفسیر المظہری: ۱۰۶/۱).

معین الحکام میں علامہ علاء الدین طرابلسی فرماتے ہیں:

قال في النوازل: الخناق والساحر يقتلان اذا أخذا لأنهما ساعيان في الأرض بالفساد فإن تابا ان كان قبل الظفر بهما قبلت توبتهما وبعد ما أخذا لا ، ويقتلان كما في قطاع الطريق. (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام: ۱۹۳، دارالفکر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر مسلم ملک میں کسی مسلمان کو قتل کرنے پر کفارہ کا حکم:

سوال: اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو غیر مسلم ملک میں قتل کیا اور اب نادم ہے تو قصاص واجب ہے یا دیت؟ صلح کرنا چاہیں تو صلح ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ غیر مسلم ملک میں قتل کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگیا، البتہ دیت لازم ہے ہاں صلح کرنا چاہیں تو صلح بھی کر سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

قوله إذا دخل مسلمان دارالحرب بأمان فقتل أحدهما صاحبه عمداً أو خطأً فعلى القاتل عمداً الدية في ماله ولا كفارة عليه هكذا في عامة النسخ من شروح الجامع الصغير بلا ذكر خلاف. (فتح القدير: ٦/ ٢٠، دارالفكر).

درمختار میں ہے:

قتل أحد المسلمين المستامنين صاحبه عمداً أوخطأً (تجب الدية) لسقوط القود ثمة كالحد (في ماله) فيهما لتعذر الصيانة على العاقلة مع تباين الدارين. وفي الشامية: قوله لتعذر الصيانة علة لقوله في ماله أى لا على العاقلة لأن وجوب الدية على العاقلة بسبب تركهم صيانته عن القتل ولا قدرة لهم عليها مع تباين الدارين وهذا فى الخطأ فكان ينبغي أن يزيد، لأن العواقل لا تعقل العمد . (الدرالمختارمع الشامی:٤/ ١٦٧، سعيد) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

بادشاہ یا حکومتِ وقت کے مجبور کرنے پر قتل کا حکم:

سوال: اگر کسی کو بادشاہ یا حکومتِ وقت مجبور کرے کہ فلاں کو قتل کرو اور اس نے قتل کر دیا تو قصاص کس پر واجب ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ قاتل پر قصاص لازم ہے نہ کہ بادشاہ یا حکومت پر اور اگر آمر خلیفۃ المسلمین ہے تو آمر پر قصاص ہے اور مامور قاتل مباح الدم اور مردود الشہادۃ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن أكره على قتل غيره بقتل لم يرخص ولم يسعه أن يقدم عليه ويصبر حتى يقتل فإن قتله كان آثماً والقصاص على المكرَه إن كان عمداً عند محمدؒ وأبي حنيفةؒ كذا فى الكافي، ولو كان المامور مختلط العقل أوصبياً يجب القصاص على المكرِه الآمر، كذا فى العيني شرح الهداية ،... وإذا بعث الخليفة عاملاً على كورة فقال لرجل لتقتلن هذا الرجل

بالسيف وإلا لأقتلنك لاينبغي للمكره المامور أن يقتل ولكن مع هذا إن قتل فالقود على الآمر المكره والمكره المامور بالقتل يأثم ويسفق وترد شهادته ويباح قتله والمكره الآمر يحرم عن الميراث دون المكره المامور كذا في خزانة المفتين. (الفتاوى الهندية:٥/٣٩، ٤١).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

إذا أكره الرجل بوعيد قيد أو حبس على قتل مسلم ففعل لايصح الإكراه وعلى القاتل القصاص في قولهم. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:٣/٤٨٤، كتاب الاكراه) . واللہ ﷻ اعلم۔

قتل کے یقین یا ظن غالب پر قتل کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو یقین یا ظن غالب ہے کہ زید مجھے قتل کردے گا تو یہ شخص زید کو قتل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں کسی کو قتل کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، سوائے تین صورتوں کے۔(۱) زنا بعد احصان میں رجم (۲) ارتداد (۳) ناحق قتل پر قصاص۔ان تین صورتوں کے علاوہ قتل کی گنجائش نہیں، اگر کسی کو کسی سے اندیشہ ہو تو پولیس وغیرہ کی مدد سے حتی الامکان اپنا بچاؤ کرلے، ہاں اگر زید نے سلاح کے ساتھ حملہ کردیا اور دفاع کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اس وقت دفاعاً قتل کی گنجائش ہوگی۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: لايحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بأحدى ثلاث النفس بالنفس والثيب الزاني والمارق لدينه التارك للجماعة. متفق عليه. (مشكاة: ٢/٢٩٩، كتاب القصاص).

ہدایہ میں ہے:

قال و من شهرعلى المسلمين سيفاً فعليهم أن يقتلوه لقوله عليه الصلاة والسلام من شهر على المسلمين سيفاً فقد أطل دمه ولأنه باغ فتسقط عصمته ببغيه ولأنه تعين طريقاً

لدفع القتل عن نفسه فله قتله. (الهداية: ٤/٥٦٧).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و من شهر على المسلمين سيفاً وجب قتله ولا شيء بقتله وكذلك إذا شهر على رجل سلاحاً فقتله أو قتله غيره دفعاً عنه فلا يجب لقتله شيء ولا يختلف بين أن يكون بالليل أو النهار في المصر أو خارج المصر كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ٦/٧).

درمختار میں ہے:

و يجب قتل من شهر سيفاً على المسلمين يعني في الحال. وفي الشامية: قوله في الحال أي في حال شهرة السيف عليهم قاصداً ضربهم لا بعد انصرافه عنهم فإنه لا يجوز قتله. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ٦/٥٤٥، فصل فيما يوجب القود، سعيد). واللہ ﷻ اعلم۔

قتل خطا میں دیت کا حکم:

سوال: ایک شخص گولیاں چلا رہا تھا غلطی سے کسی کو گولی لگی اور وہ مر گیا، قاتل اقرار کر رہا ہے اب اس پر دیت ہے یا نہیں؟ اور دیت کی مقدار رینڈ یا ڈالر میں کتنی ہے؟ اور اقرار سے ثابت ہونے اور شہادت سے ثابت ہونے میں کوئی فرق ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں یہ قتل خطا ہے اور قتل خطا میں کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے پھر اگر شہادت سے قتل ثابت ہو جائے تو دیت عاقلہ پر ہے، اور اگر صرف قاتل کے اقرار سے ثابت ہو تو دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگی، جو تین سال میں ادا کی جائے گی، اور دیت کی مقدار ایک ہزار دینار اور درہم کے اعتبار سے ۱۰،۰۰۰ ہزار درہم جس کا اندازہ جدید پیمانے میں ۳۰،۶۱۸ کلوگرام چاندی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وخطأ في الفعل وهو أن يرمي غرضاً فيصيب آدمياً وموجب ذلك الكفارة والدية على العاقلة لقوله تعالىٰ: ﴿فتحرير رقبة مؤمنة، ودية مسلمة إلى أهله﴾ وهي على عاقلته في

ثلاث سنين، ولا أثم فيه. (الهداية:٤/٥٦١).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وخطأ في الفعل ...وموجب ذلک الكفارة والدية على العاقلة وتحريم الميراث وسواء قتل مسلماً أو ذمياً في وجوب الدية والكفارة ولا مأثم فيه في الوجهين سواء كان خطأ في القصد أوخطأ في الفعل...الخ. (الفتاوى الهندية:٦/٣).

وفي حاشية تبيين الحقائق: إذا أقر بقتل خطأ حيث يقضى عليه بالدية في ماله لأن إقراره حجة على نفسه. (حاشية تبيين الحقائق للشيخ شهاب الدين احمد الشلبى:٦/١٧٩).

عالمگیری میں ہے:

وكذلک من أقر بقتل خطأ كانت الدية في ماله في ثلاث سنين. (الفتاوى الهندية:٦/٨٧، فصل اذا لم تكن لقاتل الخطأ العاقلة...).

ہدایہ میں ہے:

والدية في الخطأ مائة من الإبل أخماساً ...قال: ومن العين ألف دينار و من الورق عشرة آلاف درهم ...ولاتثبت الدية إلا من هذه الأنواع الثلاثة. (الهداية:٤/٥٨٤).

جدید مقدار ملاحظہ ہو: (اوزان شرعیہ از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:٦٢) . واللہ ﷻ اعلم۔

عصر حاضر میں عاقلہ کی تعیین:

سوال: موجودہ دور میں احناف کے نزدیک عاقلہ کون لوگ ہیں اوران کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب: حضرت مفتی محمد تقی صاحب فرماتے ہیں:

جب قبائلی زندگی تھی اس وقت تو عاقلہ کا تعین آسان تھا کہ قبیلہ کے لوگ قریب قریب رہتے تھے اوران کے درمیان آپس میں تعاون اور تناصر ہوتا تھا،اس لیے ہر شخص کا قبیلہ اس کی ”عاقلہ“ تھی وہ دیت ادا کرتا تھا لیکن موجودہ دور میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ روایات سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ عاقلہ ہونے کا دارومدار آپس میں تعاون اور تناصر پر ہے، لہذا جن لوگوں کے درمیان باہم تعاون وتناصر ہے، وہ اس کی عاقلہ ہے، لہذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہ قبائل منظم ہیں، اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے، تو وہ اس کی عاقلہ ہے، وہ اس کی دیت ادا کرے، اور اگر قبیلہ نہیں ہے، لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے، اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ٹریڈ یونین ہوتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون وتناصر ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہوسکتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شخص کی عاقلہ اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہے...

دیت عاقلہ پر اس لیے واجب کی ہے تاکہ عاقلہ اس کو اس قسم کے جرائم سے باز رکھے اور اس کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ قتل پر آمدہ نہ ہو، اور اگر کبھی قتل پر آمدہ ہو تو عاقلہ اس کو روکے، اور یہ دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، اور ایک فرد سے ایک سال میں تین درہم سے زیادہ وصول نہیں کیے جائیں گے۔ (تقریر ترمذی: ۲/۵۷، باب ماجاء فی المرأۃ ترث من دیۃ زوجہا)۔

ہدایہ میں ہے:

والعاقلة أهل الديوان إن كان القاتل من أهل الديوان يؤخذ من عطاياهم في ثلاث سنين، وأهل الديوان أهل الرايات وهم الجيش الذين كتبت أساميهم فى الديوان وهذا عندنا...ولنا قضية عمر رضي الله عنه فإنه لما دون الدواوين جعل العقل على أهل الديوان وكان ذلک بحضر من الصحابة رضي الله عنهم من غير نكير منهم وليس ذلک بنسخ بل هو تقرير معنى لأن العقل كان على أهل النصرة وقد كانت بأنواع بالقرابة والحلف والولاء والعد و في عهد عمر رضي الله عنه قد صارت بالديوان فجعلهاعلى أهله اتباعاً للمعنى ولهذا قالوا: لوكان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم أهل الحرفة وإن كان بالحلف فأهله والدية صلة لكن إيجابها فيما هو صلة و هو العطا اولىٰ منه في أصول أموالهم والتقدير بثلث سنين مروي عن النبي صلى الله عليه وسلم ومحكي عن عمر رضي الله عنه ولأن الأخذ من العطاء للتخفيف والعطاء يخرج في كل سنة مرة واحدة. (الهداية: ٤/ ٦٤٥، كتاب المعاقل).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

ثم اختلفوا في تعيين مصداق العاقلة...وقال الإمام أبوحنيفةؒ : إن العاقلة هم الذين يتناصر بهم القاتل ، وكان التناصر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقبائل، فكانت عاقلة الرجل قبيلته ثم تغير الوضع حين وضع سيدناعمرؓ الديوان، فصار التناصر بأهل الديوان فأصبح أهل الديوان عاقلته... فالحاصل أن قضاء عمرؓ بمحضر من الصحابة ؓ دل على أن الحكم كان مناطه النصرة، فيتغير بتغيره، ويمكن أن يقال في عصرنا : إن التناصر أصبح للعمال بوفاقهم الذي يسمى "تريد يونين"...فينبغي أن تكون عاقلة عامل وفاقه ... وحيث لم يكن للقاتل جماعة ينتصر بها فالدية في بيت المال إن كان منتظماً فيه سعة ، وإن لم يكن منتظماً ففي مال القاتل. (تكملة فتح الملهم:۲/۳۷۹، الاختلاف فی العاقلة) . واللہ ﷻ اعلم۔

تغریق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کسی کو پانی میں ڈالدیا اور غرق کردیا، تو اس پر قصاص آئے گا، یا نہیں؟

الجواب: اگر پانی اتنا زیادہ ہو کہ عام طور پر اس سے باہر نکلنا اور نجات حاصل کرنا ناممکن ہو تو صاحبین کے نزدیک قتل عمد میں داخل ہے اور امام صاحب کے نزدیک شبہ عمد ہے، اور اگر پانی بہت کم ہو کہ اس سے بچنا ممکن ہو، یا بہت زیادہ ہو لیکن آدمی تیرنا جانتا ہے اور تیر کر بچنا ممکن ہو تو ائمہ احناف کے اتفاق سے شبہ عمد ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی عالمگیری میں ہے:

ذكر شيخ الإسلام في شرح زيادات الأصل أن من غرق إنساناً بالماء إن كان الماء قليلاً لا يقتل مثله غالباً وترجى منه النجاة بالسباحة فى الغالب فمات من ذلک فهو خطأ العمد عندهم جميعاً وأما إذا كان الماء عظيماً إن كان بحيث تمكنه النجاة منه بالسباحة بأن كان غير مشدود ولا مثقل و هو يحسن السباحة فمات يكون خطأ العمد أيضاً وإن كان

بحيث لاتمكنه النجاة فعلى قول أبي حنيفةؒ هو خطأ العمد و لا قصاص و على قولهما هو عمد محض و يجب القصاص . (الفتاوى الهندية:٦/٥).

وفي المبسوط : وإذا غرق رجل رجلاً في ماء فلا قصاص عليه وإن كان يعلم أنه لاينقلب منه بلغنا ذلک عن عمر ﷺ ...وعلى قول أبي يوسفؒ ومحمدؒ يجب عليه القصاص إذا جاء من ذلک ما يعلم أنه لايعيش من مثله بمنزلة القتل بالحجر الكبير...ثم الماء ليس في معنى السلاح. (المبسوط للامام السرخسیؒ:٢٦/٢٧٨،بیروت).

مزید ملاحظہ ہو: (الفقہ الاسلامی وادلته:٦/٢٥٣) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

یوتھینیز یا(EUTHANASIA) کا حکم:

سوال: شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں یوتھینیز یا (EUTHANASIA) ''رحیمانہ قتل'' جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یوتھینیز یا(EUTHANASIA) کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

مہلک امراض والے مریض جوشدید تکالیف میں مبتلا ہوں اور ماہر ڈاکٹروں کے اندازہ کے مطابق ان کی صحتیابی کی کوئی امید باقی نہ رہے یا ایسے لوگ یا بچے جو پیدائشی معذور ہوں ان کو ہمیشہ کے لیے تکلیف سے نجات دینے کے لیے دوا یا انجکشن دیدیا جائے تاکہ ان کی زندگی ختم ہوجائے اوران کے اہلِ قرابت مسلسل غم اور اذیت سے سبکدوش ہوجائیں۔

یوتھینیز یا(EUTHANASIA) دوقسم پر ہے:

(۱) ایسی دواؤں کا استعمال کرنا جوزندگی کو ختم کردے۔

(۲) زندگی کو بقا اور طول دینے والی دواؤں اور علاج ومعالجات سے پرہیز کرنا۔

يوتهينيزيا (EUTHANASIA) يعني المريض الذي هو في ألم دائم وعذاب مستمر ولايرجى شفائه منه أو الطفل الذي يكون معذوراً إلى حد غير عادي ويكون كلاً على أبويه فقتلهم شفقة لتخليصهم من الألم وإراحة الآخرين ، ليعلم أن ليوتهينيزيا طريقتين وأسلوبين

(۱) العملي المباشر (Active) (۲) وغير المباشر (Passive).

انگریزی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

Euthanasia (literally "good death"), practice of ending a life so as to release an individual from an incurable disease or intolerable suffering, also called "mercy killing". The term is sometimes used generally to refer to an easy or painless death. Voluntary euthanasia involves a request by a dying patient or that person's legal representitive. Passive or negative euthanasia involves not doing something to prevent death-that is, allowing someone to die; active or positive euthanasia involves taking deliberate action to cause a death.

یوتھینیزیا کا حکم ملاحظہ فرمائیں:

بنگاہِ شریعت یوتھینیزیا (EUTHANASIA) جائز اور درست نہیں ہے، بلکہ قتل نفس کے مترادف ہے اور اگر مریض نے اجازت دی ہے تو خودکشی کے درجہ میں ہے، اور قتل نفس وخودکشی دونوں گناہِ کبیرہ ہیں۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین صورتوں کے علاوہ کسی کی جان لینا حرام اور ناجائز ہے:

(۱) شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے (۲) کسی کو ناحق قتل کردے (۳) مرتد ہوجائے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن مسعود ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: لايحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بأحدى ثلاث النفس بالنفس والثيب الزاني والمارق لدينه التارك للجماعة. متفق عليه. (مشكاة: ۲/۲۹۹، كتاب القصاص).

و عن عبد الله بن عمرو ﷺ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم، رواه الترمذي والنسائي ووقفه بعضهم وهو الأصح ورواه ابن ماجة عن البراء بن عازب ﷺ. (مشكوة شريف: ۲/۳۰۰).

عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم في الكبائر قال: الشرك بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس وقول الزور. (رواه مسلم: ۱/۶٤).

وعن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ومن شرب سماً فقتل نفسه فهويتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ومن تردى من جبل وقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً . (رواه مسلم:۱/۷۲).

وعن جندب بن عبد الله ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كان في من كان قبلكم رجل به جرح فجزع فأخذ سكيناً فحز بها يده فما رقأ الدم حتى مات قال الله تعالىٰ: بادرني عبدي بنفسه فحرمت عليه الجنة. (متفق عليه،مشکوٰۃ شریف:۲/۳۰۰).

عالمگیری میں طبیب اور ڈاکٹر کو علاج ومعالجہ کی حدود بتلائی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

ولا بأس بشق المثانة إذاكانت فيها حصاة وفى الكيسانيات فى الجراحات المخوفة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة فى المثانة و نحوها إن قيل قد ينجو و قد يموت أو ينجو ولا يموت يعالج و إن قيل لاينجو أصلاً لايداوي بل يترك كذا فى الظهيرية. (الفتاوى الهندية:۵/۳٦۰، باب فى جراحات بنى آدم) .

ماہر اطباء کی ذمہ داری ہے کہ علاج ومعالجہ کی فکر کریں اس لیے کہ کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج ممکن نہ ہو قدیم زمانہ میں کچھ امراض لاعلاج سمجھے جاتے تھے لیکن موجودہ ترقی یافتہ دور میں یہ بات مسلم نہیں ہے۔

نیز شریعتِ مطہرہ کا منشا بھی یہی ہے کہ علاج وشفاء ناممکنات میں سے نہیں ہیں۔

حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء ، رواه البخاري. وعن جابر ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل داء دواء فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله تعالىٰ. رواه مسلم. (مشکوٰۃ شریف: ۲/۳۸۷، باب الطب).

مزید براں مسلمان کی بیماری کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث ہوتی ہے، لہٰذا مرض بھی رحمت ہے

البتہ ہمیشہ عافیت کی دعا کرنی چاہئے اور بیماری طلب نہیں کرنی چاہئے،لیکن آنے پر صبر سے کام لینا چاہئے،اور دنیا کا قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں پر کچھ نہ کچھ بیماری یا تکالیف مسلط رہتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

عن مصعب بن سعد عن أبيه قال: قلت: يارسول اللّٰه! أى الناس أشد بلاء قال: "الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلي الرجل على حسب دينه فإن كان دينه صلباً أشتد بلاؤه وإن كان في دينه رقة ابتلي على قدر دينه فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة. قال أبوعيسىٰ: هذا حديث حسن صحيح وفى الباب عن أبي هريرة ﷺ. (ترمذی شریف:۲/۶۵، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء).

وعن عبد اللّٰه قال: دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو يوعك فقلت يارسول اللّٰه إنك لتوعك وعكاً شديداً قال: أجل إني أوعك كما يوعك رجلان منكم قلت: ذلك أن لك أجرين قال: أجل ذلك كذلك ما من مسلم يصيبه أذى شوكة فما فوقها إلا كفر اللّٰه بها سيئاته كما تحط الشجرة ورقها. (صحیح البخاری:۲/۸۴۳، باب اشدالناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل، کتاب المرضی)۔

وعن أبي سعيد الخدري ﷺ أن رجلاً قال: يارسول اللّٰه أرأيت هذه الأمراض التي تصيب أبداننا، ما لنا بها؟ قال: " الكفارات " قال أبي بن كعب ﷺ وإن قل ذلك يارسول اللّٰه؟ قال: وإن شوكة فما وراء ها. (مشکل الآثارللطحاوی:۵/۲۰۵/۱۸۴۷،باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حط الخطایا)۔

لہذا امراض وتکالیف سے ناامید اور مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ صبر کے ساتھ ثواب کی امید رکھنا چاہئے۔

یوتھینیزیا (EUTHANASIA) کی دوسری صورت کا حکم:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

یہ تکالیف کفارۂ ذنوب اور آخرت میں درجات کا ذریعہ بنتی ہیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ ابدالآباد تک راحت و

چین ملتا ہے، اس لیے مذکورہ دونوں تدبیروں میں سے کسی تدبیر کا حکم یا اجازت شریعتِ مقدسہ میں ہرگز نہ ہوگی، البتہ دونوں کے حکم میں فرق یہ ہوگا کہ، (۱) میں غیر طبعی موت دوا وغیرہ سے طاری کرنے میں تو ایسا کرنے والے پر قتل کا گناہ اور وبال پڑے گا، بسا اوقات شرعاً دیت ضمان وغیرہ بھی لازم آجائے گا، اور (۲) میں یہ حکم (قتل کا گناہ وغیرہ) تو نہ ہوگا لیکن ترکِ تدبیر اور صحت کے لیے ترکِ سعی فعل مذموم وقبیح اور منشاشرع کے خلاف ضرور ہوگا، اور سستی یا لاپرواہی سے ایسا کیا گیا تو اس پر مؤاخذہ بھی ضرور ہوگا۔ (منتخباتِ نظام الفتاویٰ:۱/۳۹۲)۔

فقہ المشکلات میں ہے:

فالامتناع عن المعالجة في هذه المسألة عمل والقصد منه إهلاک النفس وإنهاء الحياة فقتل النفس في (Active) بإعطاء الدواء عمل جسماني. وفي (۲)(Passive) قتل النفس بالامتناع عن الدواء هوعمل نفسي، وكلتاالصورتان محرمتان شرعاً. (فقه المشكلات از مولانا قاضي مجاهد الاسلام صاحبؒ:۱۸۵).

عالمگیری میں ہے، ملاحظہ فرمائیں:

إذا احترقت السفينة أو غلب على ظنهم أنهم لو ألقوا أنفسهم فى البحر خلصوا بالسياحة يجب عليهم ذلک ولو كانوا بحال لو ألقوا أنفسهم فيه غرقوا ولو لم يلقوا أحرقوا فهم بالخياربين الإقامة والإلقاء من قتل نفسه كان إثمه أكثر من أن يقتل غيره كذا فى السراجية. (الفتاوى الهندية:۵/۳٦۱،باب فى جراحات بنى آدم).

حدیث شریف میں ہے:

عن أسامة بن شريک ﷺ قال: قالوا: يارسول الله! افنتداوي قال: نعم، يا عباد الله تداووا فإن الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء غير داء واحد الهرم. رواه أحمد والترمذي وأبوداود. (مشكوة شريف:۲/۳۸۸).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أما الأكل فعلى مراتب فرض وهو ما يندفع به الهلاک فإن ترک الأكل والشرب

حتی هلک فقد عصی. (الفتاوی الهندية:٥/٣٣٦،باب فی الاکل ومایتصل به).

مسئلہ مذکورہ بالا کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (نظام الفتاوی:جلد اول از ۳۹۰تا۳۹۲.وفقه المشکلات بحوث فقهية مختارة، بعنوان " القتل بدافع الرحم والشفقة " از قاضی مجاهد الاسلام قاسمی، ص۱۵۵ تا ۱۸۵، ادارة القرآن.وجدید فقہی مسائل:۱/۲۰۸). واللہ ﷻ اعلم۔

سائنسی تحقیقات سے حدود وقصاص کا حکم:

سوال: فورنسک سائنس (Forensicscience) کا کیا حکم ہے؟ یعنی مثلاً زنا بالجبر یا قتل کے مقدمات کو اس طور پر حل کیا جائے کہ ''DNA'' کو خون یا تھوک یا منی کے ذریعہ نکالا جائے پھر اس کی تحقیق کر کے ثابت کرے، اسلام میں اسکی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: فورنسک سائنس (Forensicscience) کا مختصر تعارف:

فورنسک سائنس (عدالتی سائنس) ایک خاص جماعت کا ایک ضروری رکن ہے، جس کے دوسرے منبر ماہرامراض اور پولیس بھی ہوتے ہیں، اس جماعت کا مقصد موت کی حقیقی وجہ دریافت کرنا ہوتا ہے۔
اس کی مختلف شاخیں ہیں۔ایک شاخ خطا کاروں کے مقدمات کی تحقیق وتفتیش کرتی ہے، اور ایک دوسری جماعت ماہرامراض کی مدد سے بدن کے اجزاء مثلاً ریشے، بال، منی، تھوک، خون، توارثی عنصر وغیرہ کے ذریعہ مجرم کی صحیح دریافت کرتی ہے۔
انگریزی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

The forensic scientist is an integral member of a team that also comprises of the forensic pathologist and the police, brought together to investigate the cause of a death thought to have occured in suspicious circumstances. The forensic scientist assists the pathologist in identification of the body through the determination of blood type, DNA profile, and in the identification of fibres, hairs, semen, and other body substances that may have been deposited by the assailant, as in the case of

homocide. Forensic scientists usually work at a specialised institution that deals only with such work. Their evidence is crucial for conviction in cases of homicide.

فورنسک سائنس (Forensicscience) کا حکم:

جو جرم فورنسک سائنس کے ذریعہ ثابت ہو اور اس پر شرعی گواہ بھی موجود ہو تو شرعی حدود و قصاص جاری ہوں گے، اور اگر شرعی گواہ موجود نہ ہوں بلکہ صرف سائنسی تحقیق کے ذریعہ ثابت ہوں تو محض تحقیق کی بنیاد پر حدود و قصاص جاری نہ ہوں گے۔ ہاں اس کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جائے گا بلکہ قاضی مناسب تعزیر کا مجاز ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حدود و قصاص میں شریعت مطہرہ کا منشا و مقصد حتی الامکان حد کو ساقط کرنا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ فى العفو خير من أن يخطئ فى العقوبة. (رواه الترمذي: ١/٢٦٣).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

وفي فتح القدير: أجمع فقهاء الأمصار على أن الحدود تدرأ بالشبهات، والحديث المروي في ذلك متفق عليه، وتلقته الأمة بالقبول، والشبهة مايشبه الثابت وليس بثابت.

(الاشباه والنظائر: ١/٣٣٦، القاعدة السادسة ،الحدود تدرأ بالشبهات).

شرح المجلہ میں ہے:

القرينة القاطعة هي الأمارة البالغة حد اليقين مثلاً إذا خرج أحد من دار خالية خائفاً مدهوشاً في يده سكين ملوثة بالدم فدخل فى الدار ورؤي فيها شخص مذبوح في ذلك الوقت فلا يشتبه في كونه قاتل ذلك الشخص ولا يلتفت إلى الاحتمالات الوهمية الصرفة كأن يكون الشخص المذكور ربما قتل نفسه، فالقول بأنه ذبحه آخر ثم تسور الحائط أو أنه ذبح نفسه ، احتمال بعيد لا يلتفت إليه إذ لم ينشأ عن دليل ـ والقرينة القاطعة هي التي تصير الأمر في حيز المقطوع وفي معين الحكام : قال بعض العلماء على الناظر أن يلحظ

الأمارات والعلامات إذا تعارضت فما ترجع منها قضى بجانب الترجيح وهوقوة التهمة ولاخلاف في الحكم بها وفي تبصرة الحكام قال اللّٰه تعالىٰ :﴿تعرفهم بسيماهم﴾دل على السيما المراد بها حال يظهر على الشخص ، والأمارات مأخوذة من الشريعة قال اللّٰه تعالىٰ:﴿ وجاء وا على قميصه بدم كذب ﴾ قال عبد المنعم بن الفرس:روى أن إخوة يوسف عليه السلام لما أتوا بقميص يوسف عليه السلام إلى أبيهم يعقوب عليه السلام تأمله فلم يجد فيه خرقاً ولا أثر ناب فاستدل بذلك على كذبهم وقال:متى كان الذئب حليماً يأكل يوسف ولايخرق قميصه. (شرح المجلة لمحمدخالدالاتاسی:٥/٣٩٠، المادة ١٧٤١، مكتبة رشيدية).

دررالحکام میں ہے:

القرينة القاطعة هي الأمارة البالغة حد اليقين وبتعبيرآخر هي القرينة الواضحة بحيث يصبح الأمر في حيز المقطوع به، والعمل بالقرينة القاطعة يجري في أبواب الفقه المختلفة وأمثلة ذلك على الوجه الآتي:... يجوز في حال ظهور أمارة حبس المتهم بالقتل أو بالجرائم الأخرى. (دررالحكام شرح مجلة الاحكام لعلی حيدر،٤/٤٣٢،المادة ١٧٤١ـو كذا فی معين الحكام :ص١٦٦، الباب الحادی والخمسون،دارالفكر).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قد ذكر بعض الفقهاء أن الشبهة تسقط الحد دون التعزير فالتعزير يثبت مع الشبهات والحقيقة أن الشبهة على قسمين: الأول :ـ ماكان مانعاً من غلبة الظن بأن المتهم قد ارتكب مالايحل له فهذا القسم يستوي فيه الحد والتعزير وأن هذا النوع من الشبهة يسقط الحد والتعزير كليهما، والثاني: ـ ما لم يكن مانعاً من ذلك فهذ النوع من الشبهة فهي شبهة فنية تعرض في صدق تعريف مايوجب الحد وهي الشبهة التي ذكرها الفقهاء باسم الشبهة في المحل والشبهة في الفعل فإن هذه الشبهة تسقط الحد ولاتسقط التعزير.

(تكملة فتح الملهم:٢/٢٦٧).

فتاوی حقانیہ میں ہے:

جدید آلات کو فی زمانہ یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ ذرائع اثباتِ جرم کے لیے کافی حد تک کارآمد بھی ہیں بشرطیکہ دیگر ذرائع وقرائن ان کی تائید کرتے ہوں۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

مقتول کے خون اور قاتل کے جسم پر لگے ہوئے خون کا ایک ہونا قتل کے اثبات کا قرینہ ہے پس اگر مقتول اور قاتل کے کپڑوں اور خنجر پر لگا ہوا خون ایک ثابت ہو جائے تو شرعاً یہ شخص مجرم متصور ہوگا، اور دیگر شواہد بھی تائید کرتے ہوں تو قاتل پر حد جاری کی جائے گی، ورنہ قاضی اس پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔ (فتاوی حقانیہ: ۵/۵۱۶، ۵۱۷)

واللہ ﷻ اعلم۔

حرمت خمر پر شبہات:

سوال: بعض گمراہ اور بے دین لوگ کہتے ہیں کہ شراب کی حرمت قرآن کریم میں نہیں ہے، صرف احادیث میں ہے، کیا ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: شراب کی حرمت قرآن میں ہے:

حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

یا أیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه. الخ. (سورة المائدة)

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، اور بت اور جوئے کے تیر یہ سب نجس ہیں، شیطانی عمل میں سے ہیں، سو ان چیزوں سے دور رہا کرو، تاکہ تمھیں فلاح ملے، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض اور عداوت پیدا کر دے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا تم باز آؤ گے۔

آیاتِ مذکورہ بالا میں شراب جوئے، بت جوئے کے تیر کو نجس اور شیطانی کام بتایا گیا ہے، جس کا

مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں گندی ہیں، انسانی معیشت کے لئے مناسب اور حلال نہیں ہے، اور یہ چیزیں شیطانی اعمال ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں، مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ شیطان اور شیطانی عمل سے دور رہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اس واسطے اللہ تعالی نے مذکورہ بالا اشیاء کو حرام فرمایا ہے۔

حرمتِ خمر پر چند شبہات اوران کے جوابات:

من جملہ شبہات کے چند حسب ذیل درج ہیں:

(۱) قرآن کریم میں کہیں حرام کا لفظ موجود نہیں ہے؟

الجواب: (۱) الزامی جواب تو یہ ہے کہ زنا کے لئے بھی لفظ حرام قرآن میں نہیں ہے، حالانکہ زنا کی حرمت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) تحقیقی جواب:

تفسیر حقانی میں ہے: صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شراب کی حرمت چند وجوہ سے مؤکد کردی ہے: (۱) جملہ کو اِنما کے ساتھ صادر کیا۔ (۲) اس کو بت پرستی کے ساتھ ملایا۔ (۳) اس کو رجس یعنی ناپاک کہا۔ (۴) عمل شیطان فرمایا جو کہ تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) اس سے بچنے کا حکم دیا۔ (۶) اس کے اجتناب میں فلاح کا واقع ہونا بیان فرمایا تو ارتکاب میں فلاح کہاں؟ (۷) اس کی علت تحریم انسان کا اپنے حواس سے معطل ہوجانا جو اس کی معاش ومعاد میں مخل ہے، معاش میں تو باہمی رنجش اور عداوت کے پیدا کردینے اور معاد میں نماز اور یادِ خدا سے غافل کردینے سے اس کے بعد "أطیعوا اللّٰہ" سے لے کر "المبین" تک اور بھی اس حکم کی تاکید کردی۔ اب لفظ حرام کا اطلاق اس کی حرمت کے لئے ضروری نہ تھا۔ (تفسیر حقانی، صفحہ ۵۴، ج ۴، سورہ مائدہ پارہ ۷)

آیات الاحکام میں شیخ صابونی فرماتے ہیں:

التعبیر بقوله تعالی: فاجتنبوه (المائدة، الآیة: ۹۰) **أبلغ فی النهی والتحریم من لفظ حرم**

لأن معناه البعد عنه بالكلية فهو مثل قوله تعالى: ولا تقربوا الزنا. (الإسراء:۳۲) **لأن القرب منه إذاكان حراما فيكون الفعل محرما من باب أولىٰ فقوله فاجتنبوه معناه: كونوا في جانب آخر منه وكلما كانت الحرمة شديدة جاء التعبير بلفظ الاجتناب كما قال تعالىٰ: فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور** (حج:۳۰) **ومعلوم أنه ليس هناك ذنب أعظم من الإشراك بالله.** (آيات الأحكام للصابوني :مأخوذ من فتاوى الشبكة:۹۳٦/٤).

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت قرآن کے لئے بمنزلہ شرح وتفسیر کے تھی لہذا احادیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کو حرام سے تعبیر فرمایا، جو قرآن کا بیان ہے، یہ بات ناممکن ہے کہ قرآن سے اباحت ماخوذ اور مترشح ہو اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسے حرام قرار دیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿**وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم**﴾ (النحل، الآية:٤٤).

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس آیت میں ذکر سے مراد بالاتفاق قرآن کریم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں مامور فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق ومعارف اور احکام کا صحیح سمجھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف ہے، اگر ہر انسان صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشاء خداوندی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان وتوضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ (معارف القرآن:۳۳٦/۵،سورۂ نحل:۴۴).

چنانچہ آیات مذکورہ بالا کی وضاحت وتشریح فرماتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”**عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى حرم الخمر فمن أدركته هذه الآية وعنده منها شيء فلا يشرب ولا يبع قال: فاستقبل الناس بما كان عندهم منها في طريق المدينة فسفكوها.** (رواه مسلم: ۲۲/۲).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شراب کو اللہ

تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جس کے پاس شراب ہو اور اس کو حرمت کی آیت پہنچ جائے تو وہ نہ تو شراب پیئے نہ شراب کو بیچے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جن لوگوں کے پاس شراب تھی وہ اس کو مدینہ کے راستے پر لائے اور بہا دیا۔

(۲) عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة: إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام. (رواه مسلم:۲/۲۳).

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم الخمر والميسر والكوبة ... (مشكوٰة:۲/۳۸٦).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا اور ڈھول بجانے کو حرام قرار دیا ہے۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال خطب عمر رضی اللہ عنہ على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنه قد نزل تحريم الخمر ... (رواه البخاري).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: یقیناً خمر کی حرمت نازل ہو چکی ہے۔

نصوصِ بالا سے شراب کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

ہدایہ میں شراب کی حرمت کے انکار کو کفر اور جحود فرمایا ہے:

ومن الناس من أنكر حرمة عينها ... وهذا كفر لأنه جحود الكتاب فإنه سماه رجساً والرجس ما هو محرم العين وقد جاء ت السنة متواترة أن النبي صلى الله عليه وسلم حرم الخمر وعليه انعقد الإجماع. (هدايه آخرين، ٤٩٣).

دوسرا شبہ:

دوسرا شبہ یہ بتلاتے ہیں کہ بعض آیات سے خمر کی حلت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱) ﴿ یا أیها الذین آمنوا لا تقربوا الصلاۃ و أنتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون ﴾. (سورۃ النساء: ۴۳).

(۲) ﴿ ومن ثمرات النخیل والأعناب تتخذون منه سکراً ورزقاً حسناً ﴾. (سورۃ النحل: ٦٧).

(۳) ﴿ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس﴾. (سورۃ البقرہ: ۲۱۹).

الجواب:

احکامِ خمر بتدریج نازل ہوئے ہیں لہذا ابتدائے اسلام میں شراب حلال تھی پھر مختلف واقعات پر مختلف آیات سے بتدریج حرام ہوئی، اس وجہ سے جو آیات حلت کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے، پھر نسخ واقع ہوا۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وقال الإمام أحمد ... عن عمر بن الخطاب ﷺ أنه قال: لما نزل تحریم الخمر قال اللّٰهم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً فنزلت الآیة التي فی البقرۃ: ﴿ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما إثم کبیر ﴾ فدعی عمرؓ فقرء ت علیه فقال: اللهم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً فنزلت الآیة التي في سورۃ النساء: ﴿ یا أیها الذین آمنوا لا تقربو ا الصلاۃ وأنتم سکاری﴾ فدعی عمرؓ فقرء ت علیه، فقال: اللهم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً، فنزلت الآیة التي فی المائدۃ، فدعی عمرؓ فقرء ت علیه فلما بلغ قوله تعالی: ﴿فهل أنتم منتهون﴾ قال عمرؓ انتهینا انتهینا. (ابن کثیر: ۲/ ۱۰۴، وابن عربی: ۲/ ۱٦۳).

لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید مین نسخ ممکن نہیں ہے، نسخ کا انکار صرف اس وجہ سے کردیا کہ نسخ کی حقیقت اور حکمت تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ بھی معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا، دوسرا حکم دینا ہوگا، یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرارداد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا، اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دوروز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی وہ پہلے دن ایک دوا تجویز کرتا ہے جو اس دن کے مناسب ہے دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے...اللہ جل شانہ کے احکام مین صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہوسکتی ہے۔ (معارف القرآن:۱/۲۸۳)۔

تیسرا شبہ:

آیت کریمہ میں "فاجتنبوہ" کا مطلب ومنشا صرف اتنا ہے کہ پینے میں احتیاط کرو تا کہ مفاسد لازم نہ آئیں یا یہ ان کے نزدیک صرف ایک نصیحت ہے۔

الجواب: مفسرین کا اتفاق ہے کہ "اجتنبوہ" مکمل چھوڑنے اور دور رہنے کے معنی میں ہے، چنانچہ محقق ابن کثیرؒ نے فرمایا "فاجتنبوہ" أی اترکوہ. (۱/۱۰۴، وکذا فی تفسیر السمرقندی: ۱/۴۵۷)۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

اقتضت هذه الآية تحريم الخمر من وجهين: ۔ أحدهما قوله رجس لأن الرجس اسم في الشرع لما يلزم اجتنابه... والوجه الآخر قوله تعالىٰ فاجتنبوه وذلك أمر والأمر يقتضي الإيجاب فانتظمت الآية تحريم الخمر من هذين الوجهين. (أحكام القرآن:۲/۴٦۱)۔

ابن عربیؒ فرماتے ہیں: **قوله تعالىٰ: "فاجتنبوه" يريد ابعدوه، واجعلوه ناحية، وهذا أمر باجتنابها، والأمر على الوجوب لا سيما وقد علق به الفلاح.** (احکام القرآن لابن العربی:۲/۱٦۵)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قوله تعالىٰ: (فاجتنبوه) يريد ابعدوه واجعلوه ناحية، فأمر الله تعالىٰ باجتناب هذه

الامور ، واقترنت بصيغة الامر مع نصوص الاحاديث واجماع الامة فحصل الاجتناب فی جهة التحريم ، فبهذا حرمت الخمر، ولاخلاف بين علماء المسلمين أن سورة مائدة نزلت بتحريم الخمر، وهی مدنية من آخر مانزل ، وورود التحريم فی الميتة والدم ولحم الخنزير فی قوله تعالی: " قل لا أجد " وغيرها من الآی خبراً ، وفی الخمر نهياً وزجراً، وهو أقوی التحريم و أوكده. (الجامع لأحكام القرآن: ٦/ ١٨٦).

لسان العرب میں ہے:

جنب الشيء ... واجتنبه : بعد عنه ، وهذا مفهوم عدم القرب. (لسان العرب: ١/ ٢٧٨).

قاموس الوحید میں ہے: اجتنب الشيء : بچنا، دور رہنا، پہلو تہی کرنا، کنارہ کش ہونا۔ (قاموس الوحید: ۱/ ۲۸۴).

نیز آیت کریمہ کے سیاق وسباق سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے، اور تحریم مراد ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (صفوة التفاسير: ١/ ٣٦٦ وأحكام القرآن للجصاص: ٢/ ٤٦١، ومعارف القرآن: ٢/ ٥٨٣).

چوتھا شبہ:

قرآن میں ہے: **﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾**. (سورة البقرة، ص ١٧٣).

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ چیزیں حرام ہیں، اور چونکہ ان مذکورہ اشیاء میں لفظ خمر مذکور نہیں ہے اس لئے حلال ہے گویا انما حصر کے لئے ہے۔

الجواب:

مفسرین نے بہت سارے جوابات دیئے ہیں، منجملہ چند حسب ذیل درج ہیں:

(۱) انما تاکید کے لئے آتا ہے حصر کے لیے نہیں ہے۔

(۲) یہ حصر اضافی ہے، حصر حقیقی نہیں، یعنی یہ چیزیں فقط حرام ہیں، اور سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام جن کو تم حرام سمجھتے ہو وہ حرام نہیں ہیں۔

(۳) یہ مطلب نہیں کہ حرمت صرف ان اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان

چیزوں میں حرمت اور نجاست کے علاوہ کچھ نہیں یعنی کوئی فائدہ نہیں۔

(۴) ان چیزوں کی حرمت ان کی نجاست کی وجہ سے ہے تو دوسری چیزوں میں نجاست ہوگی تو حرمت بھی یقیناً ہوگی۔

(۵) اس میں قصر قلب ہے یعنی تم ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہو حالانکہ یہی چیزیں حرام ہیں۔

شراب کی اقسام اور ان کے احکام:

ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر مسکر حرام اور موجب حد ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر۔

اور امام محمدؒ حرمت میں ائمہ ثلاثہ کے موافق ہیں، لیکن وجوبِ حد میں شیخین کے ساتھ ہیں (یعنی خمر کے علاوہ میں سکر کا اعتبار ہے)۔

شیخین کے نزدیک اشربہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **الخمر : ني من ماء العنب إذا غلا و اشتد و قذف بالزبد.**

اس کا قلیل اور کثیر حرام ہے اور اس کا پینا موجب حد ہے اگر چہ قلیل ہو۔

(۲) انگور کا پکا ہوا عصیر جب دو ثلث سے کم اڑ جائے۔ اور کھجور یعنی منقیٰ کی پکائی ہوئی شراب جب اس پر جھاگ چھا جائے اس کا پینا حرام ہے، اگر چہ قلیل ہو، ہاں حد سکر کے بعد حد لازم ہوگی۔

(۳) اشربہ اربعہ مذکورہ یعنی انگور کی کچی شراب، انگور کی پکائی ہوئی شراب، کھجور کی پکائی ہوئی شراب اور منقیٰ کی شراب کے علاوہ جیسے نبیذ التمر والزبیب مطبوخ ادنی طبخۃ اور عصیر العنب جس کے ثلثین پکانے سے اڑ گئے ہوں، اور حنطہ چاول شعیر وغیرہ کی شراب۔

اس کا قلیل غیر مسکر مقدار پینا تقوی للعبادۃ کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور بطور مستی ولہو لعب ناجائز ہے۔ اور اگر سکر پیدا ہوا تو راجح قول کے مطابق حد ہے۔ البتہ بطور تداوی جائز ہے۔ عام حالات میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ پینا ناجائز ہے اور علاج معالجہ کے باب میں شیخین کے قول پر فتویٰ ہے، یعنی غیر مسکر مقدار جو دواؤں میں ملائی جاتی ہے حلال ہے۔ (هذا ملخص ما في كتب الفقه). **واللہ ﷻ اعلم۔**

وطی بالبہیمہ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک بکری کے ساتھ جماع کیا لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی بعض لوگوں نے اس کو دیکھا اب اس شخص کا شرعا کیا حکم ہے اور اس بکری کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور پر تعزیر لازم ہے اور بکری کو ذبح کر کے دفن کر دینا یا جلا دینا مندوب ہے۔ کتاب الآثار میں ہے:

أخبرنا أبو حنيفة عن عاصم بن أبی النجود... عن ابن عباس ﷺ، قال من أتی بهيمة فلا حد عليه، أبو حنيفة عن الهيثم بن الهيثم ... عن عمر بن الخطاب ﷺ أنه أتی برجل وقع علی بهيمة فدرأ عنه الحد وأمر بالبهيمة فاحرقت. (كتاب الآثار ١/١٠٨).

قال محمدؒ: وهذا قول ... وقال أبوحنيفةؒ ومحمدؒ إذا كانت البهيمة له ذبحت واحترقت ولا تحترق بغير ذبح فإنها مثلة. (كتاب الآثار ١/١٠٨، مجيديه).

ہدایہ میں ہے:

ومن وطی بهيمة فلا حد عليه لأنه ليس في معنی الزنا في كونه جناية وفي وجود الداعی لأن الطبع السليم ينفر عنه والحامل عليه نهاية السفه وفرط الشبق ولهذا لا يجب ستره إلا أنه يعزر لما بينا والذی يروی أنه تذبح البهيمة ويحرق فذلک لقطع التحدث به وليس بواجب. (الهداية: ٢/ ٥١٧).

وفي تبيين الحقائق: لا يجب الحد بوطی بهيمة... وما روی عن عمر رضی الله عنه أنه أتی برجل وقع فی بهيمة فعزر الرجل وأمر بالبهيمة فاحترقت، كان لقطع التحدث به، لأنه ما دامت باقية يتحدث الناس به فيلحقه العار بذلک لا لأن الاحراق واجب. ثم إن كانت الدابة مما لا يوكل لحمها تذبح وتحرق لما ذكر إن كانت مما يوكل لحمها تذبح وتوكل عند أبی حنيفةؒ وقالا تحرق هذه أيضا إن كانت البهيمة للفاعل وإن كانت لغيره

يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بقيمتها ثم تذبح هكذا ذكروا. (تبيين الحقائق ٣/١٨٢، والبحر الرائق ٥/١٧٠، ورد المحتار ٤/٢٦، النهر الفائق ٣/١٤٠).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی رائے پر موقوف ہے اور بھینس کو ذبح کر کے دفن کر دینا، یا جلا دینا مندوب ہے، بدفعلی کرنے والا شخص بھینس کی قیمت کا مالک کے لئے ضامن ہوگا، ذبح کر کے دفن کرنا واجب اور ضروری نہیں، صرف اس لئے مندوب ہے کہ گناہ کی یادگار کو ختم کرنے سے بدفعلی کرنے والے سے عار زائل ہو جائے، اس لئے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلاشبہ حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۵/۵۰۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفاً﴾

(سورة طه، الآية:۹۷).

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

”من أخذتموه يقطع من الشجر شيئاً

يعني شجر حرم المدينة فلكم سلبه

لایعضد شجرها ولایقطع“

(رواه البیهقی)

باب......(۲)

تعزیرات کا بیان

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

”ضالة الإبل المكتومة غرامتها ومثلها معها“.

(رواه ابوداود).

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنقیح المقال فی حکم التعزیر بالمال

تنقیح المقال فی حکم التعزیر بالمال

شریعتِ مطہرہ میں تعزیر بالمال کا حکم:

سوال: اکثر وبیشتر حکومتیں مسلمان ہوں یا غیر مسلم قوانین کی خلاف ورزیوں پر مالی جرمانہ لگاتی ہیں۔ بعض قبائل بھی قوانین کی خلاف ورزی پر یا خلافِ شریعت کام کے ارتکاب پر جرمانہ عائد کرتے ہیں، ہمارے ہاں پاکستان اور افغانستان کے درمیان والے قبائل میں جرگہ سسٹم رائج ہے اور اکثر قانون توڑنے پر مالی سزا دی جاتی ہے اس کی وجہ سے نظام ٹھیک چلتا ہے، مالی سزا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان سے مال وصول کیا جائے بعض دفعہ ان کے گھر یا مال کو ضائع کر کے جلاتے ہیں، بعض مرتبہ دیر سے حاضری پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، ان جرمانوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: مالی جرمانہ عائد کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ علامہ شامیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، بعض فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے کہ دراصل یہ جرمانہ وقتی طور پر بطورِ تنبیہ عائد کیا جائے نہ بادشاہ خود لے سکتا ہے اور نہ قاضی، نہ بیت المال میں جمع کیا جاسکتا ہے، بلکہ محفوظ رکھا جائے گا، اور جرم سے باز آنے پر واپس کیا جائے گا۔

عصر حاضر کے علماء اور مفتیانِ کرام کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر حضرات منع کرتے ہیں، لیکن بعض حضرات جواز کے قائل ہیں۔ لہذا قول جواز کو مدنظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ میں مالی جرمانہ کی

گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

تعزیر بالمال کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

☆ احادیث سے تعزیر بالمال کا ثبوت:

(۱) عن سعد ﷺ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:" من أخذتموه يقطع من الشجر شيئاً يعني شجر حرم المدينة فلكم سلبه لايعضد شجرها ولايقطع". قال: فرأى سعد ﷺ غلماناً يقطعون فأخذ متاعهم فانتهوا إلى مواليهم فأخبروهم أن سعداً ﷺ فعل كذا وكذا فأتوه فقالوا: يا أبا إسحاق أن غلمانک أومواليک أخذوا متاع غلماننا، قال: بل أنا أخذته، سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم، يقول: "من أخذتموه يقطع من شجر الحرم فلكم سلبه" ولكن سلوني من مالي ماشئتم. (رواه البيهقی فی سننه الكبرى:۱۹۹/۵،باب ماوردفی سلب من قطع من شجرحرم المدينة ،بيروت).

(۲) عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون لايفرق إبل عن حسابها من أعطاها موتجراً قال ابن العلاء: موتجراً بها فله أجرها ومن منعها فإنا آخذوها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل ليس لآل محمد منها شيء. (رواه ابوداود:۲۲۱/۱،باب فی زكوٰة السائمة).

وكذا رواه النسائی فی باب عقوبة مانع الزكوٰة :۳۳۵/۱۔وابن خزيمة فی صحيحه :۱۰۸۵/۱،وقال الاعظمی : اسناده حسن۔واخرجه الحاكم فی المستدرك فی كتاب الزكوٰة: ۱۴۴۸/۵۲۲/۱،وقال: هذا حديث صحيح الاسناد۔ووافقه الذهبی۔والدارمی فی سننه :۴۸۶/۱،وعلى هامشه : اسنادحسن۔واحمد فی مسنده، وقال شعيب الارنؤط:اسناده حسن:۲۰۰۳۰/۲/۵).

(۳) عن يحي بن عبد الرحمن بن حاطب أن غلمة لأبيه عبدالرحمن بن حاطب سرقوا بعيراً فانتحروه ، فوجد عندهم جلده ورأسه فرفع أمرهم إلى عمربن الخطاب ﷺ فأمر بقطعهم فمكثوا ساعة ومانرى إلا أن قد فرغ من قطعهم ، ثم قال عمر ﷺ: علي بهم ثم

قال لعبدالرحمن : واللّٰہ إني لأراک تستعملهم ثم تجيعهم وتسيء إليهم حتى لو وجدوا ماحرم اللّٰه عليهم لحل لهم ، ثم قال لصاحب البعير: لم كنت تعطي لبعيرک ؟ قال: أربع مائة درهم ، قال لعبد الرحمن : قم فأغرم لهم ثمان مائة درهم. (المصنف لعبدالرزاق: ۱۰/۲۳۹/۱۸۹۷۸).

(۴) عن سليمان بن أبي عبد اللّٰه قال: رأيت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ أخذ رجلاً يصيد في حرم المدينة الذي حرمه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فسلبه ثيابه فجاء وا مواليه فكلموه فيه فقال : إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حرم هذا الحرم وقال: من أخذ أحداً يصيد فيه فليسلبه فلا أرد عليكم طعمة أطعمنيهارسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولكن إن شئتم دفعت إليكم ثمنه. (السنن الکبری للبیهقی:۵/۱۹۹،باب ماوردفی سلب من قطع من شجرحرم المدینة).

وكذا في اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للعلامة البوصيرى : (۴/۱۵۹) باب في أسماء المدينة المشرفة وماجاء في صيدها، مكتبة الرشد، الرياض).

(۵) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه سئل عن الثمر المعلق فقال: من أصاب بقية من ذي حاجة غير متخذ خبنة فلا شيء عليه و من خرج بشيء منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة... (رواه ابوداود:۱/۲۴۰، کتاب اللقطة).

(۶) وعن معمر عن عمرو بن مسلم عن عكرمة أحسبه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه و سلم قال : ضالة الإبل المكتومة غرامتها ومثلها معها. (رواه ابوداود:۱/۲۴۱، کتاب اللقطة).

☆ فقہی عبارات سے تعزیر بالمال کا ثبوت:

(۱) علامہ علاء الدین طرابلسیؒ (م۸۴۴) معین الحکام میں فرماتے ہیں:

یجوز التعزیر بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسفؒ وبه قال مالکؒ، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلاً واستدلالاً وليس بسهل دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم ... (معين الحكام فيمايترددبين الخصمين من الاحكام: ۱۹۵، فصل فی التعزیر، دارالفکر)۔

(۲) علامہ ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

وفي الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أو الولي جاز ومن جملة ذلک رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال له. (البحرالرائق: ٤١/٤، فصل فی التعزیر، کوئٹہ)۔

(۳) فتاوی بزازیہ میں ہے:

والتعزير بأخذ المال أن المصلحة فيه جائزة...قالوا: ومن جملته من لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. (الفتاوى البزازيةعلى هامش الفتاوى الهندية: ٤٢٧/٦، كتاب الحدود)۔

(۴) فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولم يذكر محمدؒ في شيء من الكتب التعزير بأخذ المال، وقيل: روي عن أبي يوسفؒ أن التعزير والزجر من السلطان بأخذ المال جائز... وفي الفتاوى الخلاصة: التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي أو الولي جاز، ومن جملة ذلک الرجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. (الفتاوى التاتارخانية: ١٤٠/٥، كتاب الحدود، التعزير، ادارة القرآن)۔

(۵) خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

الجنس السادس في السعاية:۔ وفي نسخة القاضي الإمام أبي اليسرؒ من المبسوط في كتاب اللقيط: "من سعى رجلاً إلى السلطان حتى غرمه لايخلو من وجوه ثلاثة:... الثالث:۔ إذا وقع في قلبه أن فلاناً يجيئ إلى امرأته أوجاريته، فرفع إلى السلطان، فغرمه

السلطان، ثم ظهر كذبه، عندهما لايضمن الساعي ، وعند محمدؒ يضمن قال: والفتوى على قول محمدؒ لغلبة السعاية في زماننا. (خلاصة الفتاوى: ٤/ ٢٦٠).

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ سوچ کر کہ فلان آدمی میری بیوی یا باندی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے حاکم سے اس کی شکایت کردی، چنانچہ بادشاہ نے فلان پر تاوان عائد کردیا، پھر معلوم ہوا کہ جھوٹی شکایت تھی، تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق شکایت کرنے والے پر تاوان آئے گا، اور یہ ہی مفتی بہ قول ہے۔

خلاصہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش ہے۔

(۶) حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، ہندو وزیر معارف ولایتِ متحدہ بلوچستان نے بھی معین القضاۃ والمفتین میں معین الحکام کے حوالہ سے تعزیر بالمال کا جواز نقل فرمایا ہے اور منسوخ ہونے کی بات سے اتفاق نہیں فرمایا۔ (معين القضاة و المفتين:ص ٧٠).

(۷) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر کافر حکومت کافر کے مال پر استیلاء قبضہ کر کے قانوناً مسلمان وارث کو مال دیدے تو مسلمان اس مال کا مالک بن جائے گا، کیونکہ استیلاءِ کافر ہمارے نزدیک سببِ ملک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت تعزیراً کسی کے مال پر قبضہ کرلے تو وارث اس مال کو لے سکتا ہے، اگر تعزیر بالمال ناجائز ہوتا تو وارث کا مال لینا کہاں صحیح ہوتا؟

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

يجوز للمسلم أن يرث من الكافر بسبب استيلاء الحكومة الكافرة على مال الكافر أولاً ثم دفعها إلى المسلم بقانونها واستيلاء الكافر سبب للملك عندنا والله أعلم.

(امدادالاحکام: ٤/ ٦٢٨، الفرائض).

(۸) مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے...لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی ...چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام

ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے۔ (تقریر ترمذی:۲/۱۱۸)۔

(۹) مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ''اسلامی فقہ'' میں فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے،... راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث و آثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ (اسلامی فقہ:۳/۲۸۰، تعزیراتی جرائم)۔

(۱۰) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ''قاموس الفقہ میں فرماتے ہیں:

اس وقت اسلام کے قانون حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔ (قاموس الفقہ: جلد دوم، ص۴۷۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے جدید فقہی مسائل میں چند نظائر بھی پیش کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حقوق اللہ میں تعدی اور زیادتی پر مالی تعزیر کی نظیر ''کفارات'' ہیں جو قصداً روزہ توڑنے، قسم کھا کر پوری نہ کرنے اور قتل خطا کی صورت میں واجب ہوتے ہیں اور جن میں ایک غلام آزاد کرنا یا مسکین کی ایک خاص تعداد کو کھانا کھلانا ''مالی سزا'' شمار کی جاسکتی ہے۔

(۲) کسی انسان کی ایسی تعدی پر جس کا تعلق جسم سے ہو، تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے، جو ایسی تمام صورتوں میں واجب ہوتی ہے جب فریقین باہمی رضامندی سے اس پر آمادہ ہو جائیں یا جب قصاص کا اجراء ممکن نہ ہو۔

(۳) غیر مادی حقوق میں تعدی پر ''مالی تعزیر'' کی نظیر کفارۂ ظہار ہے کہ جس میں غلام کو آزاد کرنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے۔

(۴) مالی حقوق میں تعدی کی بنا پر مالی سرزنش کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرالے اور وہ اس

کے پاس محفوظ بھی نہ رہ سکے، تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو سکے تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا،" والغرم إذا لم يجب القطع ".

(۵) آبروریزی اور ہتک حرمت پر تاوان مالی کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبراً زنا کرلے تو اس سے عورت کو مہر کی رقم دلائی جائے گی۔ (ملخص از جدید فقہی مسائل:۲۴۶/۳).

حافظ ابن قیم حنبلیؒ نے بھی مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ''اعلام الموقعین'' میں فرماتے ہیں:

وأما تغريم المال وهو العقوبة المالية فشرعها في مواضع منها: ـ تحريق متاع الغال من الغنيمة، ومنها: ـ حرمان سهمه، ومنها: ـ إضعاف الغرم على سارق الثمار المعلقة، ومنها: ـ إضعافه على كاتم الضالة الملتقطة، ومنها: ـ أخذ شطر مال مانع الزكاة، ومنها: ـ عزمه صلى الله عليه وسلم على تحريق دور من لايصلي في الجماعة لولا ما منعه من إنفاذه ما عزم عليه من كون الذرية والنساء فيها فتتعدى العقوبة إلى غير الجاني وذلك لايجوز كما لايجوز عقوبة الحامل، ومنها: ـ عقوبة من أساء على الأمير في الغزو بحرمان سلب القتيل لمن قتله حيث شفع فيه هذا المسيئ وأمر الأمير بإعطائه فحرم المشفوع له عقوبة للشافع الآمر، التغريم نوعان: مقدر وغير مقدر،...وأما النوع الثاني غير المقدر فهذا الذي يدخله اجتهاد الأئمة بحسب المصالح ولذلك لم تأت فيه الشريعة بأمر عام وقدر لايزاد فيه ولاينقص كالحدود ولهذا اخلتف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة في كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة...وأما التعزير ففي كل معصية لأحد فيها ولا كفارة. (اعلام الموقعين:۱۱۷/۲، فصل فی تغريم المال، بيروت).

☆ عدم جواز والوں کے دلائل پر ایک نظر:

تعزیر بالمال کو ناجائز کہنے والے حضرات عام طور پر تین دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) مالی جرمانہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

(۲) حدیث شریف میں ہے: ”**لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسه**“. (رواه مسلم).

مالی جرمانہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔

(۳) مالی جرمانہ کو جائز رکھنے میں ظالموں کے لیے ظلماً مال لینے کا دروازہ کھل جائے گا، لہذا خلاف شریعت ہونا ظاہر ہے۔

☆ دلائل کے جوابات:

پہلی دلیل کا جواب: (۱) علامہ علاء الدین طرابلسی حنفیؒ (م۸۴۴) نے معین الحکام میں دعوائے نسخ کو غلط قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: **ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلاً واستدلالاً وليس بسهل دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم** ... (معين الحكام فيمايترددبين الخصمين من الاحكام:۱۹۵، فصل فی التعزیر، دار الفكر).

نیز حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیم اور دکتور وھبہ زحیلی نے فرمایا کہ دعوائے نسخ بلا دلیل ہے جب کہ آپ علیہ السلام کے بعد خلفاء راشدین اور ائمہ نے اس پر عمل فرمایا، لہذا نسخ کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق عن أصحاب مالكؒ وأحمدؒ فقد غلط على مذهبهما، و من قاله مطلقاً من أي مذهب كان: فقد قال قولاً بلادليل، ولم يجئ عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء قط يقتضي أنه حرم جميع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلك بعد موته دليل على أن ذلك محكم غير منسوخ. (مجموع فتاویشیخ الاسلام ابن تیمیة:۲۸/۱۱۱،فصل فی التعزیربالعقوبات المالية).

دکتور وھبہ زحیلی شافعی ”الفقہ الاسلامی وادلتہ“ میں رقمطراز ہیں:

وقد اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة في كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة. (الفقه الاسلامی وادلته:٦/٢٠٥، التعزیر بالمال، دار الفکر).

دوسری دلیل کا جواب: (۲) حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ حدیث شریف کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" **لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه**" یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں، اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے، تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ حلال ہونا چاہئے؟ (تقریر ترمذی:۲/۱۱۸،۱۱۹).

نیز اگر جان پر کوئی مصیبت آجائے تو مال کے ذریعہ اس کا دفاع کرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ مال بچانے کے لیے جان کھپا دے۔

ملاحظہ ہو روایتِ موقوفہ میں ہے:

...فإن عرض بلاء فقدم مالک دون نفسک فإن تجاوز البلاء فقدم مالک ونفسک دون دينک...، هذا إسناد رواته ثقات وهوموقوف. (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للعلامة البوصيری:٨/٢٣٩/٧٩٧٣،باب فضل القرآن،مكتبة الرشد، الرياض).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جسم وقالب کی حرمت مال کی حرمت سے بڑھ کر ہے، جب جسم پر تعزیر باتفاقِ فقہاء جائز ہے تو تعزیر بالمال کیوں ناجائز ہے؟

تیسری دلیل کا جواب: (۳) جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اور اس کی علت حکام کے ظلم کو قرار

دیا ہے تو یہ رائے انہوں نے مصلحت کی بنیاد پر قائم کی ہے لہذا اگر ظلم کا پہلو نہ ہو بلکہ کسی مصلحت کی وجہ سے یا کسی جرم میں مال پر قبضہ کرلیا جائے تو ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، جیسا کہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے اسلامی فقہ میں تحریر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو اسلامی فقہ میں ہے:

جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی یہی ہوگی۔ (اسلامی فقہ: ۳/۲۸۱) .

نیز تعزیر بالمال کا حکم خلافِ شریعت نہیں ہے بلکہ سیاسۃً مصلحت وفائدہ کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ علاء الدین طرابلسی حنفیؒ فرماتے ہیں:

قال القرافي : واعلم أن التوسعة على الحكام في الأحكام السياسية ليس مخالفاً للشرع ، بل تشهد له الأدلة المتقدمة. (معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الاحكام: ١٧٦، دارالفكر) . واللہ ﷻ اعلم۔

تعزیر کی دوسری صورت تعزیر باہلاک المال کا حکم:

سوال: اگر غیر حاکم یا مدرسہ یا سرپرست کسی شخص کے اپنے آلاتِ موسیقی یا آلاتِ لہو ولعب کو توڑ دے جو موسیقی کے علاوہ میں بھی استعمال ہوتے ہوں جیسے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ تو ان پر تاوان آئے گا یا نہیں؟ حاکم اور غیر حاکم میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: آلاتِ موسیقی وآلاتِ لہو ولعب کو کسی نے اپنی مرضی سے توڑا تو تاوان لازم ہوگا، اور اگر حاکم کے حکم کی وجہ سے کسی نے توڑا، یا خود حاکم نے توڑا تو تاوان لازم نہیں ہوگا، لیکن اجزاء غیر مرکبہ کا تاوان آئے گا۔

البتہ اگر کسی ادارہ کا قانون یہ ہے کہ فلاں قسم کی چیزوں کو مت رکھو اور پھر بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو رکھا گیا اور اس ادارہ کے سربراہ اور منتظمین حضرات نے اس کو توڑ دیا تو ان پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ وہ حضرات حاکم کی طرح ہیں، طلبہ اور ان کے سرپرستوں نے مدرسہ کے قوانین کی پابندی کو تسلیم کر کے

مدرسہ کے مہتممین کو بمنزلہ حاکم تسلیم کرلیا۔ قاعدہ: "الحکم کالقاضي". (قواعد الفقہ: ۷۹). کے تحت، نیز ان کے توڑنے میں فساد کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے، اور والد اور استاذ کو تعزیر دینے کا حق حاصل ہے، بچے کی پٹائی حدود میں رہ کر بھی تعزیر ہی ہے۔ بلکہ بعد میں عینی اور لامع وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر حاکم بھی تعزیر بالمال دے سکتا ہے۔

ہمارے بعض اکابر کے طرزِ عمل سے بھی غیر حاکم کی تعزیر بالمال کی تائید ہوتی ہے، اکابر نے بعض مرتبہ کسی چیز پر اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے اس کو چاک کر دیا ہے اگر چہ وہ کام فی نفسہ جائز تھا، لیکن اکابرؒ کی مرضی کے خلاف تھا۔ آپ بیتی میں مذکور ہے:

حضرت نور اللہ مرقدہ "حضرت مدنیؒ" کو کھدر سے تو عشق تھا اور ولایتی کپڑے سے نفرت تھی یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے لیکن اس سیہ کار کے حال پر ایک مزید شفقت یہ تھی کہ میرے بدن پر جب بھی بدیسی کرتہ دیکھتے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایسے زور سے چاک فرماتے کہ نیچے تک وہ پھٹ جاتا تھا، حضرت قدس سرہ کی حیات تک ڈر کے مارے کھدر کا میرے یہاں بہت ہی اہتمام رہا۔ (آپ بیتی حصہ چہارم ص ۶۴).

حضرت شیخؒ کو ابتداء میں ہدیہ لینے سے نفرت تھی، بعض ہدیہ دینے والوں کے نوٹ ایک دو پانچ دس کے پھاڑے بھی ہیں،... ایک دوست حاجی جان محمد صاحب پشاوری... ایک چائے کا ڈبہ لائے ... حضرت شیخ نے پھاڑ کر زور سے دیوار میں دے کر مارا، وہ ساری چائے دور دور تک منتشر ہوگئی۔ (آپ بیتی، حصہ چہارم، ص ۸۸).

☆ تعزیر باہلاک المال کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے سامری کو جرم میں دو سزائیں دی، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بیان فرمایا: (۱) ﴿فإن لک في الحیاۃ أن تقول لا مساس﴾. (سورۃ طہ). کہ زندگی بھر تو یہ کہا کرے گا کہ مجھے مت چھیڑو۔ (۲) ﴿لنحرقنه ثم لننسفنه في الیم نسفاً﴾. (سورۃ طہ، الآیۃ: ۹۷). کہ تو نے جو زیورات ڈال کر بچھڑا بنایا تھا، یا حقیقی بچھڑا تھا، اسے بھی ہم جلا کر دریا میں بکھیر دیں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا کر سمندر میں ڈال دیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قال الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ والسدي: سحله بالمبارد وألقاه على النار، وقال قتادة : استحال العجل من الذهب لحماً ودماً فحرقه بالنار ، ثم ألقى رماده في البحر. (تفسیر ابن کثیر: ۱۸۲/۳۔وتفسیرعثمانی:٤٢٤).

خلاصہ یہ ہے کہ اس قصہ میں تعزیر بإہلاک المال کی دلیل موجود ہے۔

(۲) منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خبیث مقاصد کے تحت مسجد کے نام سے ایک مکان بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع فرمادیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہِ خداع وفریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوندِ زمین بنادو، انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کردیا۔ (تفسیر عثمانی بتغییر یسیر).

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: **﴿والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً وتفريقاً بين المؤمنين و إرصاداً لما حارب الله ورسوله من قبل، وليحلفن إن أردنا إلا الحسنىٰ، والله يشهد إنهم لكذبون﴾.** (سورة التوبة،الآية:۱۰۷).

قصۂ بالا سے بھی معلوم ہوا کہ تعزیر بإہلاک المال جائز ہے۔

☆ احادیث مبارکہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن أبي رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بذى الحليفة من تهامة فأصبنا غنماً وإبلاً ، فعجل القوم فأغلوا بها القدور فأمر بها فكفئت... (رواہ مسلم: ۱۵۷/۲، کتاب الاضاحی).

حدیثِ مذکورہ بالا کی شرح میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وقال المهلب بن أبي صفرة المالكيؒ : إنما أمروا بإكفاء القدور عقوبة لهم لاستعجالهم في السير وتركهم النبي صلى الله عليه وسلم في أخريات القوم. (شرح النوویؒ :۱۵۷/۲،کتاب الاضاحی)

اس قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حاکم ہانڈیاں الٹ دینے کا حکم فرمایا۔

(۲) عن عبد اللّٰہ بن عمرو ﷺ قال: رأى النبي صلى اللّٰہ علیه وسلم علي ثوبين معصفرين، فقال: أمک أمرتک بهذا؟ قلت: اغسلهما؟ قال: لا، بل أحرقهما. (رواہ مسلم:۲/۱۹۳، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما الأمر بإحراقهما، فقيل: هو عقوبة وتغليظ لزجره وزجرغيره عن مثل هذا الفعل. (الشرح الکامل للامام النوویؒ:۲/۱۹۳)۔

(۳) عن عمران بن حصين ﷺ قال: بينما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم في بعض أسفاره وامرأة من الأنصار على ناقة فضجرت، فلعنتها فسمع ذلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم، فقال: خذوا ما عليها ودعوها فإنها ملعونة. (رواہ مسلم:۲/۳۲۳)۔

اس قصہ میں بطورِ تنبیہ کے ناقہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔

قال النوويؒ: إنما قال هذا زجراً لها ولغيرها، وكان قد سبق نهيها ونهي غيرها عن اللعن، فعوقبت بإرسال الناقة. (شرح النووی علی مسلم:۲/۳۲۳)۔

(۴) عن سالم أنه سئل عن الغال في الغنيمة، فقال: سمعت أبي يحدث عن عمربن الخطاب ﷺ عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه. (رواہ ابوداود: ۲/۳۷۱ـ والترمذی:۱/۲۷۰)۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے بارے میں فرمایا: اس کے سامان کو جلا دو اور اس کی پٹائی کرو۔

(۵) عن أنس ﷺ عن أبي طلحة ﷺ أنه قال: يا نبي اللّٰہ إني اشتريت خمراً لأيتام في حجري، قال: اهرق الخمرواكسرالدنان. رواہ الترمذی، وقال: وفی الباب عن جابروعائشة وابی سعید وابن مسعودؓ وابن عمر. (۱/۲۴۲، باب ماجاء فی بیع الخمرو النبی عن ذلك)۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب بہانے اور اس کے مٹکے توڑنے کا حکم فرمایا۔

(٦) عن سلمة بن الأكوع ﷺ قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى خيبر ثم أن الله فتحها عليهم فلما أمسى الناس اليوم الذي فتحت عليهم أوقدوا نيراناً كثيرة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هذه النيران على أي شيء توقدون، قالوا: على لحم قال: على أي لحم، قالوا: على لحم حمر إنسية، فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم: اهريقوها واكسروها. (رواه مسلم:٢/١٤٩، باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية).

اس حدیث میں بھی گدھوں کے گوشت کو گرانے اور برتنوں کے توڑنے کا حکم فرمایا۔

(٧) عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: لقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام ثم أمر رجلاً فيصلي بالناس ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار. (رواه ابوداود:١/٨١، كتاب الصلاة، باب التشديدفي ترك الجماعة).

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں جماعت ترک کرنے والوں کے گھر جلا دینے کا ارادہ فرمایا، اگرچہ جلانا ثابت نہیں ہے، علامہ ابن القیم نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ گھروں میں بچے اور عورتیں بھی ہوتی ہیں تو سزا غیر مجرم تک متعدی ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے۔

قال ابن القيمؒ: لولا ما منعه من إنفاذه ما عزم عليه من كون الذرية و النساء فيها فتتعدى العقوبة إلى غير الجاني وذلك لايجوز كما لايجوز عقوبة الحامل. (اعلام الموقعين: ٢/١١٧، فصل في تغريم المال، بيروت).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں یہ (مذکورہ بالا) روایت تعزیر بالمال کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے:

وقد هم الشارع بتحريق دور من يتخلف عن صلاة الجماعة، وهذا أصل في العقوبة في المال إذا رأى ذلك. (عمدة القاري:٩/٢٤٣، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر، ملتان).

نیز علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ تعزیر با ہلاک المال میں امام محمدؒ کے نزدیک تاوان آئیگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تاوان نہیں آئیگا اور فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ ملاحظہ ہو:

فإن كان زق الخمر لمسلم يضمن عند محمدؒ...وعند أبي يوسفؒ لايضمن لأنه من جملة الأمر بالمعروف...والفتوىٰ على قول أبي يوسفؒ خصوصاً في هذا الزمان. (عمدة القاری:۹/۲۴۲،باب هل تکسر الدنان التی فیها الخمر،ملتان).

حضرت شیخؒ نے بھی لامع الدراری کے حاشیہ میں علامہ عینیؒ سے امام ابو یوسفؒ کے قول پرفتویٰ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (حاشیة لامع الدراری:۲/۳۹۱).

مزید براں علامہ عینیؒ نے قولِ نسخ کو قیل سے نقل کرکے اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **وقيل هذا كان في صدر الأول ثم نسخ** .(عمدة القاری:۹/۲۴۲،باب هل تکسر الدنان التی فیها الخمر،ملتان).

(۸) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأبابكرؓ وعمرؓ حرقوا متاع الغال وضربوه. (رواه ابوداود:۲/۳۷۱، باب فی عقوبة الغال).

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں چند آثار نقل کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۹) و مثل أمر عمر بن الخطاب ؓ وعلي بن أبي طالب ؓ بتحريق المكان الذي يباع فيه الخمر.

(۱۰) و مثل تحريق عثمان بن عفانؓ المصاحف المخالفة للإمام.

(۱۱) و تحريق عمر بن الخطابؓ لكتب الأوائل.

(۱۲) وأمره (أى أمر عمر بن الخطابؓ) بتحريق قصر سعد بن أبي وقاص ؓ الذي بناه لما أراد أن يحتجب عن الناس، فأرسل محمد بن مسلمةؓ وأمره أن يحرقه عليه فذهب فحرقه عليه، وهذه القضايا كلها صحيحة معروفة عند أهل العلم بذلك ونظائرها متعددة. (مجموع فتاوی ابن تیمیة :۲۸/۱۱۰،فصل فی التعزیر بالعقوبات المالیة).

الغرض ان تمام احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر با ہلاک المال بھی جائز اور درست ہے۔

فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

قال في الدر المختار: وضمن بكسر معزف بكسر الميم آلة اللهو ولولكافر، ابن كمال قيمته خشباً منحوتاً صالحاً لغير اللهو، وضمن القيمة لا المثل بإراقة سكر ومنصف ... وقالا: لا يضمن ولا يصح بيعها ، وعليه الفتوىٰ ، ملتقى ودرر وزيلعي وغيرها وأقره المصنف، وأما طبل الغزاة ، زاد في حظر الخلاصة : والصيادين ، والدف الذي يباح ضربه في العرس فمضمون اتفاقاً. وفي الشامية : (وقالا لايضمن...) هذا الاختلاف في الضمان دون إباحة إتلاف المعازف ، وفيما يصلح لعمل آخر و إلا لم يضمن اتفاقاً، وفيما إذا فعل بلا إذن الإمام ، وإلا لم يضمن اتفاقاً... (الدرالمختار: مع فتاوی الشامی:۶/۲۱۲،سعید).

ہدایہ میں ہے:

ومن كسر لمسلم بربطاً أوطبلاً أو مزماراً أودفاً ...فهو ضامن ...وهذا عند أبي حنيفةؒ ، وقال أبو يوسفؒ ومحمدؒ : لايضمن ...وقيل الفتوى في الضمان على قولهما ... لهما أن هذه الأشياء أعدت للمعصية فبطل تقومها كالخمر، ولأنه فعل مافعل آمراً بالمعروف وهو بأمر الشرع فلا يضمنه كما إذا فعل بإذن الإمام ، ولأبي حنيفةؒ أنها أموال لصلاحيتها لما يحل من وجوه الانتفاع وإن صلحت لما لايحل فصار كالأمة المغنية ، وهذا لأن الفساد بفعل فاعل مختار فلا يوجب سقوط التقوم . وجوازالبيع والتضمين مرتبان على المالية والتقوم والأمر بالمعروف باليد إلى الأمراء لقدرتهم وباللسان إلى غيرهم، وتجب قيمتها غير صالحة للهو. (الهداية : ۳/۳۸۸، باب الغصب).

وفي الفتاوى الهندية : و يقال: الأمر بالمعروف باليد على الأمراء وباللسان على العلماء وبالقلب لعوام الناس وهو اختيار الزندويستي، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية:۵/۳۵۳).

تکملہ البحر الرائق میں ہے:

والفتوى في زماننا على قولهما لكثرة الفساد . (تكملة البحرالرائق: ۸/۱۲۵).

خلاصہ یہ ہے کہ حاکم یا جو حاکم کے قائم مقام ہو مثلاً اربابِ مدرسہ وغیرہ اگر کسی کی چیز توڑ دے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے تو تاوان نہیں آئے گا، جیسے والد اور استاذ اولاد و شاگرد کی سرزنش کر سکتے ہیں اسی طرح اربابِ مدرسہ بھی بمنزلہ والی کے ہیں۔ ہاں ہر کس و ناکس کے لیے تعزیر کی اجازت نہیں ہے، ورنہ فتنہ وفساد پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

غیر امیر کے اتلاف کی ایک نظیر:

درمختار میں ہے:

وضمن المتلف المسلم قيمتهما أي الخمر والخنزير لأن الخمر في حقنا قيمي حكماً أي وإن كانت من ذوات الأمثال لو كانا لذمي والمتلف غير الإمام أومأموره يرى ذلك عقوبة فلا يضمن بأن كان مجتهداً أومقلداً لمجتهد يراه . (الدر المختار مع الشامي: ٦/ ٢١٠، سعيد).

یاد رہے کہ یہاں ذمی کی خمر جس کو نہیں گرانا چاہئے غیر امیر بطورِ تعزیر تلف کر سکتا ہے۔

اشکال: کسی کے مال کو ہلاک کرنے کے بارے میں اگر یہ اشکال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا، بخاری شریف میں حدیث ہے:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرم عليكم عقوق الأمهات ووأد البنات ومنعاً وهات وكره لكم القيل والقال وكثرة السوال وإضاعة المال. (رواه البخاري: ١/ ٣٢٤).

اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور قابل داد چیز کے نہ دینے اور ممنوع چیز مانگنے سے منع کیا ہے۔ اور آپ کے لیے گپ شپ اور کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو مکروہ بتلایا ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مال ضائع کرنا وہ ہوتا ہے جس میں کوئی فائدہ اور مصلحت نہ ہو۔ اور اس عمل میں تادیب واصلاح کی مصلحت پائی جاتی ہے جیسے اگر کوئی بندوق کی گولیوں کو چلا کر نشانہ بازی سیکھتا ہے تو بظاہر گولیاں ضائع ہوئیں لیکن نشانہ بازی کے علم کا فائدہ ہوا، منطق وفلسفہ کا پڑھنا بظاہر وقت ضائع کرنا ہے لیکن

اس سے استعداد کی پختگی آتی ہے اس لیے سب اکابر نے پڑھا تھا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تعزیر بالمال کی تیسری صورت "التغییر" کا حکم:

سوال: اگر کسی طالب علم کے پاس سیل فون، سی ڈی، کیسٹ، یا میموری کارڈ (memory card) میں فحش اور غلط پروگرام محفوظ ہیں، وہ طالب علم وقتاً فوقتاً ان کو دیکھتا یا سنتا رہتا ہے، یا کسی طالب علم کے فون میں لڑکیوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کی وجہ سے ان کی تصویریں محفوظ ہیں جن کو وہ دیکھتا رہتا ہے، اور لذت حاصل کرتا رہتا ہے، یا کوئی طالب علم لمبا کرتا پہن کر درسگاہ میں آتا ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہے، یا کسی طالب علم کے پاس ذی روح کی تصویریں محفوظ ہیں، وغیرہ وغیرہ، تو ان تمام منکرات کو ختم کرنا درست ہے یا نہیں؟ یعنی ناجائز پروگرام کو صاف کرنا، کرتا کاٹ دینا وغیرہ وغیرہ، ارباب مدرسہ کو ان امور کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر اس طرح کیا تو تاوان لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان تمام منکرات کو مٹانا اور ختم کرنا اربابِ مدرسہ کے لیے جائز اور درست ہے، اور یہ تعزیر کی تیسری صورت ہے، کہ مال کو بالکلیہ ہلاک نہ کردے بلکہ صرف معصیت کو مٹا دے، دوسری صورت کی طرح اس کی بھی گنجائش ہے، لیکن حاکم یا جو بحکم حاکم ہو وہ کرسکتا ہے ہر شخص کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ ورنہ فتنہ پیدا ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن أبي طلحة الأنصاري ﷺ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب أوتماثيل فأتيت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقلت: إن هذا يخبرني أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولاتماثيل فهل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر ذلک؟ فقالت: لا، ولكن سأحدثكم مارأيته فعل رأيته خرج في غزاته فأخذت نمطاً فسترته على الباب فلما قدم فرأى النمط عرفت الكراهة في وجهه فجذبه حتى هتكه أو قطعه وقال: إن الله لم يأمرنا أن نكسو الحجارة

والطين قالت: فقطعتها منه وسادتين وحشوتهما ليفاً فلم يعب ذلك علي . (رواه مسلم: ۲/ ۲۰۰ـو البخاری ۲/ ۸۸۰، مختصراً).

قال العلامة العينيؒ: ستر عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها فيه تصاوير فهتكه صلى اللّٰه عليه وسلم فجعلته قطعتين فاتكأ على إحداهما . (عمدة القاری:۸/ ۳۸۱،دارالحدیث ، ملتان).

وقال العلامة النوويؒ: أتلف الصورة التي فيه...فيستدل به لتغيير المنكرباليدوهتك الصور المحرمة. (شرح النوویؒ:۲/ ۲۰۰).

قال الملا علي القاريؒ: وإن إتلافها أمر الشارع به ، لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم:"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده " (أخرجه مسلم) **وإنكارها باليد إتلافها، وهو لو أتلفها بأمر أولي الأمر لايضمن فبأمر الشارع أولى ، وفي الجامع الصغير" لصدر الإسلام " الفتوى في عدم الضمان على قولهما، لكثرة الفساد بين الناس حتى ذكر الصدر الشهيد أن البيت يهدم على من اعتاد الفسق وأنواع الفساد، وأنه لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين، وبإراقة العصير قبل أن يشتد على من اعتاد الفسق.** (فتح باب العناية فی شرح کتاب النقاية:۳/ ۳۶۷،کتاب الغصب).

قال الدكتوروهبة الزحيلي : (۲) التغيير قد يقتصر العقوبة المالية على تغيير الشيء ، مثل نهي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن كسر العملة الجائزة بين المسلمين،كالدراهم والدنانير، إلا إذا كان بها بأس، فإذا كان فيها بأس كسرت. ومثل فعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في التمثال الذي كان في بيته ، والستر الذي به تماثيل، إذ أمر بقطع رأس التمثال فصار كهيئة الشجرة ، وبقطع الستر، فصار وسادتين يوطان، وهكذا اتفق العلماء على إزالة و تغيير كل ما كان من العين أوالتاليف المحرم ، مثل تفكيك آلات الملاهي ، وتغيير الصور المصورة. (الفقه السلامی وادلته:۶/ ۲۰۳،التعزیربالمال،دارالفکر).

وكذا فی فتاوی ابن تیمیه:۲۸/ ۱۱۷) . **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کافر یا منافق کہنے پر تعزیر کا حکم:

سوال: اگر کسی دوسرے شخص کو کافر یا منافق کہا تو شرعاً اس پر تعزیر ہے یا نہیں؟ اور کیا تعزیر میں قتل کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کافر یا فاسق کہنے پر بعض کتابوں میں عدم تعزیر مرقوم ہے، لیکن اکثر کتبِ فقہیہ میں تعزیر کا حکم مذکور ہے، اور موجودہ دور میں فتنہ وفساد اور سب وشتم کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کے غلط فائدہ اٹھانے کا امکان ہے اس لیے تعزیر ہونی چاہئے البتہ قاضی پر موقوف ہے، حالات واشخاص کا اعتبار کرتے ہوئے جاری کرے۔ لیکن محض سب وشتم میں تعزیر بالقتل کی گنجائش نہیں ہے، ہاں فی نفسہ تعزیر بالقتل مشروع ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وإذا قال لغيره: "يافاجر" فعليه التعزير وكذلک إذا قال لغيره: "ياخبيث"، "يافاسق"... وفي الأجناس: وإذا قال: "ياكافر"، "يازنديق"، "يالص"... وفي السراجية: "يابےنماز" فعليه التعزير، وفي المضمرات: قال بعضهم: من قال لآخر: "ياكافر" لا يجب التعزير ما لم يقل: ياكافر بالله، لأن الله سمى المؤمن كافراً بالطاغوت قال: ﴿فمن يكفر بالطاغوت﴾. فيكون محتملاً. (فتاوى تاتارخانية: ٥/١٤٥، ١٤٦، كتاب الحدود والتعزير).

کنز الدقائق میں ہے:

ومن قذف ... أومسلماً بـ "يا فاسق" "ياكافر ياخبيث... عزر. (كنز الدقائق: ١٩٠، فصل في التعزير، مكتبه امداديه).

البحر الرائق میں ہے:

وفي شرح الطحاوي: والأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكراً أوآذى مسلماً بغيرحق بقوله أوبفعله وجب عليه التعزير إلا إذا كان الكذب ظاهراً.

(البحر الرائق:٥/٤٣۔وبدائع الصنائع:٧/٦٤).

تعزیر میں حالات واشخاص کا اعتبار ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي فتاوى الخلاصة: التعزيرعلى أربع مراتب: (١) تعزير أشراف الأشراف: كالفقهاء والعلوية. (٢) تعزير الأشراف: كالدهاقنة. (٣) وتعزير أوساط الناس. (٤) وتعزير الخساس. فتعزير أشراف الأشراف: الإعلام لا غير، وهو أن يقول القاضي: بلغني أنک تفعل كذا وكذا. وتعزير الأشراف: الإعلام والجر إلى باب القاضي. وتعزير الأوساط وهم السوقية: الإعلام والجر إلى باب القاضي والحبس،وتعزيرالخساس: الإعلام والجر والضرب والحبس مع ذلک... وقد يكون بالصفع. (طمانچہ) وتعريک الأذن، وقد يكون بالكلام العنيف، وقديكون بالضرب، وفي الخانية: وعن محمد رحمه الله تعالىٰ: رجل يشتم الناس وهو محترم له مروءة: يوعظ ولايحبس، وإن كان دون ذلک: يؤدب وإن كان شتاماً: يضرب ويحبس. وفي الظهيرية: وقد يكون التعزير بنظر القاضي إليه بوجه عبوس ... ولا خلاف بين العلماء أنه لا يبلغ التعزير الحد... فأما أدناه مفوض إلى رأي القاضي يقيم بقدر مايرى من المصلحة فيه، وفي الظهيرية: أقل التعزيرلاينقص عن ثلاث جلدات،...فالتعزير مفوض إلى رأي الإمام. (الفتاوى التاتارخانية: ٥/١٤٠، كتاب الحدود،التعزير۔وكذا في الدرالمختار مع فتاوى الشامي:٤/٦٠، باب التعزير،سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تعزیر بالقتل کا حکم:

درمختار میں ہے:

يكون التعزير بالقتل كمن وجد رجلاً مع امرأة لاتحل له، ولو أكرهها فلها قتله ودمه

هدر... وفي شامية: (قوله ويكون التعزير بالقتل) رأيت في (الصارم المسلول) للحافظ ابن تيمية أن من أصول الحنفية أن مالا قتل فيه عندهم مثل قتل بالمثقل والجماع في غير القبل إذا تكرر فللإمام أن يقتل فاعله، وكذلك له أن يزيد على الحد المقدر إذا رأى المصلحة في ذلك، ويحتملون ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه من القتل في مثل هذه الجرائم على أنه رأى المصلحة في ذلك ويسمونه القتل سياسة، وكان حاصله أن له أن يعزر بالقتل في الجرائم التي تعظمت بالتكرار وشرع القتل في جنسها.....قلت: وقد ظهر لي في التوفيق وجه آخر وهو أن الشرط المذكور إنما هو فيما إذا وجد رجلاً مع امرأة لاتحل له قبل أن يزني بها فهذا لايحل قتله إذا علم أنه ينزجر بغير القتل سواء كانت أجنبية عن الواجد أو زوجة له أومحرماً منه، أما إذا وجد يزني بها فله قتله مطلقاً. (الدرالمختارمع فتاوی الشامی:٤/٦٢،مطلب یکون التعزیربالقتل،سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تعزیراً بائیکاٹ (حقہ پانی بند کرنا) کا حکم:

سوال: ہمارے بعض علاقوں میں یہ عمل درآمد ہے کہ اگر کسی سے کوئی جرم صادر ہو جائے، تو بطورِ تعزیر قبیلہ والے اور محلّہ کے لوگ اس سے بائیکاٹ کرتے ہیں، اور عرف میں یہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ پانی حقہ بند ہے، اور بسااوقات اس کو مسجد میں نماز سے اور جنازہ میں شرکت سے بھی روکتے ہیں، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے یانہیں؟

الجواب: بطورِ تعزیر بائیکاٹ جائز اور درست ہے، لیکن مسجد میں نماز باجماعت وغیرہ سے روکنا جائز نہیں ہے، شریعتِ مطہرہ میں بہت سے ایسے واقعات دستیاب ہوتے ہیں جن سے بائیکاٹ کا ثبوت ملتا ہے لیکن مسلمانوں کے اجتماعی عبادتی امور مثلاً مسجد میں نماز باجماعت یا جنازہ وغیرہ میں شرکت سے روکنا ثابت نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر

فيها اسمه وسعى في خرابها﴾.(سورة البقرة،الآية:١١٤).

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکرونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز وتلاوت سے صراحۃً روکا جائے۔(معارف القرآن:۱/۲۹۹).

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی جن سے بائکاٹ کیا گیا تھا اور جن کے بارے میں آیتِ کریمہ:﴿ **وعلى الثلاثة الذين خلفوا حتى إذا ضاقت عليهم الأرض بما رحبت**﴾ .نازل ہوئی تھی، پھر بھی ان کو نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا کرنے سے نہیں روکا گیا تھا، ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف کی روایت میں ہے:

... وأما أناْ فكنت أخرج فأشهد الصلاة مع المسلمين و أطوف في الأسواق و لايكلمني أحد...الخ. (رواه البخاري:٢/٦٣٥،حديث كعبؓ).

احادیثِ مبارکہ سے بائیکاٹ کا ثبوت:

(۱) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کے ساتھ ۵۰ دن تک بائکاٹ کیا گیا۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

...فلبثت بعد ذلک عشر ليال حتى كملت لنا خمسون ليلة من حين نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كلامنا...(رواه البخاري:٢/٦٣٦).

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے سے ترک کلام فرمایا۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ میں ہے:

عن سعيد بن جبير رضي الله عنه عن عبد الله بن مغفل رضي الله عنه أنه كان جالساً وإلى جنبه ابن أخ له فخذف فنهاه وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها، وقال:إنهالاتصيد صيداً ولاتنكئ عدواً وإنها تكسر السن وتفقأ العين، قال: فعاد ابن أخيه يخذف، فقال: أحدثک أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها عدت ثم تخذف لا أكلمک أبداً. (رواه ابن ماجة:ص٣).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کے مارنے سے منع فرمایا کہ ان سے نہ شکار ہوتا ہے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے ہاں کسی کا دانت توڑ یگی یا آنکھ پھوڑ یگی، راوی کہتے ہیں کہ ان کے کے بھتیجے نے پھر مارنا شروع کیا تو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں سے منع فرمایا اور تم مارتے ہو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے ترک کلام فرمایا۔ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے:

عن مجاهد عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لايمنعن رجل أهله أن يأتوا المساجد فقال ابن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ: فإنا لنمنعهن ، فقال عبد اللّٰه: أحدثك عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وتقول هذا، قال: فما كلمه عبد اللّٰه حتى مات. (رواه احمد،مشكوٰة شريف:۱/۹۷).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی کو مسجد سے نہ روکے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے نے کہا ہم تو منع کریں گے،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حدیث سناتا ہوں اور تم یہ بات کہتے ہو،راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وفات تک اپنے بیٹے سے بات نہیں کی۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ترک کلام فرمایا۔

...أن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها حدثت أن عبد اللّٰه بن الزبير قال في بيع أو عطاء أعطيته عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها والله لتنهين عائشة أو لأحجرن عليها، فقالت: أهو قال هذا ، قالوا: نعم، قالت: هو لله علي نذر أن لا أكلم ابن الزبير أبداً فاستشفع ابن الزبير رضی اللہ عنہ إليها حين طالت الهجرة...الخ. (رواه البخارى:۲/۸٦۷، كتاب الادب، باب الهجرة).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیادہ سخاوت کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر اس سے باز نہ آئے تو میں ان پر پابندی لگادوں گا،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا

دریافت کیا کہ کیا اس نے ایسا کہا میں منت مانتی ہوں کہ ابن زبیر سے کبھی بات نہیں کروں گی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی مشکل سے راضی کیا۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال. (مشكوٰة شريف: ٢/٤٢٧، باب ماينهى من التهاجر).

حدیثِ بالا کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق اللّٰه تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك، وفي حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبدالبرؒ ...وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه، أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانبته وبعده...وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم لما خاف على كعب بن مالك رضي الله عنه وأصحابه النفاق حين تخلفوا عن غزوة تبوك أمر بهجرانهم خمسين يوماً... (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ٩/٢٦٢).

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

...ایسے لوگوں کے ساتھ اگر عام مسلمان کچھ دنوں کے لیے بطورِ تنبیہ تعلقات منقطع کرلیں اور اس کو اپنے حقہ پانی میں شریک نہ کریں، بیاہ شادی میں اس کے شریک نہ ہوں تو یہ جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، كما في اتحاد البصائر في ترتيب الأشباه والنظائر: ص ٩٢. (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۸).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۵/۵۲۹۔ وفتاوی محمودیہ: ۱۸/۵۰۷)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شریعتِ مطہرہ میں تادیب کا حکم:

سوال: شریعتِ مطہرہ میں بیوی بچوں، اور شاگردوں کی پٹائی کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

الجواب: حدودِ شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض صورتوں میں تادیباً پٹائی کی گنجائش ہے۔

☆ **تأديب الزوجة :** (زوجہ کی سرزنش کا حکم)۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ **والتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن** ﴾. (سورة النساء، الآية: ٣٤).

یعنی عورتوں کی طرف سے نافرمانی کا صدور یا اندیشہ ہو تو، پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اور اگر وہ محض سمجھانے بجھانے سے باز نہ آئیں، تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے بستر سے علیحدہ کردو، تاکہ وہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہو جائیں، اور جدائی صرف بستر ہ میں ہو، مکان کی جدائی نہ کرے اس میں رنج زیادہ ہوگا، اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے،...اور جو اس شریفانہ سزا و تنبیہ سے بھی متأثر نہ ہو تو پھر اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے، جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے، اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک نوبت نہ آئے، اور چہرہ پر مارنے کو مطلقاً منع فرمادیا گیا ہے۔ (معارف القرآن، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ۳۹۹/۲).

قاموس الفقہ میں ہے:

قرآن کی اس ہدایت سے معلوم ہوا کہ ایک تو جسمانی سرزنش کی اجازت اسی وقت ہے جب نصیحت اور وقتی طور پر بستر کی علیحدگی عورت کی اصلاح کے لیے ناکافی ثابت ہو، اگر اصلاح سے کام چل جائے تو ہرگز ہاتھ نہ اٹھائے۔ (قاموس الفقہ: ۳۰۸/۴).

احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن إياس بن عبد الله بن أبي ذئاب قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتضربوا إماء الله فجاء عمر رضي الله عنه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ذئرن النساء على أزواجهن فرخص رسول الله صلى الله عليه وسلم في ضربهن فأطاف بآل رسول الله صلى الله عليه وسلم نساء كثير يشكون أزواجهن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد

طاف بآل محمدنساء كثير يشكون ازواجهن ليس أولئك بخياركم. (رواه ابوداود: ۲۹۲/۱، باب ضرب النساء ـ والنسائي وابن ماجة).

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: ماضرب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خادماً له ولا امرأة ولاضرب بيده شيئاً. وعن عبد اللّٰه بن زمعة ﷺ قال: خطب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم... ثم قال: إلى ما يجلد أحدكم امرأته جلد الأمة ولعله أن يضاجعها من آخر يومه. (رواه ابن ماجة: ۱٤۲، باب ضرب النساء).

معلوم ہوا کہ بدرجہ مجبوری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجہ کی پٹائی کو پسند نہیں فرمایا، ہاں نشوز کے وقت ہلکی پٹائی کی گنجائش ہے اور اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن الأشعث بن قيس قال ضفت عمر ﷺ ليلة فلما كان في جوف الليل قام إلى امرأته يضربها فحجزت بينهما فلما آوى الى فراشه، قال لي: يا أشعث احفظ عني شيئاً سمعته عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لايسأل الرجل فيما ضرب امرأته. (رواه ابن ماجة ص ۱٤۲).

قال في انجاح الحاجة: قوله فيما يضرب امرأته أى إذا راعى شرط الضرب وحدوده. (انجاح الحاجة: ۱٤۲).

جن صورتوں میں زوجہ کو مارنے کی گنجائش ہیں من جملہ چند حسبِ ذیل درج ہیں:

قال في تنوير الأبصار: يعزر المولى عبده والزوج زوجته على تركها الزينة وغسل الجنابة، والخروج من المنزل وترك الإجابة إلى الفراش، وقال فى الدرالمختار: ويلحق بذلك ما لوضربت ولدها الصغير عند بكائه أوضربت جاريته غيرة ولاتتعظ بوعظه أو شتمته ولو بنحو ياحمار أو ادعت عليه أو مزقت ثيابه أو كلمته ليسمعها أجنبي أو كشفت وجهها لغير محرم أو كلمته أو شتمته أو أعطت مالم تجر العادة به بلا إذنه والضابط: كل معصية لا حد فيها فللزوج والمولى التعزير. وقال الشامي: لكن على القول بأنه لايضربها

لتـرک الصلاة يخص الجواز بما لاتقتصر منفعته عليها. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:۴/۷۷،باب التعزير،سعيد).

فتاوی لکھنوی میں ہے:

الاستفسار: هل يجوز للزوج أن يضرب امرأته في خصلة من الخصال ؟

الاستبشار: نعم، قالوا: يجوزله أن يضربها في أربعة أمور وما في معناها، أحدها:ـ على ترک الزينة للزوج. وثانيها:ـ على عدم إجابتها إذا دعاها إلى فراشه، وهي طاهرة من الحيض والنفاس. وثالثها:ـ على خروجها من منزله بغيرإذنه. ورابعها:ـ على ترک الصلاة، وترک الغسل من الجنابة ،كذا في مجمع البركات عن القنية. ثم الضرب على ترک الصلاة رواية، وعليه مشى فى الكنز تبعاً للكثيرين وفى النهاية تبعاً للحاكم: أنه لايجوز لأن المنفعة لاتعود إليه، ومعنى قولهم: وما في معناها: أنها إذا ارتكبت معصية ليس لها فى الشرع تعزير مقرر له أن يضربها فيها، فيجوز إذا ضربت جارية زوجها غيرة، ولم تتعظ بوعظه له أن يضربها، كما فى القنية. وينبغي أن يلحق به ما إذا ضربت الولد الذي لايعقل عند بكائه، لأن ضرب الدابة إذا كان ممنوعاً، فهذا أولىٰ، منه: ما إذا شتمته أومزقت ثيابه، أوأخذت لحيته أوقالت له: ياحمار، يا أبله، ونحوه. ومنه: ما إذا كشفت وجهها لغير محرم، ومنه: ما إذا شتمت أجنبياً، ومنه ما إذا أسمعت صوتها للأجنبي. كذا فى البحر الرائق:۵/۵۳، فى فصل التعزير. (نفع المفتى والسائل ص۴۰۹ـ۴۱۰،مايتعلق باطاعة الزوجات للازواج).

وعن جابر ﷺ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ...فاضربوهن ضرباً غير مبرح. (رواه مسلم:۱/۳۹۷).

قال الفقهاء: هو أن لا يكسر فيها عضواً ولايؤثر فيها شيئاً. (ابن كثير:۱/۵۳۸).

وعن معاوية بن حيدة القشيرى عن أبيه قال: يارسول اللّٰه! ماحق زوجة أحدنا عليه؟ قال: أن تطعمها إذا طعمت وتكسوها إذا اكتست ولاتضرب الوجه ولاتقبح ولاتهجر إلا

في البيت. (رواه ابوداود:۱/۲۹۱، باب حق المرأة على زوجها).

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صرف مسواک سے سرزنش کی اجازت دی ہے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۳۰۹).

☆ تأديب الأولاد الصغار : (نابالغ اولاد کی سرزنش کا حکم)

مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں کہ بچوں کی سرزنش میں بھی ان حدود وقیود کی رعایت ضروری ہے جو بیوی کی سرزنش کے سلسلہ میں مذکور ہوئیں، اگر چہ اعتدال سے تجاوز کیا جائے تو سرزنش کرنے والا خود لائق سرزنش ہے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۳۰۹).

درمختار میں ہے:

ومنه أى (من المباح) ضرب الأب ابنه تاديباً أوالأم أوالوصي ومن الأول (أى الواجب) ضرب الأب أوالوصي أوالمعلم بإذن الأب تعليماً فمات لاضمان...ومحله فى الضرب المعتاد، وفى الشامية: قوله بإذن الأب أى أو بإذن الوصي ولوضرب بغير إذنهما يضمن، قوله ومحله فى الضرب المعتاد أى كماً وكيفاً ومحلاً فلوضربه على الوجه أوعلى المذاكير يجب الضمان بلاخوف ولوسوطاً واحداً لأنه إتلاف. (الدرالمختارمع فتاوى الشامى:٦/٥٦٦،سعيد).

وفى الدرالمختار: وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة . وقال الشامي: ولايجاوز الثلاث وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها...وظاهره أنه لايضرب بالعصا في غير الصلاة أيضاً. (الدرالمختارمع فتاوى الشامى:١/٣٥٢، كتاب الصلاة،سعيد_٤/٧٨،سعيد).

وعن أبي بردة رضی اللہ عنہ قال :كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجلد فوق عشر جلدات إلا في حد من حدود الله. (رواه البخارى:٢/١٠١٢).

فتح الباری میں ہے:

الصواب فى الجواب أن المراد بالحدود هناالحقوق التي هي أوامر الله ونواهيه

وهي المراد بقوله: ومن يتعد حدود الله فأولئک هم الظالمون، فلا يزاد على العشر فی التأديبات التي لاتتعلق بمعصية كتأديب الأب ولده الصغير. (فتح الباری:۱۷۸/۱۲).

یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی پر دس سے زائد کوڑوں کی سزا دیجا سکتی ہے کسی انسانی قانون کی خلاف ورزی پر ایسی سخت سزا نہیں دینا چاہئے۔

شرح عمدۃ الاحکام میں ہے:

المراد جلد التأديب كان يؤدب الرجل ولده أو يؤدب خادمه أو يؤدب زوجته. (عمدة الاحکام:۸/ ۷۰).

محمد بن صالح عثیمین سلفی سعودی شرح ریاض الصالحین میں لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: "اضربوهم عليها وهو ابناء عشرسنين" المراد الضرب الذي يحصل به التأديب بلا ضرر، فلا يجوز للأب أن يضرب أولاده ضرباً مبرحاً، ولايجوز أن يضربهم ضرباً مكرراً لاحاجة إليه بل إذا احتاج إليه مثل ألا يقوم الولد للصلاة إلا بالضرب فإنه يضربه ضرباً غير مبرح، بل ضرباً معتاداً، لأن النبي صلى الله عليه وسلم إنما أمر بضربهم لا لإيلامهم ولكن لتأديبهم وتقويمهم، وفي هذا الحديث: إشارة إلى أن ما ذهب إليه بعض المتأخرين ممن يدعون أنهم أصحاب تربية من أن الصغار لايضربون فی المدارس إذا أهملوا، ففي هذا الحديث الردعليهم، وهو دليل على بطلان فكرتهم، وإنها غير صحيحة، لأن بعض الصغار لا ينفعهم الكلام فی الغالب، ولكن الضرب ينفعهم أكثر، فلو أنهم تركوا بدون ضرب لضيعوا الواجب عليهم وفرطوا فی الدروس وأهملوا، فلا بد من ضربهم ليعتادوا النظام... إلا أنه كما قلنا لا بد أن يكون الضرب للتأديب لا للإيلام والإيجاع فيضرب ضرباً يليق بحاله، ضرباً غير مبرح. (شرح ریاض الصالحین:۱/۶۸۶/۲۰۲،دارالسلام).

حضرت مفتی محمود حسن صاحب فرماتے ہیں:

چھوٹے بچوں کو بغیر چھڑی وغیرہ کے صرف ہاتھ سے وہ بھی ان کے تحمل کے موافق تین چپت تک مار سکتا ہے وہ بھی سر اور چہرے کو چھوڑ کر یعنی گردن اور کمر پر، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ورنہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے، بچوں پر نرمی اور شفقت کی جائے، اب پیٹنے کا دور تقریباً ختم ہوگیا اس کے اثرات اچھے نہیں ہوتے بچے بے حیا اور نڈر ہو جاتے ہیں مار کھانے کے عادی ہو کر یاد نہیں کرتے، بلکہ اکثر تو پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۴/ ۱۲۹، مبوب و مرتب)۔

☆ تأديب الأولاد الكبار :

بالغ اولاد کو بھی مارنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

فقال أبوبكر ﷺ: أحبست رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس ليسوا على ماء وليس معهم ماء ، فقالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فعاتبني أبوبكر ﷺ وقال: ماشاء الله أن يقول وجعل يطعنني بيده في خاصرتي. (رواه البخاري: ١/ ٤٨، باب التيمم).

قال العيني: فيه تأديب الرجل ابنته ولو كانت متزوجة كبيرة خارجة عن بيته ويلتحق بذلک تأديب من له تأديبه وإن لم يأذن له الإمام. (عمدة القاري: ٣/ ١٩٧).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والأب يعزر الاين عليه أی علی ترک الصلاة... والظاهر أن المراد بالابن الصغير أما الكبير فكالأجنبي نعم قدم الشارح فی الحضانة عن البحر أنه إذا لم يكن مأموناً على نفسه فله ضمه لدفع فتنة أوعار وتأديبه إذا وقع منه شيء. (فتاوى الشامي: ٤/ ٧٨، سعيد).

احسن الفتاوی میں ہے:

بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جاسکتی ہے بلکہ والد نہ ہو تو دوسرے اقارب بھی تعزیر دے سکتے ہیں... الظاهر أن الجد كذلک بل غيره من العصبات كالأخ والعم ... (ردالمحتار: ٦٩٧/٢)۔ استاذ اپنے شاگردوں

کو تعزیر دے سکتا ہے شاگرد خواہ بالغ ہو یا نابالغ ، نابالغ کو اس لیے کہ اس کے ولی نے استاذ کو تادیب کا مالک بنادیا ہے اور بالغ کو اس لیے کہ اس نے خود استاذ کو اس کا اختیار دیا ہے۔(احسن الفتاوی:۵/۵۰۸) . واللہ ﷻ اعلم۔

تادیب میں دست و پا توڑنے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر معلم نے پٹائی کے وقت بچے کا ہاتھ یا پاؤں توڑ دیا تو تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر والد کی اجازت سے پٹائی کی تھی تو تاوان لازم نہیں ہوگا، اور اگر بغیر اجازت کے پٹائی کی تو تاوان آئے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ معتاد طریقے پر پٹائی کرے اگر غیر معتاد طریقے پر پٹائی کرے تو بہر صورت تاوان آئے گا۔

ملاحظہ فرمائیں مجمع الضمانات میں ہے:

المعلم إذا ضرب صبياً، أو الأستاذ المحترف إذا ضرب التلميذ، قال أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله: إن ضربه بأمر أبيه أووصيه ضرباً معتاداً فی الموضع المعتاد لايضمن، وإن ضربه غير معتاد ضمن. فإن ضربه بغير أمر أبيه أووصيه فمات، ضمن تمام الدية في قولهم، سواء ضربه معتاداً، أوغير معتاد، من فصل البقار من قاضيخان. (مجمع الضمانات:۱/۱۵۹، النوع الثامن عشر، دارالسلام).

درمختار میں ہے:

ضرب الأب أو الوصي أو المعلم بإذن الأب تعليماً فمات لاضمان...ومحله فی الضرب المعتاد وأما غيره فموجب للضمان وفی الشامية: قوله بإذن الأب أی أوبإذن الوصي ولوضرب بغير إذنهما يضمن ...قوله ومحله فی الضرب المعتاد أی كماً وكيفاً ومحلاً فلو ضربه ولی الوجه أوعلى المذاكير، يجب الضمان بلاخوف ولوسوطاً واحداً لأنه إتلاف. (الدرالمختار:مع فتاوی الشامی:۶/۵۶۶، باب القود فیمادون النفس، سعید).

حاشية الطحطاوي میں ہے:

الوصي والزوج إذا ضرب اليتيم أوزوجته تأديباً وكذا المعلم إذا ضرب الصبي بإذن الأب أوالوصي لتعليم القرآن أوعمل آخر مثل ما يضرب فيه لايضمن هو ولا الأب والوصي بالإجماع...ولوضرب المعلم بدون إذنه فمات يضمن. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/٢٧٥،باب القودفيمادون النفس) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال سبحانہ وتعالیٰ:

﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم﴾.

وقال علیہ الصلاۃ والسلام:

”لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام“

باب......﴿۳﴾

احکام الضمان

باب ......﴿۳﴾

احکام الضمان

موٹر کار کے گھوڑے کے ساتھ ٹکرانے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص بڑے راستہ پر موٹر کار چلا رہا تھا رات کے وقت اس کو معلوم نہیں تھا کہ راستہ پر ایک گھوڑا نکلا ہوا ہے اور راستہ کھلا تھا روڈ کے کناروں پر باڑھ نہیں تھا، موٹر کار گھوڑے سے ٹکرائی اور گھوڑا زخمی ہو گیا، اب قصور وار کون ہے؟ اور تاوان کس پر آئیگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر صاحبِ سیارہ کا قصور ہے تو اس پر تاوان آئیگا۔

مفتی محمد تقی صاحب تکملہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں:

إن جناية البهيمة لاتخلومن حالين إما أن تكون متفلتة ليس معها أحد أويكون معهاراكب أوسائق أوقائد فإن كانت منفلتة ليس معها أحد فأتلفت شيئاً فلاضمان على صاحبها عند الحنفية مطلقاً سواء كان الوقت وقت النهار أووقت الليل عملاً بإطلاق حديث الباب...وذكر شيخنا التهانويؒ في إعلاء السنن : (۲۴۲/۱۸) عن الطحاوي: أن تحقيق مذهب أبي حنيفةؒ أنه لاضمان إذا أرسلها مع حافظ وأما إذا أرسلها من دون حافظ

ضـمـن، والـخـلاصة أن الـحـكـم عـند أبي حنيفةؒ لايدور مع النهار أوالليل وإنما يدورعلى التـقـصير فى الحفظ فإن قصر المالك في حفظ البهيمة بالنهار ضمن ، وإن لم يقصر بالليل لـم يـضـمـن وحـمـل حـديـث ناقة البراء على التقصير فى الحفظ واستدل شيخنا التهانویؒ لـمـذهـب أبـي حنيفةؒ بما أخرجه الدارقطني عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صـلـى الـلّـه عليه وسلم قال: ما أصابت الإبل بالليل ضمن أهلها وما أصابت بالنهارفلاشيء فيه ، وما أصابت الغنم بالليل والنهارغرم أهلها قال شيخناؒ : ويدل إيجاب الضمان على أهل الـغـنم بالليل والنهار على أنه لا دخل للنهار في إسقاط الضمان وإنما بنائه على عدم التقصير ولـمـا كـان حـفظ الغنم متيسراً دل إفسادها على ترک الحفظ من الرعاة بخلاف الإبل فإن ضبـطهـا متـعـسـر، هـذا هـوالـفـرق ...ثـم لـم يذكرالفقهاء حكم السيارة لعدم وجودها في عـصرهم والظاهر أن سائق السيارة ضامن لما أتلفته فى الطريق سواء أتلفته من القدام أو من الـخـلف ووجـه الـفـرق بيـنـهـا وبين الدابة على قول الحنفية إن الدابة متحركة بإرادتها فلا تـنسب نفحتها إلى راكبها بخلاف السيارة فإنها لاتتحرک بإرادتها فتنسب جميع حركتها إلـى سائقها فيضمن جميع ذلک ، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم. (تكملة فتح الملهم: ۲ /۵۲۱، ۵۲۳، احكام جناية البهيمة).

مزید ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ ۲/ ۶۴۱) ۔ واللہ ﷻ اعلم۔

کار کے تصادم یا الٹنے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر ڈرائیور کار یا بس چلا رہا تھا اور اس کی کوئی چیز ٹوٹ گئی یا کار یا بس الٹ گئی یا کسی دوسری کار یا بس کے ساتھ تصادم ہو گیا اور اندر بیٹھے ہوئے کچھ لوگ زخمی ہو گئے یا مر گئے اور ڈرائیور بچ گیا تو تاوان یا دیت وغیرہ لازم ہو گی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ڈرائیور نے قصداً کوئی زیادتی کی مثلاً غلط راستہ اختیار کیا اور الٹ گئی

یا بہت زیادہ تیز چلا رہا تھا مثلاً ۲۰۰ سے زیادہ اسپیڈ پر یا بالکل بے پرواہی سے چلا رہا تھا تو ان تمام صورتوں میں ڈرائیور ذمہ دار ہوگا، اور اسی پر تاوان آئیگا، لیکن اگر ایسا نہیں تھا بلکہ ڈرائیور اپنی پوری ذمہ داری سے چلا رہا تھا اور ناگہانی طور پر کوئی حادثہ پیش آگیا تو ڈرائیور اس کا ذمہ دار نہیں ہے، اور اس پر کسی قسم کا تاوان نہیں آئیگا، ہاں اگر باہر کسی آدمی کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیا تو پھر دیت واجب ہوگی۔

ان مسائل کو مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

بے جان سواریوں مثلاً سائیکل موٹر، ریل ہوائی جہاز وغیرہ کا حکم یہی ہے کہ خواہ قصداً اس سے کوئی مالی نقصان پہنچے یا غفلت کی وجہ سے بغیر قصد کے اس کا تاوان سواری کے مالک سے نہیں بلکہ ڈرائیور، کنڈکٹر یا گارڈ سے لیا جائیگا، مثلاً سگنل کے بغیر گاڑی اسٹیشن پر لے آیا اور گاڑی لڑ گئی، یا کار یا بس کو ڈرائیور غلط سائڈ سے لے جارہا تھا یا جو اسپیڈ مقرر ہے اس سے تیز چلا رہا تھا تو ان صورتوں میں اسی پر مالی نقصان کی ذمہ داری ہوگی البتہ کوئی دوسرا شخص سواری کے آگے کوئی اینٹ یا پتھر ڈالدے اور وہ اسے نہ دیکھ سکے اور حادثہ پیش آجائے یا کوئی پیدل آدمی غلط راستہ چل رہا تھا اور اس کو موٹر سائیکل سے دھکا لگ گیا یا اچانک سواری کے سامنے کوئی لیٹ جائے تو ایسی صورت میں ڈرائیور یا مالک یا حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر موٹر ریل اتفاق سے لڑ جائے یا ہوائی جہاز حادثہ کا شکار ہو جائے یا کسی انسان یا بہت سے انسانوں کی جان چلی جائے تو اس جانی نقصان کی ذمہ داری ڈرائیور یا پائلٹ پر نہیں ہوگی بلکہ وہ کمپنی یا حکومت پر ہوگی اس لیے ایسے اتفاقی حادثات کی دیت (خون بہا) کی ذمہ داری فقہاء عاقلہ پر ڈالتے ہیں، ابتدائے اسلام میں اہل دیوان یعنی ایک صنف کے لوگوں کے لیے جو رجسٹر ہوتا تھا وہ سب ایک دوسرے کے عاقلہ تھے پھر اس کے بعد خاندان اور قبیلہ و برادری وغیرہ پر اس کی ذمہ داری ڈالی گئی لیکن اب یہ صورت بھی بدل گئی ہے اب کمپنی کارخانہ اور حکومت پر یہ ذمہ داری ہونی چاہئے فقہاء نے اسے قتل خطا پر محمول کیا ہے کمپنی یا کارخانہ دار یا حکومت ڈرائیور و پائلٹ کو سزا تو دے سکتی ہے لیکن ان پر دیت یعنی خون بہا کی ذمہ داری نہیں ڈال سکتی، بہر حال یہ نئے مسائل ہیں ان پر علماء کو مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(اسلامی فقہ ۲/۶۴۲ تا ۶۴۳).

مجمع الضمانات میں ہے:

لو اصطدم فارسان حران فماتافعلی العاقلة کل واحد منهما الدیة للاخری کمافی الهدایة، قال فی الإصلاح والإیضاح وههنا شرط مذکورفی الفتاوی الظهیریة وهو أن یقع کل واحد منهما علی قفاه... وشرط آخرمذکورفی المحیط وهو أن لایکونا عامدین في ذلک الاصطدام فإنهما لوکانا عامدین فیه ضمن کل نصف الدیة للآخر... ولو اصطدم دابتان فعطبت إحداهما ولکل منهما سائق فضمان التي عطبت علی الآخر ، من قاضیخان.

(مجمع الضمانات: ۱/۴۲۳، الفصل الخامس فی جنایة البهیمة، للعلامة ابی محمدالبغدادی، والهدایة: ۴/۳۴۸)

وانظرللاستزادة : (تکملة فتح الملهم ،حکم السیارة : ۲/۵۲۳) .**واللہ ﷻ اعلم۔**

بلاقصور جانور ہلاک ہوجانے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر گاڑی چلانے والے کی غلطی نہ ہو بلکہ دابہ یا اس کے مالک کی غلطی ہے کہ راستہ بند ہے پھر بھی جانور چلا گیا اور گاڑی میں ہلاک ہوگیا تو تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر صاحبِ سیارہ کا قصور نہ ہو بلکہ صاحبِ دابہ کا قصور ہو کہ صاحبِ سیارہ دابہ کے بچانے سے قاصر تھا، تو اس پر تاوان نہیں آئے گا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن سار علی دابة فی الطریق فضربها رجل أو نخسها فنفحت رجلا أو ضربته بیدها أو نفرت فصدمته فقتلته کان ذلک علی الناخس دون الراکب هو المروي عن عمر ﷛ وابن مسعود ﷛ ولأن الراکب والمرکب مدفوعان بدفع الناخس فأضیف فعل الدابة إلیه کأنه فعله بیده، ولأن الناخس متعد في تسبیبه والراکب في فعله غیر متعد فیترجح جانبه فی التغریم للتعدی. (الهدایة ۴/۶۱۵، کتاب الدیات) وکذا فی الدر المختار، ۶/۶۰۸، مع الشامی) .

وفی الدر المختار : انفلتت دابة بنفسها فأصابت مالا أو آدمیا نهارا أو لیلا لا ضمان فی الکل لقوله صلی اللہ علیه وسلم: العجماء جبار أی المنفلتة هدر کما لو جمحت

الدابة به أي بالراكب، ولو سكران ولم يقدر الراكب على ردها فإنه لا يضمن كالمنفلتة لأنه حينئذ ليس بمسير لها فلا يضاف سيرها إليه حتى لو أتلفت إنساناً فدمه هدر عمادية .

(الدر المختار ٦ /٦٠٨، باب جناية البهيمة)

احسن الفتاوی میں ہے:

جب سواری مستی کی وجہ سے بے قابو ہو جائے، یعنی سوار اس کے روکنے سے عاجز ہو جائے تو سوار پر ضمان نہیں، خواہ جانی نقصان ہو یا مالی، کیونکہ اس صورت میں فعل دابہ سوار کی طرف منسوب نہیں ہوگا...اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سوار نے گھوڑی کو معتاد رفتار سے چلایا ہو، اور اگر غیر معتاد طور پر چابک وغیرہ لگایا یا سوار نے عمداً اپنی قدرت سے زیادہ رفتار پر چلایا تو اس پر ضمان ہوگا، **لأنه متعد كناخس الدابة** . (احسن الفتاوی ۸/۵۱۲).

واللہ ﷻ اعلم۔

تصادم سیارات سے تاوان کا حکم:

سوال: اگر ایکسڈنٹ اور ٹڈ بھیڑ ہو جائے ایک غلطی پر تھا اور دوسرا بے گناہ تھا، جو غلطی پر تھا اس کی کار خراب ہوگئی تو کیا بے گناہ پر تاوان آئیگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بے قصور اور بے گناہ پر تاوان نہیں آئے گا، کیونکہ تاوان تعدی اور زیادتی کرنے والے پر ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ومن ضرب دابة عليها راكب أو نخسها بعود بلا اذن الراكب فنفحت أو ضربت بيدها شخصا آخر غير الطاعن أو نفرت فصدمته وقتلته ضمن هو أى الناخس لا الراكب. (الدر المختار: ٦/٦٠٨).

وفي الشامية: قوله لا الراكب: لانه غير متعد فترجح جانب الناخس في التغريم للتعدي وتمامه في الهداية. (فتاوى الشامي:٦ /٦٠٨، جناية البهيمة، وكذا في الهداية ٤/٦١٥، كتاب الديات).

سیارہ بحکم دابہ ہے، البتہ دونوں میں کچھ فرق ہے:

والظاهر أن سائق السيارة ضامن لما أتلفته في الطريق سواء أتلفته من القدام أو من الخلف، ووجه الفرق بينهما وبين الدابة على قول الحنفية أن الدابة متحركة بإرادتها فلا تنسب نفحتها إلى راكبها بخلاف السيارة فإنها لا تتحرك بإرادتها وتنسب جميع حركاتها إلى سائقها فيضمن جميع ذلك . (تكملة فتح الملهم: ۵۲۳/۲). واللہ ﷻ اعلم۔

بلا اجازت کار لے کر ایکسیڈنٹ کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص مثلاً زید نے بکر کو کار پیچھے کرنے کے لئے کہا لیکن وہ بغیر اجازت کے کار کو باہر نکال کر لے گیا، لیجانے والے کے ساتھ ایک اور آدمی عمر بیٹھا تھا، عمر نے بکر سے کہا کہ کار بغیر اجازت کے مت لے جاؤ، لیکن بکر نے بات نہیں سنی، کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور مکمل خراب ہوگئی اب ضمان ہے یا نہیں؟ اور کس پر ہے؟ یعنی بکر لے گیا اور عمر نے گاڑی چلائی اور ایکسیڈنٹ ہوگیا، اگر تاوان ہے تو مالک کار لینے والے سے تاوان لیگا یا آخر میں چلانے والے سے یا اس کو اختیار ہے اور اگر چلانے والے سے نہیں لیا بلکہ لینے والے سے لیا تو وہ چلانے والے پر رجوع کریگا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنائے اور تاوان وصول کرے پھر اگر مالک نے اول یعنی کار لیجانے والے کو ضامن بنایا تو کار لیجانے والا دوسرے سے یعنی چلانے والے سے وصول کریگا چونکہ اس نے لے جانے سے منع بھی کیا تھا، اور اگر مالک نے ثانی یعنی چلانے والے مباشر کو ضامن بنایا تو ثانی اول پر رجوع نہیں کرے گا وہ مسبب ہے اس پر ضمان نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شرح مجلّہ میں ہے:

لو أتلف واحد مال آخر أو نقص قيمته تسبيبا يعني لو فعل ما كان سببا مفضيا إلى تلف مال أو نقصان قيمته كان ضامنا بشرط أن يكون متعمدا أو متعديا . (ص ۹۲۲).

بدائع الصنائع میں ہے:

فلا شك أن الإتلاف سبب لوجوب الضمان عند استجماع شرائط الوجوب لأن

إتلاف الشيء إخراجه من أن يكون منتفعا به منفعة مطلوبة منه عادة وهذا اعتداء وأضرار وقد قال سبحانه وتعالى: فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم . وقال عليه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار في الإسلام وقد تعذر نفي الضرر من حيث الصورة فيجب نفيه من حيث المعنى بالضمان ليقوم الضمان مقام المتلف فينتفي الضرر بالقدر الممكن ولهذا وجب الضمان بالغصب فبالاتلاف أولى. (بدائع ۱٦٤/۷).

شرح المجلہ میں ہے:

إذا اجتمع المباشر والمتسبب يضاف الحكم إلى المباشر ... لو فتح باب غيره فدخل آخر وسرق البيت فالضمان على السارق لأنه مباشر لا على فاتح الباب لأنه متسبب وكذا إذا لو دفع إلى صبي سكينا ليمسكه له فقتل به نفسه لا ضمان على الدافع . قلت : إن عدم إيجاب الضمان في هذه الصورة بالاجماع أنه تخلل بين فعل فاعل مختار هو ذو عقل. (شرح المجلة، ص٥١٤).

وفي الشامي: غصب شيئاً ثم غصبه آخر منه فأراد المالك أن يأخذ بعض الضمان من الأول وبعضها من الثاني له ذلك سراجية . والمالك بالخيار في تضمين أيهما شاء وفي الهندية : إن ضمن الأول يرجع الأول على الثاني بما ضمن وإن ضمن الثاني لا يرجع على الأول. (فتاوى الشامي ١٩٧/٦، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية ١٢٠/٥، وشرح المجلة، ص٥٠٨، المادة ٩١٢، والمادة ٩٢، ص ٦٠) . واللہ ﷻ اعلم۔

بلاقصور گاڑی کے نیچے دب کر مرجانے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص گاڑی چلا رہا تھا کہ غلطی سے تین آدمی ایک ہی وقت میں نیچے دب کر مر گئے۔ اس شخص پر تاوان اور دیت لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی دیت لازم ہوگی؟ نیز کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ کفارہ اور دیت دونوں لازم ہیں لیکن کفارہ میں تداخل ہوگا اور صرف ایک لازم ہوگا جب کہ دیت حقوق العباد میں سے ہے تو تداخل نہیں ہوگا اس لیے تین دیت ادا کرنا لازم ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

قال الراكب ضامن لما أوطأت الدابة بيدها أورجلها أورأسها أوكدمت أو خبطت وكذا إذا صدمت. (الهداية:٤/ ٦١٠).

إلا أن على الراكب الكفارة فيما أو طئته الدابة بيدها أو برجلها،(الهداية:٤/ ٦١١).

وقتل الخطأ تجب به الدية على العاقلة والكفارة على القاتل. (الهداية:٤/ ٥٨٤،والجوهرة النيرة:١/ ١٧٣).

فتاویٰ شامی میں ہے:

والحاصل انا لم نقل بالتداخل في الحكم في العبادات لمايلزم عليه من الامر الشنيع وهوترك العبادة المطلوب تكثيرها مع قيام سببها وجعلنا الكل سبباً واحداً لدفع ذلك لانه اليق بها اما العقوبات فان مبناها على الدرء والعفو فلايلزم من تركها مع قيام سببها الامر الشنيع بل يحصل المقصود منها في الدنياوهو الزجربعقوبة واحدة. (فتاوى الشامي:٢/ ١١٥،والبحرالرائق: ٢/ ١٢٥،والفتاوى الهندية:٢/ ٢٧٧).

وأما الجناية إذا تعددت بقطع عضوه ثم قتله فانهالايتداخل فيها إلا إذاكانا خطائين على واحد...الخ. (الاشباه والنظائر:١/ ٣٥٠).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وان كان صاحب الدابة راكباً على الدابة والدابة تسيران وطئت بيدها اورجلها يضمن وعلى عاقلته الدية وتلزمه الكفارة. (الفتاوى الهندية:٦/ ٥٠).

وكفارتهما اى الخطأ وشبه العمد عتق قن مؤمن فان عجز عنه صام شهرين ولاء ولا إطعام فيهما إذ لم يرد به النص والمقادير توقيفية. (الدرالمختار:٦/ ٥٧٤،كتاب الديات، سعيد).

واللہ ﷻ اعلم۔

موجودہ دور میں دیت کس پر لازم ہوگی؟

سوال: دیت کس پر لازم ہوگی، جب کہ موجودہ دور میں عاقلہ کا نظام نہیں ہے اور اکثر جگہوں پر قبائلی نظام بھی مفقود ہے؟

الجواب: دیت عاقلہ پر ہے ہاں اگر مجرم اقرار کرے کہ یہ کام میں نے کیا ہے اور عاقلہ نے اس کی تصدیق نہیں کی تو پھر میت کے مال میں ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولا ما لزم بصلح أو اعتراف إلى قوله إلا أن يصدقوه في إقراره أو تقوم حجة وإنما قبلت البينة هنا مع الإقرار مع أنها لا تعتبر معه لأنها تثبت ماليس بثابت بإقرار المدعى عليه.

(الدر المختار مع الشامي: ٦/٦٤٣، كتاب المعاقل، سعيد).

عاقلہ ہونے کا دار ومدار آپس میں تعاون اور تناصر پر ہے، لہذا جن لوگوں کے درمیان باہم تعاون وتناصر ہے، وہ اس کی عاقلہ ہے، لہذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہ قبائل منظم ہیں، اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے، تو وہ اس کی عاقلہ ہے، وہ اس کی دیت ادا کرے، اور اگر قبیلہ نہیں ہے، لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے، اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ٹریڈ یونین ہوتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون وتناصر ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہوسکتی ہے، لیکن اگر یہ بھی مفقود ہے تو پھر بہر حال دیت قاتل کے مال میں ہونی چاہئے۔ ملاحظہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

قلت: وفي زماننا بخوارزم لا يكون إلا في مال الجاني إلا إذا كان من أهل قرية أو محلة يتناصرون لأن العشائر فيها قد وهت ورحمة التناصر من بينهم قد رفعت وبيت المال قد انهدم. (فتاوى شامي: ٦/٦٤٥، سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

آدمی کے نیچے دب کر ہلاک ہونے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر ایک آدمی چھت سے گر گیا اور اس کے نیچے کسی شخص کی مرغی یا بکری ہلاک ہوگئی تو کیا اس گرنے والے پر تاوان لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ گرنے والے پر تاوان لازم ہوگا، کیونکہ گرنے والا مباشر ہے اور مباشر ضامن ہے اگر چہ بلا تعمد ہو اسی طرح اگر کوئی انسان دب کر مر جاتا تو جاری مجرائے خطا ہوتا اور اس میں کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے البتہ دیت عاقلہ پر ہوتی ہے، اور صورتِ مسئولہ میں مباشر کے مال میں تاوان لازم ہوگا۔

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وما أجرى مجرى الخطأ مثل النائم ينقلب على رجل فيقتله فحكمه حكم الخطأ فى الشرع لكنه دون الخطأ حقيقة فانه ليس من اهل القصد اصلاً وانماوجبت الكفارة لترك التحرز عن نومه فى موضع يتوهم ان يصيرقاتلاً والكفارة فى قتل الخطأ انماتجب لترك التحرز ايضاً ...والذى سقط من سطح فوقع على إنسان فقتله أوكان في يده لبنة أو خشبة فسقط ووقع على إنسان فقتله ... مثل النائم ينقلب على رجل فيقتله لكونه قتلاً للمعصوم من غيرقصد فكان جارياً مجرى الخطأ كذا فى الأوضح. (الكفاية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ٩/١٤٨، مكتبة الرشيدة).

ہدایہ میں ہے:

ومن حفر بيراً فى طريق المسلمين أو وضع حجراً فتلف بذلك إنسان فديته على عاقلته وإن أتلف بهيمة فضمانها في ماله .. إن العاقلة تتحمل النفس دون المال فكان ضمان البهيمة فى ماله . (الهداية: ٤/٦٠٣)

شرح المجلہ میں ہے:

المباشر ضامن وإن لم يتعمد لأن المباشرة علة للتلف اسماً لإضافة الحكم إليها ومعنىً لأنها موثرة فيه ، وحكماً لعدم تراخي الحكم عنها ، فيضمن وإن كان مخطئا... تعلق برجل وخاصمه ، فسقط من المعلق به شيء فضاع قالوا: يضمن المتعلق وينبغي أن يكون

الجواب على التفصيل: إن سقط بقرب من صاحبه وهو يراه وأمكنه أخذه، لا يكون ضامناً، وإلا كان ضامناً،... صبي بال على سطح فنزل من الميزاب وأصاب ثوباً فأفسده، غرم الصبي (فصولين) لأنه مباشر. (شرح المجلة: ۱/۲۵۶، المادة ۹۲). **واللہ ﷻ اعلم۔**

طبیب کی غلطی پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک ڈاکٹر نے دانت نکالنے میں غلطی کی اور اس کی غلطی ظاہر بھی ہوگئی اس طبیب نے اپنی غلطی کو پوشیدہ رکھنے اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے دس ہزار رینڈ مریض کو ادا کئے کیا مریض یہ رقم ڈاکٹر سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس ڈاکٹر کو قانوناً علاج ومعالجہ کی اجازت ہے اس نے اگر کسی مریض کا علاج کیا لیکن اس نے طبی احتیاط ملحوظ نہیں رکھی تو ڈاکٹر مریض کو پہنچنے والے نقصان کا یا اس کی جان کے تاوان کا ضامن ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے شرط کی تکمیل نہیں کی، اس کی ذمہ داری تھی کہ مریض کے علاج میں طبی تمام رعایتیں ملحوظ رکھتا، اور اس کے ضروری تقاضوں کو پورا کرتا، لیکن اس نے ایسا نہ کر کے غلطی کی، اس لئے وہ ضمان ہوگا۔ (طبی اخلاقیات، ص ۱۲۸، مرتبہ قاضی مجاہد)۔

ہدایہ میں ہے:

وإذا قصد الفصاد أو بزغ البزاغ ولم يتجاوز الموضع المعتاد فلا ضمان عليه، وعلى هامشه ولو تجاوز الموضع المعتاد ضمن. (الهداية مع الحاشية ۳/ ۳۱۰).

مجمع الضمانات میں ہے:

الفصاد والبزاغ والحجام والختان لا يضمنون بسراية فعلهم إلى الهلاك إذا لم يجاوز الموضع المعتاد المعهود الماذون فيه وهي معروفة ... قال في الفصولين هذا إذا فعلوا فعلا معتادا ولم يقصروا في ذلك العمل ... أما لو فعلوا بخلاف ذلك ضمنوا... استأجر حجاما ليقلع له سنا فقلع فقال صاحب السن: ما أمرت بقلع هذا، كان القول قوله،

ویضمن القالع إرش السن. (مجمع الضمانات:۱/۱۴۵،۱۴۶، الفرع العاشر، دار السلام).

اہم فقہی فیصلہ میں مذکور ہے:

اگر کسی مستند معالج نے علاج میں کوئی کوتاہی کی اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا تو معالج ضامن ہوگا۔ (اہم فقہی فیصلے از قاضی مجاہد الاسلام، ص۸۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ طبیب کی غلطی کی وجہ سے ۱۰ ہزار رینڈ لینا مریض کے لئے جائز اور درست ہے۔

واللہ ﷻ اعلم۔

متروک التسمیۃ عمداً کے ہلاک کرنے پر ضمان کا حکم:

سوال: ایک شافعی نے بسم اللہ کے بغیر جانور کو ذبح کیا اور پکایا، ایک حنفی نے غصے میں اس کو گرا کر ضائع کر دیا، کیا حنفی پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: فقہ کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ تاوان نہیں، لیکن بعض محققین نے تاوان لگانے کو تحریر فرمایا ہے، لہٰذا فتویٰ اسی پر دینا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں شرح عنایہ میں ہے:

قوله (بخلاف متروك التسمية) يعني لما أمرنا أن نترك أهل الذمة على ما اعتقدوه من الباطل وجب علينا أن نترك أهل الاجتهاد على ما اعتقدوه مع احتمال الصحة فيه بالطريق الأولى وحينئذ يجب أن نقول بوجوب الضمان على من أتلف متروك التسمية عامداً لأنه مال متقوم في اعتقاد الشافعي رحمه الله تعالى. (شرح العناية: ۸/۲۸۸)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ہدایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

وههنا بحث وهو أن ولاية المحاجة وإن كانت ثابتة لكنا لا نقطع بخطأ مذهب الشافعية في هذه المسألة كيف والحق دائر بين مذاهب المجتهدين وكلهم آخذون عن ينبوع الشريعة ... غاية ما في الباب أن يكون دليل مذهبنا في هذه المسألة أرجح وأقوى

وهو لا يستلزم كون مذهبهم خطا قطعا خصوصا إذا كان مذهب الخصم مبنيا بدليل شرعي عنده وإن كان باطلا عندنا فثبوت ولاية المحاجة لا يستلزم أن لا يجب الضمان . (حاشية هداية ٣/ ٣٨٥).

وانظر المزيد: (تكملة فتح القدير ٨/ ٢٨٨، مكتبة رشيديه، وحاشية سعدى چلپى ٨/ ٢٨٨، مكتبة رشيديه).

نیز مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی عبارت کی تائید ایک اور مسئلہ سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ متروک التسمیۃ عامداً کی حلت کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ نافذ ہوجائے گا۔ ملاحظہ ہو:

قلت : لكن قد علمت أن عدم النفاذ في متروك التسمية مبني على أنه لم يختلف فيه السلف وإنه لا اعتبار بوجود الخلاف بعدهم ... نعم على ما يأتي من تصحيح اعتبار اختلاف من بعدهم يقوى هذا البحث ويويد ه ما في الخلاصة من أن القضاء بحل متروك التسمية عمداً جائز عندهما لا عند أبي يوسفؒ، وكذا ما في الفتح عن المنتقى من أن العبرة في كون المحل مجتهداً فيه اشتباه الدليل لا حقيقة الخلاف، قال في الفتح ولا يخفى أن كل خلاف بيننا وبين الشافعي أو غيره محل اشتباه الدليل... والذى حققه في البحر أن صاحب الهداية أشار إلى القولين فإنه ذكر أولاً عبارة القدوري وهي وإذا رفع إليه حكم حاكم أمضاه إلا أن يخالف الكتاب أو السنة أو الإجماع وذكر ثانياً عبارة الجامع الصغير وهي وما اختلف فيه الفقهاء فقضى به القاضي ثم جاء قاض آخر يرى غير ذلك أمضاه ... والأوجه ما في الجامع ولذا رجحه في الفتح . (فتاوى الشامي: ٥/ ٤٠٠، سعيد)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک شافعی نے سلطان کی مجلس میں ائمہ احناف کے سامنے متروک التسمیہ عامداً کی حلت کے دلائل بیان کئے...اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: **وظهر أن سكوت جملة الأئمة الحنفية في مجلس السلطان لم يكن لقوة تلك الوجوه ومتانتها بل لأمر آخر وهذا الكلام كان مع الشافعي وتبين منه أن كلامه في هذه المسألة من جهة الاجتهاد،**

والمسألة من المسائل التی للاجتهاد فیها مجال کسائر الاجتهادیات ولیس من القطعیات التی لا مجال فیها للاجتهاد حتی یجعل کلامه فیها من الأباطیل ، والقول بأنه مخالف للإجماع لیس بما ینبغي لأن الشافعي أعرف بالإجماع وأهله فلا یظن به أنه خرق الإجماع. . (إعلان السنن ۱۷/۶۲)

علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں:

وبحث الأکمل فیه بأنه لما أمرنا أن نترک أهل الذمة علی ما اعتقدوه من الباطل وجب علینا أن نترک أهل الاجتهاد علی ما اعتقدوه مع احتمال الصحة بالطریق الأولی فحینئذٍ یجب أن نقول بموجب الضمان علی من أتلف متروک التسمیة عمداً لأنه مال متقوم في اعتقاد الشافعي وتمامه في الحموی . (حاشیة الطحطاوی: ۴/ ۱۱۴) .واللہ ﷻ اعلم۔

ملازم کی کوتاہی پر تاوان کا حکم:

سوال: بعض ملازم جو پٹرول پمپ پر کام کرتے ہیں بہت بے احتیاطی کرتے ہیں، اور عجلت میں زیادہ ڈالتے ہیں، کیا ان کی اس بے احتیاطی کی وجہ سے ان پر تاوان لازم کر سکتے ہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ ملازم نے غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے زیادہ پٹرول ڈالدیا تو اس پر تاوان لازم کر سکتے ہیں، لیکن اگر پٹرول کی مشین ہی ایسی ہیں کہ مکمل احتیاط کے باوجود بے اختیار کچھ زیادہ چلا گیا تو ملازم پر تاوان لگانا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شرح المجلہ میں ہے:

لو تلف المستأجر فیه بتعدی الأجیر وتقصیره یضمن وتعدی الأجیر هو أن یعمل عملا أو یتصرف تصرفا مخالفین لأمر الموجر صراحة کان أو دلالة . (شرح المجلة ص۳۲۶)

وتقصیر الأجیر هو عدم اعتنائه في محافظة المستأجر فیه بلا عذر. (شرح المجلة،ص ۳۲۸).

الأجير الخاص أمين حتى أنه لا يضمن المال الذى تلف فى يده بغير صنعه و كذا لا يضمن المال الذى تلف بعمله بلا تعد أيضا. (شرح المجلة، ص۳۲۹). واللہ ﷻ اعلم۔

سامنے رکھی ہوئی چیز توڑنے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے سامنے عینک رکھی اور نماز شروع کی آگے سے کوئی آدمی چلتا ہوا نکلا اور اس قیمتی عینک کو پاؤں سے توڑ دیا کیا اس پر تاوان واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ مصلی نماز میں مشغول تھا اور گزرنے والا سجدہ کی جگہ کے اندر سے گزرتے ہوئے توڑ گیا تو تاوان آئیگا کیونکہ گزرنے والے کی تعدی ہے کہ شریعت نے سجدہ کی جگہ میں گزرنے کو منع کیا ہے اور اگر نماز میں مشغول نہیں تھا تو تاوان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کو نماز میں مشغول نہ ہونے کی وجہ سے گزرنے کا حق حاصل ہے۔

شرح قواعد الفقہیہ میں ہے:

ما لو تلف بمروره بالطريق العام شيء أو أتلف دابته، بالطريق العام شيئا، بيدها أو فمها وهو راكبها أو سائقها أو قائدها فيضمن لأن مروره وإن كان مباحا لكنه مقيد بشرط السلامة. (شرح قواعد الفقهية، ص ٤٥٠). واللہ ﷻ اعلم۔

پنجرہ میں سے پرندہ اڑانے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص کے پاس قفس میں پرندہ تھا دوسرے آدمی نے قفس کے دروازے کو کھول دیا اور پرندہ اڑ گیا اب اس شخص پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ ضمان میں اختلاف ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تاوان آئے گا اور شیخین کے نزدیک تاوان نہیں آئے گا اور فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ تاوان آئے گا۔

اصول الشاشی میں ہے:

الحكم يتعلق بسببه ويثبت بعلته ويوجد عند شرطه ... مثاله فتح باب الاصطبل والقفص ... فإنه سبب للتلف بواسطة توجد من الدابة والطير... والسبب مع العلة إذا اجتمعا يضاف الحكم إلى العلة دون السبب إلا إذا تعذرت الإضافة إلى العلة فيضاف إلى السبب حينئذ . (اصول الشاشي: ۹٦/۱).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو فتح باب قفص فطار الطير منه وضاع لم يضمن في قولهما وقال محمدؒ يضمن. (بدائع الصنائع ١٦٦/٧).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

فتح باب قفص فطار الطير ... لا يضمن عندهما خلافا لمحمدؒ. (الفتاوى البزازية ١٧٧/٦، والشامي: ٢١٦/٦).

شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

يضاف الحكم إلى حفر البئر وشق الزق ، وقطع حبل القنديل، وفتح باب القفص على قول محمدؒ وعندهما لا ضمان وفي البزازية الفتوى على قول محمدؒ .(٤٠٦/١).

واللہ ﷻ اعلم۔

رنگریز کے مالک کی مخالفت کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: رنگریز کو کپڑا رنگنے کے لئے دیا مگر اس نے مالک کے کہنے کے مطابق رنگ نہیں لگایا بلکہ دوسرا رنگ کر دیا، تو اس پر تاوان لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ مالک کو دو اختیار ہیں اگر چاہے تو کپڑا رنگریز کے پاس چھوڑ دے اور بے رنگ کپڑے کی قیمت وصول کر لے اور اگر چاہے تو وہی رنگا ہوا کپڑا لے لے اور اجر مثل ادا کر دے، لیکن مسمیٰ سے

زیادہ نہ دے۔

عالمگیری میں ہے:

ولو أمر رجلا ليصبغ ثوبه بالزعفران أو بالبقم (سرخ رنگ کی لکڑی) فصبغه بصبغ من جنس آخر كان لرب الثوب أن يضمنه قيمة ثوبه أبيض وترك ثوبه عليه وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه أجر مثله لا يزاد على المسمىٰ . (عالمكيري: ٤/٤٩٥،مسائل الضمان).

واللہ ﷻ اعلم۔

کپڑا خراب کردینے پر ضمان کا حکم:

سوال: کپڑے یا گاڑی کو رنگریز نے مطلوبہ رنگ کے ذریعہ رنگا مگر اس کو خراب کردیا صحیح طور پر رنگ نہیں لگایا تو کیا ضمان آئے گا یا نہیں؟ اور وہ رنگریز اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ کپڑے کے مالک کو دو اختیار ہیں ایک یہ کہ پارچہ رنگریز کے پاس چھوڑ دے اور سفید کپڑے کی قیمت لے لے اور دوسرا یہ ہے کہ اسی کپڑے کو لے لے اور اجرت مثلی ادا کردے لیکن مسمیٰ پر زیادہ نہیں کیا جائیگا۔ گاڑی میں بھی اجر مثل دیکر اپنی گاڑی لے سکتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:

وإذا دفع ثوبا إلى صباغ ليصبغه بعصفر من عنده، فصبغه بما سمى إلا أنه خالف في صفته ما تعين به ، فإن أشبع أو قصر في الإصباغ حتى تعيب الثوب، فصاحبه بالخيار إن شاء ترك الثوب عليه وضمنه قيمة ثوبه أبيض وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه أجر مثل عمله لا يجاوز به المسمى . (الفتاوى الهندية: ٤/٥٢١). واللہ ﷻ اعلم۔

دھوبی کے کپڑا گم کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: دھوبی سے کپڑا گم ہوگیا یا چوری ہوگیا تو اس پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ مسؤلہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) دھوبی کے عمل سے ضائع ہوگیا، مثلاً کوٹنے کی وجہ سے یا کوئی اور وجہ سے تو مطلقاً ضمان لازم ہوگا۔

(۲) دھوبی کے عمل سے ضائع نہیں ہوا مگر ابتلاء عام کی وجہ سے ضائع ہوگیا، مثلاً پورے شہر میں آگ لگ گئی تھی وغیرہ تو بالاتفاق ضمان لازم نہیں ہے۔

(۳) ابتلاء عام نہ ہو اور ضائع ہوگیا تو ضمان میں اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک ضمان ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ضمان واجب نہیں ہے۔ عالمگیری نے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

(قوله لا يضمن الخ) اعلم أن الهلاك إما بعمل الأجير أولا ، والأول إما بتعدى أو لا ، والثاني إما أن يمكن الاحتراز عنه أو لا ، ففي الأول بقسميه يضمن اتفاقاً، وفي ثاني الثاني لايضمن اتفاقاً ، وفي أوله لايضمن عند الإمام مطلقاً ، ويضمن عندهما مطلقاً، وأفتى المتأخرون بالصلح على نصف القيمة مطلقاً ، وقيل أن مصلحا لا يضمن وإن غير مصلح ضمن .... وإن مستور الحال فالصلح . (فتاوى شامي: ٦/٦٥، باب ضمان الاجير ن سعيد).

وفي الهندية :وفي الإبانة أخذ الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى في هذه المسألة بقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وبه أفتى، كذا في التتار خانية وبقولهما يفتي اليوم لتغير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم كذا في التبيين . (الفتاوى الهندية ٤/ ٥٠٠). **واللہ ﷻ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون.
وما تنفقوا من شيء فإن اللّٰہ به علیم﴾.

(سورة آل عمران،الآية:۹۲).

کتاب الوقف

باب ...... ﴿۱﴾

مطلق وقف کا بیان

قال عمر رضی اللہ عنہ یا رسول اللّٰہ إنی أصبت أرضاً بخیبر
لم أصب مالاً قط أنفس عندی منه فماتأمرنی به؟
قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:
إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها،
قال: فتصدق بها عمر رضی اللہ عنہ أنه لایباع، ولایوهب، ولایورث،
وتصدق بها فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب
وفی سبیل اللّٰہ وابن السبیل والضیف،
لاجناح علی من ولیها إن یأکل منها بالمعروف
ویطعم غیر متمول۔ (رواہ البخاری).

باب......۱

مطلق وقف کا بیان

وقف کا تعارف اور خیر القرون میں وقف کا ثبوت:

سوال: وقف کسے کہتے ہیں؟ اور خیر القرون میں صحابہ کرام ﷺ نے وقف کیا تھا یا نہیں؟

الجواب: کسی شئی کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں دے دینا، اور اس کی منفعت کو فقر و غنا کا لحاظ کئے بغیر دائمی طریقہ پر رضائے الٰہی کی نیت سے اشخاص وافراد، اداروں یا مساجد ومقابر یا دیگر کارِ خیر کے لیے مخصوص کردینے کا نام وقف ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

...هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها على من أحب ولوغنياً قوله على حكم الله تعالىٰ قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره ، بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذي لا ملك فيه لأحد سواه ، وإلا فالكل ملك لله تعالىٰ ...قوله وصرف منفعتها على من أحب عبر به بدل قوله والتصدق بالمنفعة لأنه أعم ، وإلى التعميم أشار بقوله ولوغنياً، أفاده ح لكن علمت أن الوقف على الأغنياء وحدهم لايجوز، فالمناسب التعبير بالتصدق بالمنفعة إلا أن يراد

صرف منفعتها على وجه التصدق . (الدر المختار: ۳۳۹/۴، کتاب الوقف، سعید).

خیر القرون میں وقف کا ثبوت:

وقف کی اصل بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أصاب أرضاً بخيبر فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يارسول الله إني أصبت أرضاً بخيبر لم أصب مالاً قط أنفس عندي منه فما تأمرني به؟ قال : إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال : فتصدق بها عمر رضی اللہ عنہ أنه لاتباع ، ولاتوهب ، ولاتورث ، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف ، لاجناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول . (رواه البخاري: ۳۸۲/۱۔ومسلم ۴۱/۲).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خیبر میں کچھ جائداد حاصل ہوئی تو انہوں نے اس زمین کو خیر کے کاموں میں استعمال کرنے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ایسا کر سکتے ہو کہ اصل زمین کو روکے رکھو اور اس کے نفع کو صدقہ کرو، اصل زمین نہ خرید و فروخت کی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس میں میراث جاری ہو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فقراء، اہل قرابت، غلام، مسافر اور مہمانوں پر وقف فرما دیا اور یہ شرط بھی لکھ دی کہ جو وقف کا متولی ہو اسے معروف طریقہ پر خود کھانے اور دوستوں کو کھلانے کی اجازت ہوگی، اس میں جمع کرنے اجازت نہیں ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس وقف کو تاریخ اسلام میں سب سے پہلا وقف مانا جاتا ہے، اس کے بعد دیگر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی وقف فرمایا اور وقف کا سلسلہ جاری ہوا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی صاحبِ گنجائش صحابی نہیں کہ جس نے وقف نہ کیا ہو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر اپنے لڑکے پر وقف کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک گھر مروہ کے پاس تھا آپ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے لڑکوں پر وقف کر دیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''ینبع'' نامی جگہ پر اپنی زمین وقف کر دی تھی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مصر میں جو مکان تھا اسے وقف کیا تھا، اور مدینہ میں جو مال تھا وہ بچوں پر وقف

کردیا تھا، حضرت سعد بن وقاص ﷺ نے مدینہ منورہ میں وقف کیا تھا، اور مصر کا ایک مکان اپنے بچوں پر وقف کیا تھا، اسی طرح حضرت عثمان ﷺ حضرت عمرو بن العاص ﷺ اور حضرت حکیم بن حزام ﷺ وغیرہ سے بھی مختلف جائدادوں کا وقف کرنا ثابت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں سنن کبری بیہقی میں ہے:

ثنا أبوبكرعبد الله بن الزبير الحميدي قال: وتصدق أبوبكر الصديق ﷺ بداره بمكة على ولده فهي إلى اليوم وتصدق عمر بن الخطاب ﷺ بربعه عند المروة وبالثنية على ولده فهي إلى اليوم وتصدق علي بن أبي طالب ﷺ بأرضه بينبع فهي إلى اليوم وتصدق الزبيربن العوام ﷺ بداره بمكة في الحرامية وداره بمصر وأمواله بالمدينة على ولده فذلك إلى اليوم وتصدق سعد بن أبي وقاص ﷺ بداره بالمدينة وبداره بمصرعلى ولده فذلك إلى اليوم ، وعثمان بن عفان ﷺ برومة فهي إلى اليوم وعمروبن العاص ﷺ بالوهط من الطائف وداره بمكة على ولده فذلك إلى اليوم وحكيم بن حزام ﷺ بداره بمكة والمدينة على ولده فذلك إلى اليوم . وعن أنس ﷺ أنه وقف داراً بالمدينة فكان إذا حج مر بالمدينة فنزل داره . (السنن الكبرى للبيهقي:٦/١٦١، كتاب الوقف، دارالمعرفة ، بيروت).

قال الخصافؒ في أحكام الأوقاف: حدثنا محمد بن عمر الواقدي قال: حدثني قدامة بن موسى بن بشير مولى المازنيين، قال : سمعت جابر بن عبد الله يقول: لما كتب عمربن الخطاب ﷺ صدقته في خلافته دعا نفراً من المهاجرين والأنصارفأحضرهم وأشهدهم على ذلك فانتشر خبرها قال جابر: فما أعلم أحداً ذا مقدرة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من المهاجرين والأنصار إلا حبس مالاً من ماله صدقة موقوفة لاتشترى، ولاتورث، ولاتوهب . قال قدامة بن موسىٰ: وسمعت محمد بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة يقول: ما أعلم أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل بدر من المهاجرين والأنصار إلا وقد وقف من ماله حبساً لايشترى ولايورث ولايوهب حتى يرث

اللّٰہ الأرض ومن علیها. (کتاب الأوقاف، ص ۱۵، ما روی فی الجملة من صدقات رسول الله صلی الله علیه وسلم، بیروت، لبنان).

آنحضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوقاف اور اوقافِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (کتاب الاوقاف للامام ابی بکر احمد بن عمرو الخصاف (م ۲۶۱)، از ۵ تا ۱۷، بیروت).

خلاصہ یہ ہے کہ وقف کرنا مستحب ہے اور اس پر گویا اجماعِ صحابہ ہے۔ جیسا کہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے فرمایا۔

ملاحظہ ہو: (المغنی: ۱۸۷/۶، کتاب الوقوف والعطایا، دار الکتب العلمیة).

مسلم شریف کی ایک مرفوع روایت سے بھی وقف کا ثبوت ملتا ہے:

عن أبي هريرة ﷺ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة، إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له. (رواه مسلم: ۴۱/۲۔ والترمذی: ۲۵۶/۱).

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی موت کے بعد اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، البتہ تین اعمال ایسے ہیں جن کا اجر اس کی موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے، صدقہ جاریہ علم نافع جس سے اس کے بعد لوگ نفع اٹھا رہے ہوں، صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔

حدیثِ بالا سے وقف کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

الفاظ برائے وقف کردن:

سوال: وقف کرنے کے لیے کونسے الفاظ ہیں یعنی کن الفاظ سے وقف صحیح اور ثابت ہو جاتا ہے؟

الجواب: واقف کا ایسے الفاظ ذکر کرنا جو فی الفور وقف ہونے پر دلالت کرتے ہوں، ایسے الفاظ سے وقف صحیح اور ثابت ہو جاتا ہے، اور اگر فی الفور وقف ہونے پر دلالت نہیں کرتے ہوں ان الفاظ سے وقف صحیح اور ثابت نہیں ہوگا۔

الفاظِ وقف حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

وہ الفاظ جوتابید اور دوام پر دلالت کرتے ہوں جیسے اس گھر کا کرایہ ہمیشہ مسکینوں پر خرچ کیا جائے، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر محض اتنا کہہ دیا جائے کہ یہ شئی فلاں مقصد کے لیے وقف کر رہا ہوں، اور ہیشگی اور دوام کی صراحت نہ کرے تب بھی عرف کی بنا پر وقف درست ہو جائے گا، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ مشائخ بلخ اور صدر الشریعہ وغیرہ بھی عرف کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

البتہ وقف کے لیے خاص وقف ہی کا لفظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ کوئی بھی ایسا لفظ کافی ہے، جو وقف کے معنی ومقصود پر دلالت کرتا ہو جیسے صدقہ وغیرہ۔

قال العلامة الحصكفيؒ في الدرالمختار: وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالىٰ أوعلى وجه الخير أو البر واكتفى أبويوسفؒ بلفظ موقوفة فقط، قال الشهيد: ونحن نفتي به للعرف. وقال العلامة الشاميؒ: (قوله واكتفى أبويوسفؒ بلفظ موقوفة)، أى بدون ذكر تأبيد أو ما يدل عليه كلفظ صدقة، أو لفظ المساكين ونحوه كالمسجد، وهذا إذا لم يكن وقفاً على معين كزيد أوأولاد فلان، فإنه لايصح بلفظ موقوفة لمنافاة التعيين للتأبيد، ولذا فرق بين موقوفة وبين موقوفة على زيد حيث أجاز الأول دون الثاني، نعم تعيين المسجد لا يضر لأنه مؤبد ... قال في البحر: لايصح أى موقوفة فقط إلا عند أبي يوسفؒ فإنه يجعلها بمجرد هذا اللفظ موقوفة على الفقراء وإذا كان مفيداً لخصوص المصرف أعني الفقراء لزم كونه مؤبداً لأن جهة الفقراء لاتنقطع. قال الصدر الشهيدؒ: ومشايخ بلخ يفتون بقول أبي يوسفؒ ونحن نفتي به أيضاً لمكان العرف لأن العرف إذا كان يصرفه إلى الفقراء كان كالتنصيص عليهم. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤/ ٣٤٠، كتاب الوقف، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

فأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه...بأن قال جعلت أرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة أو أوصيت بها بعد موتي فإنه يصح حتى لايملك بيعه ولايورث عنه، لكن ينظر إن

خرج من الثلث يجوز(وإن لم يخرج من الثلث يجوز بقدر الثلث) كذا في محيط السرخسيؒ. (الفتاوى الهندية: ۲/۳۵۲، كتاب الوقف).

قال الإمام السرخسيؒ في المبسوط: فإن قال: هي صدقة موقوفة على الفقراء والمساكين ... فهذه صدقة جائزة وليس له أن يرجع فيها لاستجماع شرائط الوقف ... ومقصود الواقف أن تكون الصدقة جارية له إلى يوم القيٰمة كما قال عليه الصلاة والسلام كل عمل ابن آدم ينقطع بموته إلا ثلاثة علم علمه الناس فهم يعملون به بعد موته وولد صالح يدعو له وصدقة جارية له إلى يوم القيامة. (المبسوط للامام السرخسیؒ ۱۲/۳۲، کتاب الوقف،ادارة القرآن). **واللہ ﷻ اعلم۔**

آخری جہت کی عدمِ تعیین پر وقف کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ میرا مکان میرے مرنے کے بعد میری اولاد پر وقف ہے، پھر پوتوں پر پھر اس کے بعد کوئی تذکرہ نہیں کیا، تو یہ مکان وقف ہوا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ وقف صحیح اور ثابت نہیں ہوا اس لیے کہ وقف صحیح ہونے کے لیے آخری جہت فقراء اور مساکین ہونا ضروری ہے، تاکہ جہت منقطع نہ ہو جائے، کیونکہ وقف میں تابید لازم ہے، اس کے بغیر وقف صحیح نہیں ہوگا، ہاں اگر واقف نے لفظ صدقہ کہا تھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو گیا۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

وقال في الإسعاف: لو قال وقفت أرضي هذه على ولد زيد وذكر جماعة بأعيانهم لم يصح عند أبي يوسفؒ أيضاً لأن تعيين الموقوف عليه يمنع إرادة غير بخلاف ما إذا لم يعين لجعله إياه على الفقراء، ألا ترى أنه فرق بين قوله موقوفة وبين قوله موقوفة على ولدي فصحح الأول دون الثاني، لأن مطلق قوله موقوفة يصرف إلى الفقراء عرفاً، فإذا ذكر الولد صار مقيداً، فلا يبقى العرف، فظهر بهذا أن الخلاف بينهما في اشتراط ذكر التأبيد وعدمه

إنما هو في التنصيص عليه أو ما يقوم مقامه كالفقراء ونحوهم ...لكن ذكر في البحر أن ظاهر المجتبى والخلاصة أن الروايتين عنه فيما إذا ذكر لفظ الصدقة ، أما إذا ذكر لفظ الوقف فقط ، لايجوز اتفاقاً إذا كان الموقوف عليه معيناً، قلت: ويشهد له ما في الذخيرة لو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة فهي وقف بلا خلاف إذا لم يعين إنساناً فلو عين وذكر مع لفظ الوقف لفظ صدقة بأن قال: صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء .

(فتاوى الشامي: ٣٤٩/٤، مطلب في الكلام على اشتراط التابيد، سعيد).

خلاصہ یہ ہے کہ تعیین کی صورت میں وقف کے ساتھ لفظ صدقہ بھی کہے تو وقف صحیح ہو جائے گا، اور موقوف علیہ کے بعد وقف علی الفقراء ہوگا، لیکن اگر تعیین کی صورت میں فقط وقف کہا، صدقہ نہیں کہا تو وقف صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ وقف میں تابید اور دوام شرط ہے اور تعیین تابید کے منافی ہے، الا یہ کہ لفظ صدقہ تابید کو ثابت کر دیتا ہے اور وقف صحیح ہو جاتا ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں بظاہر وقف کا لفظ استعمال کیا ہے لفظ صدقہ نہیں کہا اس لیے مکان وقف نہیں ہوا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

”وقف على الأولاد، وأولاد الأولاد“ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنا مکان وغیرہ ” أولاد الأولاد إلى آخره“ پر وقف کیا، یہاں دو سوال ہیں: (۱) ” وقف على الأولاد وأولاد الأولاد “ میں لڑکیاں اور لڑکیوں کی اولاد داخل ہیں یا نہیں؟ (۲)” إلى آخره“ کی قید لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ”وقف على الأولاد وأولاد الأولاد “ میں بنات اور بنات الابن تو بالاتفاق شامل ہیں، البتہ اولاد البنات کے دخول وعدم دخول میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے، چنانچہ قاضیخانؒ، امام خصافؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ وغیرہ حضرات نے دخول والے قول کو ترجیح دی ہے، اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے عدم دخول کا قول اختیار فرمایا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، ممکن ہے کہ یہ اختلاف مبنی بر عرف ہو جیسے وصیت میں عرف کا اعتبار ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

اعلم أنهم ذكروا أن ظاهر الرواية المفتى به عدم الدخول أولاد البنات فى الأولاد مطلقاً ، أى سواء قال على أولادي بلفظ الجمع أوبلفظ اسم الجنس كولدي، وسواء اقتصر على البطن الأول كما مثلنا أوذكر البطن الثاني مضافاً إلى البطن الأول المضاف إلى ضمير الواقف كأولادي وأولاد أولادي... (فتاوى الشامى:٤٦٣/٤، مطلب فى تحريرالكلام على دخول اولاد البنات، سعيد).

علامہ شامیؒ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

...وقدكنت عزمت على أن أضع فيها رسالة لما وقع فيها من الاضطراب، فاستغنيت عن ذلک بما حرره هنا فأقول قد ذكر هذه المسألة الإمام الطرسوسي في أنفع الوسائل ثم قال بعد ما أطال فى النقول ما حاصله أن في دخول أولاد البنات في لفظ الأولاد وأولاد الأولاد اختلاف الرواية ففي رواية الخصاف وهلال يدخلون وفي ظاهرالرواية لا يدخلون وعليه الفتوىٰ . (تنقيح الفتاوى الحامدية:١٧٥/١).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

رجل وقف ضيعته على أولاده وأولاد أولاده أبداً ما تناسلوا وله أولاد وأولاد أولاد قسم بينهم بالسوية لايفضل الذكور على الإناث ولايدخل أولاد البنات في ظاهر الرواية وعليه الفتوىٰ. (الفتاوى السراجية:٩٢،ميرمحمدكتب خانه).

محیط برہانی میں ہے:

...وهل يدخل فيه ولد البنت ؟ ذكرهلال أنه لايدخل وهكذا ذكر محمد فى السير الكبير . (المحيط البرهانى:٦٦/٧،رشيدية).

و للاستزادة انظر : (الفتاوى الهندية: ٣٧٣/٢،و٣١٩/٣ـوالفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٢٧٢/٦ـواحكام الاوقاف للامام ابى بكراحمدبن عمروالخصافؒ (م٢٦١) ازص ٢٥ـ٢٧ط: بيروت).

(۲) قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں:

اپنے اہل وعیال اور قرابت داروں پر وقف صحیح ہے بشرطیکہ آخری مصرف دائمی کارِ ثواب (مثلاً فقراء، مساکین، مدارس) کو قرار دیا گیا ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۵۷، دفعہ ۱۷، قانون وقف)۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وكذا لو قال على ولدي وعلى من يحدث لي من الولد، فإذا انقرضوا فعلى المساكين، هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۳۷۱).

و أيضاً فيه : وإن قال على ولدي وولد ولدي وولد ولد ولدي ذكر البطن الثالث فإنه تصرف الغلة إلى أولاده أبداً ما تناسلوا. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۳۷٤).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وقف على أولاده وأولاد أولاده يصرف إلى أولاده وأولاد أولاده أبداً ما تناسلوا ولايصرف إلى الفقراء ما دام واحد منهم باقياً وإن سفل. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٦/ ۲۷٤). وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ٤/ ۳٥٠ والمحيط البرهاني: ٧/ ٦٨).

خلاصہ یہ ہے کہ "وقف على الأولاد وأولاد الأولاد" صحیح ہے، لیکن آخری مصرف کارِ خیر ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر تیسری پشت ختم ہو جائے تو فقراء یا مساکین یا مدارس کے لیے ہو جائے گا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مذکر ومؤنث میں تقسیم کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بہت بڑی زمین کو اپنی اولاد پر وقف کیا کہ جب تک اولاد اور اولاد کی اولاد ہو اس زمین سے فائدہ اٹھائیں گے، بعد میں فلاں مدرسہ کے لیے وقف ہے، اب اس زمین کی آمدنی مذکر و مؤنث کے درمیان برابر تقسیم ہوگی یا مرد وعورت میں فرق ہوگا۔

الجواب: جب واقف نے اپنی طرف سے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو وقف کی آمدنی میں مذکر و مؤنث برابر ہوں گے، یعنی آمدنی ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

رجل وقف ضيعته على أولاده وأولاد أولاده أولاده أبداً ما تناسلوا وله أولاد وأولاد أولاده قسم بينهم بالسوية لايفضل الذكورعلى الإناث. (الفتاوى السراجية:۹۲،میرمحمد کتب خانه).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل قال: أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثى لأن اسم الولد مأخوذ من الولادة والولادة موجودة في الذكر والأنثى. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۳/۳۱۹).

محیط برہانی میں ہے:

ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على بني وله بنون وبنات قال هلال: هم جميعاً في الوقف سواء. (المحيط البرهاني:۷/۶۵).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (کفایت المفتی:۱/۔وامدادالاحکام:۳/۶۴) . واللہ ﷻ اعلم۔

وقف علی الزوجہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے بیوی کے لیے مکان وقف کیا تو بیوی کے مرنے کے بعد وہ مکان بیوی کے ورثاء کو ملے گا، یا کسی اور کو دیا جائے گا؟

الجواب: وقف صحیح ہونے کے لیے آخری جہت مصرفِ غیر منقطع یعنی فقراء ومساکین یا مساجد ومدارس وغیرہ کا ہونا شرط ہے، لہٰذا وقف علی الزوجہ کی صورت میں فقراء ومساکین کا ذکر موجود ہو تو وقف صحیح ہوگا اور بیوی کے انتقال کے بعد مکان کی آمدنی فقراء اور مساکین پر تقسیم کی جائیگی۔

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں:

اپنے اہل وعیال اور قرابت داروں پر وقف صحیح ہے بشرطیکہ آخری مصرف دائمی کارثواب (مثلاً فقراء، مساکین، مدارس) کو قرار دیا گیا ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلامی:۳۵۷،دفعہ۱۷۱،قانون وقف).

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولو وقف أرضاً على أولاده وآخره للفقراء فمات بعض الأولاد فإن الغلة تصرف إلى الباقي، وإن ماتوا صرفت الغلة إلى فقراء المسلمين، لأن ههنا وقف على أولاده وقد بقي بعد موت واحد منهم أولاده فلا تصرف إلى الفقراء ما بقي أولاده ولو وقف ضيعة على امرأته وأولاده فماتت المرأة وأحد الورثة ولد المرأة لم يكن نصيب المرأة لولدها خاصة بل يكون مردوداً إلى جميع الورثة إذا لم يكن الواقف شرط في الوقف أنها إذا ماتت كان نصيبها لولدها خاصة. (فتاوی قاضيخان على هامش الهندية:۳/۳۲۱، فصل فی الوقف علی الاولاد).

درمختار میں ہے:

(ولو على امرأته وأولاده) المناسب ثم أولاده ليتناسب الكلام والمراد أنه جعل الاستحقاق بعدها لأولاده فلا يختص ولدها بنصيبها (قوله لم يختص ابنها) أي المتولد من الواقف حلبي من الدرر أما ابنها من غيره فلا دخل له لأنه إنما وقف على زوجته وأولاده (قوله إذا لم يشترط) أما إذا اشترطه يكون لأولاده منها فقط. (الدرالمختار مع الطحطاوی:۲/۵۷۰،فصل فيما يتعلق لوقف الاولاد،کوئٹہ) . واللہ ﷻ اعلم۔

دراہم ودنانیر کے وقف کا حکم:

سوال: دراہم اور دنانیر کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ مفتیٰ بہ قول کونسا ہے؟

الجواب: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دراہم اور دنانیر کا وقف صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اشیاء غیر منقولہ میں سے ہیں اور اشیاء غیر منقولہ کا وقف ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے، البتہ امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک جن اشیاء کے وقف کا عرف ہوں ان اشیاء کا وقف صحیح اور درست ہے، اور دراہم اور دنانیر کا وقف معروف ہے اس لیے یہ وقف ان کے نزدیک صحیح ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

درمختار میں ہے:

وكما صح وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم

ودنانير. وفي الشامية: قوله بل ودراهم ودنانيرعزاه في الخلاصة إلى الأنصاري وكان من أصحاب زفرؒ، وعزاه في الخانية إلى زفرؒ حيث قال: وعن زفرؒ شرنبلالية وقال المصنفؒ في المنح: ولما جرى التعامل في زماننا في البلاد الرومية وغيرها في وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمدؒ المفتىٰ به في وقف كل منقول فيه تعامل كما لايخفى فلا يحتاج على هذا إلى تخصيص القول بجواز وقفها بمذهب الإمام زفرؒ من رواية الأنصاري ...و بهذا ظهر صحة ماذكره المصنفؒ من إلحاقها بالمنقول المتعارف على قول محمدؒ المفتي به وإنما خصوها بالنقل عن زفرؒ لأنها لم تكن متعارفة إذ ذاك، ولأنه هو الذي قال بها ابتداءً. (الدر المختار مع رد المحتار: ٣٦٣/٤،مطلب في وقف الدراهم والدنانير،سعيد).

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

وكذا صح وقف المنقول المتعارف عند محمدؒ وبه أي بقول محمدؒ يفتي وقد ذكر في المجتبى الخلاف على خلاف هذا المنقول ...ولما جرى التعامل في وقف الدنانير والدراهم في زمان زفرؒ بعد تجويزصحة وقفهما في رواية دخلت تحت قول محمدؒ المفتى به في وقف كل منقول فيه تعامل كما لايخفى. (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر:٧٣٨/١).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (خلاصة الفتاوى: ٤١٧/٤۔ ومعين الحكام مع لسان الميزان،ص ٢٩٤).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

جن بلاد میں نقد روپیہ کا وقف کرنا متعارف ہو وہاں جائز ہے جہاں متعارف نہ ہو وہاں جائز نہیں اور عصر حاضر میں وقف دراہم ودنانیر عامہ بلاد میں متعارف ہو گیا ہے اس لیے جائز ہے۔ (امداد المفتین،جلد دوم،۶۳۱).

واللہ ﷻ اعلم۔

موقوفہ دراہم ودنانیر کے مصارف کا حکم:

سوال: اگر دراہم اور دنانیر یا رینڈ وقف کیے تو استعمال کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی اس کے مصارف

کیا ہیں؟

الجواب: موقوفہ دراہم ودنانیر یا رینڈ کے سرمایہ کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کارِ خیر میں خرچ کیے جائیں، مثلاً مضاربت پر لگا کر اصل سرمایہ باقی رکھے اور نفع خرچ کریں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

وعن الأنصاري وكان من أصحاب زفرؒ فيمن وقف الدراهم أومايكال أوما يوزن أيجوز ذلك قال: نعم، قيل: وكيف! قال: يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصرق بها في الوجه الذي وقف عليه وما يكال أويوزن يباع ويدفع ثمنه مضاربة أوبضاعة. (فتاوى الشامي:٤/٣٦٤، سعيد۔ وكذا في خلاصة الفتاوى:٤/٤١٨۔ وكذا في مجمع الانهر:١/٧٣٩).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

دراہم ودنانیر کا وقف صحیح ہے مگر چونکہ وقف میں انتفاع بالمنافع مع بقاء العین ہوتا ہے، اس لیے وقف دراہم میں یہ شرط ہے کہ اصل دراہم کو خرچ نہ کریں بلکہ ان کے منافع کو خرچ کریں، یا ان سے کوئی چیز خرید کر اس کے منافع کو فقیر پر خرچ کریں۔ (احسن الفتاویٰ:٦/٤١٦) . واللہ ﷻ اعلم۔

وارث کا منکرِ وقف ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی بڑی دکان تھی اس کے انتقال کے بعد دو بیٹوں میں سے ایک نے کہا کہ والد صاحب نے کہا تھا کہ یہ دکان وقف ہے جب تک میں زندہ رہوں گا، اس کے منافع سے فائدہ اٹھاتا رہوں گا، دوسرا بیٹا اس بات کا انکار کرتا ہے، بنگاہِ شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دکان کا وقف صحیح ہے البتہ جو شخص منکر ہے اس سے قسم لی جائیگی اگر وہ قسم کھا کر کہدے کہ مجھے وقف کا علم نہیں ہے یعنی والد صاحب نے دکان وقف نہیں کی تھی تو اس کے حصہ کے بقدر وقف نافذ نہیں ہوگا، اس کا حصہ اس کو دیدیا جائیگا، اور دوسرے بھائی کا حصہ وقف شدہ مانا جائیگا، کیونکہ اس کا اقرار

دوسرے کے خلاف حجت نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

و من مات وترک ابنین وله علی آخر مائة درهم فأقر أحدهما أن أباه قبض منها خمسين لا شيء للمقر وللآخر خمسون. (الهداية:۳/۲۴۵،باب اقرار المريض).

قال في الدر المختار: التحليف على فعل نفسه يكون على البتات أى القطع بأنه ليس كذلك والتحليف على فعل غيره يكون على العلم أى أنه لايعلم أنه كذلک لعدم علمه بما فعل غيره ظاهراً. (الدر المختار:۵/۵۵۲،كتاب الدعوىٰ، سعيد).

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انکار کرتا ہے اس سے قسم لی جائیگی، کہ اس کو معلوم نہیں والد نے دکان وقف کی تھی، جب قسم کھالے تو وہ اپنا حصہ لے سکتا ہے، اور دوسرے کا حصہ وقف ہوگا۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه جاز في قول أبي يوسفؒ. (الفتاوى الهندية:۲/۳۶۷،فصل فی وقف المشاع).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الذخيرة : ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسفؒ فقال : إذا كانت الأرض بين رجلين، وقف أحدهما نصيبه منها، وهو النصف، له أن يقاسم شريكه، فيفرز حصة الوقف، لأن ولاية الوقف إليه. (الفتاوى التاتارخانية: كتاب الوقف، ۵/۶۹۹، ادارة القرآن).

واللہ ﷻ اعلم۔

تادمِ حیات شئی موقوفہ سے منتفع ہونے کی شرط کا حکم:

سوال: میاں، بیوی وقف کرنا چاہتے ہیں تو کیا یہ شرط لگا سکتے ہیں کہ تادمِ حیات ہم دونوں اس جائداد سے فائدہ اٹھائیں گے، اور ہمارے انتقال کے بعد یہ تمام جائداد وقف ہو جائیگی؟

الجواب: تادمِ حیات شئی موقوفہ سے منتفع ہونے کی شرط لگانا صحیح ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں میاں بیوی دونوں تادمِ حیات اپنی جائداد سے انتفاع حاصل کر سکتے ہیں، پھران کے انتقال کے بعدان کی جائداد وقف ہوجائیگی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

فی الذخیرة : إذا وقف أرضاً أوشیئاً آخر وشرط الکل لنفسه أوشرط البعض لنفسه مادام حیاً وبعده للفقراء ، قال أبویوسفؒ الوقف صحیح ومشایخ بلخ أخذوا بقول أبي یوسفؒ وعلیه الفتویٰ ترغیباً للناس فی الوقف وهکذا فی الصغری والنصاب کذا فی المضمرات. (الفتاوی الهندیة:۲/۳۹۷،الباب الرابع فیمایتعلق بالشروط فی الوقف).

وأیضاً فیه : ولوقال صدقة موقوفة للّٰه تعالیٰ تجري غلتها علي ماعشت ولم یزد علی ذلک جاز وإذا مات تکون للفقراء. (الفتاوی الهندیة:۲/۳۹۸،الباب الرابع فیمایتعلق بالشروط فی الوقف).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله وجاز جعل غلة الوقف لنفسه) أی کلها أوبعضها عند الثاني(أی عند أبي یوسفؒ) قوله وعلیه الفتویٰ کذا قاله الصدرالشهید وهومختار أصحاب المتون ورجحه فی الفتح، واختار مشایخ بلخؒ وفی البحر عن الحاوي أنه المختار للفتویٰ ترغیباً للناس في الوقف وتکثیراً للخیر. (فتاوی الشامی: ۴/۳۸۴، مطلب فی اشتراط الغلة، سعید).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

واقف کا شئی موقوفہ سے اپنی زندگی بھر کے لیے جزوی یا کلی طور پر ذاتی انتفاع کی شرط لگانا صحیح ہے۔(مجموعہ قوانین اسلامی:۳۵۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۴/۲۳۳) . واللہ ﷻ اعلم۔

اشیاءِ منقولہ کے وقف کا حکم:

سوال: ایک صاحب اسکول چلاتے ہیں، تو کیا اسکول کے سامان میں سے مثلاً مشین، کمپیوٹرز اور کتب وغیرہ کا وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی اشیاءِ منقولہ کا وقف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اسکول کے سامان کا وقف صحیح اور درست ہے، نیز اشیاءِ منقولہ میں جن کا وقف متعارف ہو ان کا وقف بھی صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وصح وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير قلت: بل ورد الأمر للقضاة بالحكم به كما في معروضات المفتي أبي السعود ومكيل وموزون فيباع ويدفع ثمنه مضاربة أوبضاعة...وقدر وجنازة وثيابها ومصحف وكتب لأن التعامل يترك به القياس لحديث "ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" وفي الشامية : (قوله كل منقول قصداً)...عند محمدؒ يجوزما فيه تعامل من المنقولات واختاره أكثر فقهاء الأمصار كما في الهداية وهوالصحيح كما في الإسعاف، وهوقول أكثر المشايخ كما في الظهيرية ، لأن القياس قد يترك بالتعامل ونقل في المجتبى عن السير جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمدؒ و إذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسفؒ وتمامه في البحر والمشهور الأول . (الدرالمختارمع فتاوى الشامي: ٤/٣٦٣،مطلب في وقف المنقول قصداً،سعيد).

الفتاویٰ الہندیۃ میں ہے:

وأما وقف المنقول مقصوداً فإن كان كراعاً أوسلاحاً يجوز وفيما سوى ذلك إن كان شيئاً لم يجر التعارف بوقفه كالثياب والحيوان لايجوزعندنا وإن كان متعارفاً كالفأس والقدوم والجنازة وثيابها وما يحتاج إليه من الأواني والقدور في غسل الموتى والمصاحف لقراءة القرآن ...قال محمدؒ يجوز وإليه ذهب عامة المشايخؒ منهم الإمام السرخسيؒ كذا

في الخلاصة ، وهو المختار والفتویٰ علی قول محمدؒ كذا قال شمس الأئمة الحلوانيؒ كذا في مختار الفتاوی...واختلف الناس في وقف الكتب جوزه الفقيه أبو الليث وعليه الفتویٰ كذا في فتاوی قاضيخان. (الفتاوی الهندية:۲/۳۶۱،الباب الثاني فيمايجوزوقفه).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اشیاءِ منقولہ میں صرف ان چیزوں کا وقف صحیح ہے جن کے وقف کا رواج ہو،مثلاً مساجد، مدارس اور کتب خانوں کے لیے مصاحف، کتابیں،لوٹا،گھڑی، جائے نماز اور بجلی کے پنکھے وغیرہ کا وقف۔(مجموعہ قوانین اسلامی:ص ۳۴۸،کتاب الوقف) . واللہ ﷻ اعلم۔

عمارتِ وقف کو منہدم کر کے ازسرِ نو تعمیر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے زمین وقف کی جس پر عمارت تھی،اب کیا اس عمارت کو گرا کر دوسری عمارت بنانا واقف کی اجازت کے بغیر صحیح اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب زمین متولی کے حوالے کر دی اور متولی ازراہِ مصلحت اس میں تبدیلی کرے یا دوسری عمارت بنادے تو یہ صحیح اور درست ہے،اور عمارت گرانے کے بعد اس کی اینٹیں اور سامان پھر دوسری عمارت میں لگ جائیگا،اور صدقہ جاریہ برقرار رہیگا۔

نیز عمارت گرانے سے اسکا صدقہ جاریہ ختم نہیں ہوتا جیسے وضو کا پانی پونچھنے سے وضو کا ثواب ختم نہیں ہوتا، نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی مسجد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ازسرِ نو بنائی گئی تو کسی نے یہ اشکال نہیں کیا کہ تعمیر کرنے والوں کا ثواب ختم ہو جائیگا، بلکہ وہ ثواب لکھا گیا،اگر کسی کو اللہ کے راستہ میں غبار لگ جائے تو اس کو نارِ جہنم نہیں چھوئے گی۔

"**من اغبرت قدماه في سبيل الله لم تمسه النار**".(رواه الترمذي: ۲۹۲/۱). لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پاؤں نہ دھوئے وہ ثواب صحیفہ اعمال میں نقش ہو جاتا ہے،اگر چہ وہ چیز نہ رہے۔

مرض الموت میں وقف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سخت مرض کی حالت میں اپنی زمین مدرسہ کے لیے وقف کردی تو یہ وقف صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: مرض الموت میں وقف صحیح ہے لیکن وصیت کے درجہ میں ہے، یعنی انتقال کے بعد ثلث مال میں سے وقف نافذ کیا جائے گا، الا یہ کہ ورثاء اجازت دیدیں تو صحیح ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں زمین اگر ثلث مال میں سے نکلتی تو فبہا، ورنہ ثلث حصہ جو بنتا ہو اس کے بقدر وقف نافذ ہوجائیگا، ہاں ورثاء اپنی اجازت سے پوری زمین وقف کردے تو پوری زمین کا وقف صحیح ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

ولو وقف في مرض موته قال الطحاوي هو بمنزلة الوصية بعد الموت.
(الهداية:۲/۶۳۸).

وفي فتح القدير: قوله هو كالوصية بعد الموت حتى يلزم بعد الموت لأن تصرفات المريض مرض الموت في الحكم كالمضاف إلى ما بعد الموت حتى يعتبر من ثلث ماله... وفي فتاوى قاضيخان: مريض وقف وعليه ديون تحيط بماله يباع وينقص الوقف. (فتح القدير:۶/۶۰۸، دار الفكر).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مريض وقف داراً في مرض موته فهو جائز إذا كان يخرج من ثلث المال وإن كان لم يخرج فأجازت الورثة فكذلك وإن لم يجيزوا بطل فيما زاد على الثلث. (الفتاوى الهندية:۲/۴۵۱، الباب العاشر في وقف المريض).

مزید ملاحظہ ہو: (الدر المختار مع رد المحتار:۴/۳۹۶۔ والمحيط البرهاني:۷/۹۷).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

مرض الموت میں کیا گیا وقف واقف منسوخ نہیں کرسکتا، لیکن اگر شئی موقوفہ کے کل ترکہ کے ایک تہائی میں سے زائد ہے تو زائد میں وقف نافذ نہیں ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی:۳۵۶).

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام:۳/۵۵۔وفتاویٰ محمودیہ:۱۴/۲۶۰۔قاموس الفقہ:۵/۲۹۶) . واللہ ﷻ اعلم۔

وقف میں اجارۂ طویلہ کا حکم:

سوال: وقف کی کسی زمین کو سو سال یا دوسو سال کے لیے کرایہ پر دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اوقاف میں مدتِ اجارہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، تاہم متقدمین فقہاء نے مدتِ اجارہ کو متعین نہیں کیا ہے، البتہ متأخرین فقہاء نے وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے تعیین مدت والا قول اختیار کیا ہے، مثلاً زمین جاگیروغیرہ تین سال سے زیادہ کرایہ پر نہ دی جائے، اور رہائشی مکان وغیرہ ایک سال سے زیادہ کرایہ پر دینا درست نہیں، ہاں حسبِ مصلحت کمی بیشی کی گنجائش ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں سو سال یا دوسو سال کی مدتِ طویلہ کے لیے کرایہ پر دینا جائز اور درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں ضیاع وقف کا اندیشہ ہے، اور ممکن ہے کہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے مستاجر کی اولاد زمین پر مالکانہ قبضہ کرلے، اور نسلاً بعد نسلٍ میراث میں تقسیم ہوتا جائے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

بالسنة يفتى في الدار وبثلاث سنين في الأرض إلا إذا كانت المصلحة بخلاف ذلك وهذا مما يختلف زماناً وموضعاً . وفي الشامية: واعلم أن المسئلة فيها ثمانية أقوال ذكرها العلامة قنالي زاده في رسالته أحدها: قول المتقدمين عدم تقدير الإجارة بمدة ورجحه في أنفع الوسائل، والمفتىٰ به ما ذكر المصنفؒ خوفاً من ضياع الوقف كما علمت، قوله إلا إذا كانت المصلحة بخلاف ذلك...لأن أصل عدول المتأخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت إلى التوقيت إنما هو بسبب الخوف على الوقف فإذا كانت

المصلحة الزيادة أو النقص اتبعت وهو توفيق حسن. (الدر المختار مع رد المحتار: ٤/٤٠١، كتاب الوقف، سعيد) . **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

موقوفہ جائداد کو فروخت کرنے کا حکم:

سوال: (الف) وقف کی جائداد جس کو آباد نہیں کیا گیا ہو اور ویسے ہی پڑی ہو اس کو بیچنا کیسا ہے جب کہ پہلے سے واقف نے بیچنے کی شرط نہیں لگائی تھی؟ (باء) کن صورتوں میں فروخت کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب: (الف) واقف نے بوقتِ وقف کوئی شرط نہیں لگائی تھی تو اب موقوفہ جائداد کو فروخت کرنا جائز اور درست نہیں۔

(باء) صرف دو صورتوں میں موقوفہ جائداد کو فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

(۱) واقف نے بوقتِ وقف اپنے لیے یا کسی اور کے لیے فروخت کرنے کی شرط لگائی ہو۔

(۲) موقوفہ جائداد جب بالکل نا قابلِ انتفاع ہو جائے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أصاب أرضاً بخيبر فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يارسول الله إني أصبت أرضاً بخيبر لم أصب مالاً قط أنفس عندي منه فما تأمرني به؟ قال : إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال : فتصدق بها عمر رضي الله عنه أنه لاتباع ، ولاتوهب ، ولاتورث ، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف ، لاجناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول . (رواه البخاري: ١/٣٨٢ـ ومسلم ٢/٤١).

درمختار میں ہے:

فإذا تم ولزم لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن . وفي الشامية: قوله لايملك أي لايكون مملوكاً لصاحبه ولايملك أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة

تمليك الخارج عن ملكه. (الدر المختار مع رد المحتار: ٤/ ٣٥٢، سعيد).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ٢/ ٣٥٠).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شئی موقوفہ کو فروخت کرنا یا رہن رکھنا یا اس کے بدلے کسی اور چیز کو رہن میں لینا یا عاریت پر دینا جائز نہیں ہے، چونکہ شئی موقوفہ واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور کسی دوسرے کی ملکیت بھی اس پر ثابت نہیں ہوتی ہے اس لیے کسی کے لیے اس میں مالکانہ تصرف، بیع، شراء، ھبہ، عاریت اور رہن وغیرہ اصلاً جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو باطل ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۵۰).

درمختار میں ہے:

وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذٍ أوشرط بيعه ويشتري بثمنه أرضاً أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها وإن لم يذكرها ثم لايستبدلها بثالثة لأنه حكم ثبت بالشرط والشرط وجد في الأولىٰ لا الثانية وأما الاستبدال ولو للمساكين آل بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي درر وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية وكون البدل عقاراً والمستبدل قاضي اللجنة المفسر بذي العلم والعمل...وفي الشامية: قوله و جازشرط الاستبدال به) اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه :ــ الأول :أن يشرطه الواقف لنفسه أولغيره ، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقاً، والثاني : أن لايشرطه سواء شرط عدمه أوسكت لكن صار بحيث لاينقطع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً ، أولايفي بمؤنته فهو أيضاً على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه، والثالث: ألا يشرطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خيرمنه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة

فی الاستبدال و أطنب فيها عليه الاستدلال . (الدرالمختار:مع فتاوی الشامی:٤/٣٨٤،مطلب فی استبدال الوقف،سعید).

(وکذا فی احکام الاوقاف للخصاف : ٢٢، بیروت.وقانون العدل والانصاف للقضاء علی مشکلات الاوقاف، ٩٦، الفصل الرابع فی استبدال الوقف،لمحمدقدری باشاالحنفی،المکتبة المکیة).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر وہ مکان بالکل ہی قابل انتفاع نہ رہے اوراس سے کوئی آمدنی حاصل نہ ہواورمرمت وتعمیر کی بھی وسعت نہ ہوتو اس کوبدل لینادرست ہے،اس طرح اس کوفروخت کرکے اس کے عوض دوسرا مکان لے کرمدرسہ میں شرائط واقف کے تحت وقف کردیا جائے...(فتاویٰ محمودیہ:۲۹۲/۱۴).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگرموقوف علیہم کے براہِ راست استفادہ کے لیے کوئی جائدادوقف کی گئی تھی اوراب وہ ناقابل انتفاع ہوچکی ہے تو خداترس قاضی کی اجازت سے اسی طرح کی دوسری جائداد سے اس کا تبادلہ یانقد کے عوض اسے فروخت کرکے اسی طرح کی دوسری جائدادخریدنا صحیح ہے،اور یہ دوسری جائداد پہلی کی جگہ وقف قرار پائیگی۔

(۲)اوراگرواقف نے جائدادموقوفہ کی آمدنی موقوف علیہم پرصرف کرنے کی شرط لگائی تھی،اورجائدادموقوفہ ناقابل انتفاع ہوچکی ہےتو کم خرچ اورزیادہ نفع بخش دوسری نوع کی جائداد سے اس کا تبادلہ یانقد کے عوض اسے فروخت کرکے دوسرے نوع کی جائدادبھی خریدناجائز ہے،اور یہ دوسری جائداد پہلی جائداد کی طرح وقف قرارپائیگی۔(مجموعہ قوانین اسلامی:۳۵۲) . واللہ ﷻ اعلم۔

موقوفہ فروخت شدہ جائداد کی تلافی کا حکم:

سوال: ایک شخص نے موقوفہ جائدادفروخت کردی،اوراب قانونی مجبوری کی وجہ سے واپس لیناناممکن ہےتواب تلافی کی کیاصورت ہے؟ مثلاً کسی غیرمسلم کوفروخت کردی جس کے ہاں وقف کے احکام کاتصورنہیں ہے۔

الجواب: جو جائداد وقف کردی گئی وہ ہمیشہ کے لیے وقف ہوگئی اب اس کو فروخت کرنا کسی کے لیے روا نہیں، اور اگر کسی نے فروخت کردی تو بیع نافذ نہیں ہوگی، اور جائداد حسبِ سابق وقف ہی رہے گی، لیکن اگر قانونی مجبوری کے تحت استرداد ناممکن ہو تو اس کے ثمن سے دوسری جائداد خرید کر حسبِ شرائطِ واقف وقف کردی جائے۔ جیسے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر جائداد بالکل ہی ناقابلِ انتفاع ہوجائے تو اس کو فروخت کرکے اس کی جگہ دوسری خرید کر وقف کرنا جائز اور درست ہے۔

قال في الهداية: وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه، قال ابن همام لم يجز بيعه ولاتمليكه هو بإجماع الفقهاء أما امتناع التمليك فلمابينا، من قوله عليه الصلاة والسلام تصرق بأصلها لايباع ولايورث ولايوهب. (فتح القدير مع الهداية:٦/٢٢٠،دارالفكر۔ومثله في الدر المختار مع فتاوى الشامي:٤/٣٥٢،سعيد).

قال في الدر: وفيها لايجوز استبدال العامر إلا في أربع، قال ابن عابدين: إلا في أربع الأول: لو شرطه الواقف، والثانية إذا غصب غاصب، وأجرى عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة ويشترى المتولي بها أرضاً بدلاً، والثالثة: أن يجحده الغاصب ولابينة أي وأراد دفع القيمة فللمتولي أخذها ليشترى بها بدلاً، الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعاً فيجوز على قول أبي يوسفؒ وعليه الفتوىٰ، كما في فتاوى قارئ الهداية. (الدر المختار مع رد المحتار:٤/٣٨٨).

وفيه: وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذٍ أو شرط بيعه ويشترى بثمنه أرضاً أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها وإن لم يذكرها ثم لايستبدلها بثالثة. (الدر المختار:٤/٣٨٤،سعيد).

قانون العدل والانصاف میں ہے:

من غصب وقفاً داراً كانت أوحانوتاً أوأرضاً، فعليه رده بعينه، فإن هلك في يده ولو بآفة سماوية، ضمن قيمته، وإن كان دخل نقص، ضمن النقصان. (قانون العدل

والانصاف:۲٤٥،فی غصب الوقف)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندية: ۳۹۹/۲۔والبحرالرائق:۲۲۰۔والشامی:٤/۳٦۰) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

ارضِ موقوفہ پر تعمیر کا حکم:

سوال: ایک زمین مسجد کے لیے وقف ہے لیکن اس پر کوئی تعمیر وغیرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اس زمین سے کوئی آمدنی حاصل نہیں ہو رہی ہے، اور نہ کوئی فائدہ ہو رہا ہے بلکہ زمین کے اخراجات مثلاً ٹیکس وغیرہ بھی نہیں نکلتے ہیں، اور مسجد کے پاس وسعت بھی نہیں کہ تعمیر کر سکے، اس لیے متولیانِ مسجد پریشان ہیں، ایک شخص نے ان کو بتلایا کہ میں اپنی رقم سے ایک دکان بنانا چاہتا ہوں لیکن بطورِ وقف نہیں بلکہ میری ملک میں رہیگی، اور زمین کے معقول کرایہ کے ساتھ آمدنی میں سے بھی کچھ حصہ مسجد کو ادا کرتا رہوں گا، کیا اس طرح تعمیر کی گنجائش ہے؟ اور کیا وقف کی زمین میں ذاتی تعمیر ہو سکتی ہے؟

الجواب: ویران جائدادِ وقف جو نا قابل انتفاع ہو اس پر تعمیر کر کے قابل انتفاع بنانا فقط جائز ہی نہیں بلکہ افضل اور بہتر ہے، لیکن جب مسجد کے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ قابل انتفاع بنا سکے تو مسجد کے متولی حضرات دوسرے شخص کو تعمیر کی اجازت دے سکتے ہیں، اور وہ تعمیر اس کی ذاتی ہوگی جب تک وہ وقف نہ کر دے، اور ماہانہ کرایہ وصول کیا جائیگا، مزید براں آمدنی میں سے جو حصہ مسجد کو دینا چاہے اپنی مرضی سے دے سکتا ہے، البتہ اس کارروائی کو جانبین کی دستخط کے ساتھ قلمبند کیا جائے اور مسجد کی فائل میں محفوظ رکھا جائے تاکہ مرورِ زمانہ پر ورثاء ملکیت کا دعویٰ نہ کر دیں کیونکہ اس میں ضیاعِ وقف کا پہلو مضمر ہے۔

قانون العدل والانصاف میں ہے:

وإذا بنى الواقف بناء في أرض الوقف، أوغرس فيها أشجاراً، فإن كان البناء والغراس من مال الوقف، أوكان من مال الواقف، وذكر أنه بناه أوغرسه للوقف، فإنه يكون وقفاً، وإن كان من ماله، ولم يذكر أنه للوقف يكون ما بناه أوغرسه ملكاً له. (قانون العدل والانصاف،ص١٤٢،مادة:٢٠٧،البناء والغراس في ارض الوقف)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

دعوائے ملکیت یا غاصبانہ قبضہ کے خطرہ کے سد باب کے لیے ارض موقوفہ پر کرایہ دار کو ذاتی عمارت بنانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے، لیکن اگر متولی نے اسے ذاتی مکان بنانے کی اجازت دے دی یا اس نے از خود بنالیا اور کرایہ کی مدت ختم ہوگئی تو اگر چہ وہ رائج کرایہ دینے کے لیے تیار ہو اور اس کے غاصبانہ قبضہ کا ظن غالب بھی نہ ہو تو بھی متولی پر اسے کرایہ دار باقی رکھنا لازم نہیں ہے...اور اگر ارض موقوفہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اسے عمارت بنالینے پر بھی مجبور کرے، اور اگر نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اسے مکان بنانے کی اجازت نہ دے، ...اور جب تک ان میں سے کوئی شکل ممکن نہ ہو ارضِ موقوفہ بشمول عمارت دوسرے شخص کو کرایہ پر دے دے یہاں تک کہ عمارت ٹوٹ پھوٹ جائے اور اس کا ملبہ مالک کو واپس مل جائے، اور اس مدت کے اندر حاصل شدہ کرایہ مالک عمارت اور وقف دونوں پر اس کے اپنے اپنے حصے کے لحاظ سے تقسیم ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۶۶-۳۶۸، دفعہ ۴۰)۔

درمختار میں ہے:

ففي المنية حانوت لرجل في أرض وقف فأبى صاحبه أن يستاجر الأرض بأجر المثل أن العمارة لو رفعت تستاجر بأكثر مما استأجره أمر برفع العمارة، و توجر لغيره، و إلا تترك في يده بذلك الأجر. وفي الشامية: والحاصل أن مستأجر أرض الوقف إذا بنى فيها ثم زادت أجرة المثل زيادة فاحشة فأما أن تكون الزيادة بسبب العمارة والبناء أوبسبب زيادة أجرة الأرض في نفسها ففي الأول لا تلزمه الزيادة لأنها أجرة عمارته و بنائه و هذا لو كانت العمارة ملكه ... قوله إلا تترك في يده بذلك الأجر لأن فيها ضرورة بحر عن المحيط وظاهر التعليل تركها بيده ولو بعد فراغ مدة الإجارة، لأنه لو أمر برفعها لتوجر من غيره يلزم ضرره، وحيث كان يدفع أجرة مثلها لم يوجد ضرر على الوقف، فتترك في يده لعدم الضرر على الجانبين فلو مات المستاجر كان لورثته الاستبقاء أيضاً إلا إذا كان فيه ضرر على الوقف بوجه ما. (الدر المختار مع رد المحتار: ٤/ ٣٩١، سعيد). واللہ ﷻ اعلم۔

آمدنی وقف کے مصارف کا حکم:

سوال: ہمارے شہر میں ایک آدمی نے کسی اسلامی ادارہ (اسلامی اسکول) کے لیے ایک گھر وقف کیا تھا، گھر کی آمدنی اسلامی اسکول کے منافع میں تقسیم کی جاتی تھی، گزشتہ چار سالوں سے گھر ادارہ کے منتظمین کے قبضہ میں ہے، اب گھر کی آمدنی کے مصارف کیا ہیں؟ یعنی آمدنی کہاں استعمال کرنی چاہئے؟

الجواب: واقف کی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائیگی، ہاں متولی مصالح وقف کے پیش نظر وقف کے انتظامات اور اس کے مصارف میں ایسی تبدیلی کر سکتا ہے جس سے مقاصد وقف فوت نہ ہوں، اور اگر واقف کی طرف سے کوئی شرط نہیں ہے، تو سب سے پہلے مکان کی آمدنی مکان اور زمین کی اصلاح اور مرمت میں صرف کی جائیگی، بعد ازاں اہم اہم مصالح میں خرچ کی جائیگی، پھر مستحقین مثلاً اسکول کے اساتذہ اور کارکنوں کی تنخواہوں میں صرف کی جاسکتی ہے، الغرض حسب ضرورت و مصلحت صرف کرنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح وتمامه في البحر. وفي الشامية: قوله يبدأ من غلته بعمارته أي قبل الصرف إلى المستحقين...وذكر في البحر أن كون التعمير من غلة الوقف إذا لم يكن الخراب بصنع أحد...قوله ثم ما هو أقرب لعمارته أي فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره...والحاصل أن الوجه يقتضي أن ما كان قريباً من العمارة يلحق بها في التقديم على بقية المستحقين... (الدر المختار مع رد المحتار: ٤/ ٣٦٧-٣٦٨).

قانون العدل والانصاف میں ہے:

إذا جعل وقفه على مسجد معين، أو على مدرسة معينة وشرط أنه إن ضاق ريعه، واحتاج المسجد أو المدرسة لعمارة ضرورية فتقدم ما هو أقرب لها وأهم للمصلحة من

أربـاب الشعـائـر علی غیره من المستحقین، صح شرطه ، ووجب العمل به سواء عین قدراً معـلـومـاً لهـم أولـم یعیـن، وإذا شرط الواقف أن یسوی بین جمیع المستحقین من أرباب الشعـائـر وأصـحـاب الـوظـائف وضاق ریع الوقف، واحتاج المسجد أوالمدرسة للعمارة الـضـروریة، فـلا یعتبـر شـرطه بل یقدم بعد العمارة الأهم فالأهم، من أرباب الشعائر الذین یتـرتـب عـلـی انـقطاعهم ضرر، وتعطیل لإقامة الشعائر بالمسجد والمدرسة وکذلک إذا شـرط الاستـواء بیـن أربـاب الشـعـائر والعمارة وضاق ریع الوقف فلایراعی شرطه، وتقدم الـعـمـارة علی سائر الجهات والضروریة لانتظام مصالح المسجد أوالمدرسة . (قانون العدل والانصاف،۸۵،تقدیم عمارة المسجدعلی مصالح الاخری).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

واقف کی شرائط کی حیثیت نص جیسی ہے،اس لیے وقف سے استفادہ اور وقف کے انتظامات واقف کی شرطوں کے مطابق انجام پائیں گے،لیکن قاضی مصالح کے پیش نظر وقف کے انتظامات اوراس کے مصارف میں ایسی تبدیلی لاسکتا ہے جس سے مقاصد وقف فوت نہ ہوں،وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائداد کی آمدنی مصارف وقف پر خرچ ہوگی،اور مصالح وقف کے پیش نظر وقف کی آمدنی سے خرید کردہ جائداد کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔(مجموعہ قوانین اسلامی:۳۵۴،دفعہ۱۳:۱۱) . واللہ ﷻ اعلم۔

واقف کا شرائطِ وقف میں تبدیلی کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے وقف نامہ تحریر کیا اوراس میں چند شرائط درج کیے،مثلاً یہ لکھا کہ جب تک میں زندہ رہوں اس مکان میں رہوں گی،میرے مرنے کے بعد یہ مکان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگا،اور چار افراد فائدہ اٹھائیں گے،پھران کے انتقال کے بعد مسجد کے لیے وقف ہوگا،اس وقف نامہ کے بعد وہ عورت اس میں کچھ تبدیلی کرنا چاہتی ہے،مثلاً چار افراد کی جگہ صرف ایک شخص کا نام لکھنا چاہتی ہے اس تبدیلی کا اختیار ہے یانہیں؟ جب کہ وقف نامہ میں تبدیلی کی کوئی شرط موجود نہیں ہے؟

الجواب: واقف نے جب ایک مرتبہ وقف نامہ لکھ کر وقف کر دیا اور اپنے لیے تبدیلی وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں رکھا تو بعد میں وقف نامہ میں تبدیلی کی اجازت نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی اب تغیر وتبدل کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی الشامی میں ہے:

وفي الإسعاف: ولايجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد، وفيه: لو شرط في وقفه أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته أوينقص من وظيفة من يرى نقصانه أو يدخل معهم من يرى إدخاله أو يخرج من يرى إخراجه جاز، ثم إذا فعل ذلک ليس له أن يغيره لأن شرطه وقع على فعل يراه، فإذا رآه وأمضاه فقد انتهىٰ ما رآه، وفي فتاوى الشيخ قاسم: وما كان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولاتخصيصه بعد تقرره، ولاسيما بعد الحكم، فقد ثبت أن الرجوع عن الشروط لايصح إلا التولية مالم يشرط ذلک لنفسه فله تغيير المشروط مدة واحدة، إلا أن ينص على أنه يفعل ذلک كلما بدا له و إلا إذا كانت المصلحة اقتضته فاغتنم هذا التحرير. (فتاوى الشامي:٤/٤٥٩،مطلب لايجوزالرجوع عن الشراط، سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

وفيه (منظومة ابن وهبان) أيضاً فرع مهم وقع السوال بالقاهرة بعد سبعين أن الواقف إذا جعل لنفسه التبديل والتغيير والإدخال والإخراج والزيادة والنقصان هل يكون صحيحاً وهل تكون له ولاية الاستبدال، والشيخ الإمام الوالد سقى الله عهده صوب الرضوان، أفتى بصحة ذلک. (البحرالرائق:٥/٢٢٤،كوئٹه).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (قانون العدل والانصاف،ص۸۹۔وفتاوی محمودیہ:١٤/٢٣٥) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

تنخواہ دار شخص کی تولیت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک اسلامی اسکول کی کمیٹی میں ایک عالم دین کو صدر مقرر کرنے پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عالم صاحب اسکول سے تنخواہ لیں گے، جب کہ چیئرمین ایسا آدمی ہونا چاہئے جو تنخواہ نہ لیتا ہو، کیا شریعت میں تنخواہ دار آدمی کو سربراہ مقرر کرنا جائز ہے؟

الجواب: اسلامی اسکول چلانے اور انتظام کرنے کے لیے وہ شخص زیادہ مناسب ہے جو دینی علوم میں ماہر ہو تا کہ اسکول میں اسلامی روح جاری وساری کرادے، اور نظام تعلیم کو دین وشریعت کے موافق بنادے، پھر اس عالم دین کے گزارے کے لیے تنخواہ مقرر کرنا چاہئے تا کہ فارغ البال ہو کر اسکول کے نظام کو بہتر بنانے کی طرف متوجہ رہے، یادرہے کہ سربراہ بننے کے ساتھ تنخواہ لینا متصادم نہیں، بلکہ خلفائے راشدین باوجود سربراہ ہونے کے بیت المال سے تنخواہ لیتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو صبح کے وقت کپڑے کی گٹھڑی اٹھائے ہوئے بازار کی طرف جارہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ فرمایا مسلمانوں کا خلیفہ بنایا گیا ہوں مگر اہل وعیال کے خرچ کا انتظام کیسے ہوگا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چلئے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں وہ آپ کے لیے وظیفہ یا تنخواہ مقرر فرمادیں گے، دونوں وہاں چلے گئے، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کے لیے ایک مہاجر کے خرچے کے برابر خرچہ مقرر کرتا ہوں، اور گرمی سردی کا لباس بھی۔

تاریخ الخلفاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأخرج ابن سعد عن عطاء ،السائب قال لما بويع أبوبكر رضي الله عنه أصبح وعلى ساعده ابراد و هو ذاهب إلى السوق فقال عمر رضي الله عنه: أين تريد قال إلى السوق قال: تصنع ماذا وقد وليت أمرالمسلمين قال فمن أين أطعم عيالي فقال: انطلق يفرض لک أبوعبيدة فانطلق إلى أبي عبيدة فقال : أفرض لک قوت رجل من المهاجرين ليس بأفضلهم ولا أوكسهم وكسوة الشتاء والصيف. (تاريخ الخلفاء:۷۸).

اس کے بعد مرقوم ہے کہ دو ہزار ''غالبا سالانہ'' مقرر فرمائے جس پر ابوبکر صدیق ﷺ نے فرمایا کہ اہل وعیال کے پیش نظر یہ کم ہیں تو پانچ سو مزید بڑھائے گئے۔

وأخرج ابن سعد عن ميمون قال: لما استخلف أبوبكر ﷺ جعلوا له ألفين، فقال: زيدوني فإن لي عيالاً وقد شغلتموني عن التجارة، فزاده خمس مائة. (تاريخ الخلفاء:۷۸).

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لما استخلف أبوبكر ﷺ قال: لقد علم قومي أن حرفتي لم تكن تعجزعن مؤنة أهلي وشغلت بأمر المسلمين فسيأكل آل أبي بكر ﷺ من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه. (رواه البخارى). **وعن عمر ﷺ قال: عملت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فعملني.** رواه ابوداود، وقال التوربيشتي: أي أعطاني عمالتي وأجرة عملي. (حاشية مشكوٰة بحواله مرقات). **وعن المستورد بن شداد قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من كان لنا عاملاً فليكتسب زوجة فإن لم يكن له خادم فليكتسب خادماً فإن لم يكن له مسكن فليكتسب مسكناً.** رواه ابوداود ـ (مشکوٰۃ شریف:۲/۳۲۶،باب رزق الولاۃ وہدایاہم).

واللہ ﷻ اعلم۔

متولی وقف کی ذمہ داریاں:

سوال: متولی وقف کی شرائط اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟

الجواب: متولی وقف کی شرائط، ذمہ داریاں اور اوصاف درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

☆ متولی کا عاقل، بالغ ہونا، امین ودیانت دار ہونا، خائن شخص کو متولی بنانا جائز نہیں ہے۔

☆ وقف سے متعلق حفاظت اور مفوضہ فرائض کو بذاتِ خود انجام دینا، یا کسی نائب کے واسطہ سے انجام دینا۔

☆ موقوفہ املاک کی حفاظت اور حتی المقدور مقاصد وقف کی تکمیل کی کوشش کرنا۔

☆ واقف کی جائز شرائط یا متولیان قدیم کے دستور العمل کے مطابق اوقاف کے تمام انتظامی امور کو انجام دینا۔

☆ جائداد وغیرہ کو اجارہ پر دینا اور ماہانہ آمدنی کو صحیح مصارف میں صرف کرنا۔

☆ جو اوقاف کسی مفاد یا رفاہِ عام میں مخصوص ہوں، مثلاً مسافر خانے، سرائے، مقبرہ، سقایہ، کتب خانے، انجمنیں، وغیرہ ان کے ناجائز استعمال سے روکنا اور جائز استعمال کی اجازت دینا۔

☆ ایسے اسباب و ذرائع اختیار کرنا جن سے اوقاف ویرانی کے خطروں سے محفوظ رہ سکے۔

☆ آمدنی میں حسب ضرورت خرید وفروخت کرنا۔

☆ آمدنی وصول کر کے اس کے مصارف پر خرچ کرنا۔

☆ مخصوص صورتوں کے علاوہ وقف کی جائداد کو فروخت کرنے یا کسی غیر منقولہ جائداد کے ساتھ تبدیل کرنے کی اجازت نہیں۔

☆ اراضی وقف زیادہ سے زیادہ تین سال اور رہائشی مکانات زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لیے کرایہ پر دینا، اس سے زیادہ میں تحفظِ وقف کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر مصلحت متقاضی ہو تو اسی کو اختیار کیا جائیگا۔

☆ وقف کی جائداد کو رہن رکھ کر قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ متولی کے لیے مصالح وقف کے بغیر قرض لینا جائز نہیں ہے، اگر متولی نے بغیر مصلحتِ وقف کے ایسا کیا تو اس قرض کی ذمہ داری متولی کی ذات پر ہوگی۔

☆ اشیاء موقوفہ کو اجرتِ مثل میں کرایہ پر دینا متولی پر لازم ہے، اگر اس نے اجرتِ مثل میں کوئی قابل لحاظ کمی کر دی تو بھی کرایہ دار پر اجرتِ مثل ہی لازم ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

و ينزع وجوباً لو الواقف(فغيره بالأولىٰ) غيرمأمون أوعاجزاً أوظهر به فسق كشرب خمر ونحوه فتح، أو كان يصرف ماله في الكيمياء، نهر. وفي الشامية: قوله غير مأمون قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به،

ویستوی فیه الذکر والأنثی وکذا الأعمی والبصیر وکذا المحدود في قذف إذا تاب لأنه أمین، وقالوا: من طلب التولیة علی الوقف لایعطی له وهو کمن طلب القضاء لا یقلد، والظاهر: أنها شرائط الأولویة لاشرائط الصحة وأن الناظر إذا فسق استحق العزل ولاینعزل کالقاضي إذا فسق لاینعزل علی الصحیح المفتی به، ویشترط لصحته بلوغه وعقله لاحریته وإسلامه لما فی الإسعاف لو أوصی إلی الصبي تبطل فی القیاس مطلقاً وفی الاستحسان هي باطلة مادام صغیراً، فإذاکبر تکون الولایة له ولوکان عبداً یجوز قیاساً واستحساناً لأهلیته في ذاته بدلیل أن تصرفه الموقوف لحق المولی ینفذ علیه بعد العتق لزوال المانع بخلاف الصبي. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۴/ ۳۸۰،مطلب فی شروط المتولی،سعید).

(وکذا في قانون العدل والانصاف،ص۱۰۷،الفصل الاول فی ولایة الوقف،بیروت).

فتاویٰ شامی میں ہے:

شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع. (فتاوی الشامی:۴/۳۴۳،مطلب شرائط الواقف).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا وقف داره علی الفقراء فالقیم یؤاجرها ویبدأ من غلتها بعمارتها ولیس للقیم أن یسکن فیها أحداً بغیر أجرکذا فی التاتارخانیة . (الفتاوی الهندیة:۴/۴۱۸).

وفی الدرالمختار: یراعی شرط الواقف في إجارته فلو أهمل الواقف مدتها قیل تطلق ... وقیل تقید بسنة مطلقاً وبها أی بالسنة یفتی في الدار وبثلاث سنین في الأرض إلا إذاکانت المصلحة بخلاف ذلک وهذا مما یختلف زماناً وموضعاً، وفي فتاوی الشامیة: قوله وقیل تقید بسنة لأن المدة إذا طالت تؤدی إلی إبطال الوقف، فإن من رآه یتصرف بها تصرف الملاک علی طول الزمان یظنه مالکاً إسعاف. (قوله وبثلاث سنین فی الأرض) أی إذا کان لایتمکن المستأجر من الزراعة فیها إلا فی الثلاث کما قیده المصنف تبعاً للدررحیث قال: إن الأرض إن کانت مما تزرع في کل سنتین مرة، أوفي کل ثلاث کان له

أن يؤاجرها مدة يتمكن فيها من الزراعة ، و مثله في الإسعاف، وكذا في الخانية لكن ذكر فيها بعد ذلك قوله وعن الإمام أبي حفص البخاري أنه كان يجيز إجارة الصباغ ثلاث سنين ، فإن آجر أكثر اختلفوا فيه وأكثر مشايخ بلخ لايجوز... وظاهره جواز الثلاث بلاتفصيل تأمل. وأن مختار الفقيه جواز الأكثر...واعلم أن المسألة فيها ثمانية أقوال ذكرها العلامة قنالي زاده في رسالته أحدها: قول المتقدمين عدم تقدير الإجارة بمدة ورجحه في أنفع الوسائل ، والمفتى به ماذكره المصنف خوفاً من ضياع الوقف كماعلمت.

(الدرالمختار مع ردالمحتار:٤/٤٠٠،كتاب الوقف).

فتح القدیر میں ہے:

ليس على الناظر أن يفعل إلا ما يفعله أمثاله من الأمر والنهي بالمصالح... والأخذ والإعطاء . (فتح القدير:٦/٢٤٢،دارالفكر).

عالمگیری میں ہے:

وإن كان في الأرض الموقوفة نخل وخاق القيم هلاكها كان للقيم أن يشتري من غلة الوقف فصيلاً فيغرسه كيلا ينقطع كذا في فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية:٢/٤١٣).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (مجموعہ قوانین اسلامی مع الحاشیۃ:۳۵۷،۳۶۵۔وقاموس الفقہ:۵/۳۰۳۔وفتاوی محمودیہ:۱۴/۳۴۲، باب ولایۃ الوقف) . واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿وأن المسجد للہ فلا تدعو مع اللہ احداً﴾

عن عثمان بن عفان ﷺ قال :

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول :

”من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ“

(رواہ الترمذی).

باب ......﴿۲﴾

ما یتعلق بالمساجد

فصل اول

احکامِ مساجد کا بیان

مسجد کی ذاتی ملک اور قانون شخصی کا حکم:

سوال: کیا مساجد اور مدارس مالک بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یا نہیں؟ یعنی اگر کسی نے مسجد کو قالین وغیرہ دیدی اور وقف نہیں کی یا مدرسہ میں کتابیں وغیرہ بھیج دیں اور وقف نہیں کیں، تو یہ اشیاء وقف ہیں یا مدرسہ کی ذاتی ملک ہیں، اسی طرح چرمِ قربانی اگر کسی مسجد یا مدرسہ کو دیدی تو مسجد یا مدرسہ اس کے مالک بنے یا نہیں؟ اگر چرمِ قربانی کی قیمت اساتذہ کی تنخواہوں میں خرچ کرنا چاہیں تو خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مساجد اور مدارس ذاتی ملک اور قانون شخصی کی حیثیت رکھتے ہیں، لہذا اگر کسی نے کوئی چیز مسجد یا مدرسہ کو دیدی اور وقف نہیں کی تو مسجد یا مدرسہ اس چیز کا مالک بن گیا اور متولی کو اس چیز میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہوگیا، بایں وجہ چرمِ قربانی بھی اگر کوئی شخص مسجد یا مدرسہ کو دیدے تو مسجد یا مدرسہ اس کا مالک بن جائیگا، اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف کی جاسکتی ہے۔

اس مسئلہ کو باصطلاحِ فقہاء قانون شخصی سے موسوم کیا جاتا ہے، اور اس کی واضح اور بے غبار نظیر بیت المال کا نظام ہے، کہ بیت المال میں موقوفہ اموال نہیں ہوتے بلکہ بیت المال کی ذاتی ملک ہوتے ہیں اس سے لینا دینا ہوتا ہے، لہذا مساجد و مدارس بھی بیت المال کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ذاتی ملک کی صلاحیت رکھتے

ہیں۔ورنہ جن لوگوں نے مساجد ومدارس کو اپنے اموال دئے ہیں جو موقوفہ نہیں ہیں،وہ اموال دہندگان کے انتقال کے بعد ان کی میراث میں تقسیم ہونا چاہئے،حالانکہ ان میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ وقف کے لیے خاص الفاظ ہیں ان کے بغیر وقف نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

قوله وركنه الألفاظ الخاصة قال في الشرح الملتقى ناقلاً عن القهستاني: إنما قيد بالقول لأنه لو كتب صورة القضية مع الشرائط بلا تلفظ لم يصر وقفاً بالاتفاق ثم قال: إنه لم يصر وقفاً عند الطرفين إلا إذا كتب بيده وقال للشهود أشهدوا بمضمونه فإنه إقرار بأني وقفت كما ذكرت فيه أو كلاماً نحوه فحينئذٍ يصير وقفاً. (كذا في هاشية الطحطاوي على الدر المختار:۲/۵۲۹).

مساجد اور مدارس کی ملکیت کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

اعلاء السنن میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لولا أن قومك حديثوعهد بجاهلية أوقال: بكفر لأنفقت كنز الكعبة في سبيل الله ولجعلت بابها بالأرض، ولأدخلت فيها من الحجر. (رواه مسلم،نيل الاوطار:۵/۲۷۴).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

التمليك للمسجد صحيح:ـ قلت: وفي الحديث دليل لما قاله علماؤنا من أن التمليك للمسجد صحيح ففي الهندية: رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد، أو مصالح المسجد صح، لأنه إن كان لايمكن تصحيحه وقفاً يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد وإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض كذا في الواقعات، وقال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح و يكون تمليكاً، ويشترط التسليم كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التمليك إذا سلمه

للقيم كذا في الفتاوى العتابية، (۳/۲۴۰) ، (إعلاء السنن:۱۳/۲۰۰، باب الوقف على مصالح المسجد،ادارة القرآن).

فتاویٰ تاتارکانیہ میں ہے:

ولو قال : وهبت داری للمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد، يصح بطريق التمليك إذا سلم للقيم . (الفتاوى التاتارکانية:۵/۸۵۳،کتاب الوقف ، مسائل وقف المساجد،ادارة القرآن).

عالمگیری میں ہے:

ذكر الصدر الشهيدؒ في باب الواو إذا تصدق بداره على مسجد أو على طريق المسلمين تكلموا فيه والمختار أنه يجوز كالوقف كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية:۲/۴۶۰).

یعنی جس طرح مسجد اور دیگر کارِ خیر کے لیے وقف کیا جاتا ہے اسی طرح بطورِ صدقہ دینا بھی درست ہے۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد، أو مصالح المسجد صح ، لأنه إن كان لايمكن تصحيحه وقفاً يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد وإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح ، فيتم بالقبض كذا في الواقعات، وقال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليكاً ، ويشترط التسليم كما لو قال : وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التمليك إذا سلمه للقيم كذا في الفتاوى العتابية. (الفتاوى الهندية:۲/۴۶۰،الفصل الثانى فى الوقف على المسجد۔وکذا فى الفتاوى الولوالجية:۳/۹۰،الفصل الاول فى المسجد).

عالمگیری کی درجِ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال قانون شخصی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فعلى الإمام أن يجعل بيت المال أربعة لكل نوع بيتاً لأن لكل نوع حكماً يختص به لايشاركه مال آخر فيه فإن لم يكن في بعضها شيء فللإمام أن يستقرض عليه مما فيه مال فإن استقرض من بيت مال الصدقة على بيت مال الخراج فإذا أخذ الخراج يقضى

المستقرض من الخراج إلا أن يكون المقاتلة فقراء لأن لهم حظاً فيها فلايصير قرضاً.
(الفتاوی الهندية:۱/۱۹۱،فصل فیمایوضع فی بیت المال اربعة انواع).

یعنی امام کے لیے ضروری ہے کہ بیت المال چار حصوں پر تقسیم کرے اس لیے کہ ہر حصہ کا حکم الگ ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے دوسرا مال اس میں شریک نہیں ہے، پس اگر بعض حصوں میں کچھ مال نہ ہو تو دوسرے سے قرض لے مثلاً صدقہ کے اموال سے اموالِ خراج کو کچھ قرضہ دیا تو جب خراج حاصل ہو تو اس سے قرضہ وصول کرلے، یعنی بیت المال دائن اور مدیون بن سکتا ہے، جو کہ قانونِ شخصی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ غلافِ کعبہ کو حاجیوں میں تقسیم کرتے تھے کیونکہ وقف نہیں ہوتا تھا۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد ازرقی فرماتے ہیں:

حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا جدي وإبراهيم بن محمد الشافعي، عن مسلم بن خالد، عن ابن أبي نجيح، عن أبيه، أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان ينزع كسوة البيت في كل سنة فيقسمها على الحاج، فيستظلون بها على السمر بمكة. (اخبار مكة،وماجاء فيها من الآثارللازرقی:۱/۲۱۷،باب ماجاء فی تجريدالكعبة،واول من جردها، مكتبة الثقافة الدينية).

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال ابن صلاح: الأمر فيها إلى الإمام يصرفه في مصارف بيت المال بيعاً عطاءً واحتج بما ذكره الأزرقي أن عمر رضي الله عنه كان ينزع كسوة البيت كل السنة ... الخ، وعن الأزرقي عن ابن عباس رضي الله عنه وعائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنهما قالا: ولابأس أن يلبس كسوتها من صارت إليه من حائض وجنب وغيرهما، وكذا قالته أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها، وذكر ابن أبي شيبة عن ابن أبي ليلىٰ، وسئل عن رجل سرق من الكعبة، فقال: ليس عليه قطع، ويقال: الظاهر جواز قسمة الكسوة عتيقة إذ بقاؤها تعريض لفسادها بخلاف النقدين. (عمدة القاری:۷/۱۶۲،وكذا فی شرح اللباب:ص۵۴۵).

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کو دیے گئے ہدایا کی تقسیم کا ارادہ فرمایا تھا، اس کے ذیل میں علامہ عینیؒ لکھتے

ہیں: **وإنما أراد الكنز الذي بها وهو ما كان يهدى إليها فيدخر ما يزيد على الحاجة.** (عمدة القاری:۷/۱۶۱).

اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں خانہ کعبہ کی ملک ہیں۔

وأما الحلي فمحبسة عليها كالقناديل فلا يجوز صرفها إلى غيرها. (عمدة القاری:۷/۱۶۱).

کفایت المفتی میں ہے:

رجل وقف أرضاً له على مسجد ولم يجعل آخره للمساكين تكلم المشايخ فيه والمختار أنه يجوز في قولهم جميعاً كذا في الواقعات الحسامية. (فتاوی عالمگیری:۲/۴۴۷). **إذا غرس شجراً في المسجد فالشجر للمسجد.** (فتاوی عالمگیری:۲/۴۵۵). **رجل غرس تالة في مسجد فكبرت بعد سنين فأراد متولي المسجد أن يصرف هذه الشجرة إلى عمارة بئر في هذه السكة والغارس يقول هي لي فأت ما وقفتها على المسجد قال الظاهر أن الغارس جعلها للمسجد فلايجوز صرفها إلى البئر ولايجوز للغارس صرفها إلى حاجة نفسه كذا في المحيط.** (فتاوی عالمگیری:ص۴۵۶). **مسجد فيه شجرة تفاح يباح للقوم أن يفطروا بهذا التفاح قال الصدر الشهيدؒ المختار أنه لايباح كذا في الذخيرة.** (عالمگیری،ص۴۵۶). **مسجد له أوقاف مختلفة لابأس للقيم أن يخلط غلته كلها إن خرب حانوت منها فلا باس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفاً لأن المعنى يجمعها،** (شامية،کتاب الوقف:مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه،۴/۳۶۱،ط، سعید۔مثله فی البزازية كتاب الوقف الفصل الرابع،۳/۲۶۹،۲۷۰،ط ماجدیه).

ہروہ چیز جوموقوف علیہ بن سکے اور متعین ہووہ قانونی شخص ہے اور مسجد موقوف علیہ بن سکتی ہے۔

ہروہ چیز جو مالک بن سکے وہ قانونی شخص ہے۔اوراس کی ملک کی حفاظت گورمنٹ کا فرض ہے،اوراس کو اپنی ملک کی حفاظت کے لیے دعوی دائر کرنے کا حق ہے۔

شخصی ملک قبل زوال وانتقال ہے،مالکانہ حیثیت جوقابل زوال وانتقال ہے جب یہ اپنے مالک کو قانونی شخص کی

حیثیت دیدتی ہے، تو مسجد کی ملک جونا قابل زوال وانتقال ہے، اپنے مالک (مسجد) کو قانونی شخص کا مرتبہ بدرجہ اولیٰ دیگی۔ (کفایت المفتی: ۷/۹۸) ۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اشکال: لیکن اس پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مساجد ومدارس ذاتی ملکیت کی حیثیت رکھتے ہیں تو پھر زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجانی چاہئے، حالانکہ علماء کا اتفاق ہے کہ مساجد یا مدارس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مصارفِ زکوٰۃ متعین ہیں، وران مصارف میں مدارس ومساجد کا تذکرہ نہیں ہے، لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

خانہ کعبہ کی ذاتی ملک اور قانونِ شخصی کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کوئی چیز کعبۃ اللہ کو ہبہ کردی تو وہ چیز کعبہ کی ملکیت میں آجائیگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بیت اللہ شریف کو ہبہ کی ہوئی چیز بیت اللہ کی ملکیت میں آجاتی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

ولو قال وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم.
(الفتاوی الهندية: ۲/ ٤٦٠)

اعلاء السنن میں ہے:

التمليک للمسجد صحيح :ـ قلت: وفي الحديث دليل لماقاله علماؤنا من أن التمليک للمسجد صحيح ففي الهندية : رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد، أو مصالح المسجد صح ، لأنه إن كان لايمكن تصحيحه وقفاً يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد وإثبات الملک للمسجد على هذا الوجه صحيح ،فيتم بالقبض كذا في الواقعات. (إعلاء السنن: ۱۳/ ۲۰۰، باب الوقف على مصالح المسجد، ادارة القرآن).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (عمدة القاری:۷/۱٦۲،وکذا فی شرح اللباب:ص٥٤٥).
محیط برہانی میں ہے:

وفي مجموع النوازل سئل شيخ الإمام أبو الحسن عن رجل قال: وقفت داري على مسجد كذا ولم يزد على هذا وسلمها إلى المتولي صح، ولم يشترط التأبيد، يجعل آخره للفقراء، قال: وهذا يكون تمليكاً للمسجد هبة فيتم بالقبض. (المحيط البرهاني:۳/۱٥۲).

واثبات الملك على هذا الوجه يصح فإن المتولي إذا اشترى من غلة دار المسجد يصح وكذا من أعطى درهماً في عمارة المسجد ونفقة المسجد أو مصالح المسجد يصح، وكذا إذا اشترى المتولي عبداً لخدمة المسجد صح كل ذلك، فيصح هذا بطريق التمليك بالهبة وإن كان لايصح بطريق الوقف ...الخ. (المحيط البرهاني:۷/۱۳۷).

خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی میں وقف بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو وہ بطورِ ہبہ تملیک ہو جاتی ہے۔

واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد کی توسیع کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین وقف کردی وہ زمین مسجد سے بالکل متصل ہے مقامی لوگوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مسجد کو تنگ دامنی کا شکوہ ہے توسیع کی ضرورت ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد سے متصل وقف شدہ زمین مسجد میں شامل کر کے توسیع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ واقف کی نیت کارِ خیر، اور مسجد و مدرسہ وغیرہ میں صرف کرنے کی تھی۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ وقف زدہ زمین کو مسجد میں شامل کر کے توسیع کی گنجائش ہے اگر چہ زمین کارِ خیر کے لیے وقف کی گئی تھی پھر بھی مسجد میں شامل کرنا درست ہے، توسیع مسجد بھی کارِ خیر اور اہم امورِ شریعت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله توخذ أرض في الفتح لو ضاق المسجد وبجنبه أرض وقف عليه أو حانوت جاز أن يوخذ ويدخل فيه زاد في البحر عن الخانية بأمر القاضي وتقييده بقوله وقف عليه أي على المسجد يفيد أنها لوكانت وقفاً على غيره لم تجز ولكن جواز أخذ المملوكة كرهاً يفيد الجواز بالأولىٰ لأن المسجد لله تعالىٰ. (فتاوى الشامي:۴/۳۷۹، وكذا في قانون العدل والانصاف،۸۵،تقديم عمارة المسجدعلى مصالح الاخرى،بيروت).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وإن ضاق المسجد عن أهله جاز للمتولي أن يدخل بعض منازل الوقف . (الفتاوى البزازية على هامش الهندية:۶/۲۸۵).

وفيه : أرض وقف على مسجد وبجنبه أرض فأرادوا إلحاق شيء من الأرض بالمسجد جاز ولكن يرفع إلى الحاكم ليأذن له في ذلك. (الفتاوى البزازية:۶/۲۶۸،الرابع في المسجدومايتصل به) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

تہ خانہ مسجد سے علیحدہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص مسجد کے لیے ایک زمین خریدنا چاہتا ہے اور شراء سے قبل ہی نیت کرتا ہے کہ اس کے تہ خانہ یا تحتانی منزل میں پارکنگ یا کوئی اور چیز ہوگی اور مسجد فوقانی منزل میں ہوگی کیا اس طرح کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ خریدنے سے قبل تحتانی منزل کو مستثنیٰ کرنے کی نیت مقبول ہے اور اس کے مطابق مسجد سے استثناء کرنا صحیح اور درست ہے، لہٰذا التعمیر کے بعد فوقانی منزلہ مسجد کے لیے ہوگا اور تحتانی منزلہ دیگر مصالح مسجد استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

إذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس. وفي الشامية:

قوله إذا جعل تحته سرداباً جمعه سراديب بيت يتخذ تحت الأرض لغرض تبريد الماء وغيره، قال في البحر: وحاصله إن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وأن المسٰجد لله (تعالىٰ) بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية وهناك روايات ضعيفة، فرع: لو بنى فوقه بيتاً للإمام لايضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع و لو قال عنيت ذلك لم يصدق. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۳۵۷/٤ ـ والبحر الرائق:٥/۲۵۱).

تقریراتِ رافعی میں ہے:

قول المصنفؒ لمصالحه ليس بقيد بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما أفاده في غاية البيان حيث قال: أورد الفقيه أبو الليث سوالاً جواباً فقال: فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالىٰ.

(التحرير المختار:٤/ ۸۰) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

عمارتِ مسجد کی تبدیلی کا حکم:

سوال: مسجد کے اردگرد آبادی ختم ہو جائے اور مسجد ویران ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ایک شہر میں ایک مسجد ہے جہاں پر مسلمانوں کی آبادی ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اربابِ حکومت کے امر پر عمل کرتے ہوئے وہ حضرات دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور وہاں پر صرف ایک گھرانہ یا چند مسلمان رہ جائیں، یا مسجد غیر آباد رہے، تو اس صورت میں مسجد کے ساتھ کیا کیا جائیگا؟ کیا اس مسجد کو شہید کر کے زمین بیچ کر حاصل شدہ رقم کے ساتھ دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مسجد کے پنکھے، مصاحف، قالین وغیرہ کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے کہاں منتقل کریں، کیا مدارس

دینیہ میں اس کو استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کو شہید کرنا یا اس کی زمین کو فروخت کرنا مفتیٰ بہ قول کے مطابق جائز اور درست نہیں ہے، بلکہ اس کو مسجد ہی رہنے دیا جائے اور قرب وجوار میں جو افراد رہ رہے ہیں وہ اس مسجد کو آباد رکھیں، البتہ اگر اس کے قرب وجوار میں کوئی مسلمان نہ رہے تو ضرورتاً مسجد کے جملہ سامان بلکہ دیوار تک دوسری جگہ منتقل کر کے مسجد تعمیر کی جائے اور مسجد کی زمین فروخت نہ کی جائے، کیونکہ راجح قول کے مطابق وہ جگہ خواہ کچھ بھی ہو مسجد کے حکم میں رہے گی۔

في الدرالمختار: ولوخرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي. (الدرالمختار: ٤/٣٥٨، سعيد).

وفيه: وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخرجزم به في الإسعاف حيث قال: ولوخرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لايعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسفؒ فيباع بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٤/٣٥٩، مطلب فيمالوخرب المسجد، سعيد).

وفيه: قال الشاميؒ: قلت: ...والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أوحوض كما أفتى به الإمام أبوالشجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا، فإن المسجد أوغيره من رباط، أوحوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذا أوقافه يأكله النظار أوغيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه وقد وقعت حادثة سئلت عنها في أمير أراد أن ينقل بعض أحجار مسجد خراب في صفح قاسيون بدمشق ليباط بها صحن الجامع الأموي فأفتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالي، ثم بلغني أن بعض المتغلبين أخذ تلك الأحجار لنفسه فندمت على ما أفتيت به ثم رأيت الآن الذخيرة، قال وفي الفتاوى النسفي: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب وبعض

المتغلبه يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال: نعم. وحكي أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق الخرب ولاينتفع المارة به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني. (فتاوى الشامي:٤/٣٦٠، مطلب في نقل انقاض المسجد، ط سعيد).

وانظر للمزيد: (الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٦/٢٧٠، الرابع في المسجد...نوع آخر).

امداد الفتاوی میں ہے:

اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورتِ شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورتِ شدیدہ میں گنجائش ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی ہو جائے تو اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے۔(امداد الفتاوی:٢/٦٧٣). واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد کی پارینہ قالین کا حکم:

سوال: ایک مسجد میں نئی قالین بچھائی گئی پرانی قالین کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اس بارے میں متولی حضرات کی چند آراء ہیں۔(١) مصلی حضرات میں تقسیم کر دیا جائے۔(٢) مصلی حضرات کو بیچ کر قرم مسجد میں استعمال کر لی جائے۔(٣) کسی اور مسجد میں یہ قالین دے دی جائے۔ان میں سے کیا صحیح ہے؟

الجواب: قالینِ پارینہ کے بارے میں (١) مصلی حضرات کے درمیان تقسیم کرنا صحیح اور درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وقف کا مال ہے۔

(٢) قالینِ پارینہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔

(٣) دوسری مسجد ضرورت مند اور محتاج ہو تو وہاں دینا بھی جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاوی عالمگیری میں ہے:

متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته وله أن يحمله من البيت إلى المسجد. (الفتاوى الهندية:٢/٤٦٢،كتاب الوقف۔وفتاوى قاضيخان:٣/٢٩٤۔والفتاوه البزازية:٦/٢٧٠).

درمختار میں ہے:

حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب المساجد أو رباط أوحوض إليه. (الدرالمختار:٤/٣٥٩،سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ جو اسی مسجد جدید کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو فروخت کر دینا جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کو اسی مسجد کی ضروریات تعمیر میں یا جس قسم کا سامان تھا اسی کے مثل میں صرف کیا جائے۔(کفایت المفتی:۷/۶۷).

عزیز الفتاوی میں ہے:

مسجد کا سامان اقرب مسجد ہی میں صرف کرنا چاہئے اگر اس وقت ضرورت نہیں ہے تو اس کے لیے اس سامان کو محفوظ رکھا جائے کہ وقت ضرورت کام آوے یا فروخت کر کے اقرب مسجد میں لگایا جاوے۔(عزیز الفتاوی: جلد اول،ص۵۶۷).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر مسجد میں زائد چٹائیاں موجود ہیں اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہو رہی ہیں تو زائد چٹائیاں ایسی مساجد میں بچھانا درست ہے جہاں ضرورت ہو متولی اور دیگر اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے دے سکتے ہیں، بلا مشورہ نہ دے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔(فتاوی محمودیہ:۱۴/۵۸۸،فاروقیہ).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاوى الشامي: ۴/۳۵۹،سعيد.وحاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۵۳۷،كتاب الوقف.وامداد الاحكام: ۲/۲۲۲،۲۳۴.وامداد المفتين: ۲/۱۶۴۱.وفتاوى رحيميه: ۹/۱۲۹).

البتہ مسئلہ بالا میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی وغیرہ نے پرانہ اثاثہ وسامانِ مسجد میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک بعد استغناءِ مسجد مالک کی ملکیت اس میں عود کر آتی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسری مسجد میں منتقل کردیا جائیگا، پھر فرمایا کہ آلاتِ مسجد میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور انقاضِ مسجد میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۶/۴۲۵۔۴۲۷).

علامہ شامی کی عبارت حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

قوله مثله حشيش المسجد أي الحشيش الذي يفرش بدل الحصير، كما يفعل في بعض البلاد كبلاد الصعيد كما أخبرني به بعضهم قال الزيلعيؒ: وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغنىٰ عنهما يرجع إلى مالكه عند محمدؒ وعند أبي يوسفؒ ينقل إلى مسجد آخر، وعلى الخلاف الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، وصرح في الخانية بأن الفتوىٰ على قول محمدؒ قال في البحر: وبه علم أن الفتوىٰ على قول محمدؒ في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسفؒ في تأبيد المسجد، والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير، بخلاف أنقاضه لما قدمنا عنه قريباً من أن الفتوىٰ على أن المسجد لايعود ميراثاً ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر. (فتاوى الشامي:٤/٣٥٩،مطلب فيمالوخرب المسجداوغيره).

لیکن اکابرؒ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہانہوں نے مطلقاً امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ اسباب واثاثہ چاہے آلات کے قبیل سے ہو یا انقاض کے قبیل سے، کسی میں بھی مالک کی ملکیت عود کرنہیں آئیگی، بلکہ اموال وقف کی طرح ہوگا۔

نیز اشیاءِ منقولہ کے وقف کے بارے میں متقدمین عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے، لہذا مالک کی ملک میں عود کر آنے والا مسئلہ بھی اسی پر مبنی ہے۔ لیکن متأخرین فقہاء بالاتفاق اشیاءِ منقولہ کے وقف کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، لہذا مالک کی ملک میں عود کر آنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

محض تعمیر سے مسجدِ شرعی بننے کا حکم:

سوال: ایک مسجد کا خاکہ اور صحن تیار ہے یعنی تعمیری سلسلہ ختم ہو چکا ہے، لیکن بعض مصالح کی وجہ سے متولی حضرات نے اس میں نمازِ پنجگانہ باجماعت شروع نہیں کرائی، کچھ دوسرے لوگ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اور فقط تعمیری سلسلہ ختم ہوتے ہی مسجدِ شرعی کے احکام جاری ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مسجدِ شرعی بننے کے لیے تین چیزیں مطلوب ہیں (۱) زمین مسجد کے لیے وقف ہو۔ (۲) موقوفہ زمین کو واقف نے اپنی ملک یا دوسرے کی ملک سے اس طرح علیحدہ کر دیا ہو کہ اس کا یا کسی اور کا حق اس سے متعلق نہ رہا ہو۔ (۳) متولی کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ نماز باجماعت ہو چکی ہو۔ اگر یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں تو مسجدِ شرعی کے احکام جاری ہوں گے ورنہ نہیں۔ صورتِ مسئولہ چونکہ نماز باجماعت نہیں پڑھی گئی لہذا مسجدِ شرعی نہیں بنی، اور جو حضرات نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ متولی حضرات کی اجازت سے پڑھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

من بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه أما الإفراز فلأنه لايخلص لله تعالىٰ إلا به كذا في الهداية... التسليم في المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه وعن أبي حنيفةؒ فيه روايتان في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلاة فيه بالجماعة بإذنه إثنان فصاعداً كما قال محمدؒ والصحيح رواية الحسن كذا في فتاوى قاضيخان، ويشترط مع ذلك أن تكون الصلاة بإذان وإقامة جهراً لا سراً حتى لو صلى جماعة بغير أذان وإقامة سراً لاجهراً لايصير مسجداً عندهما كذا في المحيط والكفاية ... ذكر الصدر الشهيدؒ في الواقعات في باب العين من كتاب الهبة والصدقة : رجل له ساحة لابناء فيها أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة فهذا على ثلاثة أوجه : أما إن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصاً بأن قال : صلوا فيها أبداً ، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً لو مات لايورث عنه. وأما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر

أو السنة ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية:۲/ ٤٥٤،٤٥٥).

کفایت المفتی میں ہے:

(۱) واقف نے جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا شرعی اختیار رکھتا تھا اس کو مسجد کے لیے وقف کیا ہو، خواہ وہ زمین خالی عن العمارۃ ہو یا عمارت میں ہو۔(۲) اس کو اپنی ملک سے اس طرح علیحدہ کردیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے۔ وقف کرکے اس کو متولی کے سپرد کردیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نماز باجماعت ہوگئی ہو۔ (مستفاد از کفایت المفتی: ۷/۶۱).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی دارالعلوم زکریا جلد اول، بعنوان مسجد اور جماعت خانہ کے احکام) .

واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد کی مد سے طریق کی مرمت کا حکم:

سوال: ایک مسجد کا راستہ بہت خراب ہو چکا ہے اور عام طور پر مصلی حضرات اسی راستہ سے مسجد آتے جاتے ہیں تو کیا مسجد کی مد سے اس راستہ کی اصلاح اور مرمت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: طریقِ مسجد مصالحِ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور مسجد کے مد سے مصالحِ مسجد میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے، لہذا راستہ کی اصلاح اور مرمت بھی مسجد کی مد سے بالکل جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته...وفي الشامية : أى فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو أقرب للعمارة. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:٤/ ٣٦٧،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

والأصح ما قال الإمام ظهير الدين إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح

المسجد سواء ، كذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية:٢/٤٦٢۔وفتح القدير:٦/٢٤١،دارالفكر).

وفي السراجية : مسجد بابه على مهب الريح فيصيب المطر باب المسجد فيفسد الباب ويشق على الناس الدخول في المسجد كان للقيم أن يتخذ ظلة على باب المسجد من غلة الوقف إذا لم يكن في ذلك ضرر لأهل الطريق. (الفتاوى السراجية:باب العمارة،ص٣٥٤۔وكذا في البزازية:٦/٢٦٠).

وفي البزازية: وفي الصغرى أنفق المتولي على قناديل المسجد من مال المسجد جاز. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٦/٢٦٩) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

توسیعِ مسجد کے لیے قرب وجوار کی زمین شامل کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسجد کے قریب زمین ہے اور مسجد تنگ دامنی کا شکار ہے مصلی حضرات مالکِ زمین سے قیمۃً طلب کررہے ہیں لیکن مالک دینے سے انکار کرتا ہے کیا زبردستی وہ زمین خریدی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو اور مسجد کو شدید ضرورت ہو اس طور پر کہ قرب وجوار میں کوئی وسیع مسجد موجود نہ ہو تو پھر بدرجہ مجبوری قیمۃً لے سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں البحرالرائق میں ہے:

وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً لما روي عن الصحابة ﷺ لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة و زادوا في المسجد الحرام . (البحرالرائق:٥/٢٥٥،كوئٹہ۔وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٦/٢٦٨۔وردالمحتار:٤/٣٧٩،سعيد).

وفي الشامية: قال في نور العين ولعل الأخذ كرهاً ليس في كل مسجد ضاق بل الظاهر أن يختص بما لم يكن في البلد مسجد آخر إذ لو كان فيه مسجد آخر يمكن دفع الضرورة بالذهاب إليه نعم فيه حرج لكن الأخذ كرهاً أشد حرجاً منه ويؤيد ما ذكرنا فعل

الصحابة ﷺ إذ لامسجد في مكة سوى المسجد الحرام . (فتاوى الشامي:٤/٣٧٩،سعيد).

تاریخ مکہ میں ہے:

حدثني أبو الوليد عن ابن جريج قال: كان المسجدالحرام ليس عليه جدرات محاطة إنما كانت الدور ممدقة من كل جانب ...فضاق على الناس فاشترى عمربن الخطاب ﷺ دوراً فهدمها وهدم على من قرب المسجد وأبى بعضهم أن يأخذ الثمن وتمنع عن البيع فوضعت أثمانها في خزانة الكعبة حتى أخذوها بعد...ثم كثر الناس في زمان عثمان بن عفان ﷺ فوسع المسجد فاشترى من قوم وأبى آخرون أن يبيعوها فهدم عليهم فصيحوا به فقال: إنما جرأكم على حلمي عنكم. (تاريخ مكة للازرقي:٤/٤٥٠).

لیکن اس پر علامہ رافعیؒ نے اشکال کیا ہے کہ اراضی مکہ کی بیع صحیح نہیں ہے؟

ملاحظہ فرمائیں تقریراتِ رافعی میں ہے:

في شرح الوهبانية : في الاستدلال بما ذكر على قول أبي حنيفةؒ نظرفإنه لايجيز بيع أراضي مكة في الصحيح ولا إجارتها أيضاً عنده فالباني أما غاصب أومستعير فيؤمر بأخذ عمارته وتضاف إلى المسجد لعدم تملكه. (التحرير المختار:٤/٨٤،سعيد).

لیکن چونکہ اراضی مکہ کی بیع کے بارے میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے علامہ رافعیؒ کا یہ اشکال صحیح نہیں ہے۔

قال في الدرالمختار: وصح بيع دور مكة فتجب الشفعة فيها وعليه الفتوىٰ أشباه قال الشامي: أفاد أن وجوبها فرع عن جواز أرضها على قولهما المفتىٰ به وإلا فمجرد البناء لا يوجب الشفعة. (الدر المختار مع فتاوى الشامي:٦/٢٢٢،سعيد).

وأيضاً فيه : وجاز بيع بناء بيوت مكة وأرضها بلاكراهة وبه قال الشافعيؒ وبه يفتىٰ عيني. قال الشامي: قوله وأرضها، جزم به في الكنز وهوقولهما وإحدى الروايتين عن الإمام لأنها مملوكة لأهلها بظهور آثار الملكة فيها وهوالاختصاص بها شرعاً . (الدرالمختار مع فتاوى

الشامی:۶/۳۹۲،سعید) . واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد کے ایک حصہ کو راستہ یا چبوترے میں تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: کیا مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کر کے راستہ یا چبوترے میں تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مفتیٰ بہ قول کے مطابق جب ایک مرتبہ مسجدِ شرعی بن جاتی ہے تو پھر قیامت تک اس کی مسجدیت ختم نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی ختم کرسکتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی مسجد سے کوئی حصہ خارج نہیں کیا جاسکتا۔

ملاحظہ فرمائی درمختار میں ہے:

لو بنى فوقه بيتاً للإمام لايضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاترخانية، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره... (الدرالمختار مع فتاوی الشامی:۴/۳۵۸).

وأيضاً فيه: ولوخرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتيٰ. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی:۴/۳۵۸،سعید).

احسن الفتاوی میں ہے:

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوچکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ (احسن الفتاوی:۶/).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

چوتھا اہم اور اساسی فرق مساجد اور دوسری موقوفہ اراضی کے درمیان یہ ہے کہ مسجد ہمیشہ کے لیے مسجد بن جاتی ہے خواہ مسجد ویران اور ناقابل استعمال ہوگئی ہو یا اس پر ظلماً قبضہ کرلیا گیا ہو بہرصورت وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ (جدید فقہی مسائل:۲/).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جو جگہ مسجد بن گئی اب قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی کسی طرح اس جگہ کو دوسرے کام میں لگانا حلال نہیں خواہ ایک مسجد کے بدلے میں کوئی دس مسجدیں بنانا چاہے تب بھی یہ مسجد مسجدیت سے خارج نہیں ہوسکتی۔ (امدادالمفتین:۲/۶۳۶) . واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد میں پائپ لگانے کا حکم:

سوال: ایک گاؤں میں بارش کا پانی اور گھروں کا پانی ایک شخص کی زمین سے بہہ کر بڑے نالے میں گرتا تھا، اس شخص نے اپنی زمین میں دیوار اور کمرہ بنا کر پانی بند کردیا، اور شخص مقدمہ بھی جیت گیا، اب اس زمین کے ساتھ مسجد کا حصہ ہے وہاں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، بعض لوگوں کی درخواست ہے کہ مسجد کے تحتانی حصہ میں پائپ وغیرہ لگادیں اور اوپر سے فرش بنالیں تو زمین کے اندر سے پانی نکلتا رہیگا اور اوپر مسجد میں کوئی نقصان نہیں آئیگا اور پانی کے نکلنے کا راستہ بھی مہیا ہوجائیگا، اس سلسلہ میں شرعاً کیا فتویٰ ہے؟

الجواب: مسجد کے تحتانی حصہ میں پائپ لگانا اور اوپر سے فرش بنالینا بالکل جائز نہیں ہے، جب ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے تو قیامت تک مسجدیت ختم نہیں ہوتی، اور مسجد نیچے تحت الثریٰ تک اور اوپر فوق السماء تک ہوتی ہے، لہٰذا مسجد کے احترام کے منافی کوئی کام کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

قيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فناء ه لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومكاناً تسقط حرمته وهذا لايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا فى محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية:۲/۴٦۲).

درمختار میں ہے:

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولوقال عنيت ذلك لم يصدق تاترخانية ، فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولوعلى جدار المسجد، ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى ، بزازية. (الدرالمختار:۴/۳۵۸،سعید۔وفتاوی

قاضیخان:علی هامش الهندية:٣/٢٩٣).

کفایت المفتی میں ہے:

صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے اول مسجد کے اس غیر مسقّف حصے کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلاۃ تو ہوتا ہے یعنی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، دوم اس حصے کو بھی صحن کہہ دیتے ہیں جو موضع مہیا للصلاۃ کے مسقّف اور غیر مسقّف حصے کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے صحن تو مسجد کا ہی حصہ ہے اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں اس میں حوض اور وضو کی نالی وغیرہ بنانا جائز نہیں کیونکہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے اور اس کو نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے پھر اس کو کسی دوسرے کام میں نہیں لا سکتے...(کفایت المفتی:۳/۱۸۲، کتاب الصلاۃ، دارالاشاعت) . واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت لگانے کا حکم:

سوال: مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت اس نیت سے لگانا کہ پھلوں کو بیچ کر اس کی رقم مسجد کے اخراجات میں صرف کی جائیگی، درست ہے یا نہیں؟ نیز فی الحال جو درخت مسجد کے احاطہ میں موجود ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کا فارغ احاطہ جس میں لوگ نماز نہیں پڑھتے لیکن وہ جگہ مسجد کی ہے، اس جگہ میں دکانیں، مارکیٹ، پھل دار درخت، کھانے کے ہوٹل، مسجد کے کرائے اور فائدہ کے لیے بنا سکتے ہیں، اس لیے درختوں کا لگانا یا موجودہ درختوں سے پھل حاصل کرنا اور فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

وأن يبني بيوتاً يستغلها إذا كانت الأرض متصلة ببيوت المصر ليست للزراعة ، فإن كان زراعتها أصلح من الاستغلال لا يبني. (فتح القدير:كتاب الوقف ،٦/٢٤١،دارالفكر).

قال في البحر الرائق : مسجد فيه شجرة التفاح قال بعضهم : يباح للقوم أن يفطروا

بهذا التفاح والصحيح أنه لايباح لأن ذلك صار وقفاً للمسجد يصرف إلى عمارته .

(البحر الرائق ، كتاب الوقف،٥/ ٢٠٤،كوئته۔ وكذا في الفتاوى الهندية:٢/ ٤٦٠) . واللہ ﷻ اعلم۔

مدرسہ سے ملحق مسجد بنانے کا حکم:

سوال: کیامدرسہ سے ملحق مسجد بنانے کی اجازت ہے یانہیں بعض حضرات اس کومسجد ضرار کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مدرسہ کے ساتھ ملحق مسجد بنانا بہتر اور کارِ خیر ہے، پھر جب اس کے قریب کوئی مسجد بھی نہ ہوتو مسجد کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، مدرسہ کا اپنا ایک مزاج اور نظام ہوتا ہے، اس نظام کو سامنے رکھتے ہوئے مدرسہ کے ساتھ مسجد کی تعمیر کی صورت ست انکارنہیں کیا جاسکتا مثلاً مغرب کے بعد پڑھائی اور کھانے وغیرہ کی وجہ سے عشاء کی نماز مدرسہ کی مسجد میں کافی دیر سے ہوتی ہے طلبہ کے اوقات اور چلت پھرت پر پابندی کی وجہ سے بھی مسجد کا ہونا ضروری ہوجاتا ہے لہذا اس مدرسہ کے ساتھ ملحق مسجد کی تعمیر قابل اعتراض نہیں بلکہ قابل صد تحسین اور لائق شکر ہے، جولوگ اس مسجد کو مسجدِ ضرار کہتے ہیں ،وہ سخت غلطی پر ہیں، ان کو توبہ کرنا چاہئے ،حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے ایک فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے ،اورحسن ظن مامور بہ ہے ،لہذا کسی مسلمان کی بنا کردہ مسجد کو مسجدِ ضرار کا حکم نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ایسا یقین نہیں ہوسکتا کہ بانی نے یہ مسجد بغرض اضرارِ مسجدِ ثانی ریاء وسمعہ بنائی ہے، بخلاف مسجدِ ضرار کے کہ اس کی بنا فساد اور بانیین کی نیت کا فساد وحی قطعی سے معلوم ہوچکا ہے۔(عزیز الفتاوی:۱/ ۶۰۹).

جب کہ صورتِ مسئولہ میں نیت کا فساد نہیں بلکہ ضرورت کے پیش نظر مسجدِ ثانی بنائی جارہی ہے نیز اس مسجد کے منہدم کرنے کا ارادہ بہت برا ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

محراب مسجد کا حصہ ہے:

سوال: کیا محراب مسجد کا جزء ہے یا نہیں؟ منشأ سوال یہ ہے کہ امام صاحب اگر معتکف ہے تو ان کے لیے محراب میں کھڑے ہو کر امامت کرانا کیسا ہے، چونکہ وہ باہر کی طرف نکلا ہوا ہے، اس لیے بعض حضرات کو تأمل ہے، امید ہے کہ فقہی عبارات کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: محراب مسجد کا ایک حصہ اور جزء ہے اس میں کھڑا ہونے والا مسجد میں کھڑا ہونے والے کے مترادف ہے، نیز عرف میں بھی اسے مسجد ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔
فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

قال في البحر الرائق: وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لاينبغي للإمام أن يقوم في الطاق ... وإن كان المحراب من المسجد كما هي العادة المستمرة. (البحر الرائق: ۲/ ۲٦، كوئٹه).

فتاویٰ شامی میں ہے:

لأن المحراب إنما بني علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة ، لا لأن يقوم في داخله فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر فورثت الكراهة. (فتاوى الشامي: ۱/ ٦٤٦، سعيد). مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/ ۴۵۰، فاروقیہ) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

مکانِ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے مسجد نبوی میں ہم دیکھتے ہیں کہ منبر شریف محراب نبوی یا مصلیٰ نبوی سے کافی فاصلہ پر ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ یا محراب تو مسجد کے وسط میں ہوگا، تو اسی کے ساتھ ہی منبر ہونا چاہئے، کیونکہ منبر بھی مسجد کے درمیان میں ہوتا ہے، جب کہ موجودہ منبر مصلیٰ سے کافی فاصلے پر ہے، یہ بات بھی بعید ہے کہ منبر کو

بعد میں ہٹا کر موجودہ جگہ پر رکھا گیا ہو کیونکہ منبر کے ساتھ ریاض الجنۃ کے حدود کا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے ساتھ کھجور کے تنے کا نشان لگایا گیا ہے، پھر منبر بھی وہی ہونا چاہئے، اس اشکال کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شروحاتِ کتبِ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ سے متصل وقریب تھا، اس سے بحث نہیں کہ محراب تھی یا نہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

قال الكرماني: من حيث أنه صلى الله عليه وسلم كان يقوم بجنب المنبر... وأوضح من ذلک ماذكره ابن رشيد أن البخارى أشار بهذا الترجمة إلى حديث سهل بن سعد ﷺ الذي تقوم في باب الصلاة على المنبر و الخشب فإن فيه أنه عليه الصلاة والسلام قام على المنبر حين عمل فصلى عليه، فاقتضى ذلک أن ذكر المنبر يوخذ منه موضع قيام المصلى. (فتح البارى للعسقلانى:۱/۵۷۵).

علامہ ابن رجب الحنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأما حديث سلمة بن الأكوع ﷺ فتخريج البخاري له في هذا الباب يدل على أنه فهم منه أن المنبر كان بإزاء موقف النبي صلى الله عليه وسلم في صلاته أومتقدماً عليه متنحياً عن جدار قبلة المسجد. (فتح البارى: لابن رجب الحنبلى:۲/۶۲۳).

وقال العلامة العينيّ: مطابقة للترجمة ظاهرة من حديث أنه صلى الله عليه وسلم كان يقوم بجنب المنبر. (عمدة القارى شرح صحيح البخارى:۳/۵۷۵).

سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى إلى جذع إذ كان المسجد عريشاً وكان يخطب إلى ذلک الجذع... فلما وضع المنبر وضعوه في موضعه الذى هو فيه فلما أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقوم إلى المنبر مر إلى الجذع الذي كان يخطب إليه فلما جاوز الجذع خارحتى تصدع وانشق، فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم لما سمع

صوت الجذع فمسحه بيده حتى سكن ثم رجع إلى المنبر فكان إذا صلى صلى إليه. (سنن ابن ماجه: ۱۰۲).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنے کے پاس نماز پڑھتے تھے جس وقت مسجد چھپر تھی اور اس کے پاس خطبہ دیا کرتے تھے پس جب صحابہ ﷺ نے منبر رکھا تو کھجور کے تنے کی جگہ رکھا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کا ارادہ فرمایا اور کھجور کے اس تنے کے پاس گزرے جس پر خطبہ دیا کرتے تھے، تو وہ چیخنے لگا یہاں تک کہ پھٹ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تنے کی آواز سنی تو اترے اور اس پر دستِ مبارک پھیرا پھر منبر کے پاس تشریف لائے پس جب نماز پڑھتے تھے تو منبر کے پاس پڑھتے تھے۔

نیز مسلمانوں کی مساجد میں امام کے مصلیٰ کے پاس بجانبِ راست منبر رکھنے کا رواج ہے، اگر منبر اتنا دور ہوتا جو مسجدِ نبوی میں ہے، تو پھر منبر کو دور رکھنا ہی سنت یا مستحب ہوتا، نیز منبر درمیان میں رکھنا معقول ہے، تاکہ امام منبر پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر خطبہ یا بیان کے وقت سب مصلیوں کے درمیان ہو۔

ہاں حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

ولم يوضع المنبر في وسط المسجد وإنما وضع في جانبه الغربي قريباً من الحائط وكان بينه وبين الحائط قدر ممر الشاة وكان إذا جلس عليه النبي صلى الله عليه وسلم في غير الجمعة أو خطب قائماً في الجمعة استدار أصحابه إليه بوجوههم وكان وجهه صلى الله عليه وسلم قبلهم في وقت الخطبة . (زادالمعادفی هدی خیرالعباد: ۱/ ۴۳۰).

یہ قول ان اقوال کے خلاف ہے جو پہلے ذکر کیے گئے۔ علامہ شنقیطیؒ نے الدر الثمین میں تحریر فرمایا ہے:

فلما تحول النبي صلى الله عليه وسلم إلى المنبر عن الجذع قام الجذع بحنين إلى النبي صلى الله عليه وسلم ...فاختار الجذع أن يكون من غراس الجنة وسكت عن الحنين ودفن هذا الجذع فيما بعد تحت المنبر من جهة القبلة . (الدر الثمين للشنقيطي، ص ۳۵).

یہ مضمون وفاء الوفاء میں بھی، ۲/۳۹۴ پر مذکور ہے۔

اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں وفاء الوفاء سے نقل فرمایا:

موضع المنبر لم يغير و يبعد كل البعد أن يجعل النبي صلى الله عليه وسلم موضع منبره في طرف مسجده ولايتوسط أصحابه .

منبر کی جگہ نہیں بدلی گئی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوات منبر کی جگہ اپنی مسجد کے کنارے میں مقرر فرمائیں اور وسط اصحاب میں اسے نہ رکھوائیں۔ (مجموعۃ الفتاوی: مترجم، ۲۰۵).

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

وهو موافق لما روي أنه كان مائة ذراع كما سنبينه ويرجحه عندي أن المنبر الشريف يكون حينئذٍ متوسطاً للمسجد. (وفاء الوفاء: ۱/۳۴۸) وبين المنبر والدرجة التي ننزل عنها إلى الحفرة التي هو مصلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يمين الإمام تسعة أذرع وقيراط وسعة الحفرة ذراع و حرر السمهودي أن المسافة بين المنبر ومكان صلاته أربعة عشر ذرعاً هكذا حرره في (۱/۳۷۴)۔(والبحر العميق الى بيت العتيق: ۵/۲۸۰۸).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ منبر نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے ساتھ تھا، لیکن حافظ ابن القیم اور وفاء الوفاء وغیرہ اور مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ منبر محراب سے دور واقع تھا، اور وہاں تک ریاض الجنۃ ہے۔ جس کی فضیلت کسی مسلمان پر مخفی نہیں تطبیق یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خطبہ کے وقت تو منبر مصلیٰ کے پاس ہوتا تھا اور کبھی کبھی وہاں رکھا جاتا تھا جہاں پر اب موجود ہے، تاکہ مصلیٰ اور محراب کے پاس کی جگہ کھلی رہے، اور جب صحابہ ﷺ حلقہ کی شکل میں تشریف فرما ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا اور صحابہ ﷺ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلیٰ پر تشریف فرما ہوں، اور "مابين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة" منبر کی موجودہ جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مساجد میں مینار کی تحقیق:

سوال: مساجد میں مینار کب سے ہیں، اور ان کا کیا مقصد ہے، کیا یہ بدعت تو نہیں؟

الجواب: استاذِ محترم حضرت مولانا سرفراز خان صاحبؒ نے راہِ سنت میں تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ

ہے کہ مینار دراصل اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان پر اذان ہو اور دور تک لوگ اذان کی آواز سنیں۔

امام ابوداوٗدؒ نے مستقل ایک باب قائم فرمایا ہے: "**باب الأذان فوق المنارة**". (ابوداؤدشریف:۱/۷۷).

اور حضرت ابو برزہ اسلمی ﷺ المتوفی ۶۵، وغیرہ فرماتے ہیں کہ

"**من السنة الأذان في المنارة والإقامة في المسجد**". (نصب الراية للعلامة الزيلعي:۱/۲۹۳، كتاب الصلاة، بيروت، ومصنف ابن أبي شيبة:۱/۲۲٤).

اصولِ حدیث کا مسئلہ کہ مطلق سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے۔ (راہِ سنت،ص ۳۰۵).

الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں حافظ ابن حجرؒ ایک صحابی مسلمہ بن مخلد کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

وقال ابن السكن: وهو أول من جعل على أهل مصر بنيان المنار. (الإصابة في تمييز الصحابة:۶/۹۲، حرف الميم).

چونکہ مینار مقصود نہیں بلکہ مسجد کی معرفت کی علامت اور پرانے زمانہ میں اذان کی آواز دور تک پہنچانے کا ذریعہ تھا، اس لیے یہ بدعت بھی نہیں خصوصاً جو چیز صحابہ ﷺ سے ثابت ہو۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد میں مؤذن کی جگہ متعین کرنے کا حکم:

سوال: مسجد میں امام کے پیچھے مؤذن کے لیے مصلیٰ بچھا کر جگہ مقرر کرنا یا مصلیٰ بچھانا سرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ اس کو درست نہیں سمجھتے۔

احسن الفتاوی میں ہے:

یہی حکم مؤذن کا ہے اس کے لیے جگہ مخصوص کرنے اور الگ مصلیٰ بچھانے کی رسم صحیح نہیں مسجد میں پہنچ کر جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی حقدار ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۶/۴۵۷).

جبکہ مولانا فتح محمد صاحب تلمیذ مولانا عبدالحی لکھنویؒ اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔

حلال حرام کے احکام المعروف بعطر الہدایہ میں ہے:

(۲) مباح الانتفاع یہ مال وقف کے حکم میں ہے جیسے مساجد، بعض کنویں، پل، راستے وغیرہ ان میں بعض ضروری چیزوں کے لحاظ کے ساتھ عام لوگوں کا حق ہوتا ہے، مثلاً مسجد میں ہر شخص کو صفِ اول میں نماز پڑھنے کا حق ہے مگر امام خطیب یا مکبر یا مؤذن کی خصوصیات کا لحاظ ضروری ہے۔ (حلال حرام کے احکام ص ۳۱۶، مباحات کا بیان)۔

نیز " لیلنی منکم أولوا الأحلام " سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے قرب میں بعض خاص لوگ بیٹھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

فصل دوم

آدابِ مساجد کا بیان

مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ کیا یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے؟

الجواب: اکثر لوگ مسجد میں تعزیت کے لیے جمع ہوکر گپ شپ لگاتے ہیں، اور غیبتیں کرتے ہیں، فضول گوئی اور بدگوئی کرتے ہیں، یہ آدابِ مسجد اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہے، ہاں اگر مسجد میں تعزیت کرنے والوں میں وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ چلایا جائے اور آدابِ مسجد کا خیال رکھا جائے تو پھر تعزیت فی المسجد میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز تعزیت کے لیے آنے والوں کو تحیۃ المسجد کی ترغیب دی جائے اور لوگ مسجد میں آکر تحیۃ المسجد پڑھا کریں تو ایک مزید فائدہ ہوگا، اس لیے کہ تحیۃ المسجد ایک قول کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے۔
کتبِ فقہیہ میں سے بعض میں جواز اور بعض میں عدم جواز مرقوم ہے۔
ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وأما الجلوس في المسجد للمصيبة فمكروه، لأنه لم يبن له وعن الفقيه أبي الليث أنه لا بأس به لأن النبي صلى الله عليه وسلم حين بلغه قتل جعفر رضی اللہ عنہ و زيد بن حارثة رضی اللہ عنہ جلس في المسجد والناس يأتونه ويعزونه. (البحر الرائق: ۲/ ۳۶).

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

والجلوس فی المسجد لغیر الصلاة جائز وللمصیبة. (خلاصة الفتاوی:۱/۲۳۰).

فتاوی شامی میں ہے:

(في غير مسجد) أما فيه فيكره كما في البحر عن المجتبى، وجزم به في شرح المنية والفتح ، لكن في الظهيرية : لا بأس به لأهل الميت في البيت أو المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم ، قلت: وما في البحر من أنه صلى الله عليه وسلم جلس لما قتل جعفر ﷺ وزيد بن حارثة ﷺ والناس يأتونه ويعزونه، يجاب عنه بأن جلوسه صلى الله عليه وسلم لم يكن مقصوداً للتعزية ،... قلت: وهل تنتفي الكراهة بالجلوس في المسجد وقراءة القرآن حتى إذا فرغوا قام ولي الميت وعزاه الناس كما يفعل في زماننا، الظاهر، لا، لكون الجلوس مقصوداً للتعزية لا للقراءة ولا سيما إذا كان هذا الاجتماع والجلوس في المقبرة فوق القبور المدثورة ، ولاحول ولا قوة إلا بالله. (فتاوى الشامي:۲/۲٤۱، سعيد).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله في غير مسجد) اعلم أن صاحب البحر تضارب كلامه فأفاد أولاً جوازه في المسجد وآخراً كراهته وعبارته قال البقالي: ولا بأس بالجلوس للعزاء ثلاثة أيام في بيت أومسجد وقد جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم أي في المسجد لما قتل جعفر ﷺ وزيد بن حارثة ﷺ والناس يأتونه ويعزونه والتعزية في اليوم الأول أفضل والجلوس في المسجد ثلاثة أيام للتعزية مكروه. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۸۳،کوئٹه).

وللاستزادة انظر: (شرح الحموی علی الاشباه والنظائر:۳/۱۸۸ـوفتح باب العناية فی شرح النقاية:۲/٦٤ـوالفتاوی التاتارخانية:۲/۱۸۳) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

عقدِ نکاح مسجد میں رکھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں نکاح خوانی مباح ہے یا مستحب؟ بعض علاقوں میں لوگ گھروں میں نکاح پڑھاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اس لیے کہ بعض حضرات بغیر مسجد نکاح پر نکیر کرتے ہیں اور اس کو بہت معیوب سمجھتے ہیں۔

الجواب: مسجد میں نکاح خوانی افضل اور بہتر ہے، لیکن نہ کرنے والوں پر ملامت نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف. هذا حديث حسن غريب، وعيسى بن ميمون الأنصاري يضعف في الحديث. (ترمذی شریف: ۱/۲۰۷)۔

تحفۃ الاحوذی میں ہے:

(هذا حديث حسن غريب) كذا في النسخ الحاضرة وأورد هذا الحديث الشيخ ولي الدين في المشكوٰة وقال: رواه الترمذی وقال: هذا حديث غريب ولم يذكر لفظ حسن، وكذلک أورد الشوكاني هذا الحديث في النيل وقال: قال الترمذی: هذا حديث غريب ولم يذكر هو أيضاً لفظ حسن، فالظاهر أن النسخة التي كانت عند صاحب المشكاة وعند الشوكاني هي الصحيحة ويدل على صحتها تضعيف الترمذي عيسى بن ميمون أحد رواة هذا الحديث، وقد صرح الحافظ في الفتح بضعف هذا الحديث... قال البخاری: منكر الحديث، وقال ابن حبان: يروی أحاديث كلها موضوعات. (تحفۃ الاحوذی: ۸/۲۱۹)

البحر الرائق میں ہے:

قوله وهو سنة ...)... وأشار المصنفؒ بكونه سنة أو واجباً إلى استحباب مباشرة عقد النكاح في المسجد لكونه عبادة. (البحر الرائق: ۳/۸۰، کتاب النکاح، کوئٹہ)۔

فتح القدیر میں ہے:

ویستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد لأنه عبادة . (فتح القدیر:۱۸۹/۳،دارالفکر).

درمختار میں ہے:

ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وكونه في مسجد یوم جمعة. وفي الشامي: قوله في مسجد للأمر به في الحدیث. (الدرالمختار مع ردالمحتار:۸/۳،کتاب النکاح،سعید).

مسجد کے علاوہ میں نکاح جائز ہونے کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جاء إلى رسول الله صلى الله علیه وسلم وبه أثر صفرة فسأله رسول الله صلى الله علیه وسلم فأخبره أنه تزوج امرأة من الأنصار. (بخاری شریف:۷۷٤/۲، باب الصفرة للمتزوج).

وفي روایة له عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: كنا مع النبي صلى الله علیه وسلم في غزوة فلما قفلنا كنا قریباً من المدینة تعجلت على بعیر لي قطوف.. .فالتفت فإذا أنا برسول الله صلى الله علیه وسلم، فقلت: یارسول الله اني حدیث عهد بعرس، قال: أتزوجت؟ قلت: نعم . . .(بخاری شریف: ۷۸۹/۲).

بخاری شریف کی مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نکاح بظاہر مسجد میں نہیں ہوا تھا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ رہتا، اگر چہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کی کسی اور مسجد میں ہوا ہو۔

ایک مرسل روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا نکاح مسجد میں ہوا تھا۔

ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن ابن جریج وإبراهیم بن محمد عن صالح مولى التوأمة قال: رأى رسول الله صلى الله علیه وسلم جماعة في المسجد فقال: ما هذا؟ قالوا: نكاح، قال: هذا النكاح لیس بالسفاح. (مصنف عبدالرزاق : ۱۸۷/٦، باب النکاح فی المسجد).

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے (ایک سائل کے سوال پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کا نکاح مسجد میں کیا ہے) ارشاد فرمایا: مجھے اس کی تحقیق نہیں، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ عقد نکاح مسجد میں کرنا مستحب ہے، پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا اہتمام نہ ہوتا تھا (کہ نکاح مسجد میں ہو) کتبِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھایا بلکہ آپ کو اس کا علم بھی بعد میں ہوا، اسی طرح حضرت جابرؓ کے نکاح کا علم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد سے واپسی پر ہوا، پس اگر مسجد میں نکاح کا اہتمام ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ان نکاحوں کا علم ہوتا۔ (ملفوظاتِ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ص ۳۰).

مولانا خالد سیف اللہؒ لکھتے ہیں: جہاں تک خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی بات ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مکی زندگی میں ہوا، جس کے مسجد میں ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح حبش میں حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ کی وکالت سے ہوا، اس لیے اس میں بھی اس کا امکان نہیں تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح غزوۂ خیبر سے واپسی میں ہوا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب بن خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مدینہ میں ہوا، ان حضرات کے نکاح کی بابت حدیث وسیرت کی کتابوں میں تفصیل نہیں ملتی، کہ کہاں نکاح ہوا تھا؟ یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بناتِ طاہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے واقعاتِ نکاح کا ہے، میں نے اصابہ، اسد الغابہ، طبقات ابن سعد اور اکثر اہم کتب سیرت و رجال سے رجوع کیا مگر مجلس نکاح کی بابت پتہ نہ چل سکا، کہ یہ مسجد میں ہوا، یا مسجد سے باہر ہوا۔ (کتاب الفتاوی: ۴/۲۷۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں سونے اور اشیاءِ مسجد استعمال کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مسجد میں سوتے ہیں اور مسجد کے پنکھے اور ائیر کنڈیشن چلاتے ہیں کیا شرعاً یہ جائز

ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور عباراتِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت مسجد میں سونا مکروہ ہے ہاں بضرورت سونے کی گنجائش ہے نیز معتکف اور مسافر جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو اس کے لیے بھی آدابِ مسجد کا لحاظ رکھتے ہوئے سونے کی اجازت ہے، جیسا کہ بعض صحابہ کرامؓ کا مسجد میں سونا ثابت ہے۔

اور بجلی پنکھے وغیرہ نماز کے اوقات میں استعمال کر سکتے ہیں، پوری رات استعمال کرنے سے گریز کیا جائے اگر ضرورت پڑ جائے تو صرفہ اربابِ مسجد کو دید یا جائے۔

ملاحظہ فرمائیں سنن دارمی میں ہے:

عن أبي ذر ﷺ قال: أتاني نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأناْ نائم في المسجد، فضربني برجله، قال: ألا أراك نائماً فيه؟ قلت: يا نبي اللّٰه غلبتني عيني. (سنن دارمی: ۱۳۹۹/۳۷۹/۱، باب النوم في المسجد).

ترمذی شریف میں ہے:

وقال ابن عباس ﷺ: لا يتخذه (المسجد) مبيتاً ومقيلاً. (ترمذی شریف: ۷۳/۱،باب ماجاء في النوم في المسجد).

درمختار میں ہے:

ويكره الإعطاء مطلقاً وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب. قال الشامي: وإذا أراد ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل ويذكر اللّٰه تعالىٰ بقدر ما نوى ثم يفعل ما شاء.

(الدر المختار مع فتاوی الشامي: ۶۶۱/۱،سعید).

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والنوم فيه لغير المعتكف مكروه وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه والأولىٰ أن ينوي الاعتكاف ليخرج عن الخلاف. (شرح منية المصلي: ص ۶۱۲).

بعض روایات سے مسافر کے لیے جواز معلوم ہوتا ہے:

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كنا ننام على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد ونحن شبان. قال أبوعيسىٰ حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح.
(ترمذی شریف:۱/۷۳).

وفي رواية البخاري: عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم. (بخاری شریف:۱/۶۳).

وأيضاً رواه ابن ماجة في باب النوم في المسجد (ص٥٤).

وقال الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي في إنجاح الحاجة: وهذه رخصة لابن السبيل والمسافر فإن ابن عمر رضی اللہ عنہ ما كان له حينئذٍ أهل وأما لغيره فيكره الاعتياد بالنوم فيه ولو دخل أحد للصلاة فنام هنا فلا بأس به لأن الصحابة رضی اللہ عنہم كانوا يفعلون ذلك. (انجاح الحاجة:٥٤).

عالمگیری میں ہے:

ولو وقف على دهن السراج للمسجد لايجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين و يجوز إلى ثلث الليل أونصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه كذا في السراج الوهاج ولايجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الحرام أوشرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية:۲/٤٥٩، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

مسجد کی بجلی وغیرہ نماز کے اوقات میں استعمال کرنی چاہئے دیگر اوقات میں اہل چندہ منع کر سکتے ہیں، مسجد میں سونا معتکف اور مسافر کے لیے جائز ہے دوسروں کے لیے مکروہ ہے، جو لوگ مسجد میں نیند کریں ان کو چٹائیوں پر کپڑا بچھا لینا چاہئے تاکہ پسینہ سے فرش خراب نہ ہو اور نیند کی حالت میں ناپاک ہو جانے کا خطرہ نہ رہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲/۱۴۱).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جو شخص معتکف ہو، یا مسافر ہو اور اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو اس کو مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت ہے، اور جو شخص نماز تہجد و فجر کی خاطر مسجد میں رہے اس کے لیے بھی اجازت ہے، لیکن اپنے لیے مسجد کو آرام گاہ نہ بنایا جائے، مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصالۃً نماز کے لیے ہے، جب تک نمازی عامۃً نماز پڑھتے ہیں اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کے لیے استعمال کریں تو اس کے معاوضہ میں مسجد کی خدمت بھی کر دیا کریں، فتاوی عالمگیری میں چراغِ مسجد کے متعلق مسئلہ مذکور ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۵/۲۳۸، فاروقیہ).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی محمودیہ: ۶۴۳، فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۶/۴۴۷۔ وکتاب الفتاوی: ۴/۲۶۱۔۲۶۳).

واللہ ﷻ اعلم۔

ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لانے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لانا درست ہے اس لیے کہ حضراتِ حسنین مسجد میں آتے تھے اور اچھی طرح چل بھی نہیں سکتے تھے؟

الجواب: بچوں کے شور و غل اور پیشاب پاخانہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو مسجد میں لانے کی اجازت ہے، ورنہ اجتناب کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراء كم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. (رواه ابن ماجة: ٥٤).

مذکورہ بالا چیزوں کا اندیشہ نہ ہو تو نفسِ جواز میں کلام نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه. (صحيح البخاري: ١/٩٨).

درمختار میں ہے:

ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم وإلا فیکره. وفی الشامیة: والمراد بالحرمة کراهة التحریم لظنیة الدلیل ...وإلا فیکره أی تنزیهاً. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی:۱/۶۵۶،مطلب فی احکام المسجد، سعید) . **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: جب لوگ نماز سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو بعض لوگ سلام کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے، کیا سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد میں مصلی حضرات ذکر وتلاوت میں مشغول ہوں تو سلام نہ کرے اور اگر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو پھر بھی سلام نہ کرنا بہتر ہے، ہاں اگر نماز ہو چکی ہو یا لوگ بات چیت میں مشغول ہوں تو سلام کرنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں، عالمگیری میں ہے:

السلام تحیة الزائرین والذین جلسوا فی المسجد للقراء ة والتسبیح أو لانتظار الصلاة ما جلسوا فیه لدخول الزائرین علیهم، فلیس هذا أوان السلام ، فلا یسلم علیهم .

(الفتاوی الهندیة :۵/۳۲۵، الباب السابع فی السلام،وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/۲۰۶).

وفی الشامیة: قال: وإذا جلس القاضي ناحیة من المسجد للحکم لا یسلم علی الخصوم ، ولایسلمون علیه ، لأنه جلس للحکم والسلام تحیة الزائرین . (فتاوی الشامی:۶/٤۱۵ ،کتاب الحظروالاباحة، سعید).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسجد بعضهم في غیر الصلاة یسلم قال السید الإمام أبوالقاسم رحمه اللّٰه ولترک السلام لایکون تارکاً للسنة أشار إلیه في أدب القاضي . (الفتاوی السراجیة:ص۲۸۳،

وکذا فی فتاوی الشامی: ٦/٤١٣، کتاب الحظر والاباحة، سعید).

کتاب الفتاوی میں ہے:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا یا مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا آنے والوں کو سلام کرنا درست ہے، البتہ اتنی آواز سے نہ کیا جائے کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہو تو اسے خلل ہو جائے۔ (کتاب الفتاوی:۴/۲۵۴، وفتاوی رحیمیہ:۹/۶۸).

لہذا سلام کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں میں سے کسی پر بھی ملامت نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد میں اشعار پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں اشعار پڑھنا جائز ہے یا مکروہ؟ ایک حدیث میں مسجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

الجواب: اسلام اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف اور فاحشہ اشعار کا پڑھنا مسجد میں یا خارجِ مسجد بہر صورت ممنوع اور ناجائز ہے، ہاں حمد وثنا اور نعت وغیرہ کے اچھے اشعار مسجد میں پڑھنا جائز اور درست ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن الزهري، قال: أخبرني أبوسلمة بن عبد الرحمن بن عوف أنه سمع حسان بن ثابت الأنصاری ﷺ يستشهد أباهريرة ﷺ أنشدک اللّٰه هل سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: يا حسان أجب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، اللّٰهم أيده بروح القدس قال أبوهريرة ﷺ: نعم. (صحيح البخاری:١/٦٤، باب الشعر فی المسجد).

ترمذی شریف میں ہے:

عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: إن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يضع لحسان منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخرعن رسول الله صلى الله عليه وسلم... ويقول رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الله يؤيد حسان بروح القدس ما

یفاخر أوینافح عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم . (جامع الترمذی:۲/۱۱۱، باب ماجاء فی انشاد الشعر، وکذا فی سنن ابی داود:۲/۲۳۸).

لیکن ترمذی شریف کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن عمروبن شعیب عن أبیہ عن جدہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنہ نہی عن تناشد الأشعار فی المسجد....(ترمذی شریف: ۱/۷۳۔ وکذا فی سنن النسائی: ۱/۱۱۷۔وابن ماجۃ:۵٤).

دونوں روایتوں میں تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

إن الشعر الحق لایحرم فی المسجد، والذي یحرم فیہ مافیہ الخنا والزور والکلام الساقط، یدل علیہ ما رواہ الترمذي مصححاً من حدیث عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہا (کما مر آنفاً) ...**فإن قلت: روی ابن خزیمة في صحیحہ...عن عمروبن شعیب عن أبیہ عن جدہ: نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تناشد الأشعارفی المساجد وحسنہ الحافظان: الطوسي والترمذي،....قلت:....وقد جمع ابن خزیمة في صحیحہ بین الشعر الجائز إنشادہ فی المسجد وبین الممنوع من إنشادہ فیہ. وقال أبونعیم الأصبہاني في کتاب التوحید: نہی عن تناشد أشعار الجاهلیة والمبطلین فیہ، فأما أشعارالإسلام والمحقین فواسع غیر محظور**. (عمدۃ القاری: ۳/٤۸۹،باب الشعرفی المسجد،ملتان۔ وکذا فی فتح الباری: ۱/٤۵۹).

شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وأما الأشعار ففي کتاب الطحاوي: جوازہا فی المسجد أی لتحصیل الأدب واللغة بشرط أن لایتخذ لجة ویفصل شيء فی الأشعار الأدبیة في فتح القدیر أیضاً. (العرف الشذی علی ہامش الترمذی:۱/۸۰).

وفي حاشیة الترمذي للمحدث أحمد علی السہارنبوریؒ: والمراد المذمومة الباطلة

وإلا فلا منع . (حاشية الترمذی:۷۳).

درس ترمذی میں ہے:

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ اگر اشعار حمد وثناء اور دفاع اسلام کے خاطر ہو تو اس کا پڑھنا جائز ہے بصورتِ دیگر مکروہ ہے۔(درس ترمذی:۲/۱۰۸) . واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کا حکم:

سوال: احناف کے نزدیک عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف کرتی ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں اعتکاف ہوتا تھا،تو عورتوں کو اعتکاف کہاں کرنا چاہئے؟

الجواب: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کو ناپسند فرما کر مسجد سے ختم کروادیا تھا،اس لیے عورتوں نے گھر میں اعتکاف شروع کردیا تھا، لہٰذا اب مسجد کا اعتکاف ختم ہوگیا اور نفس اعتکاف گھر میں باقی رہ گیا،جس کو ائمہ احناف نے اختیار فرمایا۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أراد أن يعتكف فلما انصرف إلى المكان الذي أراد أن يعتكف فيه إذا أخبية خباء عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها وخباء حفصة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها وخباء زينب رضي اللّٰه تعالىٰ عنها، فقال: آلبرتقولون بهن ثم انصرف فلم يعتكف حتى اعتكف عشراً من شوال . (بخاری شریف:۱/۲۷۲).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وفي رواية أبي معاوية : فأمر بخبائه فقوض أى نقض، وقال القاضي عياض: إنما قال صلى اللّٰه عليه وسلم هذا الكلام إنكاراً لفعلهن ...لأن المسجد يجمع الناس ويحضره الأعراب والمنافقون وهن محتاجات إلى الدخول والخروج فيبتذلن بذلک...وقال إبراهيم بن عبلة في قوله: آلبر يردن ؟ دلالة على أنه ليس لهن الاعتكاف في المسجد، إذ

مفهومه ليس ببرلهن ، وقال بعضهم : وليس ما قاله بواضح . قلت: بلى، هو واضح لأنه إذا لم يكن براً لهن يكون فعله غيربر، أى غيرطاعة، وارتكاب غير الطاعة حرام ، ويلزم من ذلك عدم الجواز . (عمدة القارى:۸/۲۷۶،۲۷۷،باب اعتكاف النساء،ملتان).

علامہ سرخسیؒ مبسوط میں فرماتے ہیں:

ولنا أن موضع أداء الاعتكاف في حقها الموضع تكون صلاتها فيه أفضل كما في حق الرجال وصلاتها في مسجد بيتها أفضل فإن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لما سئل عن أفضل صلاة المرأة ، فقال في أشد مكان من بيتها ظلمة. (المبسوط للسرخسى :۲۴/۲۳۵).

بدائع الصنائع میں ہے:

ونحن نقول بل هذه قربة خصت بالمسجد لكن مسجد بيتها له حكم المسجد في حقها في حق الاعتكاف لأن له حكم المسجد في حقها في حق الصلاة ....لأن كل واحد منهما في اختصاصه بالمسجد سواء. (بدائع الصنائع:۲/۱۱۳،كتاب الاعتكاف، سعيد).

تحفۃ الاخیار میں ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: لو رأى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني إسرائيل . قال أبوجعفر: ...وإذا كن كذلك في حياة عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها كن بعد موتها من ذلك أبعد فإذا كان ذلك كذلك عقلنا أنه إن كان لهن أن يعتكفن فإنما يكون ذلك منهن في خلاف المساجد لا في المساجد. (تحفة الاخيار:۳/۸۱/۱۴۹۹، كتاب الصوم).

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه اللّٰه ثم اعتكف أزواجه من بعده. (بخارى شريف:۱/۲۷۱).

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

(قوله ثم اعتكف أزواجه) أی في بيوتهن لما سبق من عدم رضاء ه عليه الصلاة والسلام لفعلهن ، ولذا قال الفقهاء: يستحب للنساء أن يعتكفن في مكانهن.(مرقات:۳۲۶/۴).

واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد میں سائل کو کچھ دینے کا حکم:

سوال: مسجد میں سائل کو مستحق سمجھ کر کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آدابِ مسجد کا لحاظ رکھتے ہوئے اتفاقاً کسی نے سوال کیا اور کچھ دیدیا تو جائز ہے، ہاں اگر سائل نے مسجد میں سوال کرنے کی عادت بنالی ہے تو نہیں دینا چاہئے، کہ یہ آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔

ملاحظہ فرمائیں سنن ابی داود میں ہے:

عن عبد الرحمن بن أبي بكرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل فيكم أحد أطعم اليوم مسكيناً، فقال أبوبكر ؓ: دخلت المسجد فأنا بسائل يسأل فوجدت كسرة خبز في يد عبد الرحمن فأخذتها فدفعتها إليه . (سنن ابی داود:۲۳۵/۱).

فتح الملہم میں ہے:

قلت: ...وقد قال بعض السلف: لايحل إعطاء ه فيه لما في بعض الآثار" ينادى يوم القيامة ليقم بغيض الله فيقوم سوّال المسجد" وفصل بعضهم بين من يوذى الناس بالمرور ونحوه فيكره إعطاء ه لأنه إعانة له على ممنوع وبين من لايوذى فيسن إعطاء ه لأن السوال كانوا يسالون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد. (فتح الملهم:۱۶۱/۴).

فتاوی شامی میں ہے:

قال في النهر: المختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدى المصلى ولايتخطى الرقاب ولايسال إلحافاً بل لأمر لابد منه فلا بأس بالسوال والإعطاء ومثله فى البزازية وفيها

ولایجوز الإعطاء إذا لم یکونوا علی تلک الصفة المذکورة. (فتاوی الشامی: ۲/ ۱۶٤،سعید۔و کذا فی بذل المجهود:۸/ ۲۱۸ ۔و الفتاوی البزازیة:۱/ ۷٦۔و الفتاوی الحمادیة:٤/ ۷٦).

الدر المنضود میں ہے:

جمہور کے نزدیک سوال فی المسجد جائز اور اعطاء بھی جائز ہے مگر یہ کہ سائل کوئی بدعنوانی کرے...تو پھر سوال واعطاء دونوں ناجائز ہیں یہ مسلک تو ہے جمہور کا اور حنفیہ کے نزدیک سوال فی المسجد مطلقاً حرام ہے اور اعطاء میں دوقول ہیں: (۱) مطلقاً کراہت۔(۲) اعطاء میں کراہت اس وقت ہے جب کہ سائل تخطی رقاب کرے ورنہ نہیں اور اصح یہی ہے۔(الدر المنضود:۳/ ۱۲٦) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجدِ کبیر میں بلا اتصالِ صفوف نماز کا حکم:

سوال: بڑی مساجد میں بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اتصالِ صفوف کے بغیر لوگ نماز پڑھتے ہیں، یعنی درمیان میں بہت خلا رہتا ہے، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ حرمین میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

الجواب: مسئلہ بالا کے بارے میں فتاوی میں مختلف عبارتیں ملتی ہیں، بعض فتاوی میں مرقوم ہے کہ مسجد کبیر میں فصل کثیر مانع اقتداء ہے، اور دیگر بعض میں یہ قید مذکور نہیں ہے، فی زماننا حالات پر مدِ نظر رکھتے ہوئے مسجدِ کبیر میں بلا قید نماز درست ہو جانی چاہئے، کیونکہ حرمین کی مساجد، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کافی وسیع ہیں، اور عام دنوں میں صفوف میں اتصال نہیں ہوتا، تو ہزاروں آدمیوں کی نماز خراب ہو جائیگی، پھر علامہ طحطاویؒ نے اس کی اچھی توجیہ فرمائی ہے کہ جب امام کی حالت مقتدیوں پر واضح ہو تو اتحادِ مکان کی وجہ سے اقتداء صحیح ہے، ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

والمسجد وإن کبر لایمنع الفاصل إلا فی الجامع القدیم بخوارزم فإن ربعه کان علی أربعة آلاف أسطوانة ، وجامع القدس الشریف أعني مایشتمل علی المساجد الثلاثة الأقصی والصخرة والبیضاء. (فتاوی الشامی:۱/ ۵۸۵،سعید).

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه...ولو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام فی المحراب فإنه يجوز. (الفتاوی الهندية: ۱/۸۸، الباب الخامس فی الامامة).

امداد الفتاح میں ہے:

والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل ... (امدادالفتاح: ص۳۳۵).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والفضاء الواسع فی المسجدلايمنع وإن وسع صفوفاً لأن له حكم بقعة واحدة كذا فی الأشباه من الفن الثاني، فلواقتدى بالإمام في أقصى المسجد، والإمام فی المحراب جاز كما فی الهندية، قال البزازی: المسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه إلا فی الجامع القديم بخوارزم فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة، وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة، الأقصى والصخراء، والبيضاء كما فی الحلبي والشرح، والظاهر أن ذلک لاشتباه حال الإمام على المأموم لا لاختلاف المكان. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳).

و للاستزادة انظر: (الدررعلى الغرر: ۱/۹۲. وشرح منية المصلى: ص۵۲۴. والفتاوی البزازية: ۴/۵۵). واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد سے کسی کا جوتا اٹھانے کا حکم:

سوال: مساجد یا حرمین میں کسی کا جوتا بدل گیا، دوسرا شخص اس کا جوتا لے گیا اور اس کا جوتا رہ گیا، اب اس دوسرے شخص کا جوتا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اگر اس شخص کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ صاحبِ پاپوش کی طرف سے بظاہر استعمال کی اجازت ہوگی تو اس کا استعمال کرنا جائز اور درست ہے ورنہ اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو سراجیہ میں ہے:

قوم أصابوا مذبوحاً في طريق البادية وقد وقع في قلبه أن صاحبه قد فعل إباحة للناس لابأس بأكله. (الفتاوى السراجية:۳۰۷) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

ایک مسجد کے امام کا مسئلہ:

سوال: ایک صاحب ایک مسجد میں امامت کراتے تھے، اس واقعہ کو کافی مدت گزر چکی ہے، ایک دو مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کے درمیان پیشاب کا قطرہ گرنے کا احتمال ہوا، یا غالب گمان ہوا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رمضان کی پہلی رات چاند کا اعلان اب تک نہیں ہوا تھا اور امام نے اپنی وتر پڑھ لی پھر چاند کے اعلان کے بعد اس نے تراویح کے بعد دوبارہ لوگوں کو وتر پڑھا دی، جب کہ تراویح کسی اور صاحب نے پڑھائی تھی، اس وقت پیشاب کے قطرہ کی وجہ سے جو مشکوک یا مظنون تھا، امام نے نماز کے اعادہ کا اعلان نہیں کیا، اب اس مقام کے ساتھ امام کا کوئی رابطہ نہیں ہے، اور اس وقت کے اکثر مصلی یا وفات پا چکے ہوں گے یا کسی اور جگہ منتقل ہو چکے ہیں، یہ واقعہ ۳۰ سال پہلے کا ہے، اب اطلاع کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، اب امام کی گلوخلاصی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب امام کے وضو کا ٹوٹنا قطرہ کی وجہ سے مشکوک یا مظنون تھا، تو امام کو اس وقت اعلان کرنا چاہئے تھا، تا کہ نماز کا اعادہ ہو جاتا، احناف کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے، اس کی تشریح دوسری جلد ص ۲۳۴، پر گزر چکی ہے، لیکن مذکورہ صورت حال میں مشکلات کے پیش نظر فقہاء کے ہاں ایک جزئیہ ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اعلان ضروری نہیں ہے۔

ملا فرمائیں تحفۃ الملوک میں ہے:

ولو ظهرحدث الإمام أعاد المأموم لقوله صلى الله عليه وسلم: أيما رجل صلى بقوم ثم تذكر جنابةً أعاد، وأعادوا .(فصل في الجماعة:۱/۸٤٦)

اس کی شرح میں محمد بن عبداللطیف بن عبدالعزیز بن ملک لکھتے ہیں: **هذا إذا علم المأموم حدث إمامه وإن لم يعلموا لايجب عليهم الإعادة ولا على الإمام الإعلام بأنه صلى على غير طهارة**

ولا یأثم بترکه الإعلام . (شرح تحفة الملوك: ١/٨٤٧ـ بتعليق عبد المجيد الدرويش).

درمختار اور شامی نے بھی عدم اخبار کا قول بعض فقہاء سے نقل کیا ہے۔

وصحح في مجمع الفتاوی عدمه أی الإخبار مطلقاً لکونه عن خطأ معفو عنه لأنه لم یتعمد ذلک .(ص:١/٥٩١).

متن میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا " **أیما رجل صلی بقوم ثم تذکر جنابةً أعاد، و أعادوا** "۔اس کے متعلق صاحب تعلیق الدکتور عبد المجید الدرویش نے نصب الرایہ سے نقل کیا کہ یہ روایت غریب ہے اور ابن حجر نے لم اجدہ مرفوعاً فرمایا۔

ہاں سعید بن میبّب سے مرسلاً مروی ہے:

" **أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلی بالناس وهوجنب وأعاد وأعادوا** " یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند میں ابو جابر البیاض متروک ہے، یحی بن معین نے ان کو کذاب کہا، اس کے بالمقابل دار قطنی میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أیما إمام سها فصلی بالقو م وهوجنب فقد مضت صلاتهم ثم لیغتسل هوثم لیعد صلاته الخ۔

مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں جویبر متروک ہے۔(تعليق عبدالمجيدالدرويش على شرح تحفة الملوك:١/٨٤٦).

شرح تحفۃ الملوک کے مصنف محمد بن عبد اللطیف المتوفی ۸۵۴، جو ابن ملک کے نام سے معروف ہیں، سائد بکداش مدظلہ العالی منیۃ الصیادین کے مقدمہ میں ان کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

" **هو الإمام المحدث الفقیه الحنفی المعتبر محمد بن عز الدین عبد اللطیف بن عبد العزیز بن أمین الدین بن فرشته الرومی** ".

جو صاحبِ تصانیف عالم تھے، جن کی چند تصانیف یہ ہیں: (۱) **شرح مصابیح السنة للبغوی**، (۲) **شرح الوقایة**، (۳) **شرح تحفة الملوک للرازی**، (۴) **منیة الصیادین فی تعلم الاصطیاد**

وأحكامه،(۵) روضة المتقين في مصنوعات رب العلمين في المواعظ والعبادات.

ان کے حالات کا حوالہ منیۃ الصیادین کی تعلیقات میں درج ذیل کتابوں سے دیا ہے۔(۱) **کتائب اعلام الاخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار للكفويؒ،(۲)الشقائق النعمانية في علماء الدولة العثمانية،(۳) كشف الظنون لحاجي خليفة، (۴) الفوائد البهية في تراجم الحنفية لعبدالحي اللكنويؒ،السعاية ،وعمدة الرعاية،(۵) هدية العارفين لاسماعيل باشا البغدادي، (۶) الاعلام للزركلي، (۷) معجم المؤلفين لعمررضا كحالة وغيره.** (مقدمة منية الصيادين لسائد بكداش، ص ۱۱).

ان کے والد عز الدین عبداللطیف بھی صاحب تصانیف محقق عالم گزرے ہیں شرح تحفۃ الملوک کے مقدمہ میں بھی محقق نے ان کے حالات قلمبند کیے ہیں۔

یہ تعارف اس لیے لکھا گیا کہ ایک دفعہ ایک فتویٰ میں بندہ نے شرح تحفۃ الملوک کا حوالہ دیا تو بعض مفتیوں نے اشکال کیا کہ یہ غیر معروف کتاب حوالہ کے لیے کہاں سے آگئی ،مصنفؒ کی بعض تصانیف جیسے منیۃ الصیادین تو شاہکار تصنیف سمجھی جاتی ہے،یادر ہے کہ متن تحفۃ الملوک محمد بن ابی بکر الرازی المتوفی ۶۶۶،کی کتاب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مصلیوں کو خبر دیدے اگر بالکل مشکل ہو تو اس قول پر عمل ہو سکتا ہے۔

والله ﷻ اعلم۔

امام کا مصلیوں کی طرف پھرنے کا حکم:

سوال: فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۲/۱۷۰) میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بجانب راست مقتدیوں کی طرف پھر جائے ،کیا راست سے مصلیوں کی جانبِ راست مراد ہے یا قبلہ کی جانبِ راست مراد ہے جو فقہاء کے نزدیک مصلیوں کی جانبِ چپ ہے؟

الجواب: یادر ہے کہ کسی جانب کو اپنے اوپر لازم کرنا درست نہیں ، بلکہ دونوں جانب پھرنے کو درست

سمجھنا چاہئے،عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس نے ایک جانب کولازم کردیا یعنی جانبِ راست اس نے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ رکھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چپ وراست دونوں جانب سے مڑتے اورتشریف لے جاتے تھے،(مسلم شریف:۱/۲۴۷،شرح مسلم:۱/۲۴۷)بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جوتے اور جوتوں سمیت اور کھڑے ہوکراور بیٹھ کرنماز پڑھتے تھے،اوردائیں اور بائیں جانب سے تشریف لے جاتے تھے،(سنن کبریٰ۔۲/۲۹۵)ابن ماجہ شریف (ص۶۶)میں بھی یہی مضمون ہے،حضرت انسؓ کا یہی عمل تھااور جوجانبِ یمین کوبہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ان پراعتراض کرتے تھے۔(بخاری شریف:۱/۱۱۸)،واسع بن حبان کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے میں نماز سے فارغ ہوکر بائیں جانب سے مڑکران کے پاس آیاانہوں نے سبب پاچھا کیوں یمین سے نہیں آئے میں نے کہا آپ کی طرف مڑنے کاارادہ تھاابن عمرؓ نے کہاٹھیک کیابعض لوگ دائیں جانب کولازم سمجھتے ہیں،یہ توآپ کی مرضی ہے دائیں جانب سے مڑے یابائیں جانب سے۔(موطامالک ۱۵۵)ترمذی میں بھی یہی مذکور ہے۔(۱/۶۶)،لیکن بایں ہمہ بہتر یہ ہے کہ یمین کوترجیح دے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جانبِ یمین سے مڑتے تھے،(مسلم۱/۲۴۷)امام نوویؒ نے اس کی شرح میں لکھاہے کہ یمین بہتر ہے کیونکہ عام احادیث کا یہی مدلول ہے،(شرح مسلم:۱/۲۴۷)اوجز میں ہے کہ حسن نماز سے بجانب یمین مڑنے کوپسند کرتے تھے،(اوجز:۳/۴۹۷)اب یمین سے کونسی جانب مراد ہے توشامی کی عبارت سے پتہ چلتاہے کہ شرح منیہ میں ہے کہ مصلی کے یمین کا اعتبار ہے:

في شرح المنية: أن انحرافه عن يمينه أولىٰ وأيده بحديث في صحيح مسلم.
(شامی:۵۳۱/۱).

مسلم میں ہے: **عن البراء ؓ قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه.** (مسلم ۲۴۷/۱).

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره، وهذا أولىٰ. (مراقی الفلاح:ص۱۱۷).

اس کے بعد اگر گھر جانا چاہتا ہے تو کس طرف سے جانا چاہئے تو امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر دونوں جانب اس کے لیے برابر ہوں کسی ایک جانب حاجت نہیں تو یمین بہتر ہے اور شامی نے اس کو نقل کرکے تسلیم کیا ہے۔ (۱/۵۳۱)، احسن الفتاوی میں بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے میں اور مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیامن پسند فرماتے تھے۔(احسن الفتاوی:۳/۳۶۸)۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے وقت جانبِ یمین سے مڑتے تھے، اور گھر تشریف لے جاتے وقت جانبِ یسار یعنی مصلیوں کے یسار کو اختیار فرماتے۔ ''چونکہ مکانات اس طرف تھے'' اور یہی یمین قبلہ اور یسارِ مصلی ہے تو حضرت کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں سنت پڑھنا چاہتا ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اختیار کرکے قبلہ کے یمین جو مصلیوں کا یسار ہے اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔(اعلاء السنن:۳/۱۸۶-۱۹۱۳) . واللہ ﷻ اعلم۔

مساجد میں جہری دعا کا حکم:

سوال: مساجد میں بعض دفعہ کوئی مقرر یا امام جہر کے ساتھ دعا کرتا ہے دعا میں بہتر کیا ہے اور کبھی کبھی جہری دعا کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دعا میں اصلاً سر ہی افضل اور بہتر ہے، ہاں گاہے گاہے جہری دعا کرنا بھی جائز اور درست ہے۔ خصوصاً عوام کی مساجد میں جہری دعا کرنا زیادہ مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے، تاکہ عوام اپنے ائمہ سے دعا کا طریقہ سیکھیں اور قرآن واحادیث کی ادعیہ پر آمین کہنے کی سعادت حاصل کریں۔ لیکن احیاناً سری دعا کرے تاکہ لوگ جہری دعا کو ضروری نہ سمجھیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ ادعو ربکم تضرعاً وخفیة﴾...قال العلامة الآلوسی البغدادی الحنفیؒ: الإخفاء أفضل عند خوف الریا والإظهار أفضل عند عدم خوفه وأولیٰ منه القول بتقدیم الإخفاء علی الجهر فیما إذا خیف الریاء أو کان فی الجهر تشویش علی نحو مصل أو نائم أوقارئ أومشتغل بعلم شرعي وبتقدیم الجهر علی الإخفاء فیما اذا خلا عن ذلک

وكان فيه قصد تعليم جاهل أونحو إزالة وحشة عن مستوحش أوطرد نحو نعاس أوكسل عن الداعي نفسه أو إدخال سرور على قلب مؤمن أوتنفير مبتدع عن بدعة أونحو ذلك ومنه الجهر بالترضي عن الصحابة ﷺ والدعاء لإمام المسلمين في الخطبة. (تفسيرروح المعاني:۸/۱۴۰).

اعلاءالسنن میں ہے:

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: خير الدعاء الخفي. رواه ابن حبان في صحيحه. وعن أنس ﷺ مرفوعاً دعوة في السر تعدل سبعين دعوة في العلانية...(اعلاء السنن:۶/۱۱۱).

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

عن صهيب ﷺ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحرك شفتيه بعد صلاة الفجر بشيء، فقلت: يارسول الله إنك تحرك شفتيه بشيء ماكنت تفعل ماهذا الذي تقول: قال: أقول: اللهم بك أحاول وبك أصاول وبك أقاتل. (عمل اليوم والليلة:۱/۳۲).

أخرج ابن المبارك ...عن الحسن قال: لقدكان المسلمون يجتهدون في الدعاء وما يسمع لهم صوت ان كان إلا همساً بينهم وبين ربهم وذلك أنه تعالىٰ يقول: ﴿ادعو ربكم تضرعاً وخفية﴾ وأنه سبحانه ذكرعبداً صالحاً فرضي له فعله فقال تعالىٰ: ﴿إذ نادى ربه نداء خفياً﴾ وفي رواية عنه أنه قال: بين دعوة السر وبين دعوة العلانية سبعون ضعفاً وجاء من حديث أبي موسىٰ الأشعرى ﷺ أنه صلى الله عليه وسلم قال لقوم يجهرون: أيها الناس اربعوا على أنفسكيم إنكم لاتدعون أصم ولاغائباً إنكم تدعون سميعاً بصيراً وهو معكم وهو أقرب إلى أحدكم من عنق راحلته والمعنى ارفقوا بأنفسكم واقصروا من الصياح في الدعاء... (روح المعاني:۸/۱۳۹).

مولانا ادریس صاحب لکھتے ہیں:

اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور چپکے چپکے یعنی دعا کا ادب یہ ہے کہ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ ہو اور آہستہ آہستہ ہو معلوم ہوا کہ دعا میں اخفاء بہ نسبت جہر کے اولیٰ ہے۔ (معارف القرآن:۳/۱۳۷).

لیکن کبھی مصلحت کی وجہ سے جہر کرنا درست ہے۔

مطلق دعا بالجہر کی احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم وهو في قبة يوم بدر: اللّٰهم إني أنشدک عهدک ووعدک اللّٰهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم فأخذ أبوبكر رضي الله عنه بيده، فقال: حسبک يارسول الله، فقد ألححت على ربک وهو فى الدرع فخرج وهو يقول: سيهزم الجمع ويولون الدبر بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمرّ. (رواه البخاري: ۱/۴۰۹).

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يدعو فى القنوت اللّٰهم أنج سلمة بن هشام اللّٰهم أنج الوليد بن الوليد اللّٰهم أنج عياش بن أبي ربيعة اللّٰهم أنج المستضعفين من المؤمنين ... الخ. (رواه البخاري: ۱/۴۱۱، باب الدعاء على المشركين).

یہ دعا جہراً تھی صحابہ کرام نے سنی۔

عن حبيب بن مسلمة الفهري وكان مجاب الدعوة أنه أمر على جيش فدرب الدروب فلما أتى العدو قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لايجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن البعض إلا أجابهم الله ثم أنه حمد الله وأثنى عليه ثم قال: اللّٰهم احقن دماء نا واجعل أجورنا أجور الشهداء .... (المستدرك على الصحيحين: ۳/۴۲۸/۵۴۷۸).

قال الهيثمي: رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح غيرابن لهيعة وهوحسن الحديث. (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۷۰، باب التأمين على الدعاء، دارالفكر).

حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات صحابی تھے انہیں ایک لشکر کا امیر بنایا گیا انہوں نے ملک روم جانے کے راستے تیار کرائے، جب دشمن کا سامنا ہوا تو انہوں نے لوگوں سے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو جماعت ایک جگہ جمع ہو اور ان میں سے ایک دعا کرائے اور باقی سب آمین

کہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے پھر حضرت حبیب ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور یہ دعا مانگی اے اللہ! ہمارے خون کی حفاظت فرما اور شہداء والا اجر ہمیں عطا فرما...۔(حیاۃ الصحابہ، مترجم،۳/۳۵۳)۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے ارشاد فرمایا...اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا مشروع ہی نہیں بلکہ اقرب الی الاجابہ ہے۔(ملفوظات:ص ۱۷)۔

قوله تعالىٰ: ﴿قد أجيبت دعوتكما﴾ قال أبو العالية وأبو صالح وعكرمة ومحمدبن كعب القرظي والربيع بن أنس: دعا موسىٰ عليه السلام وأمن هارون عليه السلام أى قد أجبنا كما فيما سألتما من تدمير آل فرعون، وقد يحتج بهذه الآية من يقول إن تأمين المأموم على قراء ة الفاتحة ينزل منزلة قراء تها لأن موسىٰ عليه السلام دعا وهارون عليه السلام أمن. (تفسير القرآن العظيم:٢/٤٧٠).

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع رأسه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة، فقال: اللّٰهم خلص سلمة بن هشام وعياش بن أبي ربيعة والوليد بن الوليد وضعفة المسلمين الذين لايستطيعون حيلة ولايهتدون سبيلاً، قلت: في الصحيح أنه قنت به رواه البزار وفيه على بن زيد وفيه خلاف وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد: ١٠/١٥٢).

حیاۃ الصحابہ میں مطلق جہری دعا کی چند احادیث مذکور ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

(١) أخرج الطبراني في الأوسط عن قيس المدني أن رجلاً جاء زيد بن ثابت رضي الله عنه فسأل عن شيء فقال له زيد: عليك بأبي هريرة رضي الله عنه فبينا أناْ وأبوهريرة رضي الله عنه وفلان في المسجد ندعو ونذكر ربنا عز وجل إذ خرج إلينا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم حتى جلس إلينا فسكتنا فقال:"عودوا للذي كنتم فيه". فقال زيد: فدعوت أناْ وصاحبي قبل أبي هريرة رضي الله عنه وجعل النبي صلى الله عليه وسلم يؤمن على دعائنا، ثم دعا أبوهريرة رضي الله عنه فقال: اللّٰهم! إني سائلک بمثل ما سالک صاحباى وأسألک علماً لاينسى، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم:"سبقكما بها الغلام الدوسي". قال الهيثمي (٩/٣٦١): وقيس هذا كان قاص عمربن عبد العزيز لم يروعنه غيرابنه محمد، ويقية رجاله ثقات. انتهىٰ.

ترجمہ: حضرت قیس مدنیؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کسی چیز کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا تم جا کر یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھو کیونکہ ایک مرتبہ میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور فلاں آدمی ہم تینوں مسجد میں دعا کر رہے تھے اور اپنے رب کا ذکر کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے تو ہم خاموش ہوگئے پھر فرمایا تم جو کر رہے تھے اسے کرتے رہو، چنانچہ میں نے اور میرے ساتھی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دعا پر آمین کہتے رہے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی اے اللہ! میرے ان دو ساتھیوں نے جو کچھ تجھ سے مانگا ہے میں وہ بھی تجھ سے مانگتا ہوں اور ایسا علم بھی مانگتا ہوں جو کبھی نہ بھولے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آمین، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بھی اللہ سے وہ علم مانگتے ہیں جو کبھی نہ بھولے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دوسی نوجوان (یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) تم دونوں سے آگے نکل گئے۔

وأخرج ابن سعد (۳/۲۷۵) عن جامع بن شداد عن ذی قرابة له قال: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يقول: ثلاث كلمات إذا قلتها فهيمنوا عليها! اللّٰهم إني ضعيف فقوني! اللّٰهم انی غليظ فليني! اللّٰهم إني بخيل فسخني. (اس میں ذی قرابت معلوم نہیں، لیکن روایت صرف تائید کے لیے پیش کی گئی ہے)۔

جامع بن شدادؒ کے ایک رشتہ دار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین دعائیں ایسی ہیں کہ جب میں وہ مانگتا ہوں تو تم ان پر آمین کہنا، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے قوت عطا فرما، اے اللہ! میں سخت دل ہوں مجھے نرم کردے، اے اللہ! میں کنجوس ہوں مجھے سخی بنادے۔

وأخرج أيضاً (۳/۳۲۱) عن السائب بن يزيد قال: نظرت إلى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يوماً في الرمادة غدا متبذلاً متضرعاً عليه برد لايبلغ ركبتيه يرفع صوته بالاستغفار وعيناه تهرقان على خديه، وعن يمينه العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فدعا يومئذ وهو مستقبل القبلة رافعاً يديه إلى السماء وعج إلى ربه فدعا ودعا الناس معه ثم أخذ بيد العباس رضی اللہ عنہ فقال: اللّٰهم إنا نستشفع بعم رسولک إليک، فما زال العباس رضی اللہ عنہ قائماً إلى جنبه ملياً والعباس رضی اللہ عنہ يدعو

وعيناه تهملان .

حضرت سائب بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے رمادہ قحط سالی کے زمانے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ صبح کے وقت عام سادہ سے کپڑے پہنے ہوئے عاجز اور مسکین بن کر جا رہے ہیں اور ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر پڑی ہوئی ہے جو گھٹنوں تک مشکل سے پہنچ رہی ہے، اونچی آواز سے اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے رخسار پر آنسو بہہ رہے ہیں اور ان کے دائیں طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں، اس دن انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بہت گڑگڑا کر دعا مانگی لوگ بھی ان کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا اے اللہ! ہم تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو تیرے سامنے سفارشی بناتے ہیں پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت دیر تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کھڑے ہو کر دعا مانگتے رہے، ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

و أخرج ابن سعد (۲۹۴/۳) عن أبي سعيد مولى أبي أسيد قال: كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يعس المسجد بعد العشاء فلايرى فيه أحداً إلا أخرجه إلا رجلاً قائماً يصلي، فمر بنفر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيهم أبي بن كعب رضي الله عنه فقال: من هؤلاء؟ قال أبي: نفر من أهلك يا أمير المؤمنين! قال: ماخلفكم بعد الصلاة ؟ قال: جلسنا نذكر الله، قال: فجلس معهم ثم قال لأدناهم إليه خذ ! قال فدعا فاستقرأهم رجلاً رجلاً يدعون حتى انتهى إليّ و أنا إلى جنبه فقال: هات! فحضرت و أخذني من الدعاء إفكل حتى جعل يجد مس ذلك مني فقال: ولو أن تقول: اللّهم اغفرلنا! اللّهم ارحمنا! قال: ثم أخذ عمر رضي الله عنه فماكان في القوم أكثر دمعة ولا أشد بكاء منه ثم قال: أيها الناس الآن ! فتفرقوا.

حضرت ابواسیدؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوسعیدؒ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عشاء کے بعد مسجد کا چکر لگاتے ہوئے پہرہ دیتے تھے اور جو آدمی بھی نظر آتا اسے مسجد سے نکال دیتے جسے کھڑا ہوا نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اسے رہنے دیتے، ایک رات ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم پر گزر ہوا جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت ابی نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کے

گھر کے چند آدمی ہیں، فرمایا نماز کے بعد تم لوگ اب تک یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ حضرت ابی نے فرمایا ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان میں سے جو ان کے قریب تھا اس سے فرمایا تم دعا کراؤ، اس نے دعا کرائی یہاں تک کہ میری باری آگئی، میں آپ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا فرمایا اب تم دعا کراؤ تو میری زبان بند ہوگئی اور مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی جس کا انہیں بھی اندازہ ہوگیا تو فرمایا اور کچھ نہیں تو اتنی ہی دعا کرادو" اللّٰھم اغفر لنا ، اللّٰھم ارحمنا " اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، اے اللہ! ہم پر رحم فرما" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا شروع کی تو ان لوگوں میں سب سے زیادہ آنسوؤں والا اور سب سے زیادہ رونے والا ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب آپ سب لوگ بھی خاموش ہوجائیں اور بکھر جائیں۔

وأخرج أحمد والطبراني عن عقبة بن عامر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لرجل يقال له ذو البجادين: إنه أواه ، وذلك أنه كثير الذكر لله عزوجل في القرآن، وكان يرفع صوته في الدعاء . قال الهيثمي (۹/۳۶۹). وإسنادهما حسن. (حياة الصحابة: ١٣٠/٤، الدعاء في الجماعة ورفع الصوت والتامين، المكتبة التجارية).

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک صحابی کو ذوالبجادین کہا جاتا تھا ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آہیں بھر کر رونے والا ہے اور یہ اس وجہ سے فرمایا کہ یہ صحابی بہت زیادہ تلاوت اور اللہ کا ذکر کرنے والے تھے اور اونچی آواز سے دعا کیا کرتے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ مترجم: ۳/۳۵۲۔۳۵۴).

فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

واعظ يدعو كل أسبوع بدعاء مسنون جهراً لتعليم القوم ويخافته القوم إذا تعلم القوم خافت هو أيضاً . (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٤٢/٤).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والسنة أن يخفي صوته بالدعاء كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ٢٢٩/١ ـ والجوهرة النيرة: ١٩٣/١ ـ ورد المحتار: ٥٧/٢، سعيد).

امدادالفتاوی میں ہے:

اعلم أنه لاخلاف بأن المذاهب الأربعة في ندب الدعاء سراً للإمام والفذ وأجاز المالكية والشافعية جهر الإمام به لتعليم المأمومين أو تأمينهم على دعائه. (امدادالفتاوی: ۵۶۵/۱).

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

سوال: فرضوں کے بعد دعا جہر سے مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بعد فرض نماز کے دعا جہر سے کرنا جائز ہے اگر کوئی مانع عارض نہ ہو۔ (فتاوی رشیدیہ:۱۰۱)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کر لے تو جائز ہے ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

آہستہ اور پست آواز سے دعا مانگنا افضل ہے دعا یاد کر لے یا دعائیہ جملہ ختم ہونے پر آمین کہہ سکے اس غرض سے ذرا آواز سے دعا مانگی جائے تو کوئی حرج نہیں وہ بھی اس شرط سے نمازیوں کا حرج نہ ہو...(فتاوی رحیمیہ:۶/ ۵۵۔ وکذا فی فتاوی محمودیہ:۶۹۲/۵) . واللہ ﷻ اعلم۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ:

سوال: بعض ائمہ مساجد دعا کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو ملاتے ہیں یہ بتلائیے کہ دعا میں ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کو ملانا چاہیئے یا دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال: وسئل أنس ﷺ: هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه في الدعاء؟

قال: نعم، بينا هو ذات يوم جمعة يخطب الناس، فقيل يارسول اللّٰه! قحط المطر، وأجدبت الأرض، وهلك المال، فادع الله، قال: فرفع يديه حتى رأيت بياض إبطيه، فاستسقىٰ وما أرى في السماء سحابة، فما قضينا الصلاة حتى إن الشاب القريب الدار يهمه الرجوع إلى أهله، فدامت جمعة، فلما كانت الجمعة الثانية، قالوا: يارسول اللّٰه! تهدمت البيوت، واحتبس الركبان، وهلك المال، قال: فتبسم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ثم قال بيديه ففرج بينهما، ثم قال: اللّٰهم حوالينا ولا علينا، وفرق بين يديه، قال: فكشف عن المدينة. (مسندابی یعلی: ۳۸۵۱/۷۱/٤).

درمختار میں ہے:

فيبسط يديه حذاء صدره نحو السماء لأنها قبلة الدعاء ويكون بينهما فرجة. وفي الشامية: قوله ويكون بينهما فرجة أي وإن قلت، قنية. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۵۰۷،سعید).

عالمگیری میں ہے:

والأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه ويكون بينهما فرجة، وإن قلت. (الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۸).

وللاستزادة انظر: (نفع المفتي والسائل، ص۴۹۳، بيروت. وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص۳۱۷. وفتاوى محموديه: ۵/۱۰۷، فاروقيه).

لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ بوقتِ دعا دونوں ہاتھوں کو ملانا چاہئے۔ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین میں ہے:

وقال ابن عباس ﷺ: كان صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دعا ضم كفيه وجعل بطونهما مما يلي وجهه. وقال العراقي: إسناده ضعيف. (احياء علوم الدين مع تخريج العراقي:۱/۳۱۳).

مرعات شرح مشکاۃ میں ہے:

وفي الحديث دلالة على استحباب رفع اليدين في الدعاء ويكونان مضمومتين، لما

روى الطبراني في الكبير عن ابن عباس ﷺ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دعا ضم كفيه وجعل بطونهما مما يلي وجهه ذكره ابن رسلان كذا في السراج المنير، وقال في هامش تحفة الذاكرين نقلاً عن عدة الحصن الحصين بعد ذكرحديث ابن عباس ﷺ هذا سنده ضعيف، انتهى .(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للمبالكفوري:۷/۳٦۳).

اگر چہ مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے، لیکن قوی روایت بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزہد والرقائق میں ہے:

أخبرنا عبد العزيز بن أبي رواد قال:حدثني علقمة بن مرثد وإسماعيل بن أمية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من صلاته رفع يديه وضمهما وقال: رب اغفر لي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت اعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لا إله إلا أنت لک الملک ولک الحمد. (الزهد والرقائق لابن المبارك :۳/۱۸۹/۱۱٤۱،باب فضل ذكرالله عزوجل).

قال محققه أحمد فريد : مرسل وإسناده حسن وورد مرفوعاً عن علي بن أبي طالب ﷺ. (استحباب الدعاء بعدالفرائض لمولاناعبدالحفيظ المكی،ص۱۰٦).

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ضم'' یعنی ملانے کا مطلب فقہاء نے محاذات بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ضم العقبین کی روایت کی شرح بھی محاذات ہی سے کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو سعایہ میں ہے:

قلت: لعله أراد من الإلصاق المحاذات وذلک بأن يحاذي كل من كعبيه لآخر فلايتقدم أحدهما على الآخر. (السعاية: ۲/۱۸۰).

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دارالعلوم زکریا، جلد دوم، ص۱۳۴).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وان أريد بالضم في كلام القرب التام لاينافي وجود الفرجة القليلة وأما قوله جمع

بین کفیہ لاینافیہ أیضاً لأن المعنی جمع بینهما فی الرفع ولم یفرد أحدهما به. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۱۷) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجد میں ذکر یا تلاوت کے وقت جھومنے کا حکم:

سوال: مسجد میں ذکر یا تلاوت کرتے وقت بعض لوگ جھومتے ہیں، کیا اس طرح جھومنا اور حرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص کسی مصلحت (مثلاً دل کو حاضر رکھنا، شوق وذوق پیدا کرنا، حفظ میں سہولت پیدا کرنا، وغیرہ) کے پیشِ نظر ذکر یا تلاوت کے وقت جھومتا ہے تو یہ مباح اور جائز ہے، لیکن اگر جھومے بغیر کام چل سکتا ہو تو نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ عبادت سکون ووقار کی خواست گار ہے، اور حرکت سکون وقار کے منافی ہے، البتہ رقص کی شکل بن جائے یا عبادت سمجھ کر کیا جائے تو یہ ناجائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ واحدی میں ہے:

سوال: جنبیدن کتابیاں دروقتِ خواندنِ قرآن چنانچہ درمدرسہای متعارف است کہ بدونِ آں تفرح وتشوقِ ایشاں نمی شود جائزاست یاممنوع واصلے دارد یانہ وآنچہ می گویند کہ جنبیدن دروقتِ تلاوت عادت یہودیاں است معتبراست یانہ؟

جواب: الظاهر أن قراءة القرآن بالسكون والوقار أفضل لأنه أدل على التعظيم والتحرك ينافيه ثم المنع عن التحرك لم يتعرض له في الكتب المعتبرة المتداولة كالبحر والدر وغيرهما نعم ذكر في الدر المختار في الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وإزعاج الإعضاء برفع الصوت جهل وإنما هي دعاء والدعاء يكون بين الجهر والمخافتة ، انتهىٰ، فقراءة القرآن أولىٰ بأن لايتحقق فيها إزعاج الأعضاء لكن لوعدل عن هذه الأولوية لغرض صحيح كتفريح الخاطر وحصول النشاط في القراءة الحاصل بالتحريك بالنسبة إلى البعض كالصبيان ونحوهم فالظاهر عدم الذم لأن المقصود الأصلى

هو التعليم وضبط القرآن بالقراءة فبأي طريق يحصل ينبغي السعي فيه كما لايخفى على المنصف ألا ترى أن المحدث ممنوع عن مس المصحف وجوزوا للصبي للضرورة وحصول الحفظ في الصغر قال في الدرالمختار: ولايكره مس صبي لمصحف ولوح، ولابأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر، ولايخفى أن التحرك من الصبي في حالة القراءة للتعلم أدون من المس حالة الحدث، وأماالقول بتشبيه اليهود فلم يثبت بنقل صحيح ... (فتاوی واحدی:۱٤۷).

فیض القدیر میں ہے:

فائدة: سئل جدي شيخ الإسلام يحيى المناوي: هل الاهتزاز في القرآن مكروه أو خلاف الأولى؟ فأجاب بأنه في غير الصلاة غيرمكروه ولكن خلاف الأولى، محله إذا لم يغلب الحال واحتاج إلى نحو النفي في الذكر إلى جهة اليمين والإثبات إلى جهة القلب، وأما في الصلاة فمكروه إذا قل من غيرحاجة. (فيض القدير:۲/۶۲).

بریقہ محمودیہ میں ہے:

و أما تحريك الرأس فقط يمنة ويسرة تحقيقاً لمعنى النفي والإثبات في " لا إله إلا الله " فالظن الغالب جوازه بل استحبابه إذا كان مع النية الحاصلة الصالحة فيخرج عن حد العبث و اللعب، لأن العبث مالا فائدة فيه والتحقيق المذكور من أعظم فوائد. (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية:٤/۱۳۹).

بخاری شریف میں ہے:

عن البراء رضي الله عنه قال: كان رجل يقرأ سورة الكهف وإلى جانبه حصان مربوط بشطنين، فتغشته سحابة فجعلت تدنو، وجعل فرسه ينفر، فلما أصبح أتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال: تلك السكينة تنزلت بالقرآن. (رواه البخاري: ۲/۷٤۹/۵۰۱۱).

مجالس ذکر میں ہے:

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا: ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رقت ویکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا ہے تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لیے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں۔(مجالس ذکر:ص ۱۱۷).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں،ص ۱۷۰۔وبوادر النوادر:۴۴۶).

لیکن بعض حضرات نے اس پر چند اعتراضات کیے ہیں:

(۱) ذکر وتلاوت کے وقت اس طرح حرکت کرنا اور جھومنا بدعت ہے جو نا جائز ہے؟

الجواب: یہ بدعت فی الدین نہیں ہے بلکہ للدین ہے،یعنی وسائل میں ہے نہ کہ مقاصد میں جو کہ شریعت کی نگاہ میں ناجائز نہیں ہے۔

حکیم الامت فرماتے ہیں:

بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہوسکتا ہے،پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے،احداث للدین سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔(تحفۃ العلماء۲/۱۴۰،فقہ حنفی کے اصول وضوابط،الباب السادس،سنت کی تعریف).

(۲) اس میں تشبہ بالیہود ہے اس لیے کہ یہود کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ تورات پڑھتے وقت یا اپنی عبادت کے وقت جھومتے ہیں،ان کی اصطلاح ’’شوکلنگ‘‘(shokling) کہتے ہیں،جس کے معنی جھومنے کے ہیں۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

﴿وإذ نتقنا الجبل فوقهم﴾ ولما نشر موسىٰ الألواح فيها كتاب الله لم يبق جبل ولا حجر إلا اهتز، فلذلك لاترى يهودياً تقرأ عليه التوراة إلا اهتز وانخفض لها رأسه.
(التفسير الكشاف:۲/۱۲۹).

یہ طریقہ آج تک ان میں جاری ہے،اب سوال یہ ہے کہ جن علاقوں میں دستور بن گیا ہے مثلاً مصر،اندلس وغیرہ

تو بنابر تشبہ یہ طریقہ ممنوع ہوگا یا نہیں؟

علامہ زمخشری کی عبارت نقل کرنے کے بعد صاحب بحرِ محیط لکھتے ہیں:

وقد سرت هذه النزعة إلى أولاد المسلمين فيمارأيت بديار مصر تراهم في المكتب إذا قرأوا القرآن يهتزون ويحركون رؤوسهم وأما في بلادنا بالأندلس والعرب فلو تحرك صغيرعند قراءة القرآن أدبه مؤدب المكتب وقال له: لاتتحرك فتشبه اليهود في الدراسة.
(تفسير البحر المحيط: ٤/ ٤٢٠).

الجواب: علماء نے لکھا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ کا حرام ہونا اتنا عام نہیں ہے، بلکہ ان امور میں جوان کی مذہبی خصوصیات اور امتیازی نشانات ہیں، جائز نہیں، مثلاً گلے میں صلیب لٹکانا، ہندو کا زنار پہننا، پیشانی پر قشقہ لگانا وغیرہ، نیز ایسے امور بھی ناجائز ہیں جن میں تشبہ بھی پایا جاتا ہو اور احادیث میں ان کی قباحت وارد ہو جیسے پاجامہ، پتلون ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، یا مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا۔

لیکن بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک جانب تشبہ یعنی مشابہت ہوتی ہے اور دوسری جانب کچھ مصلحت بھی ہوتی ہے اس لیے ان کو ناجائز نہیں کہیں گے، اگر کوئی شخص عاشورہ یعنی دس محرم کا ایک ہی روزہ رکھے تو وہ ناجائز نہیں، کیونکہ رکھنے والے کا مقصد یہود کے ساتھ مشابہت نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، محرم اور ربیع الاول میں وعظ ونصیحت کی مجالس قائم کرنا اہل بدعت کے ساتھ مشابہت ہے، لیکن چونکہ مقصد خرافات کی تردید اور صحیح مضامین کا بیان ہوتا ہے لہذا علماء اس کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ خرافات و پابندیوں سے خالی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز عام ہو جائے اور کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہ سمجھی جائے تو تشبہ ختم ہو جائیگا۔ نیز یہ روایت بظاہر کسی حدیث کی روایت نہیں بلکہ ایک تاریخی روایت ہے۔

فقہ حنفی کے اصول وضوابط میں ہے:

تشبہ ختم ہو جانے کی پہچان یہ ہے کہ دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں کھٹک نہ ہو کہ یہ موضع تو فلانی لوگوں کی ہے، جیسے انگرکھا یا اچکن پہنا، مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جائے گا، جیسے ہمارے

ملک میں کوٹ پتلون پہننا، دھوتی باندھنا، (البتہ جہاں پر کوٹ پتلون عام ہوجائے ذہن میں سے خصوصیت جاتی رہے تو ناجائز نہ ہوگا، مگر) جب تک دل میں کھٹک ہے اس وقت تک تشبہ کی وجہ سے ناجائز رہے گا۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط: ص۱۵۴، از افاداتِ حکیم الامت)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لايكره في كل شيء، فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً وفيما يقصد به التشبه كذا ذكره قاضي خان في شرح الجامع الصغير فعلى هذا لولم يقصد التشبه لايكره عندهما، وقال هشام في نوادره: رأيت على أبي يوسفؒ نعلين محفوفين بمسامير الحديد، فقلت له: أترى بهذا الحديد باساً؟ فقال: لا، فقلت له: إن سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأنه تشبه بالرهبان، فقال أبويوسفؒ: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعور وإنها من لباس الرهبان، فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما يتعلق به صلاح العباد لاتضر وقد تعلق بهذا النوع من الأحكام صلاح العباد... (تكملة فتح الملهم: ٤/٨٨).

مزید ملاحظہ ہو: (تقریر ترمذی: ۳۳۱).

مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسير في طريق مكة فمر على جبل يقال له جمدان، فقال: سيروا هذا جمدان سبق المفردون، قالوا: وما المفردون يارسول الله قال: الذاكرون الله كثيراً والذاكرات. قال الإمام النوويؒ: وجاء في رواية هم الذين اهتزوا في ذكر الله أى لهجوا به. (الصحيح لمسلم مع شرح النووى: ٢/٣٤١، ٣٤٢).

"هز" کے اصل معنی حرکت کرنے یا حرکت دینے کے ہیں۔

لسان العرب میں ہے: واهتز إذا تحرک. (لسان العرب: ٥/٤٢٤).

لغات الحدیث میں ہے:

اهتزوا في ذكر الله ، اللہ کی یاد میں جھومے اور خوش ہوئے۔(لغات الحدیث:۴/۲۹)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں،ص۱۷۰) ۔ واللہ ﷻ اعلم۔

نجاست آلود کپڑا پہن کر مسجد میں آنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا پاجامہ یا شلوار ناپاک ہے اور ناپاکی خشک ہے مثلاً پیشاب یا منی خشک ہوگئی ہے، تو اسی شلوار یا پاجامہ پہن کر مسجد میں آنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر نجاست آلودہ کپڑوں سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو تو ناجائز ہے ورنہ خلافِ اولیٰ ہوگا۔کیونکہ فقہاء نے ناپاک تیل مسجد میں جلانے اور اس سے چراغ روشن کرنے کو مکروہ لکھا ہے،لیکن دوسری طرف مستحاضہ کے مسجد میں داخل ہونے کا بھی تذکرہ ملتا ہے،لہذا مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو مکروہِ تحریمی نہیں کہیں گے۔ہاں بہتر نہیں۔

قال الله تعالیٰ : ﴿ وطهر بيتي للطائفين ﴾. (سورة الحج،الآية:٢٦)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس میں بیت اللہ پاک کرنے کا حکم ہے جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے...اور اس حکم طہارت کے لیے ”بیتی“ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مساجد کے لیے عام ہے، کیونکہ ساری مساجد بیوت اللہ ہیں،جیسا کہ ارشاد ہے: ”في بيوت أذن الله أن ترفع“۔(معارف القرآن:۱/۳۲۳)حدیث شریف میں ہے۔ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر. (مسلم شريف:١/١٣٨).

جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وبيعكم ...(ابن ماجه شريف:٥٤).

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها

وهي تصلي . (رواه البخاري: ۱/۲۷۳/ ۱۹۹۱،باب اعتکاف المستحاضة).

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة ما في معناها كمن به سلس البول والمذى والودى ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. (عمدة القاری:۳/ ۱۳۰، کتاب الحيض،باب الاعتكاف للمستحاضة ،دار الحديث،ملتان).

وفي البحر الرائق مع الكنز: كره استقبال القبلة ...والبول والتخلي... والمراد بالكراهة كراهة التحريم ...وأشار المصنفؒ إلى أنه لايجوز إدخال النجاسة المسجد وهو مصرح به. (البحرالرائق مع الكنز: ۲/ ۳٤،کوئته).

شامی میں ہے:

ولايدخله (المسجد) من على بدنه نجاسة. (ردالمحتار: ۱/ ۱۷۲،سعید).

وفيه : (قوله وإدخال نجاسة فيه)عبارة الأشباه : وإدخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث، ومفاده الجواز لو جافه. (شامی:۱/ ٦٥٦،سعید).

وكذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱/ ۲۷۷ـ والفتاوى الهندية: ٥/ ۳۲۱ـ والفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: ۱/ ۲۷۷).

وفي التجنيس والمزيد: لمن أراد دخول المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة ثم يدخل فيه، احترازاً عن تلويث المسجد. (التجنيس والمزيد:۱/ ۳۷۰ـ وكذا في شرح منية المصلي: ٦١١).

بحر میں ہے:

ذکر العلامة قاسم في بعض فتاويه أن قولهم : إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيد بغير المساجد فإنه لايجوز الاستصباح به. (البحرالرائق: ۲/ ۳٤ـو كذا فى الدرالمختارمع فتاوى الشامي: ۱/ ۳۳۰،سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

نجس کپڑا مسجد میں نہ رکھے اگر اس وقت کسی معرفت باہر بھیجنا یا خود رکھنا دشوار ہو تو مجبوراً مسجد میں اس طرح رکھنا کہ تلویث نہ ہو درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۱۹۳، فاروقیہ).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

جوتے خشک ہوں تو مسجد ناپاک نہیں ہوتی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۳۸) . واللہ ﷻ اعلم۔

غیر مسلم کا مسجد میں عبادت کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی مسجد میں عیسائیوں کا پادری آکر عبادت کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی اجازت دی جائیگی یا نہیں؟ جن روایات میں وفد نجران کا مسجد میں آنا اور وہاں عبادت کرنا مذکور ہے ان کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: کفار کے مساجد میں داخل ہونے کے بارے میں مجتہدین کا اختلاف ہے، لیکن مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت کس کے ہاں مروی نہیں ہے بلکہ ان کی عبادت عبادت ہی نہیں حقیقت میں شرک وخرافات ہیں، عبادت کے لیے نیت ضروری ہے جب کہ کفار میں نیت کی صلاحیت ہی نہیں اور جو روایت اس سلسلہ میں مروی ہے وہ متکلم فیہ ہے ایک تو محمد بن اسحٰق پر کلام ہے، دوسرے ان کے استاذ محمد بن جعفر کی روایت معضل ہے کیونکہ اس میں تابعی اور صحابی کا ذکر نہیں ہے، احناف کے ہاں اگرچہ خیر القرون میں انقطاع مضر نہیں، لیکن یہ روایت تو اصول (قرآن کریم کی آیات) کے خلاف ہے، ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے:

ومنها: مخالفة الحديث لصريح القرآن كحديث مقدار الدنيا. (موضوعات كبيرص ١٦٢).

یعنی جو حدیث قرآن کے مخالف ہو اور سند میں بھی کلام ہو وہ حدیث قبول نہیں ہوگی، بلکہ اس کے موضوع

ہونے کی علامت ہے اس حدیث میں یہ حصہ کہ نصاریٰ نے مسجد میں عبادت کی قابل قبول نہیں، نیز یہ حدیث اصول کے بھی خلاف ہے، ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

ومنها: أن يكون الحديث مما تقوم الشواهد الصحيحة على بطلانه كحديث عوج بن عنق. (موضوعات کبیر، ص ۱۶۰).

اس حدیث کے صحیح نہ ہونے پر بھی صحیح شواہد دلالت کرتے ہیں، لہذا اس روایت کا اتنا حصہ کہ انہوں نے مشرق کی طرف مسجد میں نماز پڑھی واجب الرد ہے یا اس میں تاویل کی جائیگی کہ مسجد سے مسجد کا وہ ملحقہ حصہ مراد ہے جو حقیقت میں مسجد نہیں بلکہ وہ حصہ ہے جس میں حبشی کھیلتے تھے، اور بعض لوگ کبھی کبھی اس میں اونٹ بھی باندھتے تھے اور مسجد سے ملحقہ میدان پر بکثرت مسجد کا اطلاق ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی میں ہے:

صدر هذه السورة (أي سورة آل عمران) نزل بسبب وفد نجران فيما ذكر محمد بن إسحق عن محمد بن جعفر بن الزبير وكانوا نصارى وفدوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة في ستين راكباً فيهم من أشرافهم أربعة عشر رجلاً في الأربعة عشر ثلاثة نفر إليهم يرجع أمرهم العاقب أمير القوم وذو آرائهم واسمه عبد المسيح والسيد ثمالهم وصاحب مجتمعهم واسمه الأيهم وأبوحارثة بن علقمة أحد بكر بن وائل أسقفهم وعالمهم، فدخلوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم أثر صلاة العصر، عليهم ثياب الحبرات جبب وأردية، فقال أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم مارأينا وفداً مثلهم جمالاً وجلالة، وحانت صلاتهم فقاموا فصلوا في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم إلى المشرق، فقال النبي صلى الله عليه وسلم دعوهم...الخ. (تفسير القرطبي: ٤/٥).

وللاستزادة انظر: (السيرة النبوية لابن هشام: ٢/٢٢٤).

وفي فتح القدير للشوكاني: ماكان للمشركين أن يعمروا مساجد الله، والمراد بالعمارة إما المعنى الحقيقي أو المعنى المجازي وهو ملازمته والتعبد فيه وكلاهما ليس

للمشركين أما الأول فلأنه يستلزم المنة على المسلمين بعمارة مساجدهم، وأما الثاني فلكون الكفار لاعبادة لهم مع نهيهم عن قربان المسجد الحرام. (فتح القدير: ٢/٦٦٢، الرياض).

وفي تفسير الكريم الرحمن : أن اللّٰه تعالىٰ إنما جعل بيته الحرام ليقام فيه دينه ، وتخلص له العبادة ، فالمؤمنون هم الذين قاموا بهذا الأمر ، وأما هؤلاء المشركون الذين يصدون عنه، فما كانت صلاتهم فيه التى هي أكبر أنواع العبادات ﴿إلا مكاء وتصدية﴾أى صفيراً وتصفيقاً ، فعل الجهلة الأغبياء ، الذين ليس في قلوبهم تعظيم لربهم، ولا معرفة بحقوقه، ولا احترام لأفضل البقاع وأشرفها ، فإذا كانت هذه صلاتهم فيه ، فكيف ببقية العبادات ؟ ! ! (تيسيرالكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان،ص٢٨٢).

وللاستزادة انظر: (التفسيرالمظهرى: ۴/۱۴۶ .وفتح القديرللشوكانیؒ:۴۰۱، الرياض، وكذا فى تفسيرالمنار: ۱۰/۲۰۶ .والتفسيرالمنير: ۱۰/۱۳۷). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجد چھوڑ کر میدان میں جماعت کا حکم:

سوال: بعض حضرات تبلیغی جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسجد چھوڑ کر باہر اجتماع گاہ میں جماعت کرتے ہیں معترضین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسجد میں جماعت سنتِ مؤکدہ ہے باہر کی جماعت میں کوئی فضیلت نہیں ہے کیا ان کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں مسجد کی جماعت کو سنن ہدیٰ فرمایا گیا ہے۔

الجواب: اگر مسجد سے باہر جماعت کرلی جائے تو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے ہاں مسجد میں جماعت کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے:

قوم تخلفوا عن المسجد وصلوا فى البيت بجماعة فإنهم ينالون فضل الجماعة لكن دون ما ينالون فى المسجد . (الفتاوى السراجية،قبيل باب الامامة، ص٧٨).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

حتى لو صلى في بيته بزوجته أوجاريته أو ولده فقد أتى بفضيلة الجماعة ،كذا في الشرح ، لكن فضيلة المسجد أتم . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۸۷، باب الامامة).

فتاویٰ قاضیخان میں مذکور ہے:

والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة وللجماعة في المسجد فضيلة أخرى فإذا صلى في البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة وترك الفضيلة الأخرى . یہ بات انہوں نے تراویح کے بارے میں لکھی ہے پھر بعد میں فرماتے ہیں: **وكذلك في المكتوبات.** (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية:۱/ ۲۳۳، باب التراویح).

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع وعشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان وإظهار الشعائر وتكثير سواد المسلمين . (یہ کلام انہوں نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے لیکن اس سے قبل لکھا ہے) **وهكذا في المكتوبات أي الفرائض.** (شرح منية المصلی ،ص ۴۰۲، ابواب التراویح، سهيل).

مذکورہ بالاعبارات فقہیہ سے بخوبی واضح ہوا کہ تبلیغی حضرات کو اجتماع گاہ میں جماعت کا ثواب ملتا ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے ہاں مسجد بہتر ہے لیکن بعض مصالح کی وجہ سے سب مسجد نہیں جا سکتے ،اور اجتماع والے لوگ مسجدوں میں سما بھی نہیں سکتے۔ باقی یہ بات کہ مسجد کے کیا فضائل ہیں تو وہ آپ مساجد کے فضائل میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں ،مثلاً سات آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے،ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہو جب نکلتے ہیں تو واپس آنے کا سوچتے ہیں،اور ان دو صحابہ کا واقعہ تو مشہور ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد سخت اندھیرے میں ان کی لاٹھیوں سے روشنی نکلتی تھی ،اور جو صبح وشام مسجد میں جاتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے

جنت میں مہمانی کا انتظام فرمائیں گے، اور جب صرف نماز کی نیت سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اس کا درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ مٹایا جاتا ہے پھر جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں، یہ سب فضائل کتبِ احادیث میں مذکور و مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ جماعت سنت ہے اس کو چھوڑنا نفاق کی علامت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "**من سره أن يلقى الله غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات الخمس حيث ينادى بهن فإن الله شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدى وأنهن " أى الصلوات الخمس بالجماعة "** (فتح المهلم) **من سنن الهدى " أى من طريق الهدى"** (فتح الملهم) **ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم ولوتركتم سنة نبيكم لضللتم.** (رواه مسلم:١/٢٣٢).

اس روایت میں " **کمایصلی هذا المتخلف** " سے پتہ چلتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد متخلف کو قابل وعید سمجھتے ہیں جس کے مقابلہ میں جماعت سے نماز پڑھنا قابل مدح وستائش ہے، ہاں دوسری روایت جو مسلم شریف میں مذکور ہے اس میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أومريض ان كان المريض ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة وقال : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وإن من سنن الهدى الصلاة في المسجد الذي يؤذن فيه . (رواه مسلم:١/٢٣٢).

اس روایت کی ابتداء میں بھی متخلف منافق کا ذکر ہے جو جماعت کو چھوڑتا ہے تو اس کے مقابلہ میں نماز باجماعت ہی قابل مدح ولائق ثواب ہے، ہاں چونکہ جماعت شہروں اور آبادی میں عموماً مسجد میں ہوتی ہے اس لیے بنا بر غالب مسجد کا ذکر فرمایا، لہذا بظاہر یہ قید احترازی نہیں دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز سے ۲۷ درجہ فضیلت والی بتلایا ہے، اس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے، نیز حدیث میں ہے: " **الصلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاة يصليها وحده .** (مسلم ١/٢٣١) . یہاں منفرد کے مقابلہ میں جماعت کی فضیلت وارد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مساجد میں ذکر جہری کا حکم:

سوال: آج کل بعض حضرات مساجد میں ذکر جہری پر تنقید کرتے ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر جہری واجتماعی مسجد میں شرعاً جائز ہے اور ہمارے اکابر کا اس پر عمل درآمد ہے۔

چند احادیثِ مرفوعہ کا ترجمہ اور خلاصہ پیش خدمت ہے:

(۱) قال النبي صلى الله عليه وسلم : أناْ عند ظن عبدي بي و أناْ معه إذا ذكرني فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منهم، الحديث.
(رواه البخاري برقم ٦٨٥٦).

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے اکیلا یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ جماعت میں یاد کرنا جہری اور سری دونوں کو شامل ہے بلکہ بقول علامہ سیوطی کے جماعت کا فائدہ جہر میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہاں فی نفسہ کا مطلب اکیلا ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں جماعت ہے، اور فی نفسہ اکیلے کے معنی میں آتا ہے۔ علامہ نوویؒ شرحِ مسلم میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مراد الحديث أي إذا ذكرني خالياً أثابه الله وجازاه عما عمل بما لايطلع عليه أحد.
(شرح النووي:٢/٣٤١).

علم نحو میں اسم کی تعریف یوں کرتے ہیں: "**كلمة تدل على معنىً في نفسه غير مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة**" یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلے اپنے معنی پر دلالت کرے، بخلاف حرف کے کہ اس کو معاون کی ضرورت ہے، مثلاً من ابتدائے جزئی پر مدخول کے بغیر دلالت نہیں کرتی اور ابتدائے کلی اسم کے معنی ہیں۔

صاحبِ کشاف علامہ زمخشریؒ نے ﴿قل لهم في أنفسهم قولاً بليغاً﴾ کی تفسیر "خالياً بهم" سے فرمائی ہے۔

" قال النبي صلى الله عليه وسلم : إذا صلى أحدكم لنفسه فليطل ماشاء" یعنی جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنی تطویل چاہے کرلے۔اسی طرح آیتِ کریمہ ﴿واذكر ربك في نفسك تضرعاً وخيفة ودون الجهر من القول بالغدو والآصال﴾(سورة الاعراف:۲۰۵) کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب اکیلے ہو تو خالی بیٹھنے سے کیا فائدہ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ کیا کرو۔ وہاں اور تو کوئی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہے ہاں اگر جہر کرنا ہو تو بہت زیادہ جہر سے کم جہر کیا کریں، کیونکہ دوسرے ساتھ موجود نہیں کہ ان کی ترغیب مقصود ہو لہذا ہلکا جہر کافی ہے۔دوسرے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کریں۔یا تلفظ کرکے بہت جہر سے کم جہر کے ساتھ کیا ذکریں۔

قال الإمام: المراد أن يقع الذكر متوسطاً بين الجهر والمخافتة والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط وبما دونه نوع آخر من الجهر. (روح المعاني:۹/۱۵۴).

وقال الشيخ عبد الرحمن السعدى المتوفى ۱۳۷۶ : في نفسه أى مخلصاً خالياً. (تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان،ص۲۷۶).

وقال ابن عطية الأندلسي: الجمهور على أن الذكر لايكون فى النفس ولايراعى إلا بحركة اللسان. (تفسيرابن عطية،ص۷۷۳).

(۲) جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو وہاں چرلیا کرو،صحابہ نے دریافت کیا ریاض الجنہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مساجد،چرنا کیا ہے یارسول اللہ؟ فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

(۳) جو لوگ ذکر اللہ کے لیے جمع ہوتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کھڑے ہو جاؤ تمہاری مغفرت ہوچکی اور تمہارے سیئات حسنات میں بدل دئے گئے۔(مجمع الزوائد:۷۶/۱۰، ومسنداحمد: ۱۴۲/۳، وغيره وفى اسناده ميمون المرائى وثقه جماعة وفيه ضعف).

(۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجالس ذکر کا ثمرہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت ہے جنت۔(مجمع الزوائد: ۱۰/۷٦، واسناده حسن).

(۵) قیامت میں بعض لوگوں کے چہروں پر نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبر پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے، کسی نے کہا یا رسول اللہ ان کا حال بیان کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مختلف خاندانوں سے ایک جگہ جمع ہوں گے اور ذکر اللہ میں مشغول ہوں گے۔(مجمع الزوائد: ۱۰/۷٦).

(٦) اللہ تعالیٰ کے کچھ بہترین فرشتے مجالس ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں جب ایسی مجلس میں پہونچتے ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں مجلس کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ جاننے کے باوجود پوچھتے ہیں تم کہاں سے آئے ہو وہ کہتے ہیں اس جماعت کے پاس سے آئے ہیں، جو تیری بڑائی میں مشغول تھی۔(بخاری شریف:۲/۲۴۸).

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لائے، فرمایا کس بات نے تم کو بٹھایا؟ کہنے لگے ذکر کی مجلس میں بیٹھے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل امین میرے پاس آئے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر فرما رہے ہیں۔

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کچھ لوگوں نے مقبرہ میں روشنی اور آگ دیکھی جب وہاں آئے تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ میں ہیں اور فرما رہے ہیں اس صحابی کا جسد میرے ہاتھوں میں دیدو یہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ تھے جو بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے۔(ابوداود:۲/۴۵۱).

مذکورہ بالا روایات اور ان جیسی دیگر بہت ساری روایات سے اجتماعی اور جہری ذکر کا ثبوت ملتا ہے فقہ کی کتابوں میں جہری ذکر کا جواز اور کہیں استحباب مرقوم ہے۔

حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک سائل نے جہری ذکر کے بارے میں سوال کیا، سوال اختصار کے پیش نظر حذف کیا جاتا ہے، تو انہوں نے تحریر فرمایا آپ اپنے دوستوں سے کہاں لڑائی کریں گے آپ ہلکی آواز سے تنہائی میں ذکر کر لیا کریں جس سے کسی سونے والے نماز پڑھنے والے وغیرہ کو تشویش نہ ہو باقی

ذکر جہری کا ثبوت خود اذان خطبہ اور تکبیر تشریق سے ہے۔

أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر اللّٰہ تعالیٰ فی المساجد وغیرها من غیر نکیر إلا أن یشوش جهرهم علی نائم أومصل أوقارئ کما هو مقرر في کتب الفقه.

(الحموی علی الاشباہ:۲/ ۲۳٤،وکذا فی الشامی:۱/ ٦٦٠، سعید).

دوسرا یہ ذکر بطورِ علاج ہے اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ اصول شرع کے خلاف نہ ہو جیسے طبیب وڈاکٹر کے معالجات میں۔(تربیت الطالبین،ص۵۹)۔

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ ایک پہاڑی پر بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے دور دور تک ان کی آواز جاتی تھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنی اخیر حیات تک ذکر جہری کرتے تھے حجرے کا کواڑ بند کر دیتے تھے کوئی شخص باہر دروازہ پر ہوتا تو اس کو آواز سنائی دیتی تھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جب تک صاحبِ فراش نہیں ہوئے تھے اس وقت تک ذکر جہری کرتے تھے، ذکر جہری سری انفرادی اجتماعی سب جائز ہے۔(سلوک واحسان ارشادات فقیہ الامت،ص۳۴۳،مرتب مولانا مفتی فاروق صاحب)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات میں تذکرۃ الرشید میں مذکور ہے: آخر خود ہی اٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے ایک گوشہ میں آنخضرت یعنی حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشہ میں آپ جاکر کھڑے ہوئے بنیت تہجد نوافل ادا کی اور ذکر نفی واثبات بالجہر شروع کر دیا، پھر فرماتے ہیں آخر کار میں نے ذکر بالجہر شروع کیا گلا اچھا تھا، بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو اس دن سے جہر بالذکر کے ساتھ مجھے محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔(تذکرۃ الرشید:۴۸،۴۹)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاوی جلد پنجم میں ذکر جہری واجتماعی کے بارے میں ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے اس میں حضرت تحریر فرماتے ہیں: راقم کی رائے ناقص میں قول مجوزین ''جو جہر کو جائز سمجھتے ہیں'' صحیح اور ان میں مفصلین ''یعنی جو موقع کے لحاظ سے بعض مواقع میں جہر کو افضل کہتے ہیں اور بعض مواقع میں خفی کو بہتر کہتے ہیں'' راجح معلوم ہوتا ہے، کہ سب آیات واحادیث واقوال علماء کے جمع ہو جاتے ہیں''

ان خير الأمور أعدلها'' پس بعد ثبوتِ مشروعیتِ جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے،اس کے بعد بعض عربی عبارات نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا پس ثابت ہوا کہ ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہ کریں یہی ارجح واصح ہے۔(امدادالفتاوی:۵/۱۵۱تا۱۵۴).

نیز حضرت کے نزدیک یہ ذکر جہری اجتماعی مسجد میں بھی جائز ہے کیونکہ اسی فتویٰ میں حضرت نے مجوزین کے دلائل میں نقل فرمایا:قال الله تعالیٰ : ﴿ ومن أظلم ممن منع مسجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے، (امدادالفتاوی:۵/۱۵۲).

حاصل یہ ہے کہ جب مسجد میں ذکر جہری جائز ہے اور حضرت کے یہاں ذکر جہری اجتماعی انفرادی حلقہ اور صف میں ہر طرح جائز ہے تو مسجد میں ذکر جہری اجتماعی لامحالہ جائز ہوا۔

حضرت مولانا شیخ محمد یونس شیخ الحدیث مظاہرالعلوم سہارنپور جو علم حدیث و دیگر علوم میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں، وہ الیواقیت الغالیۃ میں تحریر فرماتے ہیں: اجتماعی ذکر میں صورتِ اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق پیدا ہونا مقصود ہے اور مزید یہ ہے کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلب مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ طبیعت لگ جاوے،اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں معین ہے پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نکیر ممکن ہے کسی خاص امر کی بنا پر ہو،مثلاً وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہو۔(اليواقيت الغالية:۲/ ٤١٨).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں حلقہ ذکر پر نکیر وارد ہے ایک موقوف روایت ہے جو مرفوع روایت کے مقابلہ میں مرجوح ہے،مثلاً ایک حدیث لکھ لیتا ہوں۔

لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفت هم الملائكة وغشيت هم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكر الله فيمن عنده. (رواه مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مضطرب ہے،دارمی کی روایت میں نماز فجر سے پہلے کا واقعہ ہے اور طبرانی کی

معجم کبیر میں مغرب سے عشاء تک کا واقعہ ہے دارمی کی روایت میں مسجد کا واقعہ اور مصنف عبد الرزاق میں الی البریۃ صحراء کا ذکر ہے، دارمی کی روایت میں ہے کہ ایک شخص پڑھتا ہے اور دوسرے اس کی اتباع میں پڑھتے تھے، اور طبرانی کی روایت میں کہ سب ایک ساتھ پڑھ رہے تھے بعض روایات میں ہے کہ ان کو نکال دیا کما فی الطبرانی اور دوسری روایت میں ہے کہ دو جماعتوں کو ایک بنادیا یہ سب اضطرابات حدیث کے ضعف کے دلائل ہیں، نیز دارمی کے علاوہ تمام طرق ضعیف ہیں، باقی رہی دارمی کی سند تو اس میں عمرو بن یحی ہے اگرچہ ابن معین نے ابتداً میں اس کی توثیق کی لیکن بعد میں جب دیکھ لیا تو تضعیف فرمائی اور کہا" ليس حديثه بشيء، قد رأيته ، وقال مرة:لم يكن يرضى "اگرچہ ابن معین کبھی کبھی "ليس بشيء، قليل الحديث" کو کہتے ہیں: "كما في الرفع والتكميل ،ص ١٥٣ ، وقواعد في علوم الحديث ،ص ٢٦٣ ، وتعليق الرفع والتكميل ،ص ٢١٥ ، و مقدمة التحقيق لسنن ابن ماجة للدكتور بشار عواد" لیکن یہاں لیس بمرضی کے الفاظ ہیں نیز جب راوی پر جرح وتعدیل دونوں مذکور ہو اور تقدیم وتاخیر معلوم نہ ہو تو وہ روایت مقبول نہیں بلکہ اس میں توقف کیا جائے، حوالوں کی تفصیل ہماری کتاب۔"ذکر جہری واجتماعی شریعت کے آئینہ" از ص ۱۲۵ تا ۱۳۱، میں ملاحظہ کیجئے۔

بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہر بالذکر منصوص جگہوں کے علاوہ بدعت ہے، لیکن شامیؒ نے شرح المنیۃ الصغیر سے نقل فرمایا کہ اختلاف افضلیت میں ہے۔

وفي شرح المنية الصغير: ويوم الفطر لايجهر به عنده وعندهما يجهر وهو رواية عنه والخلاف في الأفضلية أما الكراهة فمنتفية عن الطرفين. (شامی:۲/ ۱۷۰،سعید).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قال الحلبي: والذي ينبغي أن يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه لا في كراهية وعدمها فعندهما يستحب وعنده الإخفاء أفضل وذلك لأن الجهرقد نقل عن كثير من السلف كابن عمر رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه وأبي أمامة الباهلي رضي الله عنه والنخعيؒ وابن جبيرؒ وعمربن عبدالعزيزؒ وأبي ليلىؒ وأبان بن عثمانؒ والحكمؒ وحمادؒ ومالكؒ وأحمدؒ وأبوثورؒ ومثله عن الشافعيؒ ذكره ابن المنذرؒ في الاشراف. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص ٥٣١ ـوشرح منية

المصلی، الکبیر، ص ۵۶۷، سہیل).

اور جو حضرات جہر کو افضل کہتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ اس میں مزہ آتا ہے اور دل لگتا ہے اور دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اس کی افضلیت دوسری وجوہات کی وجہ سے ہے، ورنہ فی نفسہ اکثر حضرات کے ہاں ذکر سری بہتر ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں وعظ کے لیے کرسی پر بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ یا ویسے ہی کرسی پر بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد میں وعظ کے لیے یا ویسے ہی کرسی پر بیٹھنا فی نفسہ جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

و عن أبي سعيد ﷺ قال: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم خشبة يقوم إليها فجاءه رجل فأمره أن يجعل له كرسياً، فقام النبي صلى الله عليه وسلم يخطب عليه... رواه البزار من رواية محمد بن أبي ليلى عن عطية و كلاهما مختلف في الاحتجاج به. (مجمع الزوائد: ۲/ ۱۸۱).

یہ روایت ضعیف ہے اور کرسی سے منبر مراد ہے کیونکہ عام صحیح روایات میں منبر کا ذکر ہے۔ ہاں جواز کی حد تک کرسی کو منبر پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

قال أبو رفاعة ﷺ انتهيت إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يخطب ...فأقبل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبته حتى انتهى إليّ فأتي بكرسي حسبت قوائمه حديداً قال: فقعد عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وجعل يعلمني مما علمه الله. (مسلم شریف: ۱/ ۲۸۷).

قال القاضي عياض: وفيه جواز الجلوس على الكراسي ولاسيما في مثل ذلك ...

وارتفع علی الکرسي لیسمع کلامه غیره ویشاهدوا محاورته إیاه. (اکمال المعلم:۳/۲۸۱).

مزید ملاحظہ ہو: (دلائل النبوۃ:۲/۵۶۳، وجامع الاحادیث ۲۰/۲۳۱۔ومسنداحمد:۱/۵۳۳).

بخاری شریف کی روایت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کرسی پر بیٹھنا ثابت ہے۔

...فرفعت بصري فإذا الملک الذي جاء ني بحراء جالس علی کرسي بین السماء والأرض. (رواہ البخاری:۱/۳).

قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں کرسی کا ذکر موجود ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولقد فتنا سلیمان وألقینا علی کرسیه جسداً ثم أناب﴾. (سورۃ صٓ:۳٤).

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کرسی کا استعمال کرنا ثابت ہے۔

دلائل النبوۃ میں ہے:

عن زید بن صوحان أن رجلین من أهل الکوفة کانا صدیقین لزید بن صوحان أتیاه...فأقبلا معه حتی لقوا سلمان رضی اللہ عنہ...وإذا هو علی کرسي قاعد...فقال له زید...ان هذین لي صدیقان ...وقد أحبا أن یسمعا حدیثک... (دلائل النبوۃ:۲/۸۲).

نسائی شریف میں ہے:

عن علي رضی اللہ عنہ أنه أتی بکرسي فقعد علیه ثم دعا بتور فیه ماء ... (نسائی:۱/۲۷).

جب وضو کے لیے کرسی پر بیٹھنا ثابت ہوا تو وعظ کے لیے بھی جائز ہوگا اور کھانے کے لیے بھی جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ویجوز...والجلوس علی الکرسي المفضض ...إذا کان یتقي موضع الفضة ...وقال أبویوسفؒ یکره ذلک. (الهدایة:٤/٤٥٣).

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا فی نفسہ جائز ہے۔(کفایت المفتی:۹/۷۲، وفتاویٰ محمودیہ:۱۵/۲۷۹،فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب......(۳)
ما یتعلق
بالمدارس

باب ……(۳)

احکام مدارس کا بیان

ایک مدرسہ کی مد کی رقم دوسری مد میں خرچ کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی مدرسہ میں ایک مد میں رقم آئی تو اس کو دوسری مد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً کوئی رقم کتابوں کی مد میں آئی ہو تو اس کو تعمیر کی مد میں یا بالعکس خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ دونوں مد صدقہ نافلہ کی ہوں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مدرسہ کی ایک مد کی رقم دوسری مد میں خرچ کرنا صحیح اور درست نہیں، اس لیے کہ مؤکل کی وکالت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اس پر عمل پیرا ہونا لازم ہے، لہذا جب آدمی نے کتابوں کے لیے رقم دی تو اس کو دوسری مد میں خرچ کرنا درست نہیں۔

فتاوی شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره، كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (فتاوى الشامي: ۲/ ۲٦٦، سعيد).

مدرسہ میں جب کسی نے ایک رقم ایک مد میں دی تو چونکہ مہتمم مدرسہ معطی کا وکیل ہے اور مؤکل نے جس

مد میں خرچ کرنے کے لیے کہا ہے، اس میں وکیل کو خرچ کرنا ضروری ہے تو جب اس نے کتابوں کی مد میں رقم دی تو اس کو تعمیر میں خرچ کرنا خیانت اور وعدہ خلافی ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس جگہ خرچ کرنے کے لیے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے اگر دوسری جگہ خرچ کردیا تو ضمان لازم ہوگا اس لیے کہ متولی امین اور وکیل ہے معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کو حق نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۵/۴۷۴، فاروقیہ۔ امداد الفتاوی: ۳/۳۱۵، ۳۱۶)۔

نیز مرقوم ہے چندہ دینے والوں کو اگر یہ منظور ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۵/۴۷۴، فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ایک مدرسہ کا چندہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنے کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے ایک مدرسہ کے لیے کسی سے چندہ لیا اب دوسرا مدرسہ حاجتمند ہے تو وہ چندہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ خیال رہے کہ رسید نہیں کٹی۔

الجواب: اگر چندہ کرنے والے نے چندہ کرتے وقت صراحۃً یہ بتلا دیا کہ فلاں مدرسہ کے لیے چندہ کرتا ہوں تو پھر جب تک اس مدرسہ کو چندہ کی ضرورت ہے یا قریبی زمانہ میں ضرورت ہوگی اس وقت تک دوسرے مدرسہ میں دینا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر اس مدرسہ کو نہ فی الحال رقم کی ضرورت ہے اور نہ آئندہ قریبی زمانہ میں ضرورت ہوگی اور دوسرا مدرسہ سخت حاجتمند ہے تو بایں صورت بعض فقہاء نے دوسرے مدرسہ میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ احوط طریقہ یہ ہے کہ معطی کے ساتھ رابطہ ہوسکتا ہے تو اس سے اجازت حاصل کرلے پھر دوسرے مدرسہ میں خرچ کرے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس جگہ خرچ کرنے کے لیے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے اگر دوسری جگہ خرچ کردیا تو ضمان لازم ہوگا اس لیے کہ متولی امین اور وکیل ہے معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کو حق

نہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۱۵/۴۷۴،فاروقیہ)۔

نیز مرقوم ہے چندہ دینے والوں کو اگر یہ منظور ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۱۵/۴۷۴،فاروقیہ)۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

جن لوگوں نے اپنی جائداد یا روپیہ نقد مسجد کو دیا ہے اگر وقف کے وقت انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ جو روپیہ مسجد کے خرچ سے زائد ہو وہ کسی اسلامی مدرسہ میں یا اور کسی مصرفِ خیر میں صرف کیا جائے تب تو یہ زائد روپیہ مدرسہ پر صرف ہوسکتا ہے خواہ اس وقت وقف کرنے والے اس پر آمادہ بھی نہ ہوں یا اگر وقف کرنے والوں نے بوقتِ وقف یہ شرط کرلی ہو کہ ہمیں اس جائداد اور روپیہ میں مصرف بدلنے کا اختیار حاصل رہے گا تب بھی واقفین اپنے اختیار سے دوسری جگہ خواہ مدرسہ میں یا کسی اور جگہ صرف کرسکتے ہیں، اور اگر بوقت وقف ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں کی گئی تو پھر مسجد کا فاضل روپیہ کسی مدرسہ پر خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ کوئی دوسری مسجد اگر محتاج چندہ ہو اس میں بوجہ شدتِ ضرورت جواز کا فتویٰ علی رأی المتأخرین دیا جاسکتا ہے وہ اس وقت کہ جس مسجد کا روپیہ ہے اس کو نہ اس وقت حاجت ہو اور نہ آئندہ ایسی حاجت بنظر ظاہر مظنون ہو اور روپیہ جو فاضل جمع ہیں اس کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو۔ (امداد المفتین:۲/۷۶۸،دارالشاعت)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

اساتذۂ مدرسہ کا شرائطِ مدرسہ کے خلاف کرنے کا حکم:

سوال: بعض متولی حضرات نے دو اساتذہ کا اپنے مدرسہ میں تقرر کیا اور شرط لگائی کہ صرف دوپہر میں ہمارے مدرسہ میں پڑھائیں گے اور صبح میں کوئی کام نہیں کریں گے، تاکہ دوپہر کے وقت پوری توجہ سے پڑھاسکیں، اور ان اساتذہ نے شرط منظور کرلی اس پر متولی حضرات نے ان کی تنخواہ میں ۳۵٪ اضافہ کردیا اس کے بعد وہ اساتذہ بوقت صبح کسی اور جگہ پڑھاتے ہیں، آیا ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شرائط مدرسہ منظور کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا ناجائز ہے حتی

الامکان شرائط مدرسہ کی پابندی کرنی چاہئے اس لیے دونوں اساتذہ خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے مجرم ٹھہرے اب متولی حضرات کو حق ہے کہ ان کو بوقت صبح پڑھانے سے روکدے یا تنخواہ میں کمی کردے، ہاں اگر دوپہر کے وقت پڑھانے میں کوئی کوتاہی وغیرہ نہیں ہوتی بڑی دلچسپی اور جانفشانی کیساتھ تعلیم میں توجہ دیتے ہیں تو پھر متولی حضرات کو بوقت صبح پڑھانے کی اجازت دینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود**﴾. (سورة المائدة، الآية: ١).

اے ایمان والوں وعدوں کو پورا کرو۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ مجاہد ابن جریج ابوعبیدہ اور متعدد لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عقود سے مراد عہود یعنی معاہدات اور وعدے ہیں، ظاہر ہے کہ جائز شرطیں بھی عہد کے قبیل سے ہیں، خود جصاص نے آگے چل کر لکھا ہے کہ۔ **وكذلك كل شرط شرطه إنسان على نفسه في شيء يعمله في المستقبل فهو عقد.**

مستقبل میں کیے جانے والے افعال کی بابت اپنے آپ پر انسان جو بھی شرط عائد کرلے وہ عقد ہے پھر آگے اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ اس آیت کا تقاضہ کیا ہے فرماتے ہیں:

وهو عموم في إيجاب الوفاء بجميع مايشترط الإنسان على نفسه مالم تقم دلالة تخصصه . انسان اپنے آپ پر جو شرطیں عائد کرلے یہ آیت ان تمام کی بابت ایفاء اور تکمیل کو واجب قرار دیتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضہ کرتی ہو۔

اسی طرح کا مضمون قرآن مجید نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ و أوفوا بالعهد. اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

مفسر قرطبیؒ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: **لفظ عام لجميع ما يعقد باللسان ويلتزمه الإنسان من بيع أو صلة أو مواثقة في أمر موافق للديانة** . عقد ان تمام باتوں کو عام ہے جو زبان سے طے کی جائیں اور جسے انسان اپنے اوپر لازم کرلے خرید و فروخت ہو یا صلہ رحمی یا کسی بھی ایسے معاملہ میں معاہدہ ہو جو دین کے موافق ہو۔ (مستفاد از جدید فقہی مسائل: ۳/۳۷).

نیز شرط قبول کرنے کی وجہ سے اساتذہ اجیر خاص ہیں اور اجیر خاص کے لیے دوسری جگہ کام کرنا درست نہیں۔

درمختار میں ہے:

والثاني وهو الأجير الخاص ويسمى أجير وحد وهو يعمل لواحد عملاً موقتاً بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة وإن لم يعمل كمن استوجر شهراً للخدمة أو شهراً لرعي الغنم المسمى بأجر مسمى، بخلاف ما لو آجر المدة بأن استاجره للرعي شهراً حيث يكون مشتركاً إلا إذا شرط أن لايخدم غيره ولايرعى لغيره فيكون خاصاً وتحقيقه في الدرر: وليس للخاص أن يعمل لغيره ولوعمل نقص من أجرته بقدر ما عمل. (قوله وتحقيقه في الدرر) ونصه اعلم أن الأجير للخدمة أولرعي الغنم إنما يكون أجيراً خاصاً إذا شرط عليه إلا يخدم غيره أولايرعى لغيره أوذكر المدة أولا. (قوله وليس للخاص أن يعمل لغيره) بل ولا أن يصلي النافلة . (الدر المختار مع الشامي: ٦/٦٩، ٧٠).

واللہ ﷻ اعلم۔

مدرسہ کے لیے مکان وقف کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین میں برائے وقف مکان بنایا اور یہ شرط لگائی کہ میرے بعد یہ مکان برائے مدرسہ وقف ہے فلاں استاذ اس میں رہیگا، اب اگر اس مکان میں کوئی اور استاذ رہے تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور واقف کو شرعاً اعتراض کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسؤلہ بنگاہِ شریعت واقف کی شرائط کا اعتبار کیا جائیگا، لہذا جس استاذ کے متعلق واقف نے تصریح کی ہے اسی استاذ کو مکان میں ٹھہرانا ضروری ہے اور اگر کسی دوسرے استاذ کو اس مکان میں ٹھہرایا تو واقف اس پر اعتراض کرسکتا ہے، ہاں اگر واقف نے بعد میں عام اجازت دیدی ہو تو پھر دوسرے کو ٹھہرانا بھی جائز اور درست ہے۔

قانون العدل والانصاف میں ہے:

کل شرط لایخل بحکم الوقف ولایوجب فساده فهوجائز معتبر... شرط الواقف المعتبر کنص الشارع فی الفهم والدلالة ووجوب العمل به . (قانون العدل والانصاف،۷۴ـ۷۵،الفصل الاول فی الشرط علی العموم).

وفی الدرالمختار: شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به فیجب علیه خدمة وظیفته أوترکها لمن یعمل وإلا أثم لا سیما فیما یلزم بترکها تعطیل الکل، وفی الشامیة: وبه صرح فی الخیریة أیضاً أی فإذا قال وقفت علی أولادی الذکور یصرف إلی الذکورمنهم بحکم المنطوق .(الدرالمختارمع فتاوی الشامی:۴/۴۳۳،سعید).

فتاوی شامی میں ہے:

شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهومالک فله أی یجعله ماله حیث شاء مالم یکن معصیة وله أن یخص صنفاً من الفقراء . (فتاوی الشامی:۴/۳۴۳).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

واقف کی شرائط کی حیثیت نص جلی کی ہے اس لیے وقف سے استفادہ اوروقف کے انتظامات واقف کی شرطوں کے مطابق انجام پائیں گے۔(مجموعہ قوانین اسلامی۔ص۳۵۴). واللہ ﷻ اعلم۔

بعد تکمیل وقف شرط لگانے کا حکم:

سوال: اگرواقف نے وقف کرتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی بعد میں اس نے زبانی کہا کہ موقوفہ مکان میں فلاں استاذ صاحب رہیں گے،تو یہ شرط لازم ہوگی یانہیں؟یامشورہ کے درجہ میں ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ واقف کابعد میں شرط لگانا مشورہ کے درجہ میں ہے جس پرعمل پیرا ہونا اربابِ مدرسہ پرلازم اورضروری نہیں ہے، واقف کوتبدیلِ شرائط کا اختیاراسی وقت ہوتا ہے جب اس نے اپنے لیے شرائط نامہ وقف میں اختیار باقی رکھا ہوورنہ تبدیلی واضافہ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

قال في الدرالمختار: ولكن يجوز الرجوع عن الموقوف عليه المشروط ...وفي الشامية: وفي الإسعاف لا يجوزله أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد، وفيه لوشرط في وقفه أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته أوينقص من وظيفته من يرى نقصانه أويدخل معهم من يرى إدخاله أويخرج من يرى إخراجه جاز ثم إذا فعل ذلک ليس له أن يغيره لأن شرطه وقع على فعل يراه فإذا رآه وأمضاه فقد انتهى مارآه، وفي الفتاوى الشيخ قاسم وماكان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولاتخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم. (الدرالمختار مع الشامي:٤/٤٥٩،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

وإذا قال أرضي صدقة موقوفة للّٰه تعالىٰ أبداً على أن أضع غلتهاحيث شئت جاز وله أن يضع غلتها حيث شاء فإن وضع في المساكين أوفي الحج أوفي إنسان بعينه فليس له أن يرجع عنه . (الفتاوى الهندية:٢/٤٠٢).

قانون العدل والانصاف میں ہے:

إذاكان الوقف مرسلاً لم يشترط الواقف فيه الاستبدال لنفسه ولا لغيره فليس له بيعه واستبداله. (قانون العدل،٩٨،مادة ١٣٣). واللہ ﷻ اعلم۔

موقوفہ زمین پر تعمیر مکان کا حکم:

سوال: اگر زمین مدرسہ کی ہے اور کسی شخص نے بنیت وقف مکان بنایا تو یہ مکان وقف ہوگا یا نہیں؟ اگر واقف بعد میں کسی استاذ کو اس مکان میں ٹھہرانا چاہے تو واقف اولیٰ ہوگا یا مدرسہ کے ذمہ دار زیادہ حقدار ہوں گے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب زمین مدرسہ کی ہے تو مکان زمین کا تابع ہوا اور اس میں مدرسہ کے متولی کی بات چلیگی ،عمارت کے واقف کی بات نہیں چلیگی۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وفي المجتبى لايجوز وقف البناء بدون الأصل هو المختار وفي الفتاوى السراجية : سئل هل يجوز وقف البناء والغرس دون الأرض؟ أجاب، الفتوىٰ على صحة ذلك، وظاهره أنه لافرق بين أن يكون الأرض ملكاً أو وقفاً...قال في الظهيرية : ... وإن كانت (الشجرة) في أرض موقوفة فوقفها على تلك الجهة جاز كما في البناء .(البحر الرائق:٥/٢٠٤).

معین الحکام میں ہے:

وإذا كان أصل القرية وقفاً على جهة قرية فبنى عليها رجل بناء ووقف بنائها على جهة قرية أخرى اختلفوا فيه فأما إذا وقف البناء على جهة القرية التي كانت البقعة وقفاً عليها فيجوز بالإجماع ويصير وقفاً تبعاً للقرية هذا هو الذي استقر عليه فتاوى أئمة خوارزم.

(معين الحكام مع لسان الحكام: ٢٩٤، الفصل العاشر في الوقف).

امداد الفتاوی میں ایک سوال کے جواب فرماتے ہیں: سوال کا عنوان یہ ہے ’’وقف شدن بنا تبعاً للارض وتابع شدنش در جمیع احکام‘‘

صورتِ مسئولہ میں یہ سب مکانات وقف ہو گئے البتہ اگر ان کا استثناء ہوتا تو وقف نہ ہوتے لیکن اب وقف ہونے میں کوئی اور جب تبعاً للارض وقف ہیں تو شرائط مصارف میں بھی ارض کے تابع ہیں مثلاً ارض موقوفہ کے منافع اگر کسی مدرسہ یا مسجد یا مساکین وغیرہم کے متعلق ہوں تو ان مکانات کو بھی کرایہ پر دیکر ان کی آمدنی ان ہی مصارف میں صرف کی جاوے گی۔(امداد الفتاوی:۲/۶۰۷).

معلوم ہوا کہ مدرسہ کی موقوفہ زمین اربابِ مدرسہ کی تحویل میں ہے اس میں ان کی مرضی چلتی ہے، لہذا موقوفہ مکان میں بھی ان کی مرضی چلیگی، اس وجہ سے مکان اربابِ مدرسہ کی تحویل میں دیدیا جائے، کیونکہ مکان زمین کے تابع ہے بایں وجہ واقف کی یہ شرط معتبر نہیں ہوگی کہ اس مکان میں فلان آدمی رہیگا، چنانچہ اگر زمین مدرسہ کے طلبہ کے لیے وقف ہو اور اس میں کوئی درخت لگا کر مسافریں کے لیے وقف کردے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

وقتی ضرورت ختم ہونے پر واپسی کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے لڑکیوں کے مدرسہ کے لیے ایک زمین وقف کی، پھر اس مدرسہ کے راستے کی ضروت کی وجہ سے اور ایک پلاٹ دیدیا بعد میں معلوم ہوا کہ مدرسہ کے لیے وہ دوسرا پلاٹ ضروری نہیں، یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ دوسرا پلاٹ ''جس کا نمبر اور حدود الگ تھی'' وقف ہوگیا یا نہیں؟ اور اب اس کو واپس کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے اگر پلاٹ مدرسہ کو سپرد کر کے دیدیا اور یہ الفاظ کہے کہ میں نے یہ پلاٹ مدرسہ کو دیدیا تو مدرسہ کی تملیک ہوگئی اب اس کو واپس نہیں لے سکتا: **ولو قال: وهبت داري لمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم كما لو قال: وقفت الخ.** (الفتاوی الهندية:۲/۴۶۰، وكذا في الفتاوى التاتارخانية:۵/۸۵۳).

اور اگر اس نے وقف کے الفاظ کہے ہو تو پھر بھی اس پلاٹ کو واپس نہیں لے سکتا۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وجعله أبو يوسفؒ كالإعتاق فلذلك لم يشترط القبض والإفراز أي فيلزم عنده بمجرد القول كالإعتاق بجامع إسقاط الملك. (فتاوى الشامي: ۴/۳۴۹).

والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر، وفي الدرر وصدر الشريعة وبه يفتىٰ وأقره المصنفؒ. (الدر المختار:۴/۳۵۱، كتاب الوقف، سعيد).

ان عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ وقف میں مفتیٰ بہ قول کے موافق متولی کو قبضہ دینا اور وقف کی زمین کو علیحدہ کرنا ضروری نہیں، وقف مکمل ہونے کے بعد اس کو قیمۃً بیچنا تو بالکل ممنوع ہے، ہاں زمین کو زمین سے تبدیل کرنے کی گنجائش بعض صورتوں میں نکلتی ہے، صورتِ مسئولہ میں گنجائش والی صورت نہیں پائی جاتی۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه:ـــ الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أولغيره

أولنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائزعلى الصحيح، وقيل اتفاقاً. والثاني: أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أوسكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً أولايفي مؤنته فهو أيضاً جائزعلى الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. والثالث: أن لايشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خيرمنه ريعاً ونفعاً وهذا لايجوزاستبداله على الأصح المختار. (فتاوى الشامي:٤/٣٨٤،سعيد).

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ وقف کو تبدیل کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) واقف پہلے سے اپنے لیے یا کسی اور کے لیے یہ شرط لگادے کہ اس کو فلان وقف کی تبدیلی کا اختیار ہوگا۔

(۲) یا وقف بالکل بیکار ہوگیا جس سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، یا وہ اپنا خرچہ بھی پورا نہیں کرسکتا، تو وہ قاضی کے حکم سے تبدیل ہوسکتا ہے۔

(۳) تبدیلی کی شرط تو نہیں لگائی لیکن اس کا بدل اس سے بہتر ہے، یعنی بدل کا فائدہ زیادہ ہے تو اس صورت میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس وقف شدہ پلاٹ کو واپس کرنا یا تبدیل کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ بدستور مدرسہ کی ملکیت میں رہیگا۔

یاد رہے کہ وقتی ضرورت ختم ہونے سے وقف ختم نہیں ہوتا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مدرسہ کی زمین کو دوسرے کام میں استعمال کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے زمین مدرسہ کے لیے وقف کردی تو اس کے ایک حصہ پر مسجد یا قبرستان بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: زمین موقوفہ برائے مدرسہ میں واقف کی نیت پہلے ہی سے تعمیر مسجد کی ہوتی ہے، کیونکہ مدرسہ میں عام طور پر مسجد ہوتی ہے، بلکہ مسجد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، لہذا مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں قبرستان بنانا ہو تو اس میں علماء کے تین اقوال ہیں: (۱) عدم جواز (۲) جواز (۳) جواز بصورتِ کرایہ یعنی قبرستان

کی طرف سے مدرسہ کو کچھ ماہانہ کرایہ دیدیا جائے، اور یہ صورت بہتر ہے۔

جدید فقہی مباحث جلد ۱۲ میں یہ مسئلہ بعنوان ''مسجد یا قبرستان کی زائد اراضی میں درسگاہ کا قیام'' بالتفصیل مذکور ہے۔ مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے:

اس مسئلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں: عدم جواز، جواز، جواز بصورتِ کرایہ یعنی مدرسہ پر کچھ کرایہ لازم کیا جائے اور اس کو مسجد کی ضروریات میں صرف کرلے۔ (قائلین جواز نے بھی کرایہ والی صورت کو بہتر قرار دیا ہے)۔

قائلین عدم جواز کے دلائل ملاحظہ ہو:

(۱) **شرط الواقف كنص الشارع**. (شامی).

(۲) **الصرف هو إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام ونحوه إنما هو فيما إذا لم يكن الوقف معيناً على جماعة معلومين كالمسجد والمدرسة**. (شامی).

(۳) **وظاهره أنه لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقي يصرف وقفها لأقرب مجانس لها**. (شامی)۔ مزید ملاحظہ ہو: (عالمکیری: ۲/۳٦٤).

قائلین جواز کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) **لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين ...فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين**. (عمدة القاری: ۳/٤۳٥، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، ملتان).

معارف السنن میں ہے:

قال الراقم: ومما تبين لي بعد فحص وبحث كثير أنه إذا اجتمعت أموال كثيرة تزيد على إعادة بناء المسجد إن احتيج إليه فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف. (معارف السنن: ۳/۳۰۱).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ :۲/۱۸۷، وامداد الفتاوی:۲/۵۷۹، واحسن الفتاوی:۶/۴۰۹، وکفایت المفتی:۷/۱۰۰).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ليس للقيم أن يسكن فيها أحد بغير أجر. (الفتاوى التاتارخانية:٥/٧٤٩).

مزید دیکھو: (جدید فقہی مباحث: ج۱۲، وفتاوی محمودیہ:۱۷/۲۳۱، و۱۸/۲۲۰). واللہ ﷻ اعلم۔

مدارس میں سالانہ جلسہ کرنے کا حکم:

سوال: مدارس یا مکاتب میں سالانہ جلسہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں طلبہ کو انعام وغیرہ دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مدارس یا مکاتب میں سالانہ جلسہ کرنا جائز ہے، لیکن یہ شرط ہے کہ اس میں خلافِ شریعت افعال نہ ہو، اور عورتوں مردوں کا اختلاط نہ ہو، اور بالغ لڑکیاں یا مراہق لڑکیاں مردوں کے سامنے نظمیں وغیرہ نہ پڑھیں، اگر حدودِ شریعت کی رعایت کی جائے تو یہ سلسلہ مفید ہے اس کی وجہ سے بچوں میں شوق پیدا ہوتا ہے اور ان کے والدین میں بچوں کو دین کی طرف لانے کی رغبت ہوتی ہے، اور بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، مدارس کے سالانہ جلسوں کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے، جو آج تک ہمارے مدارس میں ہوتے رہتے ہیں، نیز ختم بخاری شریف وغیرہ بھی مدارس میں لوگوں کو دین کے قریب لانے کے لیے ہوتا ہے، الغرض اس مجلس میں لوگوں کے کانوں میں بچوں کی حسن کارکردگی کے علاوہ دین کی باتیں بھی پڑ جائیں گی۔

(۲) اگر بچوں کو انعام میں کوئی ایسی چیز نہ دی جائے جو باتصویر ہو یعنی اس میں ذی روح کی تصویر نہ ہو تو انعام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مطبخِ مدرسہ سے کھانا لے جانے کا حکم:

سوال: (الف) ایک طالب علم نے مطبخ میں کھانا کھالیا اس کے باوجود روٹی کمرے میں لے گیا یہ

درست ہے یا نہیں؟ (باء) مطبخ میں کھانا نہ کھائے تو روٹی کمرے میں لے جانا درست ہے یا نہیں؟
(ج) مطبخ سے مکھن وغیرہ کمرے میں لانا درست ہے؟ جب کہ کمرے میں کھانے والوں میں بعض وہ ہیں جنہوں نے مطبخ میں ناشتہ نہیں کیا اور بعض نے کیا ہے۔

الجواب: ان تمام کا تعلق امورِ انتظامیہ کے ساتھ ہے اور مدرسہ کا نظام یہ ہے کہ طلبہ ایک ساتھ بیٹھ کر مطبخ میں کھانا کھالیں اور عام طور پر دفتر اہتمام کی طرف سے کمروں میں لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی، ہاں اگر بیمار ہے یا کوئی اور عذر ہے تو دفتر اہتمام سے پرچی حاصل کر کے کمرے میں کھانا لا سکتے ہیں، لیکن اگر پرچی لینا مشکل ہے مثلاً دفتر بند ہے یا کوئی اور عذر ہے تو مطبخ کے ذمہ دار حضرات کی اجازت سے لے جا سکتے ہیں، نیز اگر کسی طالب علم نے کھانا نہیں کھایا اور مطبخ والوں کی اجازت سے صرف بریڈ اپنے حصہ کے بقدر لے لی جائے تو گنجائش ہے۔ بہر حال حتی الامکان قوانینِ مدرسہ کی پابندی ہر طالبِ علم کے لیے بے حد ضروری ہے کیونکہ قوانین پر دستخط کر کے خود اس نے عہد و پیمان لیا ہے، اور عہد و پیمان و شروط کی رعایت احادیثِ طیبہ سے ثابت ہے بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**المسلمون عند شروطهم**" نیز عملی لائن میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر پابندی فرمائی اور صحابہ ﷺ کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مدارس میں گھنٹی بجانے کا حکم:

سوال: مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کے لیے گھنٹوں کی تبدیلی اور ابتدائے وقت و انتہاء کے لیے گھنٹی بجانا درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ بفحوائے حدیث یہ جائز نہیں ہے؟

الجواب: بغرضِ صحیح گھنٹی کا استعمال جائز اور درست ہے، چنانچہ مدارسِ دینیہ اسلامیہ میں طلبہ کے اوقات اور گھنٹوں کی تبدیلی اور دیگر امور کے لیے بجانا غرضِ صحیح میں داخل ہے۔ جیسے آلہ مکبر الصوت مساجد وغیرہ میں محض آواز پہنچانے کی خاطر برابر استعمال ہوتا ہے۔

اورحدیث میں ممانعت آئی ہے، علماء نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة ﷺ قال: إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لاتصحب الملائكة رفقة فيها كلب ولاجرس. وفي رواية له عن أبي هريرة ﷺ أن رسول اللّٰـه صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (رواهمامسلم:۲/۲۰۲).

مفتی محمد تقی صاحب فرماتے ہیں:

وقال شيخ مشايخنا السهارنبوریؒ فی بذل المجهود: (۵۳/۱۲) "وهذا (أی كراهة الكلب والجرس) إذا خليا عن المنفعة وأما ما احتيج إليه منهما فمرخص فيه" والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن الكراهة المذكورة فی الحديث إنما تنصرف إلى كلب وجرس قصد منهما اللهو والغنا كماكان يعتاده بعض أهل القوافل ويدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام فی الرواية الآتية "الجرس مزاميرالشيطان " أماالكلب إذا كان للحراسة والتحرز من اللصوص فهومرخص فيه ككلب زرع وماشية وكذلک الجرس إذاكان لمقصود مباح فلا بأس به. (تكملة فتح الملهم:۱۷۹/٤).

عالمگیری میں ہے:

اختلف العلماء في كراهة تعليق الجرس على الدواب فمنهم من قال بكراهته فی الأسفاركلها الغزو وغيره في ذلک سواء...قال محمدؒ: فأما ماكان فيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به، قال وفی الجرس منافع جمة منها: إذا ضل واحد من القافلة يلحق بها بصوت الجرس ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره ومنها: أن صوت الجرس يزيد في نشاط الدواب فهو نظيرالحداء كذا فی المحيط. (الفتاوی الهندية:۵/۳۵٤).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: تعليق القلادة التي فيها الأجراس، الجلاجل في عنق الفرس،كما تروج في بلادنا هل يجوز؟

الاستبشار: لايجوز.في "مطالب المؤمنين"قال محمدؒ: إذا كان في دار الإسلام منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس بالجرس.

وفى الجرس منافع :

منها: إذا ضل واحد من القافلة يلتحق بصوت الجرس .

ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل .

ومنها: أنه يزيد في نشاط الدواب.كذا فى "متفرقات استحسان المحيط"

وان جعل الأجراس في غير الإبل، والحمار الذى يحمل عليه الأثقال لا أحب أن يفعل ذلک ؛ لمكان النهى.

سئل على بن أحمد عن القلادة التي فيها الأجراس تجعل على عنق الفرس، هل يجوز،كما هو العادة فى بلادنا؟

قال: نعم ؛كذا أجاب أبوحامد .

وسألت والدى عن هذا فقال: لايجوز؛لأنه لامنفعة فيه،كذا فى "اليتيمية".انتهى .

(نفع المفتى والسائل،ص ٩٤١،٩٤٢،بيروت).

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

(قوله مثل صلصلة الجرس) وفي رواية مسلم " في مثل صلصلة الجرس" والصلصلة فى الأصل صوت وقوع الحديد بعضه على بعض، ثم أطلق على كل صوت له طنين، ... والجرس الجلجل الذي يعلق في رؤس الدواب، ...فإن قيل المحمود لايشبه بالمذموم ، إذ حقيقة التشبيه إلحاق ناقص بكامل، والمشبه الوحي وهومحمود، والمشبه به صوت الجرس وهو مذموم لصحة النهي عنه ، والتنفيرمن مرافقة ماهو معلق فيه والإعلام

بـأنـه لاتـصـحـبهـم الـمـلائـكة ،كـما أخرجه مسلم وأبوداؤد وغيرهما، فكيف يشبه مافعله الـمـلـك بأمرتنفر منه الملائكة ؟ والجواب : أنه لايلزم فى التشبيه تساوى المشبه بالمشبه بـه فـى الـصـفـات كـلهـا، بـل ولا فـي أخـص وصف لـه ، بل يكفي اشتراكهما في صفة ما، فـالمقصود هنا بيان الجنس ، فذكرما ألف السامعون سماعه تقريباً لافهامهم ، والحاصل أن الـصـوت لـه جهتـان:جهة قـوـة وجهة طـنـيـن، فـمن حيث القوة وقع التشبيه به، ومن حيث الطرب وقع التنفير عنه وعلل بكونه مزمار الشيطان. (فتح الباری:۱/۲۰).

امداد الفتاوی میں ہے:

سوال: مساجد میں گھنٹہ دار گھڑی لگانا جیسا کہ عموماً رواج ہوتا جاتا ہے، بوجہ عدم نقل سلف وفی الجملہ مشابہت آوازِ جرس کچھ مکروہ نہیں؟

الجواب: خلافِ اولیٰ کہنے کی تو گنجائش ہے لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ وہ جرس ممنوع نہیں بلکہ آلہ مفیدہ معرفت وقت کا ہے فقہاء نے خود طبل سحر کی اجازت لکھی ہے اور مسجد میں ہونا اس لیے مصلحت ہے کہ وہاں معرفت اوقات نماز کی زیادہ حاجت ہے۔(امداد الفتاوی:۲/۷۱۸). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصادر ومراجع

فتاوی دارالعلوم زکریا جلدِ چہارم

القرآن الکریم تنزیل من رب العلمین

الف

إکمال المعلم بفوائدمسلم ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الریاض

اضواء البیان الشیخ محمد امین الشنقیطی

اتحاف الخیرة المهرة العلامه احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری الریاض

اخبارمکة وما جاء فیها من الآثار علامه محمدبن عبدالله الازرقی الثقافة الدینیة

ازالة الخفاء الشاه ولی الله الدهلوی

اکفارالملحدین مولاناانورشاہ کشمیری

اغاثة اللهفان الحافظ ابن القیم الجوزیه

اسلامی عدالت قاضی مجاہدالاسلام

اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی

امداد الفتاح شرح نور الإیضاح العلامة حسن بن علی الشرنبلالی بیروت

آپ کے مسائل اوران کا حل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شهادت ۱۴۲۱ مکتبہ لدھیانوی

الأبواب والتراجم حضرت شیخ محمد زکریاؒ سعید کمپنی

الاختیار لتعلیل المختار عبد الله بن محمود الموصلی بیروت

الاستذکار ابن عبد البر

اسنی المطالب ابو یحیی زکریا الآنصاری بیروت

آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کراچی

إعانة الطالبين ابوبكر عثمان بن محمد التوفيقيةؒ

ابوداود الحافظ سليمان بن اشعث ابو داود السجستانیؒ و ۲۰۲ ت ۲۷۵ كتب خانه مركز علم كراچی

احسن الفتاوی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ایچ ایم سعید کمپنی

احكام الاوقاف امام ابی بكر احمد بن عمرو الشيبانی الخصاف ت ۲۶۱ھ، دار الكتب العلمية بيروت

احكام القرآن ابو بكر محمد بن عبد الله ابن العربی دار الفكر

اوجز المسالک للشيخ الحديث مولانا محمد زكرياؒ مكتبه امداديه ملتان

الاصابة فی تمييز الصحابه الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

امداد الفتاویٰ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دارالعلوم کراچی

الاذكار ابو زكريا محی الدين بن شرف النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۶ دار العربيه بيروت

احياء علوم الدين الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی ت ۵۰۵ دار الفكر

ابن ماجه ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳ قديمی كتب خانه

امدادالاحکام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی و مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی

اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور

اعلاء السنن مولانا ظفر احمد عثمانی التھانویؒ ادارۃ القرآن کراچی

الأشباه و النظائر زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفی ت ۹۷۰ ادارة القرآن كراچی

امداد المفتین حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و ۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶ دارالاشاعت

انجاح الحاجة حاشية ابن ماجه الشيخ عبد الغنی المجددی الدهلوی ۱۲۹۵ قديمی كتب خانه

ارشاد الساری الی مناسک الملا علی القاری حسين بن محمد المكی الحنفی بيروت

ارواء الغليل فی تخريج احاديث بناء السبيل ناصر الدين الالبانی الكمتب الاسلامی

احکام القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

احاديث لاتصح سلمان بن صالح الخراشی

اوزانِ شرعیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اہم فقہی فیصلے مجاہد الاسلام قاسمی ادارۃ القرآن

ایضاح المسائل مفتی شبیر مرادآبادی

ایضاح النوادر مفتی شبیر مرادآبادی

اشعة اللمعات شیخ عبدالحق محدث دھلوی مجددیہ

احکام القرآن ابوبکر جصاص الرازی سهيل

احکام القرآن علامہ ظفر احمد عثمانی ادارة القرآن

استحباب الدعاء بعد الفرائض مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب

الاشفاق على احكام الطلاق العلامة محمد زاهد کوثری م ۱۳۷۱ سعیدایچ ایم

اصول الشاشي نظام الدين الشاشي

آپ بیتی حضرت شیخ مولانا محمد زکریا

اسلامی قانون نکاح وطلاق مولانا یعقوب قاسمی جامعہ علوم القرآن، گجرات

انوارالباری مولانا سید احمد رضا بجنوری

باء

البناية شرح الهداية علامہ بدرالدین عینیؒ فيصل آباد

بخاری ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاریؒ و۱۹۴ ت۲۵۶ فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

البحر المحيط ابوحيان الاندلسي دارالفکر

البحر العميق ابو البقاء محمدبن احمدالمكی م ۸۵۴ بیروت

بذل المجهود الشيخ خليل احمد السهارنفوریؒ ت۱۳۴۶ ندوة العلماء لكهنؤ

البداية و النهاية الحافظ اسماعيل ابن كثير القرشي الدمشقیؒ ت۷۷۴ دار المعرفة

بستان العارفین فقیہ ابواللیث السمرقندی

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بیان القرآن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

بداية المجتهد ابو الوليد محمد بن احمد القرطبی دار نشر الكتب

البجيرمی على الخطيب للشيخ سليمان بن محمد التوفيقية

البحر الرائق للشيخ زين الدين ابن نجيم المصری المكتبة الماجدية

بلوغ المرام للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع علاء الدين أبوبكر بن مسعود الكاسانی ت۵۸۷ سعيد كمپنی

بريقة محمودية فی شرح طريقة المحمدية عبد الغنی بن اسماعيل النابلسی

بوادرالنوادر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ادارہ اسلامیات

بغیة الالمعی فی تخریج الزیلعی الشیخ محمد عوامة

تاء

تیسیرالکریم الرحمن فی تفسیرکلام المنان الشیخ عبدالرحمن بن ناصرالسعدی

تفسیرالکشاف علامہ زمخشریؒ

تفسیر القرطبی محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ دار الکتب العلمیة

تهذیب التهذیب ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الکتب العلمیة بیروت

تحفة الأحوذی ابو العلی محمد بن عبد الرحمن مبارکپوریؒو۱۲۸۳ ت۱۳۵۳ دار الفکر

ترمذی ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذیؒو۲۰۹ ت۲۷۹ فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

التاج والإکلیل لمختصر الخلیل محمدبن یوسف المالکی الغرناطی م۸۹۷ موقع الإسلام

التعلیقات علی الترمذی و ابی داؤد وابن ماجه و صحیح ابن خزیمه ناصر الدین الألبانی المکتب الاسلامی

التعلیق الممجد العلامه عبد الحی اللکنوی بتحقیق الدکتور تقی الدین ندوی دمشق

تهذیب الکمال الحافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزّی و۶۵۴ ت۷۴۲ مؤسسة الرسالة

تقریب التهذیب احمد بن علی بن حجر العسقلانی و۷۷۳ت۸۵۲ دار نشر الکتب الاسلامیة

تحریر تقریب التهذیب الدکتور بشار عواد معروف والشیخ شعیب الرنؤوط موسسة الرسالة بیروت

تحفة الاخیاربترتیب مشکل الآثار الامام الطحاوی

التصحیح والترجیح العلامه قاسم بن قطلوبغا بیروت

التفسیرالمنار السید محمد رشید رضا

تنویر الابصار العلامه شمس الدین محمد بن عبد الله تمرتاشیؒ ۹۳۹ت۱۰۰۴ سعید کمپنی

التفسیر المظهری القاضی محمد ثناء اللهؒ ت۱۲۲۵ بلو چستان بک ڈپو

التمهید ابو عمر یوسف بن عبد الله بن عبد البر النمری و۳۶۸ت۴۶۳ مکتبة المؤید

تفسیرعثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیراحمد عثمانیؒ مدینہ منورۃ

تفسیرحقانی علامہ عبدالحق حقانی

تفسیرالسمرقندی فقیه ابو اللیث السمرقندی

تفسیرابن عطیة ابن عطیة الاندلسی

الترغيب و الترهيب الحافظ ذكى الدين عبد العليم بن عبد القوى المنذرى ت٦٥٦ دار احياء التراث
تكملة فتح الملهم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مكتبة دار العلوم كراچي
التعليقات على نصب الراية للشيخ محمد عوامة المكتبة المكية
التعليقات على ابن ماجه الدكتور بشار عواد معروف دار الجيل بيروت
تنقيح الفتاوى الحامدية السيد محمد امين ابن عابدين الشامى دار الاشاعة العربية
تالیفات رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ ادارہ اسلامیات لاہور
تذكرة الموضاعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن على المقدسى ت٥٠٧ مير محمد كتب خانه كراچي
تبيين الحقائق للعلامه فخر الدين عثمان بن على الزيلعى مكتبه امداديه ملتان
تذكرة الرشيد حضرت مولوی محمد عاشق الہیؒ مكتبه عاشقية
التعليقات على مشكوٰة للشيخ الألبانى المكتبة الاسلامى
التعليقات على المصنف الشيخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه المجلس العلمى
تقريرات الرافعى العلامه الرافعى سعيد كمپنى
تفسير ابن كثير الحافظ اسماعيل ابن كثير القرشى الدمشقى ت۷۷۴ دارالسلام
التحرير فى اصول الفقه العلامة الشيخ ابن الهمام دار الكتب العلمية بيروت
تحفة الفقهاء للفقيه علاء الدين السمرقندى
تاريخ الخلفاء للعلامه جلال الدين السيوطى
تحفة الملوك محمد بن ابى بكر الرازى م ٦٦٦
التعليقات على شرح تحفة الملوك للشيخ عبد المجيد الدرويش
التجنيس و المزيد شيخ الاسلام برهان الدين ابوالحسن على بن ابى بكر الفرغانى المرغينانى بيروت
التقرير و التحبير للشيخ ابن امير الحاج الحلبى بيروت
التعليقات على المستدرک صالح اللحام
التعليقات على مسند احمد للشيخ شعيب الارنؤوط القاهرة
التعليقات على سنن ابن ماجه للشيخ محمد فؤاد عبد الباقى
تلخيص الحبير الحافظ ابن حجر العسقلانى
ترتيب المدارک قاضى عياض
تلخيص المستدرک للامام شمس الدين الذهبى

التفسیر المنیر الدکتور وحبة الزحیلی

تقریر ترمذی مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

تحفۃ العلماء حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ

تربیت الطالبین ملفوظات حضرت مفتی محمود صاحبؒ

تین طلاق کا ثبوت اسلامی شریعت میں مولانا محمد شہاب الدین ندوی

ثاء

الثمر الدانی صالح عبد السمیع الأزهری دار الفکر

الثقات ابو حاتم محمدابن حبان البستی ت ۳۵۴.

جیم

جواہر الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب و۱۳۱۴، ت۱۳۹۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی

الجامع الصغیر جلال الدین بن أبی بکر السیوطی و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الکتب العلمیة بیروت

الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری علاء الدین بن علی بن عثمان ابن الترکمانی ت۷۴۵ دار المعرفة

جامع الأحادیث جلال الدین عبد الرحمن السیوطی ت ۹۱۱ دار الفکر

جامع المسانید محمد بن محمود الخوارزمی مکة المکرمة

الجوهرة النیرة أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی ت ۸۰۰ مکتبة امدادیة

جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جدید فقہی مباحث قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ

جواھر الفتاوی مفتی عبدالسلام چاٹگامی، اسلامی کتب خانہ کراچی،

جلالین علامہ سیوطی اور علامہ محلی

جامع الرموز شمس الدین محمد الخراسانی القهستانی المطبعة الکریمة

جامع احکام الصغار علی هامش الفصولین للعلامه الاستروشنی اسلامی کتب خانه

حاء

حاشیة مؤطا امام مالک مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی آرام باغ کراچی

حاشیة الدسوقی شمس الدین محمد عرفه الدسوقی دار الفکر

حاشية تبيين الحقائق الشيخ الشلبى امداديه
حواشي الشيرواني الشرواني وابن قاسم العبادى دار الفكر
حلية الأولياء الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهاني ت ۴۳۰ دار الفكر
حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح العلامه السيد أحمد الطحطاوى مير محمد كتب خانه كراچى
حاشية لامع الدراری حضرت شیخ محمد زکریاؒ سعید کمپنی
حاشية الشرنبلالي على درر الحكام للعلامه الشرنبلالي الحنفي و ۹۹۴،ت ۱۰۶۹،
حاشية الهداية العلامه عبدالحي اللكهنوى و ۱۲۶۴،ت ۱۳۰۴،
حاشية صحيح البخاری للشيخ المحدث احمد على السهارنفوری
حاشية السندى على ابن ماجه محمد بن عبد الهادى السندى
حاشية الترمذى للشيخ المحدث احمد على السهارنفوری
حاشية كنز الدقائق ملا مسكين والعلامة العينى
حاشية فيض القدير احمد عبد السلام بيروت
حاشية كتاب الفسخ و التفريق قاضی مجاهد الاسلام قاسمی صاحبؒ
حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
حاشية الطحطاوى على الدر المختار العلامه السيد أحمد الطحطاوى و ۱۲۳۱ مكتبة العربية كوئته
حاشية سنن الدارمى فواز احمد وخالد السبع العلمى قديمى كتب خانه
الحيلة الناجزة حضرت تھانویؒ
حیاۃ الصحابہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ المكتبة التجارية
حیاۃ الصحابہ (مترجم) حضرت مولانا محمد احسان صاحب
حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ) حضرت مولانا فتح محمد صاحب

خاء

خیر الفتاوی مولانا خیر محمد جالندھری ودیگر مفتیانِ خیر المدارس شرکت پرنٹنگ لاہور
خلاصة الفتاوى شيخ طاهر بن عبد الرشيد البخارى مكتبه رشيديه كوئته
خزانة الفقه فقيه ابو الليث السمرقندیؒ

دال

الدرّ المنثور عبد الرحمن جلال الدّين السيوطيؒ و ۸۴۹ت ۹۱۱ دار الفكر

الدر المختار علامه علاء الدين محمد بن على حصكفيؒ و ۱۰۲۵ ت ۱۰۸۸ ايج ايم سعيد كمپنى

درر الحكام فى شرح غرر الأحكام قاضي ملا خسرو معارف نظارت جليلة

درسِ ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کراچی

دین کی باتیں (خلاصہ بہشتی زیور) مولانا اشرف علی تھانوی

دلائل النبوة للامام البيهقى دار الكتب العلمية

دررالحكام شرح مجلة الاحكام للشيخ على حيدر بيروت

الدرالمنضودفى شرح ابى داؤد مولانا محمد عاقل صاحب

الدرالثمين محمدالامين الشنقيطى ت۱۳۹۳ جدة

راء

روح المعانى شهاب الدين السيد محمود الآلوسى البغداديؒت۱۲۷ التراث القاهرة

رد المحتار خاتمة المحققين محمد امين ابن عابدين الشامى ت ۱۲۵۲ ايج ايم سعيد كمپنى

رسائل ابن عابدين العلامة الشاميؒ سهيل اكيڈمى

راہِ سنت مولانا سرفراز خان صاحب صفدرؒ مکتبہ صفدریہ

رجم کی شرعی حیثیت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

زاء

الزهدو الرقاق عبدالله بن المباركؒ

زاد المعاد فى هدى خير العباد شمس الدين أبو عبد الله الزرعى و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

سين

سلسلة الاحاديث الضعيفة للشيخ محمد ناصر الدين الالبانيؒ المكتب الاسلامى

السنن الكبرى أحمد بن شعيب النسائى

سير اعلام النبلاء شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى و۶۷۳ت۷۴۸ مؤسسة الرسالة

سنن الدارمى عبدالله بن عبد الرحمن الدارمى السمرقندى و ۱۸۱ ت۲۵۵ قديمى كتب خانه

سنن الدارقطنى حافظ على بن أبى بكر الدارقطنى و ۳۰۶ت۳۸۵ مكتبة المتبنى القاهرة

السنن الصغری للامام البیهقی
سنن سعید بن منصور سعید بن منصور الخراسانی ت۲۲۷ الدار السلفیة الهند
السنن الکبریٰ الحافظ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیهقی دار المعرفة
السعایة العلامه اللکنوی سهیل اکیڈمی
سیرتِ مصطفیٰ مولانا ادریس صاحبؒ
سلوک واحسان ارشاداتِ فقیہ الامت مرتب مفتی فاروق صاحب
السیرة النبویة ابن هشام
سبل السلام محمد بن اسماعیل الصنعانی

شین

شرح النقایة الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴ سعید کمپنی
شرح الطیبی شرف الدین حسین بن محمد بن عبد الله الطیبی ت۷۴۳ ادارة القرآن
شرح المجلة محمد خالد الاتاسی رشیدیه
شرح وقایه عبید الله بن مسعود بن تاج الشریعة مطبع مجیدی
شرح عقود رسم المفتی فقیه العصر ابن عابدین مکتبه اسعدی
شعب الایمان الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و ۳۸۴ت۴۵۸ الدار السلفیة الهند
شرح معانی الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ ایچ ایم سعید کمپنی
شرح مشکل الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ بتعلیق شعیب الارناؤط
شرح صحیح مسلم ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۶ دار احیاء التراث
الشرح الکبیر للشیخ ابن قدامه المقدسی بیروت
شرح ریاض الصالحین للشیخ محمدبن صالح العثیمین
شرح السیرالکبیر للعلامه السرخسیؒ
شرح مختصر الخلیل للشیخ محمد علیش دار الفکر
شرح الهدایة للشیخ سعدی الجلبی
الشرح الکبیر علی هامش الدسوقی ابو البرکات سید احمد الدردیر المالکی
شرح النقایة الشیخ مولوی الیاس سعید

شرح المهذب العلامة النووی دار الفکر
شرح تحفة الملوک محمدبن عبداللطیف بن ملک ت ۸۵۴،

صاد

صحیح ابن حبان محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی موسسة الرسالة بیروت
صحیح ابن خزیمه ابوبکر محمدبن اسحاق ابن خزیمه
صفوة التفاسیر للشیخ محمد علی الصابونی

طاء

الطبقات الکبری محمد بن سعدؒ دار صادر بیروت
الطرائف و الظرائف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

عین

عرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی المحدث الکبیر انور شاه الکشمیری فیصل دیوبند دهلی
عمدة الرعایة علی شرح الوقایة مولانا عبدالحی لکھنوی المجیدی کانفوری
عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد
عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کاحل مولانا موسیٰ کرماڈی
عارضة الأحوذی الإمام ابن العربی المالکی دار الکتاب العربی
عمل الیوم و اللیلة أبو عبد الله أحمد بن شعیب النسائی ت ۳۰۳ دار الفکر
عجالة الراغب المتمنی فی تخریج ابن السنی أبو اسامه بن سلیم بن عبد الهلالی دار ابن حزم
عمدة الفقه حضرت مولانا زوار حسین صاحب مجددیه
عمل الیوم و اللیلة أبوبکر أحمدبن محمدبن اسحاق ابن السنی دائرة المعارف العثمانیة
عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الکتب العلمیة
العنایة شرح الهدایة أکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ ت ۷۸۶ هـ
عمدة القاری فی شرح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینیؒ دار الحدیث ملتان
عزیز الفتاویٰ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ

عمدۃ الثلاث فی حکم الطلقات الثلاث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

عدت کے شرعی احکام مفتی محمد ریاض جمیل صاحب

غین

غمز عیون البصائر شیخ احمد بن محمد الحموی ادارۃ القرآن

غنیہ المتملی فی شرح منیۃ المصلی للشیخ ابراھیم الحلبی ت ۹۵۶ سھیل اکیڈیمی لاھور

فاء

فتح القدیر للعلامۃ الشوکانی

فتاویٰ حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ

فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی و۱۲۹۶ھ ت ۱۳۷۷ھ مکتبۂ دینیہ دیوبند

فتاویٰ مفتی محمود مولانا مفتی محمود صاحب ملتان لاہور

فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی

فتاویٰ واحدی علامہ عبدالواحد سیوستانی سندہی کوئٹہ، پاکستان

الفتاوی السراجیۃ ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان زم زم پبلشرز

فتاویٰ خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

فتاویٰ عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی

فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کتب خانہ مظہری کراچی

فتح الباری فی شرح البخاری الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ و۷۷۳ ت ۸۵۲ دار نشر الکتب الاسلامیۃ

فتح الملھم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی

فیض القدیر الحافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المناویؒ دار الفکر

الفتاوی الھندیۃ للشیخ نظام الدین وجماعۃ من علماء الھند الاعلام بلوچستان بک ڈپو

فتاوی ابن تیمیہ الشیخ احمد بن تیمیہ دار العربیۃ بیروت

فتاویٰ رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ

فتح القدیر کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن الھمام ت ۶۸۱ دار الفکر

فیض الباری حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت ۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاھرۃ

فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳ مکتبۂ رحمانیہ لاہور

فتاوی قاضی خان فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت٥٩٢ بلوچستان بک ڈپو
الفقه الاسلامی و أدلته الدکتور وهبة الزحیلی دار الفکر
فتاوی تاتارخانیة عالم بن علاء الانصاری الاندربتی الدهلوی ت٧٨٦ ادارةالقرآن
فتاوی اللکهنوی أبو الحسنات عبد الحی اللکهنوی و ١٢٦٤ ت ١٣٠٤ دار ابن حزم کراچی
الفتاوی البزازیة حافظ الدین محمد بن محمد بن شهاب البزاز الکردی ٨٢٧ بوچستان بک ڈپو
الفقه علی مذاهب الأربعة للشیخ عبد الرحمن الجزائری دار الفکر
فضل الباری مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ
فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحب اکوڑہ خٹک
الفتاوی الولوالجیة ظهیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفة الولوالجی دار الکتب العلمیة
الفقه الحنفی و ادلته الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی دار الکلم الطیب دمشق
الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید عبد الحمید محمود طهماز دار القلم دمشق
فتح المعین محمد ابوالسعود المصری
فضائل اعمال لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
فتاویٰ دار العلوم زکریا المفتی رضاء الحق زمزم
فتح الوهاب ابو زکریا الانصاری الشافعی
فتاوی علماء البلد الحرام مرتبه خالد بن عبدالرحمن
فتاوی الشبکة للفقیه عبد الله
فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الافتاء مرتبه للشیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش
فتاوی الأزهر فتاوی اعلام المفتین لدار الافتاء المصریة
فتاویٰ بینات مجلس دعوت وتحقیق اسلامی مکتبہ بینات کراچی
فتح المنان ابوعاصم نبیل بن هاشم الغمری
فقہ حنفی کے اصول وضوابط افادات حکیم الامت مرتبہ مولانا محمد زید ندوی

قاف

القاموس الوحید مولانا وحید الزمان الکیرانوی حسینیه دیوبند
قانون العدل و الانصاف للقضاء علی مشکلات الاوقاف، محمد قدری باشا المکتبة المکیة

قواعد الفقه مولانا عميم الاحسان دار الكتاب ديوبند

كاف

كنز العمال علاء الدين على المتقى بن حسام الدين الهندى ت٩٧٥هـ مؤسسة الرسالة

کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ دارالاشاعت کراچی

كشف الخفاء للشيخ اسماعيل بن محمد العجلونى ت١١٦٢ دار احياء التراث بيروت

كشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن يونس بن ادريس البهوتى دار الفكر

كتاب الفتاوى مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زمزم پبلشرز

كنز الدقائق ابو البركات النسفى امدادية ملتان

كتان الحجة على اهل المدينة الامام محمد بن الحسن الشيبانى

كشف الاسرار عبد العزيز البخارى

كتاب الآثار الامام ابوحنيفه

كشف البارى مولانا سلیم اللہ صاحب

كتاب الفسخ والتفريق مولانا عبد الصمد رحمانی

لام

لسان العرب العلامه ابن منظورؒ مكتبة دار الباز مكة المكرمة

لامع الدرارى حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سعید کمپنی

لسان الميزان ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانى اداره تاليفات اشرفيه ملتان

لغات الحديث حضرت علامہ وحید الزمان

ميم

مشكاة المصابيح ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخطيب الطبريزىؒ قديمى كتب خانه كراچى

مرقاة شرح مشكوٰة الملا على القارىؒ مكته امداديه ملتان

مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشيرىؒ و٢٠٦ت ٢٦١ مكتبة الاشرفية ديوبند

مختصر التحفة المرغوبة في أفضلية الدعاء بعد المكتوبة للشيخ محمد قاسم السندى حلب

مختصر القدورى ابوالحسن احمد بن محمد البغدادى سعيد

المحیط البرهانی محمود صدر الشریعة ابن مازة البخاری الریاض
منحة الخالق حاشیة البحر الرائق العلامة الشامی کوئٹه
منظومه ابن وهبان عبد البر بن محمد ابن الشحنة الوقف المدنی دیوبند
منتخبات نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین اعظمی
المقاییس والمقادیر عند العرب الشهیدة نسیبة محمد فتحی الحریری دار المعارف دیوبند
مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة
معرفة السنن والآثار الإمام البیهقی جامع الحدیث
مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی مصطفی السیوطی الرحیبانی موقع الإسلام
المستدرک ابو عبد الله محمد بن عبد الله المعروف بالحاکم ت۴۰۵ مکة المکرمة
مجمع الزوائد الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ ت۸۰۷ دار الفکر
مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی ت ۱۰۳۰ دار السلام بیروت لبنان
مسند الامام احمد بن حنبل الاما م احمد بن حنبل الشیبانیؒ و۱۶۴ ت ۲۴۱ دار الفکر
معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ت۱۳۹۶ ادارة المعارف کراچی
مصنف ابن ابی شیبة الحافظ ابو بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی ت۲۳۵ ادارة القرآن
المجموع شرح المهذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۶ دار الفکر
میزان الاعتدال الحافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸ دار الفکر العربی
المعجم الکبیر الحافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ مکتبه ابن تیمیه
مجموعة الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ
المحلیٰ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکة المکرمه
مسند ابی عوانه ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة
المغنی عن حمل الأسفار العلامة زین الدین أبو الفضل عبد الرحیم العراقی ت۸۰۶ دار الفکر
مسند أبی داؤد أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت ۲۰۴ دار المعرفة
المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت ۳۶۰ مکتبة المعارف
مسند أبی یعلی الشیخ الاسلام أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی مؤسسة علوم القرآن
المعجم الصغیر ابو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ المکتب الاسلامی
المبسوط شمس الائمة ابو بکر محمد احمد السرخسی دار المعرفة بیروت

مصنف عبد الرزاق أبو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعاني و ١٢٦ ت ٢١١ ادارة القرآن کراچی

المؤطا الامام مالک بن انسؒ

مراقي الفلاح للشيخ حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي ت ١٠٦٩ مصطفى البانى الحلبى

المغنى ابن قدامة الحنبلى دار الكتب العلمية

معارف السنن العلامة البنوریؒ

مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر عبد الله بن شيخ محمد داماد افندى دار إحياء التراث

مسند حميدى ابوبكر عبد الله بن الزبير الحميدى سملک ڈابھیل الهند

ماہنامہ البینات ۱۳۸۷ھ از حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

مقالات ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمان الاعظمی و۱۳۱۹ھ ت۱۴۱۲ھ المجمع العلمی مؤ الہند

المقالات الفقهية مفتی رفیع عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی

مجلة المجمع الفقهى الاسلامى رابطة العلم الاسلامى مكة المكرمة

مجلہ المآثر بیادگار محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

المسلک المتقسّط فى منسک المتوسّط الملا على القارى بيروت

المعجم الوسيط ابراهيم مصطفى مع اخوانه

الموضوعات العلامه ابن الجوزى

معرفة الصحابة ابو نعيم الاصبهانى دار الكتب العلمية

مسند عبد ابن حميد عبد بن حميد بن نصر

مجموعہ قوانین اسلامی قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم الامام القرطبى بيروت

المنتظم العلامه ابن الجوزى

مختصر تفسير ابن كثير محمد على الصابونى

منتقى الاخبار للشيخ ابن تيميه

مجلة البحوث الاسلامية مكة المكرمة

ملفوظات حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کتب خانہ مظہری

الموسوعة الفقهيه الكويتية مع التليقات وزارة الاوقاف بالكويت

المفردات فى غرائب القرآن الامام راغب الاصفهانى

مجموعہ قوانین اسلام ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب پاکستانی
الموفقات الامام الشاطبی
مسند الامام ابی حنیفة سراج الائمه ابوحنیفهؒ
المعتصر من المختصر الامام الطحاویؒ
مدارک التنزیل ابوالبرکات النسفی
المسوی شاہ ولی اللہ صاحبؒ
مراتب الاجماع ابن حزم الاندلسی بیروت
المغرب ناصر الدین المطرزی
معین الحکام فیما یترددبین الخصمین من الاحکام العلامه الطرابلسیؒ دارالفکر
مشکل الآثار امام طحاویؒ
معین القضاة و المفتین مولانا شمس الحق افغانیؒ
مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح عبدالسلام المبارکفوری
منیة الصیادین محمدبن عبداللطیف بن ملک
مقدمة منیة الصیادین للشیخ سائد بکداش
مجموعہ قونین اسلامی قاضی مجاہدالاسلام
معارف القرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ

نون

نصب الرایه جمال الدین ابو محمد عبد الله بن یوسف الزیلعی الحنفی المکتبه المکیة ۱۵۲
نیل الاوطار للشیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ ادارة القرآن کراچی
نهایة المحتاج الی شرح المنهاج شمس الدین محمد بن أبی العباس دار الفکر
النسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ و ۲۱۵ ت ۳۰۳ قدیمی کتب خانه
نور الایضاح العلامة حسن بن علی الشرنبلالی مجیدیه
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی
النهر الفائق سراج الدین المصری قدیمی
نئے مسائل اور علماء ھند کے فیصلے قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

نتائج الافکار شمس الدین قاضی زاده آفندی دار الفکر
نفع المفتی والسائل مولانا عبدالحیی اللکنویؒ

واو

وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ العلامة السمهودیؒ

هاء

الهدایة ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانیؒ مکتبة شرکة علمیة

یاء

الیواقیت الغالیة فی تحقیق الاحادیث العالیة للشیخ محمد یونس السهارنفوری